انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

خلفائے راشدین

دار الاشاعت کراچی

رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

چار کبار صحابہؓ/۱۵۰ اصغار صحابہؓ

جلد چہارم

حصہ ششم و ہفتم

سیدنا حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مفصل سوانح زندگی

فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے اور صغیر السن ۱۵۰ حضرات صحابہؓ کے حالات

تحریر و ترتیب
الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دار المصنفین

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 499 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ 437-B دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

ترتیب اسمائے صحابہؓ

(سِیَر الصحابہؓ حصہ ششم)

مضمون	صفحہ

فہرست اسمائے صحابہ

سیر الصحابہؓ (حصہ ہفتم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دارالمصنفین میں سیر الصحابہ کا جو مقدس سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔اس کی تقسیم کے اعتبار سے (مہاجرینؓ، انصارؓ، عام صحابہؓ) یہ حصہ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ چنانچہ اس کی آئندہ دوسری جلد پر یہ سلسلہ تمام ہو جائے گا۔اس حصہ میں ان صحابہ کرام کے حالات ہیں جو مہاجرینؓ اور انصار کے علاوہ ہیں، جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے یا ہجرت کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ان میں سے چند صحابہ حضرت حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے بہت سے اکابرؓ صحابہؓ سے کم نہیں ہیں۔ان کے دعوائے خلافت وامامت کی وجہ سے ان کے حالات تفصیل کے طالب تھے۔اس لئے انہیں ایک جلد میں علیحٰدہ جمع کر دینا مناسب ہوا، تاکہ ان کے حالات کے ساتھ اس عہد کی مرتب تاریخ بھی سامنے آجائے اور اس وجہ سے بھی ایسا کرنا مناسب معلوم ہوا کہ ان کے حالات ایک دوسرے سے وابستہ تھے۔ چنانچہ ان کے لئے ایک جلد مخصوص کر دی گئی۔اس کے بعد کی دوسری جلد صغار صحابہؓ کے حالات میں ہوگی۔

درحقیقت ان بزرگوں کے حالات کا لکھنا بہت اہم اور نازک فرض ہے کیونکہ ان ہی بزرگوں کے نزاعی امور نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی اختلاف پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ تاریخی حقائق اور جذبات جدا جدا چیزیں ہیں۔اس لئے ان کے حالات اس طرح لکھنا کہ تاریخی حقائق کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور کسی جماعت اور کسی عقیدہ اور خیال کے مسلمان کے جذبات کو اس سے ٹھیس بھی نہ لگے۔ بہت مشکل امر اور پانی سے کھیلنا اور دامن کو تری سے بچانا ہے۔تاہم میں نے دونوں باتوں کو نباہنے اور قلم کو جادۂ حق پر قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ خدا اس سعی کو مشکور فرمائے۔

اس کتاب کے متعلق یہ گزارش ہے کہ جنگ وجدل کے واقعات میں عموماً اختصار ملحوظ رکھا گیا ہے۔واقعات کا اصل مقصد اور خلاصہ لے لیا گیا ہے اور بیکار ولاطائل تفصیلات سے اس کتاب کو طول نہیں

دیا گیا ہے۔ اسی لئے ان کے حوالوں میں لفظی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ حضرت حسینؓ کے حالات میں بعض بعض مقامات پر ناظرین کو ابن عساکر کے حوالے بھی نظر آئیں گے، جو بُعد زمانہ کی وجہ سے ان کے حالات میں زیادہ قابل استناد نہیں ہے۔ لیکن اسے اس مجبوری کی بنا پر گوارا کیا گیا کہ قدیم کتابوں میں ان کے فضائل اخلاق کے واقعات بہت کم ہیں۔ اس لئے اگر ابن عساکر سے استفادہ نہ کیا جاتا تو یہ ضروری ابواب بالکل سادہ رہ جاتے، تاہم چند ناگزیر مقامات کے علاوہ اس کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ کاتب سطور کو ان نفوس قدسیہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے کہ یہی اس کی قلمی کوششوں کا اس بارگاہ سے بہترین صلہ ہے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲۔اکتوبر ۱۹۳۲ء

دارالمصنفین، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن آج سے انیس ۱۹ سال پہلے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مدت میں بعض جدید ماخذ سامنے آئے۔ جن سے نئے معلومات حاصل ہوئے۔ اس لئے اس ایڈیشن میں بعض ترمیمیں اور اضافے بھی ہوئے ہیں اور گذشتہ مسامحات کی تصحیح بھی کردی گئی ہے اور اب یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے۔

معین الدین احمد ندوی

۲۵ رمضان المبارک۔ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۵۱ء
دار المصنفین، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ رَبِّ العٰلمین وَ الصَّلوٰۃ وَ السَّلام
علیٰ محمد و آلِہٖ وَ اصحابہٖ اجمعین

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

نام ونسب :

حسن نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ سید (ابنی ھذا سید) اور ریحانۃ النبی (ریحانتی فی الجنۃ) خطاب شبیہ رسول لقب، دادہالی شجرۂ طیبہ یہ ہے: ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی مطلبی۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمہ زہرا، جگر گوشۂ رسول تھیں۔ اور آپ کے پدر بزرگوار جناب امیر علی مرتضیٰ ابن عمِ رسول تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی ذاتِ گرامی دوہرے شرف کی حامل تھی۔

پیدائش : سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک کے مہینہ میں معدنِ نبوت کا یہ گوہر شب چراغ استغناو بے نیازی کی اقلیم کا تاجدار صلح ومسالمت کی پُرسکون مملکت کا شہنشاہ، عرشِ خلافت کا مسند نشین، دوشِ نبوت کا سوار، فتنہ وفساد کا بیخ کن، سردار دو عالم کی بشارت کا پورا کرنے والا، اُمت مسلمہ کا محسنِ اعظم، نورافزائے عالم وجود ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو ولادت باسعادت کی خبر ہوئی، تو حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا "میرے بچے کو دکھانا، کیا نام رکھا گیا"۔ عرض کیا گیا "حرب"۔ فرمایا نہیں۔ "اس کا نام حسن ہے"۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا، اور دو مینڈھوں کی قربانی کر کے سر کے بال اُتروائے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔

عہد نبوی ﷺ : آنحضرت کو حضرت حسن کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی، وہ کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آئی ہوگی۔ آپ ﷺ نے بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش فرمائی۔ کبھی آغوشِ شفقت میں لئے ہوئے نکلتے، کبھی دوشِ مبارک پر سوار کئے ہوئے برآمد ہوتے۔ ان کی ادنیٰ ادنیٰ تکلیف پر بے قرار ہو جاتے۔ بغیر حسن کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لئے روزانہ فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت حسن اور حسین بھی آپ ﷺ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے۔

---

۱ استیعاب۔ جلد اوّل۔ ص ۱۴۲

کبھی نماز کی حالت میں پشتِ مبارک پر چڑھ کے بیٹھ جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے، کبھی ریش مبارک سے کھیلتے۔ غرض طرح طرح کی شوخیاں کرتے۔ جان نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی تادیباً بھی نہ جھڑکتے۔ بلکہ ہنس دیا کرتے تھے۔ ابھی حضرت حسنؓ آٹھ سال کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

عہدِ صدیقی : اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ آپ بھی ذاتِ نبوی ﷺ کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسنؓ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ عصر کی نماز پڑھ کر نکلے، حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں حضرت حسنؓ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُٹھا کر کندھے پر بٹھالیا اور فرمانے لگے، "قسم ہے یہ نبی ﷺ کے مشابہ ہے، علی کے مشابہ نہیں ہے"۔ حضرت علیؓ یہ سن کر ہنسنے لگے [1]۔

عہدِ فاروقی : حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے زمانہ میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے کبار صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو گو حضرت حسنؓ اس صف میں نہ آتے تھے، لیکن آپ کا بھی پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا [2]۔

عہدِ عثمانی : حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا ہی شفقت آمیز طرزِ عمل رکھا۔ صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسنؓ اپنی کمسنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہ لے سکتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے اوّل طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ یہ فوج کشی سعید ابن العاص کی ماتحتی میں ہوئی تھی [3]۔

اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اُٹھا اور باغیوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اُٹھنے تک کے لئے مدینہ سے باہر چلے جائیے، کیونکہ اگر آپ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو لوگ آپ کو مطعون کریں گے اور شہادت کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ لیکن باغی حضرت علیؓ کی نقل و حرکت کی برابر نگرانی کر رہے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ اس مفید مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے [4]۔

۱؎ بخاری کتاب المناقب الحسنؓ والحسینؓ
۲؎ فتوح البلدان بلاذری ذکر عطاء عمرؓ بن الخطاب
۳؎ ابن اثیر، جلد ۳۔ ص ۸۴ طبع یورپ
۴؎ ایضاً۔ ص ۱۸۱

البتہ حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ انہوں نے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے اس خطرہ کی حالت میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی، اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روکے رکھا۔ اس مدافعت میں خود بھی بہت زخمی ہوئے۔ سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا، لیکن حفاظت کی یہ تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں اور باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپ نے جوش غضب میں حضرت حسنؓ کو طمانچہ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیوں نے اندر گھس کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا[1]۔

بیعتِ خلافت کے وقت حضرت علیؓ کو مشورہ :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسندِ خلافت خالی ہوگئی اور مسلمانوں کی نگاہِ انتخاب حضرت علیؓ پر پڑی اور انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تو حضرت حسنؓ نے غایتِ اندیشی سے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمائیے۔ لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرو انصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کرلیں تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ بیعت کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مشورہ کی شرط نہیں ہے اور خلافت قبول کرلی[2]۔

جنگ جمل سے حضرت علیؓ کو روکنا :

حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد جب حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیر رضوان اللہ علیہم حضرت عثمانؓ کے قصاص میں ان کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لئے نکلے تو پھر حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلئے اور کچھ دنوں کے لئے خانہ نشین ہو جائیے لیکن حضرت علیؓ کی رائے میں مدینہ لوٹنا اور خانہ نشین ہو جانا اُمت کے ساتھ فریب تھا اور اس سے اُمت اسلامیہ میں مزید افتراق وانشقاق کا اندیشہ تھا۔ اس لئے واپس نہ ہوئے[3]۔

جنگ جمل : یہ وہ وقت تھا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے نکل چکے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ نے بھی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آپ بالکل آمادہ ہو گئے تو حضرت حسنؓ کو بھی چاروناچار آپ کی حمایت میں نکلنا پڑا۔ چنانچہ والد بزرگوار کے حکم کے مطابق حضرت عمار بن یاسرؓ کے ہمراہ اہل کوفہ کو ان کی امداد پر آمادہ کرنے کے لئے کوفہ تشریف لے گئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۱۵۹ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵ [3] ایضاً۔ ص ۱۵۵

ان ہی ایام میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسلمانوں کو خانہ جنگی اور فتنہ وفساد سے روکنے کے لئے کوفہ آئے ہوئے تھے اور جامع کوفہ میں تقریر کررہے تھے۔ کہ ''برادران کوفہ تم لوگ عرب کی بنیاد بن جاؤ، تاکہ مظلوم اور خوفزدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں ۔لوگو! فتنہ اُٹھتے وقت پہچان نہیں پڑتا بلکہ مشتبہ رہتا ہے۔فرو ہونے کے بعد اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ معلوم نہیں یہ فتنہ کہاں سے اُٹھا ہے اور کس نے اُٹھایا ہے۔اس لئے تم لوگ اپنی تلواریں نیام میں کرلو، نیزے کے پھل نکال ڈالو، کمانوں کے چلے کاٹ دو اور گھروں کے اندرونی حصہ میں بیٹھ جاؤ۔لوگو! فتنہ کے زمانے میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے''۔

حضرت حسنؓ نے مسجد پہنچ کر یہ تقریر سُنی تو حضرت ابوموسیٰ کو روک دیا، اور فرمایا تم یہاں سے نکل جاؤ اور جہاں جی میں آئے چلے جاؤ اور خود منبر پر چڑھ کر اہلِ کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد پر اُبھارا۔ چنانچہ آپ کی دعوت اور حجر بن عدی کندی کی تقریر پر ۹۶۵۰ کوفی حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ حضرت حسنؓ ان سب کو لے کر مقام ذی قار میں حضرت علیؓ سے مل گئے اور جنگ کے فیصلے تک برابر ساتھ رہے[1]۔

جمل کے بعد صفین کا قیامت خیز معرکہ ہوا۔اس میں بھی آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے اور التوائے جنگ پر جو عہد نامہ مرتب ہوا تھا اس میں شاہد تھے[2]۔

حضرت علیؓ کی شہادت :

خلافت کے پانچویں سال ابن ملجم نے حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا۔زخم کاری لگا۔اس لئے نقل وحرکت سے معذور ہوگئے۔ چنانچہ جمعہ کی امامت حضرت حسنؓ کو تفویض فرمائی۔اس جمعہ میں آپ نے ذیل کا خطبہ دیا :

''خدا نے جس نبی کو مبعوث کیا، اس کو ایک ذات، ایک قبیلہ اور ایک گھر عنایت فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا، جو شخص ہم اہلبیت کا کوئی حق تلف کرے گا، خدا اس اتلافِ حق کے بقدر اس شخص کا حق گھٹا دے گا[3]۔

حضرت علیؓ کا زخم نہایت کاری تھا۔جب بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو بعض ہوا خواہوں نے آپ سے حضرت حسنؓ کی آئندہ جانشینی اور خلافت کے بارے میں سوال کیا۔آپ نے فرمایا :

''نہ میں حکم دیتا ہوں نہ روکتا ہوں''[1]۔

---

[1] اخبار الطوال۔ص ۱۵۴ [2] مسعودی۔جلد ۴۔ص ۳۶۳ [3] طبری

زخمی ہونے کے تیسرے دن حضرت علیؓ جنت الفردوس کو سدھارے۔ حضرت حسنینؓ اور جعفرؓ نے غسل دیا۔ حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نمازِ فجر کے قبل آپ کا جسدِ خاکی مقام رحبہ میں جامع مسجد کے متصل سپردِ خاک کیا گیا[۲]۔

حضرت حسنؓ کی بیعت خلافت :

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کے مقبوضہ علاقہ کے علاوہ باقی سارے ملک کی نظریں حضرت حسنؓ کی طرف تھیں۔ چنانچہ والد بزرگوار کی تدفین سے فراغت کے بعد جامع مسجد تشریف لائے۔ مسلمانوں نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ آپ نے بیعت کی اور بیعت کے بعد حسبِ ذیل تقریر ارشاد فرمائی :

آپ کی پہلی تقریر :

"لوگو ! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر لڑائیوں میں بھیجتے تھے۔ وہ کبھی کسی جنگ سے ناکام نہیں لوٹا میکائیلؑ اور جبرائیلؑ چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات سو درہم (۷۰۰) کے سوا جو اس کی مقررہ تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا کوئی ذرہ نہیں چھوڑا ہے۔ یہ درہم بھی ایک خادم خریدنے کے لئے جمع کئے تھے"[۳]۔ اس بیعت اور تقریر کے بعد آپ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام :

جناب امیرؓ اور امیر معاویہؓ میں بہت قدیم اختلاف چلا آرہا تھا۔ امیر معاویہؓ ان کی حیات ہی میں عالمِ اسلامی پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن جناب امیرؓ کی زندگی میں یہ خواب منت کشِ تعبیر نہ ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کا یہ جذبہ دفعۃً نہایت شدت سے اُبھر آیا۔ امیر معاویہؓ کو یہ معلوم تھا کہ حسنؓ صلح پسند ہیں اور جنگ و جدال وہ دل سے ناپسند کرتے ہیں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ حضرت حسنؓ کو قتل و خونریزی سے شدید نفرت تھی اور اس قیمت پر وہ خلافت لینے پر آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی نوبت آئی تو امیر معاویہؓ سے اپنے لئے کچھ مقرر کرا کے خلافت سے دست بردار ہو جائیں گے[۴]۔

---

[۱] مسعودی۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۳ [۲] ایضاً۔ ص ۳۶۳ [۳] ابن سعد جز ۳ ق اول ذکر علیؓ، حاکم نے مستدرک میں بھی اس کو خفیف تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ [۴] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱

امیر معاویہؓ کو ان حالات کا پورا اندازہ تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ہی انہوں نے پیش قدمی شروع کر دی اور پہلے عبداللہ بن عامر بن کریز کو مقدمہ الجیش کے طور پر آگے روانہ کر دیا۔ یہ انبار ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے۔

حضرت حسنؓ کی مقابلہ کے لئے آمادگی اور واپسی :

حضرت حسنؓ اس وقت کوفہ میں تھے۔ آپ کو عبداللہ بن عامر کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلہ کے لئے کوفہ کی طرف بڑھے۔ ساباط پہنچ کر اپنی فوج میں کمزوری اور جنگ سے پہلوتہی کے آثار دیکھے۔ اس لئے اسی مقام پر رُک کر حسبِ ذیل تقریر کی :

''میں کسی مسلمان کے لئے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے کرتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو، وہ اس تفرقہ اور اختلاف سے کہیں افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں۔ میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا''۔

یہ خیالات سن کر لوگ سناٹے میں آ گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اگرچہ کچھ لوگ جنگ سے پہلوتہی کر رہے تھے، تاہم بہت سے خارجی عقائد کے لوگ جو آپ کے ساتھ تھے وہ معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے۔ انہوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو حضرت علیؓ کی طرح حضرت حسنؓ کو بھی بُرا بھلا کہنے لگے اور ان کی تحقیر کرنی شروع کر دی اور جس مصلّیٰ پر آپ تشریف فرما تھے، حملہ کر کے اسے چھین لیا اور پیراہن مبارک کھسوٹ کر گلے سے چادر کھینچ لی۔

حضرت حسنؓ نے یہ برہمی دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے بڑھ کر خارجیوں کے نرغہ سے چھڑایا اور آپ سیدھے مدائن روانہ ہو گئے۔

راستہ میں جراح بن قبیصہ خارجی حملہ کی تاک میں چھپا ہوا تھا۔ حضرت حسنؓ جیسے ہی اس کے قریب سے ہو کر گزرے اس نے حملہ کر کے زانوئے مبارک زخمی کر دیا۔ عبداللہ بن خطل اور عبداللہ بن طبیان نے جو امام کے ساتھ تھے، جراح کو پکڑ کر اس کا کام تمام کر دیا اور حضرت حسنؓ مدائن جا کر قصرِ ابیض میں قیام پذیر ہو گئے اور زخم بھرنے تک ٹھہرے رہے۔

شفایاب ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس دوران میں امیر معاویہؓ بھی انبار پہنچ چکے تھے اور قیس بن عامر کو جو حضرت حسنؓ کی طرف سے یہاں متعین تھے،

گھیر لیا تھا۔ ادھر معاویہؓ نے قیس کا محاصرہ کیا۔ دوسری طرف حضرت حسنؓ اور عبداللہ ابن عامر بالمقابل آ گئے۔ عبداللہ اس موقع پر یہ چال چلا کہ حضرت حسنؓ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ عراقیو! میں خود جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ میری حیثیت صرف معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ شامی فوجیں لے کر خود انبار تک پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے حسنؓ کو میرا اسلام کہہ دو اور میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم جنگ ملتوی کر دیں۔ عبداللہ بن عامر کا یہ افسوں کارگر ہو گیا حضرت حسنؓ کے ہمراہیوں نے اس کا پیام سنا تو انہوں نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت حسنؓ نے اسے محسوس کیا تو وہ مدائن لوٹ گئے۔

خلافت سے دستبرداری :

آپ کے مدائن چلے آنے کے بعد عبداللہ بن عامر کو موقع مل گیا۔ اس نے بڑھ کر مدائن میں گھیر لیا۔ حضرت حسنؓ پہلے ہی سے امیر معاویہؓ سے صلح کرنے پر آمادہ تھے۔ اپنے ساتھیوں کی بزدلی اور کمزوری کا تجربہ کرنے کے بعد جنگ کا خیال بالکل ترک کر دیا اور چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا اور یہ شرط عبداللہ بن عامر کے ذریعہ سے امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیں، جو حسب ذیل ہیں :

۱۔ کوئی عراقی محض بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا۔

۲۔ بلا استثناء سب کو امان دی جائے گی۔

۳۔ عراقیوں کے ہفوات کو انگیز کیا جائے گا۔

۴ یہ ہواز کا کل خراج حسنؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا۔

۵۔ حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ علیحدہ دیا جائے گا۔

۶۔ بنی ہاشم کو صلات و عطایا میں بنی عبد شمس (بنی اُمیہ) پر ترجیح دی جائے گی۔

عبداللہ بن عامر نے یہ شرائط امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیں۔ انہوں نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے منظوری لکھ کر اپنی مہر ثبت کر کے معززین و عمائد کے شہادتیں لکھوا کر حضرت حسنؓ کے پاس بھجوا دیں [1]۔

---

[1] یہ تمام حالات اخبار الطوال دینوری صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۲ سے ماخوذ ہیں۔ ابن اثیر کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے۔ اس کی روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ جس وقت امام حسنؓ نے اپنی شرائط امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجی تھیں اسی دوران میں امیر معاویہؓ نے بھی ایک سادہ کاغذ پر مہر لگا کر حسنؓ کے پاس بھیجا تھا کہ اس پر وہ جو شرائط چاہیں تحریر کر دیں۔ سب منظور کر لی جائیں گی۔ اس کاغذ کے بھیجنے کے بعد امیر معاویہؓ کے پاس حسنؓ کے شرائط والا کاغذ پہنچا۔ (باقی صفحہ ۲۵ دیکھئے)

دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن سعد انصاری کو جو مقدمۃ الجیش کے ساتھ شامیوں کے مقابلہ پر مامور تھے۔ اس کی اطلاع دی اور جملہ امور امیر معاویہؓ کے حوالہ کر کے مدائن چلے آنے کا حکم دیا۔ قیس کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اس کے بعد ہمارے لئے صرف دو صورتیں ہیں۔ یا تو بلا امام کے جنگ جاری رکھیں یا معاویہ کی اطاعت قبول کر لیں۔ ان کے دستہ میں بھی کچھ کمزور لوگ موجود تھے، جنہوں نے امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لی اور قیس حضرت حسنؓ کے حکم کے مطابق آپ کے پاس مدائن چلے آئے اور ان کے مدائن آنے کے بعد حضرت حسنؓ کوفہ تشریف لے گئے۔ امیر معاویہؓ آ کر آپ سے ملے اور دونوں میں صلح نامہ کے شرائط کی زبانی بھی توثیق ہوگئی[1]۔

اُوپر جو شرطیں اخبار الطوال سے نقل کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ عام طور پر ایک یہ شرط بہت مشہور ہے کہ امیر معاویہؓ کے بعد حسنؓ خلیفہ ہوں گے۔ لیکن یہ شرط مروج الذہب مسعودی اخبار الطوال دینوری، یعقوبی، طبری اور ابن اثیر وغیرہ کسی میں بھی نہیں ہے۔ البتہ علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ علماء کا یہ بیان ہے کہ حسنؓ صرف معاویہؓ کی زندگی ہی تک کے لئے ان کے حق میں دست بردار ہوئے تھے[2]۔ لیکن ابن عبدالبر کا یہ بیان خود محل نظر ہے۔ اس لئے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ میں نہیں ملتا، اس کو علماء کا بیان کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے، ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے رہی ہو۔ لیکن تاریخوں سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ خود طبری نے بھی جو اپنی تاریخ میں ہر طرح کی رطب و یابس روایتیں نقل کر دیتا ہے، اس شرط کا کوئی ذکر نہیں کیا اور آئندہ واقعات سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔

اس شرط کے نہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت کے لئے مدینہ گئے اور ابن زبیرؓ، حسینؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ وغیرہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو ان بزرگوں نے اس کے خلاف ہر طرح کے دلائل دیئے۔ ابن زبیرؓ نے کہا کہ یہ طریقہ خلفائے راشدینؓ کے انتخابی طریقہ کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم اسے منظور نہیں کر سکتے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کہا یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔ لیکن کسی نے بھی یہ دلیل نہیں دی کہ

(بقیہ صفحہ ۲۳)

امیر معاویہؓ نے اس کو روک رکھا۔ حسنؓ کو جب امیر معاویہ کا مہر کردہ سادہ کاغذ ملا تو انہوں نے اس میں بہت سی شرطیں جو پہلے مطالبہ میں نہ تھیں بڑھا دیں۔ لیکن امیر معاویہؓ نے انہیں تسلیم نہیں کیا اور صرف انہی شرائط کو مانا جسے حسنؓ پہلے بھیج چکے تھے۔ (ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۴۲)

[1] اخبار الطوال۔ ص ۲۳۲ [2] استیعاب تذکرۂ امام حسنؓ

حسنؓ صرف تمہارے حق میں دست بردار ہوئے تھے، اس لئے یزید کو ولی عہد نہیں بنایا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان بزرگوں کو اس قسم کی شرط کا علم ہوتا تو وہ دوسرے دلائل کے ساتھ اسے بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں ضرور پیش کرتے۔ پھر امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے دعویٰ کی تائید اور یزید کی مخالفت میں بہت سی تقریریں کیں اور ان تقریروں میں یزید کی مخالفت کے اسباب بیان کئے، لیکن کسی تقریر میں بھی آپ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے بھائی حسنؓ صرف امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے اور وہ امیر معاویہؓ کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔ اس لئے اصولِ توارث کی رُو سے ان کی جانشینی کا حق مجھے یا حسنؓ کی اولاد کو پہنچتا ہے۔ حالانکہ یزید کی حکومت کے خلاف دلائل میں یہ بڑی قوی دلیل تھی۔ لیکن حضرت حسینؓ نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے۔ باقی رہا سوال کہ پھر بعض اربابِ سیر نے کیوں نقل کیا ہے؟ اس کا جواب ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے، جو بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کی اختلافی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حامی دوسرے کے متعلق ایسی روایتیں گھڑ دیتے ہیں، جس سے دوسرے کے دامن پر کوئی دھبّہ آتا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہو کر اور پھر اپنے بعد یزید کو ولی عہد بنا کر اسلامی خلافت ختم کر کے تاریخ اسلام میں نہایت بُری مثال قائم کی۔ لیکن اس غلطی کو محض اس کی حد تک محدود رکھنا چاہئے تھا۔ مگر ان کے مخالفوں نے اس پر بس نہیں کیا۔ بلکہ ان کے خلاف ہر طرح کے بہتان تراش کر تاریخوں میں شامل کر دیئے۔ اُوپر کی شرط بھی اسی بہتان کی ایک کڑی ہے۔

ہمارے نزدیک اس شرط کی ایزاد سے امیر معاویہؓ کے اشارے سے حضرت حسنؓ کو زہر دینے والی روایت کی توثیق مقصود ہے۔ جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اس لئے کہ جب بطور مقدمہ کے اسے تسلیم کر لیا جائے کہ حسنؓ صرف معاویہؓ کی زندگی تک کے لئے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور امیر معاویہؓ اپنے خاندان میں حکومت چاہتے تھے تو پھر دونوں مقدمات سے یہ کھلا ہوا نتیجہ نکل آتا ہے کہ حسنؓ کو امیر معاویہؓ ہی نے زہر دلوایا تھا۔ اور یہ ایسا مکروہ الزام ہے، جس سے امیر معاویہؓ کی اخلاقی تصویر نہایت بدنما ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے موردِ طعن بن جاتے ہیں۔ حضرت حسنؓ کے اسبابِ وفات پر انشاء اللہ امیر معاویہؓ کے حالات میں تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان اور مدینہ کی واپسی :

حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی مصالحت کے بعد عمرو بن العاصؓ نے جو امیر معاویہؓ کے ہمراہ تھے، ان سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مجمع عام میں حسنؓ سے دستبرداری کا اعلان کرادو، تا کہ لوگ خود ان کی زبان سے اس کو سن لیں۔ مگر امیر معاویہؓ مزید حجت مناسب نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے پہلے اس پر آمادہ نہ ہوئے، مگر جب عمرو بن العاصؓ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے حضرت حسنؓ سے درخواست کی کہ وہ برسرِ عام دستبرداری کا اعلان کردیں۔ امیر معاویہؓ کی اس فرمائش پر حضرت حسنؓ نے مجمع عام میں حسبِ ذیل تقریر فرمائی۔

''امابعد! لوگو خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی۔ دانائیوں میں بہتر دانائی تقویٰ اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بداعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے حق دار ہیں یا میں۔ دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی اُمت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے اس سے دستبردار ہوتا ہوں''۔ پھر معاویہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''یہ خلافت تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے''۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کہا بس کیجئے، اس قدر کافی ہے۔ اور عمرو بن العاصؓ سے کہا تم مجھے یہی سنوانا چاہتے تھے [۱]۔

اس خاتم الفتن دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ اپنے اہل وعیال کو لے کر مدینۃ الرسول چلے گئے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی یہ پیشن گوئی پوری ہوئی کہ ''میرا یہ بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا''۔

باختلافِ روایت آپ کی مدت خلافت ساڑھے پانچ مہینہ یا چھ مہینہ سے کچھ زیادہ یا سات مہینہ سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ کی بیعت خلافت کی تاریخ تو متعین ہے مگر دستبرداری کی تاریخ میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض ربیع الاول ۴۱ھ بعض ربیع الثانی اور بعض جمادی الاول بتاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے مدت خلافت میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔

معاویہ اور قیس ابن سعد میں صلح :

حضرت حسنؓ کی دستبرداری سے آپ کے خاص حامیوں اور حضرت علیؓ کے فدائیوں کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت حسنؓ کے کچھ آدمیوں نے جن پر شامیوں کا مخفی جادو چل گیا تھا،

---

۱ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴ واستیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۴۴

کمزوری دکھائی تھی ،لیکن ان کے علاوہ ہزاروں فدایان علیؓ اس وقت بھی سر بکف جان دینے کے لئے آمادہ تھے۔ خود قیس بن سعد جو حضرت حسنؓ کے مقدمۃ الجیش کے کماندار تھے ،حضرت حسنؓ کے حکم پر حضرت معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن تو چلے آئے تھے ،لیکن دستبرداری کے بعد کسی طرح امیر معاویہ کی خلافت تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے اوران سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ تھے اوراپنی ہم خیال جماعت سے جنگ کے لئے بیعت بھی لے لی تھی ۔لیکن آخر میں امیر معاویہؓ نے ان کے تمام مطالبات مان کر صلح کر لی[1]۔

وفات : دستبرداری کے بعد حضرت حسنؓ آخری لمحۂ حیات تک اپنے جد بزرگوار کے جوار میں خاموشی وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے ۵۰ھ میں آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے زہر دے دیا[2]۔

زہر سم قاتل تھا ۔قلب وجگر کے ٹکڑے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے ۔جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو حضرت حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا ۔انہوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا ،فرمایا ،نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا ۔فرمایا ،اگر میرا خیال صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر یہ غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے اور زہر دینے والے کا نام بتانے سے انکار کر دیا ۔

حضرت حسنؓ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی ۔اس لئے اپنی محترم نانی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حجرۂ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت چاہی ۔انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی ۔اجازت ملنے کے بعد بھی احتیاطاً فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لینا ،ممکن ہے میری زندگی میں مروّت سے اجازت دے دی ہو ۔اگر دوبارہ اجازت مل جائے تو روضۂ نبوی ﷺ میں دفن کرنا ۔مجھے خطرہ ہے کہ بنی اُمیہ مزاحم ہوں گے ۔اگر مزاحمت کی صورت پیش آئے تو اصرار نہ کرنا اور بقیع الغرقد کے گور غریباں میں دفن کر دینا[3]۔

زہر کھانے کے تیسرے دن ضروری وصیتوں کے بعد باختلاف روایت ربیع الاول ۴۹ھ ۵۰ھ میں اس بوریہ نشین مسندِ بے نیازی نے اس دنیائے دنی کو خیرباد کہا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وفات کے وقت ۴۷ یا ۴۸ سال کی عمر تھی ۔

---

[1] ابن اثیر ۔جلد ۳ ۔ص ۳۴۳ [2] زہر کے متعلق عام طور پر یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارے سے دیا گیا تھا جو سراسر غلط ہے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ امیر معاویہؓ کے حالات میں آئے گی ۔

[3] استیعاب ۔جلد ۱ ۔ص ۱۴۵ ومروج الذہب مسعودی ۔جلد ۳ ۔ص ۲۸۰

جنازہ پر جھگڑا: وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے وصیت کے مطابق دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگی، آپ نے پھر فراخدلی کے ساتھ مرحمت فرمائی[۱] لیکن حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔

مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ حسنؓ کسی طرح روضۂ نبوی ﷺ میں دفن نہیں کئے جا سکتے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

حضرت حسینؓ نے مقابلہ کرنا چاہا، مروان بھی لڑنے پر آمادہ ہوگیا اور قریب تھا کہ ایک مرتبہ مدینہ کی زمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن جائے کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ "یہ کیا ظلم ہے کہ ابن رسول ﷺ کو اس کے نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے"۔ پھر حسینؓ سے کہا کہ اس کے لئے کشت وخون سے کیا فائدہ؟ حسنؓ کی وصیت بھول گئے کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردینا"۔ اس پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور بنی ہاشم میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے بعد سعید بن العاصؓ عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور لاش مبارک جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہرہؓ کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی[۲]۔

حضرت حسنؓ کا روضۂ نبوی ﷺ کے بجائے بقیع کے گور غریباں میں دفن کیا جانا بھی آپ کے روحانی تصرف کا نتیجہ تھا کہ جس پیکر صلح آشتی نے زندگی بھر مسلمانوں کے خون کی قیمت پر دنیاوی جاہ وحشم حاصل کرنا پسند نہ کیا اور خونریزی سے بچنے کے لئے سلطنت وحکومت جیسی چیز کو ٹھکرا کر عزلت نشینی کی زندگی اختیار کی اس کے جسدِ خاکی نے مرنے کے بعد بھی یہ کرشمہ دکھایا کہ روضۂ نبوی ﷺ کے مقابلہ میں بقیع گور غریباں مین دفن ہوا۔ لیکن حرم نبوی ﷺ میں مسلمانوں کا خون نہ گرنے دیا، ورنہ اس قیمت پر جدامجد کے پہلو میں جگہ ملنی بہت آسان تھی۔

مدینہ میں ماتم: حضرت حسنؓ کی رحلت معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ صلح ومسالمت کا ماتم تھا۔ حلم وعفو کا ماتم تھا۔ صبر وتحمل کا ماتم تھا۔ استغناء وبے نیازی کا ماتم تھا۔ خاندانِ نبوت کے چشم وچراغ کا ماتم تھا۔ اس لئے آپ کی وفات پر مدینہ میں گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ بازار بند ہوگئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔

---

[۱] اس موقع پر بھی حرم نبوی ﷺ کے دشمنوں نے ایک روایت مشہور کردی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اجازت نہیں دی اور حضرت حسنؓ کے روضہ نبوی ﷺ میں دفن ہونے میں مزاحم ہوئیں۔ مگر یہ روایت بھی امیر معاویہؓ کے شرائط کی طرح حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں۔

[۲] استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۱۴۵ واسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵

بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد میں فریاد وفغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ ''لوگو! آج خوب رولو کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب دنیا سے اُٹھ گیا[۱]۔

جنازہ میں انسانوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے مدینہ میں کم دیکھنے میں آیا تھا۔ ثعلبہ بن ابی مالک جو مٹی میں شریک تھے راوی ہیں کہ حضرت حسنؓ کے جنازے میں اتنا اژدہام تھا کہ اگر سوئی ایسی مہین چیز بھی پھینکی جاتی تو کثرت اژدہام سے زمین پر نہ گرتی[۲]۔

حُلیہ : حضرت حسنؓ صورت وسیرت دونوں میں آنحضرت ﷺ سے مشابہ تھے، خصوصاً صورت میں بالکل ہم شبیہ تھے۔

ازواج کی کثرت : روایتوں میں ہے کہ حضرت حسنؓ نے نہایت کثرت سے سات شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں۔ طلاقوں کی کثرت کی وجہ سے لوگ آپ کو ''مطلاق'' کہنے لگے تھے۔ بعض روایتوں سے آپ کی ازواج کی تعداد نوے (۹۰) تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں۔ اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے کل دس اولادیں تھیں اور یہ تعداد شادیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شادیوں کی کثرت کی روایات مبالغہ سے خالی نہیں ہیں۔ تاہم اس قدر مسلم ہے کہ عام رواج سے زیادہ شادیاں کیں۔ اس کثرت ازواج وطلاق کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے کوفہ میں اعلان کر دیا تھا کہ انہیں کوئی اپنی لڑکی نہ دے۔ لیکن عام مسلمانوں میں خانوادہ نبوی ﷺ سے رشتہ پیدا کرنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ حضرت علیؓ کی اس مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوا اور ایک ہمدانی نے برملا کہا کہ ہم ضرور لڑکی دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ جو عورت انہیں پسند ہوگی اسے رکھیں گے ورنہ طلاق دیدیں گے[۳]۔

بیویوں سے برتاؤ : لیکن جب تک کوئی عورت آپ کے حبالۂ عقد میں رہتی تھی اس سے بڑی محبت اور اس کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ناگریز اسباب کی بنا پر کسی عورت سے قطع تعلق کرتے تھے تو آپ کے حسن سلوک اور محبت کی یاد برابر اس کے دل میں رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک فزاری اور ایک اسدی عورت کو رجعی طلاق دی اور ان کی دلدہی کے لئے دس دس ہزار نقد اور ایک ایک مشکیزہ شہد بھیجا اور غلام کو ہدایت کردی کہ اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہیں اس کو یاد رکھنا فزاری عورت کو جب یہ خطیر رقم ملی تو اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لی اور بارک اللہ فیہ و جزاہ

[۱] تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۱ [۲] تہذیب الکمال۔ ص ۸۹ [۳] تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ابن سعد

خیراً کہا۔ لیکن جب اسدی عورت کو ملی تو یہ دیکھ کر اس کے دل پر چوٹ لگی اور بے اختیار یہ حسرت بھرا فراقیہ مصرع زبان سے نکل گیا :

"متاع قليل من حبيب مفارق"

"جدا ہونے والے دوست کے مقابلہ میں یہ متاع حقیر ہے"۔

غلام نے آکر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اسدی عورت سے رجعت کر لی[1]۔

اولاد : ان بیویوں سے آٹھ لڑکے تھے۔ ۱۔حسن خولہ بنت منظور کے بطن سے ۲۔زید ام بشیر بنت ابو مسعود انصاریؓ کے بطن سے اور ۳۔عمر ۴۔قاسم ۵۔ابوبکر ۶۔عبدالرحمن ۷۔طلحہ اور ۸۔عبیداللہ مختلف بیویوں سے تھے[2]۔ ابن قتیبہ نے کل تعداد چھ لکھی ہے۔ جن میں دو لڑکیاں بھی ہیں، ام حسن اور ام اسحاق[3]۔

ذریعہ معاش : حضرت حسنؓ نے ساری عمر نہایت فراغت بلکہ عیش کے ساتھ زندگی بسر کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب صحابۂ کرام کے وظائف مقرر کئے اور حضرت علیؓ کا پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا، تو آپ کے ساتھ حضرت حسنؓ کا بھی۔ جو اگرچہ اس زمرہ میں نہ آتے تھے۔ رسول ﷺ کی قرابت کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر فرمایا، جو انہیں برابر ملتا رہا[4]۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں بھی یہ وظائف برابر جاری رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علی خود ہی خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کے حق میں دست برداری کے وقت اہواز کا پورا اخراج اپنے لئے مخصوص کرالیا تھا۔ اس لئے شروع سے آخر تک آپ نے بڑی راحت وآرام کی زندگی بسر فرمائی۔

فضل وکمال : آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنی سی عمر میں براہِ راست فیضانِ نبوی سے زیادہ بہریاب ہونے کا کیا موقع مل سکتا ہے، تاہم آپ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور جس باپ کے آغوش میں تربیت پائی تھی وہ علوم مذہبی کا سرچشمہ اور علم وعمل کا مجمع البحرین تھا۔ اس لئے قدرۃً اس آفتابِ علم کے پرتو سے حسنؓ بھی مستفید ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ میں جو جماعت علم وافتاء کے منصب پر فائز تھی، اس میں ایک آپ کی ذاتِ گرامی بھی تھی۔ البتہ آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے[5]۔

---

[1] ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۲۱۶ [2] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۰ [3] معارف ابن قتیبہ۔ ص ۹۲
[4] فتوح البلدان بلاذری ذکر عطا عمرؓ بن الخطاب [5] اعلام الموقعین۔ جلد ۱۔ ص ۱۲

حدیث : آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے اور ان میں بھی زیادہ تر حضرت علیؓ اور ہند سے مروی ہیں[۱]۔ آپ کے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حسن بن حسنؒ، عبداللہ، ابوجعفرؒ، جبیر بن نفیر، عکرمہ، محمد بن سیرین اور سفیان بن لیل وغیرہ قابل ذکر ہیں[۲]۔

خطابت : مذہبی علوم کے علاوہ آپ کو اس زمانہ کے مروجہ فنون میں بھی درک تھا۔ خطابت اور شاعری اس زمانہ کے بڑے کمالات تھے۔ حضرت حسنؓ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے۔ اس لئے خطابت آپ کو ورثہ میں ملی تھی اور آپ میں بچپن ہی سے خطابت کا مادہ تھا۔ اس زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے آپ سے کہا کہ تم خطبہ دو۔ میں اس کو سنوں گا۔ حضرت حسنؓ نے کہا کہ آپ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ آڑ میں چلے گئے اور حضرت حسنؓ نے کھڑے ہوکر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ حضرت علیؓ نے سن کر فرمایا، کیوں نہ ہو، بیٹے میں باپ کا اثر ہوتا ہی ہے[۳]۔

خطابت کا یہ کمال عمر کے ساتھ ساتھ اور ترقی کرتا گیا اور آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت کے ساتھ اخلاق وحکمت اور پند وموعظت کا دفتر ہیں۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد آپ نے متعدد خطبات دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نمونۃً نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہوگا[۴]۔

" قال بعد حمد الله عزوجل انا والله ماثنا نا عن اهل الشام شک، ولا ندم وانما كنا نقاتل اهل الشام بالسلامة والصبر، فسلبت السلامة بالعداوة والصبر بالجزع وكنتم فی منتد بكم الی صفين ودينكم امام دنيا كم فا صبحتم اليوم ودنيا كم امام دينكم الا وانا لكم كما كنا ولستم لنا كما كنتم الا وقد أ صبحتم بين قتيلين قتيل بصفين بتكون له وقتيل بالنهروان تطلبون بثاره فا ما الباقی فخاذل واما الباكی فثائر الاوان معاوية دعانا الی امر ليس فيه عزو لا نصفة فان اردتم الموت رددناه عليه وحاكمناه الی الله عزوجل بظباء السيوف وان اردتم الحياة قبلناه واخذنا لكم الرضا "[۵]

---

۱ تہذیب الکمال۔ ص ۸۷ ۲ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۵ ۳ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۳۷
۵ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳

''حمد الٰہی کے بعد آپ نے یہ تقریر کی کہ ہم کسی شک و شبہ یا شرم و ندامت کی وجہ سے شامیوں کے مقابل سے نہیں لوٹ آئے۔ بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ پہلے ہم شامیوں سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ جنگ کرتے تھے، لیکن اب وہ حالت باقی نہیں رہی۔ صاف دلی کی جگہ عداوت نے اور صبر و ثبات کی جگہ بے چینی نے لے لی۔ صفین میں جب تم لوگ بلائے گئے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم تھا اور اب حالت اس کے برعکس ہے۔ ہم اب بھی تمہارے لئے ویسے ہی ہیں، جیسے پہلے تھے۔ لیکن تم ہمارے لئے ویسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے۔ ہاں اب تمہارے سامنے دو قسم کے مقتول ہیں۔ ایک صفین کے مقتول، جن کے لئے تم رورہے ہو۔ دوسرے نہروان کے مقتول جن کا تم بدلہ لینا چاہتے ہو۔ لیکن رونے والا بدلہ پا گیا اور باقی ناکام رہا۔ معاویہؓ ہمیں ایسے امر کی طرف بلاتے ہیں جو عزت اور انصاف دونوں کے خلاف ہے۔ پس اب اس کا فیصلہ تمہاری رائے پر ہے۔ اگر تم موت چاہتے ہو تو ہم اس کو معاویہؓ ہی طرف لوٹا دیں اور تلواروں کی دھار کے ذریعہ سے خدا سے اس کا فیصلہ چاہیں، اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ہم اسے بھی منظور کریں اور تمہارے لئے رضا حاصل کریں''۔

شاعری : شعر و شاعری کا بھی آپ ستھرا مذاق رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے، لیکن جس میں مبالغہ اور خرافات کے بجائے اخلاقی اور حکیمانہ خیالات ہوتے۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک شعر اس واقعہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ خضاب لگا کر باہر نکلے اور ارشاد فرمایا[1]۔

نسود اعلاها و نابی اصولها فلیت الّذی یسود منها هو الاصل

حکیمانہ اقوال : ان کے علاوہ تاریخوں میں بکثرت آپ کے حکیمانہ مقولے ملتے ہیں، جن میں ہر مقولہ بجائے خود دفتر نکات ہے۔ ان میں سے بعض مقولے یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں :

''ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ زندگی بسر کرنے کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھی زندگی کون بسر کرتا ہے''؟ فرمایا جو''اپنی زندگی میں دوسروں کی بھی شریک کرے''۔ پھر پوچھا ''سب سے بُری زندگی کس کی ہے''؟ فرمایا ''جس کے ساتھ کوئی دوسرا زندگی نہ بسر کر سکے''۔ فرماتے تھے کہ ''ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے لئے کسی نااہل کی طرف رجوع کیا جائے''۔

---

[1] کتاب العمدہ۔ ص ۱۴

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ مجھ کو موت سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا ''اس لئے کہ تم نے اپنا مال پیچھے چھوڑ دیا، اگر اس کو آگے بھیج دیا ہوتا اس تک پہنچنے کے لئے خوفزدہ ہونے کے بجائے مسرور ہوتے''۔

فرماتے تھے کہ مکارم اخلاق دس ہیں : ''زبان کی سچائی، جنگ کے وقت حملہ کی شدت، سائل کو دینا، حسن خلق، احسان کا بدلہ دینا، صلۂ رحم، پڑوسی کی حفاظت وحمایت، حق دار کی حق شناسی، مہمان نوازی اور ان سب سے بڑھ کر شرم وحیا''۔

حضرت امیر معاویہؓ اکثر آپ سے اخلاقی اصطلاحوں کی تشریح کراتے تھے اور حکومت کے بارے میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کہا ''ابو محمد! آج تک مجھ سے تین باتوں کے معنی کسی نے نہیں بتائے۔ آپ نے فرمایا کونسی باتیں۔ معاویہؓ نے کہا ''مروّت، کرم اور بہادری''۔ آپ نے جواب دیا :

''مروۃ کہتے ہیں، انسان کو اپنے مذہب کی اصلاح کرنا، اپنے مال کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنا اور اسے برمحل صرف کرنا، سلام زیادہ کرنا، لوگوں میں محبوبیت حاصل کرنا۔ کرم کہتے ہیں مانگنے سے پہلے دینا احسان وسلوک کرنا، برمحل پلانا۔ اور بہادری کہتے ہیں، پڑوسی کی طرف سے مدافعت کرنا، آڑے وقتوں میں اس کی حمایت وامداد کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا''۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ حکومت میں ہم پر کیا فرائض ہیں۔ فرمایا ''جو سلیمان بن داؤد نے بتائے ہیں۔ معاویہؓ نے کہا کیا بتائے ہیں۔ فرمایا ''انہوں نے اپنی ایک ساتھی سے کہا کہ تم کو معلوم ہے بادشاہ پر ملک داری کے کیا فرائض ہیں، جس سے اس کو نقصان نہ پہنچے۔ ظاہر و باطن میں خدا کا خوف کرے، غصہ اور خوشی دونوں میں عدل وانصاف کرے، فقراء اور دولت مند دونوں حالتوں میں میانہ روی وہ قائم رکھے، زبردستی نہ کسی کا مال غصب کرے اور نہ اس کو بے جا صرف کرے''۔ جب تک وہ ان چیزوں پر عمل کرتا رہے گا، اس وقت تک اس کو دنیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا[1]۔

اخلاق وعادات : شبیہہ رسول حضرت حسنؓ کا لقب تھا۔ یہ مشابہت محض ظاہری اعضاء و جوارح تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ کی ذات باطنی اور معنوی لحاظ سے بھی اسوۂ نبی ﷺ کا نمونہ تھی۔ یوں آپ تمام مکارم اخلاق کا پیکر مجسم تھے۔ لیکن زہد وورع، دنیاوی جاہ وحشم سے بے نیازی اور بے تعلقی آپ کا ایسا خاص اور امتیازی وصف تھا جس میں آپ کا کوئی حریف نہیں۔

---

[1] یہ تمام حکیمانہ اقوال یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۸ تا ۲۷۰ سے ماخوذ ہیں

استغنا و بے نیازی : درحقیقت جس استغنا اور بے نیازی کا ظہور آپ کی ذات گرامی سے ہوا، وہ نوع انسانی کے لئے ایک معجزہ ہے۔ عموماً قصرِ سلطنت کی تعمیر انسانی خون سے ہوتی ہے۔ لیکن حضرت حسنؓ نے ایک ملتی ہوئی عظیم الشان سلطنت کو محض چند انسانوں کے خون کی خاطر چھوڑ دیا۔ غالباً تاریخ ایسی مثالیں کم پیش کر سکتی ہے۔

اگر شیخین کے بعد کی اسلامی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس کا صفحہ صفحہ مسلمانوں کے خون سے رنگین نظر آئے گا اور ابھی تک عرب کی زمین مسلمانوں کا خون چاہتی تھی۔ لیکن یہ فخر صرف حضرت حسنؓ کی ذات کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ سلطنت وحکومت کو ٹھکرا کر اُمت مسلمہ کو تباہی سے بچائیں اور آنحضرت ﷺ کی اس پیش گوئی کو پورا فرمائیں گے، " ان ابنی هذا سید یصلح الله به بین فئتین عظیمتین من المسلمین " میرا یہ لڑکا سید ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ یا " الخلافة بعدی ثلثون " میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔ حساب سے یہ مدت ٹھیک حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے وقت پوری ہوتی ہے۔

آپ نے خلافت فوج کی کمزوری سے چھوڑی یا مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے

بعض ظاہر بینوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنی فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر امیر معاویہؓ سے صلح کر لی، اور کچھ واقعات بھی اس خیال کی تائید میں مل جاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ نے یہ جلیل القدر منصب محض مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے ترک کیا۔ گویا صحیح ہے کہ جس فوج کو لے کر آپ مقابلہ کے لئے نکلے تھے، اس میں کچھ منافق بھی تھے۔ جنہوں نے عین موقع پر کمزوری دکھائی۔ مگر اسی فوج میں بہت سے خارجی العقیدہ بھی تھے۔ جو آپ کی حمایت میں امیر معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے مصالحت کا رنگ دیکھا تو آپ کی تکفیر کرنے لگے[1]۔

خود عراق میں چالیس بیالیس ہزار کوفی جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے[2]۔ عراق تو عراق سارا عرب آپ کے قبضہ میں تھا۔ مصالحت وغیرہ کے بعد ایک مرتبہ بعض لوگوں نے آپ کو خلافت کی خواہش سے متہم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا، اس سے وہ بھی صلح کرتے اور

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۲۳۰ [2] ابن عساکر۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۹

جس سے میں جنگ کرتا، اس سے وہ بھی لڑتے۔ لیکن اس کے باوجود میں نے خلافت کو خاصةً للّٰہ اور اُمت کی خونریزی سے بچنے کے لئے چھوڑا [۱]۔

خود آپ کی فوج میں ان چند منافقوں کے علاوہ جنہوں نے بعض مخفی اثرات سے عین وقت پر دھوکا دیا تھا، باقی پوری فوج کٹنے پر آمادہ تھی۔ ابوعریق راوی ہیں کہ ہم بارہ ہزار آدمی حضرت حسنؓ کے مقدمۃ الجیش میں کٹنے اور مرنے کے لئے تیار تھے، اور شامیوں کی خون آشامی کے لئے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا۔ جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر معلوم ہوئی تو شدت غضب و رنج سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی۔

صلح کے بعد جب حسنؓ کوفہ آئے تو ہماری جماعت کے ایک شخص ابو عامر سفیان نے غصہ میں کہا، **السلام علیک یا مذلل المو منین**، (مسلمانوں کے رسوا کرنے والے السلام علیک) اس طنزیہ اور گستاخانہ سلام پر اس صبر وتحمل کے پیکر نے جواب دیا، ابو عامر ایسا نہ کہو میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی [۲]۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ سات مہینہ حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے۔ اس کے بعد معاویہؓ شام سے ان کے مقابلہ کو نکلے۔ جب دونوں قریب ہوئے، تو حضرت حسنؓ کو اندازہ ہوا کہ جب تک بہت بڑی تعداد کام نہ آجائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے۔ اس لئے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا کہ میرا یہ لڑکا سیّد ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو فرقوں میں صلح کرائے گا [۳]۔

شیعیان علیؓ اس صلح کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے بارے میں ان کے جو جذبات تھے ان کا اندازہ ان خطابات سے ہو سکتا ہے، جس سے وہ اس سردار خلد برین کو مخاطب کرتے تھے۔ "**مذلل المؤمنین**" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے۔ "**مسود وجوه المسلمین**" مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے، "**عار المومنین**"، "ننگ مسلمین" یہ وہ خطابات تھے، جن سے حضرت حسنؓ کو خطاب کیا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صلح اور دستبرداری کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۔ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۴۴ اور مستدرک حاکم۔ جلد ۳ تذکرہ حضرت حسینؓ
۳۔ اللغاۃ نووی۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۹

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسنؓ ایسے امن پسند، صلح جو، نرم خو تھے کہ انہوں نے اول یوم ہی سے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر بلا کسی خونریزی کے انہیں ان کی جگہ مل گئی تو لے لیں گے ورنہ اس کے لئے مسلمانوں کا خون نہ بہائیں گے۔ طبری کا بیان ہے کہ حسنؓ کے ساتھ چالیس ہزار آدمی تھے، لیکن آپ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ آپ کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ سے کچھ مقرر کرا کے دستبردار ہو جائیں [1]۔

چنانچہ جس وقت آپ نے عراقیوں سے بیعت لی تھی، اسی وقت اس عزم کو اشارۃً ظاہر فرما دیا تھا۔ زہری لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے اہلِ عراق سے بیعت لیتے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ "تم کو پورے طور سے میری اطاعت کرنی ہوگی، یعنی جس سے میں لڑوں گا، اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے صلح کروں گا، اس سے صلح کرنی پڑے گی"۔ اس شرط سے عراقی اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ آپ آئندہ جنگ وجدال ختم کر دیں گے۔ چنانچہ اسی وقت ان لوگوں نے آپس میں کہا تھا کہ ہمارے کام کے آدمی نہیں اور لڑنا نہیں چاہتے۔ اس کے چند روز بعد آپ کو زخمی کر دیا گیا [2]۔

حضرت حسنؓ نے اپنے گھر والوں پر بھی یہ خیال ظاہر فرما دیا تھا۔ ابن جعفر کا بیان ہے کہ صلح سے قبل میں ایک دن حسنؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ جب چلنے کے ارادہ سے اُٹھا تو انہوں نے میرا دامن کھینچ کر بٹھا لیا اور کہا کہ میں نے ایک رائے قائم کی ہے، اُمید ہے تم بھی اس سے اتفاق کرو گے۔ ابن جعفر نے پوچھا کونسی رائے ہے؟ فرمایا میں خلافت سے دستبردار ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہوں، کیونکہ فتنہ برابر بڑھتا جاتا ہے۔ خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں ہے، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں۔ سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں۔ ابن جعفر نے جواب دیا، خدا آپ کو اُمت محمدی ﷺ کی خیر خواہی کے صلہ میں جزائے خیر دے۔

اس کے بعد آپ نے حسینؓ کے سامنے یہ رائے ظاہر کی۔ انہوں نے کہا، خدارا علیؓ کو قبر میں جھٹلا کر معاویہؓ کی سچائی کا اعتراف نہ کیجئے۔ آپ نے یہ سن کر حسینؓ کو ڈانٹا کہ تم شروع سے آخر تک برابر میری ہر رائے کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہو۔ خدا کی قسم میں طے کر چکا ہوں کہ تم کو فاطمہؓ کے گھر میں بند کر کے اپنا ارادہ پورا کروں گا۔ حسینؓ نے بھائی کا لہجہ درشت دیکھا تو عرض کیا۔ آپ علیؓ کی اولادِ اکبر اور میرے خلیفہ ہیں، جو رائے آپ کی ہوگی وہی میری ہوگی۔ جیسا مناسب سمجھیں کیجئے۔ اس کے بعد آپ نے دستبرداری کا اعلان کر دیا [3]۔

---

[1] طبری۔ جلد ۔ص [2] ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۰ [3] ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۱۔۲۲۲

ان واقعات سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ خلافت سے دستبرداری میں فوج کی کمزوری وغیرہ کا چنداں سوال نہ تھا۔ بلکہ چونکہ آپ کو اس کا یقین ہوگیا تھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کے خاک وخون میں تڑپے کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا، اور جنگ جمل سے لے کر برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آرہی ہیں۔ اس لئے آپ نے اسے روکنے کے لئے خلافت کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی عزلت نشینی اختیار فرمائی۔ فجزاه الله عن المسلمين خير الجزاء

اِصلاح عقائد : مذہب کی بنیاد صحت عقائد پر ہے۔ اس میں فتور پیدا ہونے سے پوری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ حضرت حسنؓ کو عقیدہ کی درستی اور اس کی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہا۔ اس بارے میں آپ نہایت سختی سے کام لیتے تھے۔ شیعیان علی میں ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے۔ حضرت حسنؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا، یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ عنقریب ظاہر ہوں گے، تو نہ ان کی میراث تقسیم کرتے نہ ان کی عورتوں کا عقد ثانی کرتے [۱]۔

عبادت : عبادت الٰہی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور وقت کا بڑا حصہ آپ اس میں صرف فرماتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کئے۔ اس نے بتایا کہ فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مصلّی پر بیٹھے رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت پڑھ کر اُمہات المومنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہیں۔ پھر گھر ہو کر مسجد چلے آتے ہیں [۲]۔

مکہ کے زمانۂ قیام میں معمول تھا کہ عصر کی نماز خانۂ کعبہ میں با جماعت ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد طواف میں مشغول ہو جاتے۔ ابو سعید راوی ہیں کہ حسنؓ وحسینؓ نے امام کے ساتھ نماز پڑھی، پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کے سات پھیرے کئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ دونوں خانوادۂ نبوی ﷺ کے چشم و چراغ ہیں تو مشتاقانِ جمال چاروں طرف سے پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور بھیڑ کے وجہ سے راستہ رک گیا۔ حضرت حسینؓ اس ہجوم میں گھر گئے۔ حضرت حسنؓ نے ایک رکانی کی مدد سے انہیں ہجوم سے چھڑایا۔ ایک تختی پر سورۂ کہف لکھوائی تھی، روزانہ

---

۱ طبقات ابن سعد تذکرہ علیؓ بن حسینؓ ۲ ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۹

سوتے وقت اسے تلاوت فرماتے اور بیویوں کے پاس ساتھ لے جاتے[1]۔

ہر طرح کی سواریاں رکھتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے متعدد حج پاپیادہ کئے ہیں۔ فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں[2]۔

صدقات وخیرات : صدقہ وخیرات اور فیاضی وسیر چشمی آپ کا خاندانی وصف تھا۔ لیکن جس فیاضی سے آپ خدا کی راہ میں اپنی دولت اور مال ومتاع لٹاتے تھے، اس کی مثالیں کم ملیں گی۔ تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا حصہ خدا کی راہ میں دے دیا اور تنصیف میں اتنی شدت کی کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی خیرات کر دیا[3]۔

ایک مرتبہ ایک شخص بیٹھا دس ہزار درہم کے لئے دعا کر رہا تھا۔ آپ نے سن لیا، گھر جا کر اس کے پاس دس ہزار نقد بھجوا دیئے[4]۔ آپ کی اس فیاضی سے دوست ودشمن یکساں فائدہ اُٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص مدینہ آیا۔ یہ حضرت علیؓ کا دشمن تھا۔ اس کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی، اس نے مدینہ والوں سے سوال کیا، کسی نے کہا یہاں حسنؓ سے بڑھ کر کوئی فیاض نہیں۔ ان کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سواری اور زادِ راہ دونوں کا انتظام کر دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایسے شخص کے ساتھ کیوں سلوک کیا، جو آپ اور آپ کے والد بزرگوار دونوں سے بغض رکھتا ہے۔ فرمایا، کیا اپنی آبرو نہ بچاؤں[5]۔

لیکن آپ کی دولت سے وہی لوگ متمتع ہوتے تھے جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک بڑی رقم فقراء اور مساکین کے لئے جمع کی۔ حضرت علیؓ نے اس کی تقسیم کا اعلان کر دیا۔ لوگ یہ سمجھے کہ اعلان صدائے عام ہے۔ اس لئے جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ آدمیوں کی یہ بھیڑ دیکھ کر حضرت حسنؓ نے اعلان کیا کہ یہ رقم صرف فقراء ومساکین کے لئے ہے۔ اس اعلان پر تقریباً آدھے آدمی چھٹ گئے اور سب سے پہلے اشعث بن قیس نے حصہ پایا[6]۔

آپ نہ صرف خود بھی فیاض تھے بلکہ دوسروں کی فیاضی دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ کے کسی کھجور کے باغ کی طرف گزرے، دیکھا کہ ایک حبشی غلام ایک روٹی لئے ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور دوسرا کتے کو دیتا ہے۔ اسی طریقہ سے آدھی روٹی کتے کو کھلا دی۔ آپ نے غلام سے

---

[1] یہ واقعات ابن عساکر۔ جلد۴۔ ص۲۱۲ تا ۲۱۴ سے ماخوذ ہیں [2] تہذیب الاسماء نووی۔ جلد۱۔ ص۱۵۸
[3] اسد الغابہ۔ جلد۲۔ ص۱۳ [4] ابن عساکر۔ جلد۴۔ ص۲۱۴ [5] ایضاً [6] ایضاً

پوچھا کتے کو دھتکار کیوں نہ دیا۔ اس نے کہا میری آنکھوں کو اس کی آنکھوں سے حجاب معلوم ہوتا تھا۔ پھر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا آبان بن عثمان کا غلام ہوں۔ پوچھا باغ کس کا ہے؟ معلوم ہوا ان ہی کا ہے۔ فرمایا، جب تک میں لوٹ نہ آؤں، تم کہیں نہ جانا۔ یہ کہہ کر اسی وقت آبان کے پاس گئے اور باغ اور غلام دونوں خرید کر واپس آئے اور غلام سے کہا، میں نے تم کو خرید لیا۔ وہ تعظیماً کھڑا ہو گیا اور عرض کی مولائی، خدا، رسول اور آقا کی خدمت گزاری کے لئے حاضر ہوں، جو حکم ملے۔ آپ نے فرمایا، میں نے باغ بھی خرید لیا۔ تم خدا کی راہ میں آزاد ہو اور باغ تم کو ہبہ کرتا ہوں۔ غلام پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے جس کی راہ میں آزاد فرمایا، اس کی راہ میں میں یہ باغ دیتا ہوں[1]۔

اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ آپ کی فیاضی مشہور تھی۔ مدینہ میں جو حاجت مند آتا تھا، لوگ اس کو آپ ہی کے درِ دولت کا پتہ دیتے تھے۔

خوش خلقی : اس فیاضی کے ساتھ آپ حد درجہ خوش خلق بھی تھے۔ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کی حاجت پوری فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت حسینؓ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر گیا۔ آپ معتکف تھے۔ اس لئے معذرت کر دی۔ یہاں سے جواب پا کر وہ حضرت حسنؓ کے پاس آیا۔ آپ بھی معتکف تھے۔ مگر اعتکاف سے نکل کر اس کی حاجت پوری کر دی۔ لوگوں نے کہا، حسینؓ نے تو اس شخص سے اعتکاف کا عذر کیا تھا۔ فرمایا، خدا کی راہ میں کسی بھائی کی حاجت پوری کر دینا میرے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے[2]۔

ایک دن آپ طواف کر رہے تھے۔ اسی حالت میں ایک شخص نے آپ کو اپنی کسی ضرورت کے لئے ساتھ لے جانا چاہا۔ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے اور جب اس کی ضرورت پوری کر کے واپس ہوئے تو کسی حاسد نے اعتراض کیا کہ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ چلے گئے؟ فرمایا، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے جاتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، تو جانے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر ضرورت پوری نہیں ہوتی تو بھی ایک عمرہ کا۔ ایسی صورت میں کس طرح نہ جاتا۔ میں نے طواف کے بجائے پورے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب حاصل کیا اور پھر واپس لوٹ کر طواف بھی پورا کیا[3]۔

---

[1] ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۲۱۴ [2] ابن عساکر۔ جلد ۴ تذکرۂ حسینؓ [3] ایضاً

ضبط وتحمل: آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "حسنؓ کو میرا علم اور میری صورت ملی ہے"۔ حضرت حسنؓ کی ذات اس ارشاد گرامی کی مجسم تصدیق تھی، جو دستبرداری کے حالات میں اُوپر گزر چکا ہے کہ نا آشنائے حقیقت آپ کو کن کن نازیبا کلمات سے خطاب کرتے تھے۔ کوئی "مذلل المومنین" کوئی "مسود وجوہ المومنین" کوئی "عار المومنین" کہتا تھا۔ لیکن اس پیکر علم کی جبیں پر شکن نہ پڑتی اور نہایت نرمی سے جواب دیتے کہ "میں ایسا نہیں ہوں، البتہ ملک کی طمع میں مسلمانوں کی خونریزی نہیں پسند کی"۔

مروان جمعہ کے دن منبر پر چڑھ کر برسرِ عام حضرت علیؓ پر شب وشتم کرتا تھا۔ حضرت حسنؓ اس کی گستاخیوں کو اپنے کانوں سے سُنتے اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیتے۔ ایک مرتبہ اس نے ایک شخص کی زبانی نہایت فحش باتیں کہلا بھیجیں۔ آپ نے سن کر صرف اس قدر جواب دیا کہ اس سے کہہ دینا کہ خدا کی قسم میں تم کو گالی دے کر تم پر سے دشنام دہی کا داغ نہ مٹاؤں گا۔ ایک دن ہم تم دونوں خدا کے حضور حاضر ہوں گے۔ اگر تم سچے ہو تو خدا تمہیں سچائی کا بدلہ دے گا اور اگر جھوٹے ہو تو وہ بڑا منتقم ہے[1]۔

ایک مرتبہ حضرت حسنؓ اور مروان میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی۔ مروان نے رُو در رُو نہایت درشت کلمات استعمال کیے لیکن آپ سُن کر خاموشی سے پی گئے[2]۔

اس غیر معمولی ضبط وتحمل سے مروان جیسے شقی اور سنگ دل پر بھی اثر تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جنازہ پر روتا تھا۔ حضرت حسینؓ نے کہا اب کیوں روتے ہو۔ تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا۔ اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا، میں نے جو کچھ کیا وہ اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا[3]۔

آپ کی زبان کبھی کسی تلخی اور فحش کلمہ سے آلودہ نہیں ہوئی۔ انتہائی غصہ کی حالت میں بھی وہ "رغف انفہ" یعنی تیری ناک خاک آلود ہو، سے زیادہ نہ کہتے تھے، جو عربی زبان میں بہت معمولی بات ہے۔ امیر معاویہؓ کا بیان ہے کہ حسنؓ کی سب سے زیادہ سخت کلامی کا نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان میں اور عمرو بن عثمانؓ میں ایک زمین کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ انہوں نے ایک مفاہمت کی صورت پیش کی۔ مگر عمرو اس پر رضامند نہ ہوئے۔ انکار پر حسنؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے جھلا کر کہا "لیس لہ عندنا الا ما رغف انفہ"[4]۔

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۱۸۹ [2] ایضاً [3] ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۲۱۶ [4] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۹

کتاب الفضائل :

یوں تو حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی ذات گرامی مجمع الفضائل تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی محبت وشفقت آپ کی فضیلت کا نمایاں باب ہے۔ کتب، احادیث کے ابواب الفضائل ان دونوں کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان سے کچھ فضائل نقل کئے جاتے ہیں، چونکہ آنحضرت ﷺ کو دونوں بھائیوں کے ساتھ یکساں محبت تھی، اس لئے بعض امتیازی اور انفرادی فضائل کے علاوہ عموماً اور بیشتر دونوں کے فضائل مشترک ہیں کہ ان دونوں کا جدا کر کے لکھنا مشکل ہے۔ اس لئے دونوں کے فضائل لکھ دیئے جاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو اپنے تمام اہل بیت میں حضرت حسنینؓ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اہلِ بیت میں مجھ کو حسنؓ وحسینؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں [۱]۔

آپ خدا سے بھی اپنے ان محبوبوں کے ساتھ محبت کرنے کی دعا فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ کے ساتھ قینقاع کے بازار سے لوٹا تو آپ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا، بچے کہاں ہیں؟ تھوڑی دیر میں دونوں دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے چمٹ گئے۔ آپ نے فرمایا، "خدایا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں۔ اس لئے تو بھی انہیں محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والوں کو بھی محبوب رکھ" [۲]۔

دوسری روایت میں ان کا بیان ہے کہ اس شخص (حسن) کو اس وقت سے میں محبوب رکھتا ہوں، جب سے میں نے ان کو رسول ﷺ کی گود میں دیکھا۔ یہ ریش مبارک میں انگلیاں ڈال رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر فرماتے تھے کہ "خدایا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی محبوب رکھ" [۳]۔

حضرت حسنؓ کو دوش مبارک پر سوار کر کے خدا سے دعا فرماتے تھے کہ "خداوند میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی محبوب رکھ" [۴]۔

عبادت کے موقع پر بھی حسنؓ وحسینؓ کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے۔ ابو بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں حسنؓ وحسین

---

[۱] ترمذی فضائل حسنؓ وحسینؓ [۲] مسلم کتاب الفضائل باب فضائل الحسنؓ والحسینؓ
[۳] مستدرک حاکم۔ جلد ۳ فضائل حسینؓ [۴] ترمذی فضائل حسنؓ وحسینؓ

"سرخ قمیض پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے دکھائی دیئے۔ انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ منبر سے اُتر آئے اور دونوں کو اُٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور فرمایا،"خدا نے سچ کہا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں، ان دونوں بچوں کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ توڑ کر ان کو اُٹھا لیا[1]۔

حضرت حسنؓ وحسینؓ نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے ساتھ طفلانہ شوخیاں کرتے تھے۔ لیکن آپ نہ انہیں روکتے تھے اور نہ ان کی شوخیوں پر خفا ہوتے تھے۔ بلکہ ان کی طفلانہ اداؤں کو پورا کرنے میں مدد دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے وقت رکوع میں جاتے تو حسنؓ وحسینؓ دونوں ٹانگوں کے اندر گھس جاتے۔ آپ ان دونوں کے نکلنے کے لئے ٹانگیں پھیلا کر راستہ بنا دیتے[2]۔ آپ سجدہ میں ہوتے تو دونوں جست کر کے پشت مبارک پر بیٹھ جاتے، آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اُٹھاتے، جب تک دونوں خود سے نہ اُتر جاتے[3]۔

دوش مبارک پر سوار کر کے کھلانے کے لئے نکلتے۔ ایک مرتبہ آپ حسنؓ کو کندھے پر لے کر نکلے۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا، میاں صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، سوار بھی تو کتنا اچھا ہے[4]۔

کبھی کبھی دونوں کو چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لاتے۔ اسامہ بن زید بیان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ضرورت سے گیا۔ آپ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے تشریف لائے۔ میں اپنی ضرورت پوری کر چکا تو پوچھا آپ ﷺ چادر میں کیا چھپائے ہیں؟ آپ نے چادر ہٹا دی تو اس میں سے حسنؓ وحسینؓ برآمد ہوئے۔ فرمایا،"یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں۔ خدایا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی ان کو محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ"[5]۔

نبوت کی حیثیت کو چھوڑ کر جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی بشری حیثیت کا تعلق ہے، حسنؓ و حسینؓ کی ذات گویا ذاتِ محمدی ﷺ کا جزو تھی۔ یعلیؓ بن مرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں۔ جو شخص حسینؓ کو دوست رکھتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔ حسینؓ اسباط کے ایک سبط ہیں[6]۔

۱؎ ایضاً ۲؎ تہذیب التہذیب۔ جلد۲۔ ص۲۹۶ ۳؎ اصابہ۔ جلد۲ تذکرہ حسنؓ
۴؎ ترمذی مناقب الحسنؓ والحسینؓ ۵؎ ترمذی مناقب الحسنؓ والحسین ۶؎ ایضاً

حسنؓ وحسینؓ کو آپ جنت کے گل خنداں فرماتے تھے۔ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ حسنؓ وحسینؓ میرے جنت کے دو پھول ہیں[1]۔

حسنؓ وحسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔حذیفہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔عشاء کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ تشریف لے چلے۔میں بھی پیچھے ہولیا۔میری آواز سن کر آپ نے فرمایا،کون؟ حذیفہ! میں نے عرض کیا،جی۔ فرمایا" خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے،تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے،جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی اور حسنؓ وحسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں[2]۔

انفرادی فضائل : ان مشترک فضائل کے علاوہ حضرت حسنؓ کے کچھ امتیازی فضائل الگ ہیں۔ جو انہیں حضرت حسینؓ سے ممتاز کرتے ہیں۔ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق پیشن گوئی فرمائی تھی کہ" میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا" [3]۔

امیر معاویہؓ سے صلح کے وقت حضرت حسنؓ نے اس پیشن گوئی کی عملی تصدیق فرمائی۔ایک موقع پر فرمایا کہ حسنؓ کو میرا علم عطا ہوا ہے"۔

۱؎ بخاری کتاب المناقب ، باب مناقب الحسنؓ والحسینؓ ۲؎ ترمذی مناقب الحسنؓ والحسینؓ
۳؎ مستدرک حاکم۔جلد ۳ فضائل حسنؓ

حضرت امیر معاویہؓ

نام ونسب :

معاویہ نام ہے، ابوعبدالرحمٰن کنیت۔ والد کا نام ابوسفیان تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : معاویہ بن صخر (ابوسفیان) بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن مناف بن قصی قرشی اُموی۔ ماں کا نام ہندہ تھا۔ ننھیالی شجرہ یہ ہے : ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن شمس بن عبدمناف ابن قصی قرشیہ اُمویہ۔ اس طرح امیر معاویہؓ کا شجرہ پانچویں پشت پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

خاندانی حالات اور اسلام :

ان کا خاندان بنواُمیہ زمانۂ جاہلیت سے قریش میں معزز وممتاز چلا آتا تھا۔ ان کے والد ابو سفیان قریش کے قومی نظام میں عقاب یعنی علمبرداری کے عہدے پر ممتاز تھے۔ ابوسفیان آغاز بعثت سے فتح مکہ تک اسلام کے سخت دشمن رہے اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذارسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی امکانی کوشش باقی نہ رکھی۔ اس زمانہ میں اسلام کے خلاف جس قدر تحریکیں ہوئیں، ان سب میں علانیہ یا درپردہ ان کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا۔

فتح مکہ کے دن ابوسفیان اور معاویہ دونوں مشرف باسلام ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، لیکن باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ روایت مسلمہ روایات کے بالکل خلاف ہے اور اس کی تائید میں اور کوئی شہادت نہیں ملتی۔ اس لئے ناقابلِ اعتبار ہے۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ ابوسفیان کی اسلام دشمنی کے باوجود معاویہؓ کو مسلمانوں سے کوئی خاص عناد نہ تھا۔ چنانچہ ان کے اسلام لانے سے پہلے بدر اور احد وغیرہ بڑے بڑے معرکے ہوئے، مگر ان میں سے کسی مشرکین کے ساتھ معاویہؓ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔

غزوات : ان کے مشرف باسلام ہونے کی خوشی میں آنحضرت ﷺ نے انہیں مبارکباد دی۔ قبول اسلام کے بعد معاویہؓ حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے۔ حنین کے مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو سو اُونٹ اور چالیس (۴۰) اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت

فرمایا تھا[1]۔ اسی زمانہ میں معاویہؓ کے خاندانی وقار کے لحاظ سے ان کو کتابتِ وحی کا جلیل القدر منصب عطا ہوا[2]۔

فتوحاتِ شام میں معاویہؓ کی شرکت :

امیر معاویہؓ بالکل آخر میں اسلام لائے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ان کو کوئی نمایاں کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کا آغاز حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے ہوتا ہے۔ شام کی فوج کشی میں امیر معاویہؓ کے بھائی یزید ایک دستہ کے افسر تھے۔ اردن کی فتح کے سلسلہ میں جب حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار فوج نے عمرو بن العاصؓ کو اس کے ساحلی علاقہ پر مامور کیا اور ان کے مقابلہ کے لئے رومیوں کا انبوہ کثیر جمع ہوا اور قسطنطنیہ سے امدادی فوجیں آئیں تو عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ سے مزید امداد طلب کی، اس وقت انہوں نے یزید بن ابی سفیان کو روانہ کیا۔ اس امدادی دستہ کے مقدمۃ الجیش کی کمان معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اس مہم میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے[3]۔ اس کے بعد اس سلسلہ کی تمام لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔ چنانچہ مرج صفر کے معرکہ میں جب عمرو بن العاص کے بھتیجے خالد شہید ہوئے تو ان کی تلوار معاویہؓ کے قبضہ میں آئی[4]۔

دمشق کی تسخیر کے بعد جب یزید صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت وغیرہ کے ساحلی علاقہ کی طرف بڑھے، تو حضرت معاویہؓ اس پیش قدمی میں مقدمۃ الجیش کی رہبری کر رہے تھے اور عرقہ تمامتر ان ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ اس کے بعد جب حضرت عمر فاروقؓ کے آخر عہد خلافت میں رومیوں نے شام کے بعض مقامات واپس لے لئے، تو معاویہؓ نے ان کو زیر کر کے دوبارہ زیرِ نگیں کیا[5]۔

مذکورہ بالا مقامات کی تسخیر کے بعد یزید نے باقی ماندہ علاقہ پر امیر معاویہ کو متعین کر دیا۔ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ تمام قلعے تسخیر کئے اور زیادہ کشت و خون کی نوبت نہیں آنے پائی۔ کہیں کہیں خفیف سی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ قیساریہ کی مہم حضرت عمرؓ نے خاص ان کے سپرد کی تھی۔ انہوں نے اسے بھی نہایت کامیابی کے ساتھ سر کیا۔ جب یہ قیساریہ پہنچے تو رومی کماندار اپنی سامنے آیا۔ دونوں میں سخت معرکہ ہوا۔ امیر معاویہؓ نے اسے پسپا کر دیا اور رومی شکست کھا کر شہر میں داخل ہو گئے۔

[1] ابن سعد۔ جلد ۷۔ قسم ۲۔ ص ۱۲۸ وتہذیب الاسماء نووی جلد ۱۔ ص ۱۰۲ [2] حوالۂ مذکور
[3] فتوحات البلدان بلاذری۔ ص ۱۳۲ [4] فتوحات البلدان بلاذری۔ ص ۱۲۶ [5] ایضاً۔ ص ۱۳۲

امیر معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کرلیا۔ رومی برابر نکل کے مقابلہ کرتے تھے، مگر ہر مرتبہ شکست کھا کر شہر میں لوٹ جاتے تھے۔ ایک دن آخری جنگ کے لئے بڑے جوش وخروش سے نکلے اور ایک خونریز جنگ کے بعد بہت فاش شکست کھائی۔ اس معرکہ میں اسی ہزار رومی کام آئے اور میدان امیر معاویہؓ کے ہاتھ رہا[1]۔

غرض معاویہؓ قریب قریب تمام معرکہ آرائیوں میں بہت ممتاز حیثیت سے شریک رہے۔ مگر ان کی تفصیل بہت طویل ہے۔

۱۸ھ میں جب امیر معاویہؓ کے بھائی یزید کا انتقال ہوگیا، تو حضرت عمرؓ ان کی ناوقت وفات سے سخت متاثر ہوئے اور ان کی جگہ معاویہؓ کو دمشق کا عامل بنایا اور ایک ہزار ماہانہ تنخواہ مقرر کی[2]۔ حضرت عمرؓ معاویہؓ کے اوصاف کی وجہ سے ان کی بڑی قدر فرماتے تھے، اور ان کے تدبیر وسیاست اور علوئے حوصلہ کی وجہ سے ان کو "کسرائے عرب" کے لقب سے یاد کرتے تھے[3]۔ امیر معاویہؓ ۴ سال تک فاروقی عہد میں دمشق کے حکمراں رہے۔

عہدِ عثمانی : ۲۳ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ کا انتقال ہوگیا، اور حضرت عثمان مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے امیر معاویہؓ کی تجربہ کاری کی وجہ سے انہیں پورے شام کا والی بنادیا، شام کی ولایت کے زمانہ میں انہوں نے رومیوں کے مقابلہ میں بڑی زبردست فتوحات حاصل کیں گو حضرت عمرؓ کے عہد میں قیصر وکسری کی حکومتوں کے تختے اُلٹ چکے تھے۔ تاہم اس وقت تک کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا۔ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے بحری حملوں کا آغاز کیا اور بحری قوت کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بحری بیڑا اس عہد کے بہترین بیڑوں میں شمار ہوتا تھا۔

طرابلس الشام کی فتح :

حضرت عثمانؓ نے ان کو شام کی انتظامی حکمرانی کے ساتھ جنگی اختیارات بھی دیدیئے تھے، اس سے فتوحات اسلامی کو بہت فائدہ پہنچا۔ سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بعض سواحل پر قابض ہوگئے تھے۔ ان کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لئے معاویہؓ نے سفیان بن مجیب ازدی کو طرابلس الشام کی فتح پر مامور کیا۔ انہوں نے اس سے چند میل کی مسافت پر پہلے ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس کا نام حصن سفیان رکھا اور اس کو فوجی مرکز بنا کر رومیوں کے تمام بحری اور بری نا کے بند کر کے طرابلس الشام کا محاصرہ کرلیا۔

---

[1] طبری۔ ص ۲۳۹۷ [2] استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۱۶۱ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۱۹۴

رومی قلعہ بند ہو گئے اور خفیہ طور پر شہنشاہ روم کو خط لکھا کہ ہماری امداد کے لئے فوجیں بھیجی جائیں، تا کہ ہم مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں، اور اگر فوجیں نہیں آسکتیں تو کم از کم کچھ کشتیاں ہی بھجوادی جائیں کہ اس حصار سے ہم کو نجات ملے۔

امیر سفیان دن کو رومی قلعہ کی نگرانی کرتے تھے اور رات کو اپنی فوج لے کر اپنے قلعہ میں چلے آتے تھے۔ اس لئے رومی ایک شب کو موقع پا کر نکل گئے۔ صبح کو مسلمان قلعہ کے پاس پہنچے تو اس کو بالکل خالی پایا اور بلا مزاحمت قبضہ کرلیا۔ اس قلعہ کے قبضہ میں آجانے سے آئے دن کی بغاوتوں کا خطرہ جاتا رہا[1]۔

عموریہ پر فوج کشی اور بعض فتوحات :

شام کی سرحد پر عموریہ ایک پرانا شہر تھا۔ جہاں رومیوں کے قلعے تھے۔ اس لئے ان کی تاخت سے شام کو محفوظ رکھنے کے لئے عموریہ کا لینا ضروری تھا۔ چنانچہ ۲۵ھ میں امیر معاویہؓ اس طرف بڑھے۔ راستہ میں انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک کے تمام قلعے خالی ملے۔ امیر معاویہؓ نے ان سب میں شام، جزیرہ اور قنسرین سے آدمی لا کر بسائے اور ان کو آباد کر کے لوٹ آئے۔ اس کے ایک یا دوسال بعد یزید بن حر عبسی کو مامور کیا۔ انہوں نے رومیوں کے بہت سے قلعے مسمار کر دیئے۔ مگر عموریہ فتح نہ ہوا اور اس پر فوج کشی کا سلسلہ برابر جاری رہا[2]۔

شمشاط کی فتح :

امیر معاویہؓ کے ان کارناموں کے صلہ میں حضرت عثمانؓ نے جزیرہ بھی ان ہی کے ماتحت کر دیا۔ جزیرہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن اس کے بعض سرحدی مقامات ہنوز رومیوں کے قبضہ میں تھے۔ ان میں ایک مقام شمشاط بھی تھا۔

حضرت عثمانؓ نے ان کو شمشاط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے یہ خدمت حبیب بن مسلمہ فہری اور صفوان بن معطل کے سپرد کی۔ ان دونوں نے نہایت آسانی کے ساتھ شمشاط پر قبضہ کرلیا اور صفوان آخر عمر تک یہاں کے حاکم رہے اور یہیں وفات بھی پائی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ خود بھی اس مہم میں شریک تھے[3]۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۳۳ [2] ایضاً [3] فتوح البلدان۔ ص ۱۹۲ و ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۶۶ مطبوعہ یورپ

ملطیہ کی فتح:

ملطیہ بھی ایک سرحدی مقام اور دونوں حکومتوں کے درمیان حدِ فاصل تھا۔ اس لئے بحر روم میں تاخت کے لئے اس حدِ فاصل کا توڑنا بھی ضروری تھا۔

ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہری اس کو فتح کر چکے تھے، مگر رومیوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے دوبارہ حبیب کو اس کی تسخیر پر مامور کیا۔ انہوں نے اس کو فتح کر کے یہاں مسلمان آباد کئے اور آئندہ جب امیر معاویہؓ ارض روم میں پیش قدمی کے ارادے سے نکلے تو یہاں شام اور جزیرہ کے باشندوں کی چھاؤنی قائم کی، مگر بعد میں یہ مقام اس حالت پر قائم نہ رہ سکا[1]۔

قبرص کی فتح:

بحر ابیض متوسط میں ساحل شام سے تھوڑی مسافت پر قبرص (سائپرس) نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ ۳۰۲۶ مربع میل ہے یہ جزیرہ اپنی سرسبزی، شادابی اور مصنوعات کے لحاظ سے اپنے قرب و جوار میں بہت مشہور تھا۔ خصوصاً روئی کی بڑی پیداوار ہوتی تھی۔ اس لئے عہد فاروقی سے اس پر امیر معاویہؓ کی نظر تھی اور اس پر حملہ کے لئے انہوں نے حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کے لئے اجازت بھی مانگی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ مسلمانوں کو بحری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ عمروؓ بن العاصؓ سے بحری سفر کے حالات پوچھ بھیجے۔ انہوں نے تمام خطرات سے آگاہ کر دیا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کو اجازت نہ ملی۔ لیکن ان کا دل برابر بحری حملہ کرنے کے لئے بیتاب رہا۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد ان سے بھی اجازت طلب کی۔ پہلے انہوں نے بھی اجازت نہ دی، مگر امیر معاویہؓ کا اصرار برابر قائم رہا اور انہوں نے بحری جنگ کی آسانیاں حضرت عثمانؓ کے ذہن نشین کر کے انہیں خطرات کی جانب سے اطمینان دلایا۔ اس وقت انہوں نے اس شرط پر اجازت دیدی کہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جائیں اور کسی مسلمان کو اس کی شرکت پر مجبور نہ کریں۔ جو شخص بطیب خاطر شریک ہونا چاہے صرف اس کو لیا جائے۔ کسی پر شرکت کے لئے جبر نہ کیا جائے[2]۔

---

[1] فتوح البلدان۔ ص ۱۹۳ [2] یہ آخری شرط طبری ص ۲۸۲۴ میں ہے

امیر معاویہؓ نے تمام شرطیں منظور کرلیں اور ۲۸ھ میں نہایت اہتمام کے ساتھ پہلی مرتبہ اسلامی بیڑا بحر روم میں اُترا، اور امیر معاویہؓ عبداللہ بن ابی سرح کو ساتھ لے کر قبرص پہنچے۔ قبرص والے نہایت نرم خو تھے۔ جنگ وجدال سے گھبراتے تھے۔ اس لئے بغیر مقابلہ کے سات ہزار دینار سالانہ پر شرائط ذیل کے ساتھ صلح کرلی۔

۱۔ ہزار دینار سالانہ خراج مسلمانوں کو دیں گے اور اسی قدر رومیوں کو دیا کریں گے۔ مسلمانوں کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

۲۔ اگر قبرص پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو مسلمان مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۔ اگر مسلمان رومیوں پر حملہ کرنا چاہیں تو قبرص والے ان کو اپنے جزیرے کے اندر سے گزرنے دیں گے۔

لیکن اس صلح کے چار برس بعد ۳۲ھ میں جزیرہ والوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی جہازوں سے رومیوں کی مدد کی۔ اس لئے ۳۳ھ میں پھر امیر معاویہ پانچ سو جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ بحری حملہ کر کے قبرص کو فتح کرلیا۔ مگر روایت اسلامی کو قائم رکھتے ہوئے اہل قبرص کے عہد شکنی کا کوئی انتقام نہیں لیا، اور صلح کی سابق نرم شرائط قائم رکھیں۔ لیکن چونکہ اہل قبرص ایک مرتبہ غداری کر کے اپنا اعتبار کھو چکے تھے، اس لئے اس مرتبہ امیر معاویہؓ نے قبرص میں ۱۲ ہزار مسلمانوں کی ایک آبادی قائم کردی۔ بعلبک کے بہت سے باشندے بھی نقل مکانی کر کے چلے آئے۔ ان مسلمانوں نے یہاں مساجد تعمیر کیں اور ایک شہر بسایا[۱]۔

افریقہ کی جنگ :

افریقہ یعنی تیونس، الجزائر اور مراکش قیصر کے زیر حکومت تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہاں بکثرت فتوحات ہوئی تھیں اور قیصر کے بہت سے مقبوضات اس کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ اس لئے وہ جوش انتقام سے لبریز ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں سے انتقام اور ملک کو واپس لینے کے لئے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق قیصر نے اس سے پہلے کبھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اتنا اہتمام نہ کیا تھا۔ جنگی جہازوں کی تعداد چھ سو (۶۰۰) تھی[۲]۔

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۶۰ [۲] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۹۱

امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فاتح افریقہ مدافعت کے لئے بڑھے۔ جب دونوں بیڑے بالمقابل آئے تو اتفاق سے اسلامی بیڑے کے خلاف ہوا کے نہایت تیز و تند طوفان چلنے لگے۔ اس لئے طرفین نے ایک شب کے لئے صلح کرلی اور دونوں اپنے اپنے مذہب کے مطابق رات بھر عبادت و دعا میں مصروف رہے۔

صبح ہوتے ہوتے رومی ہمہ تن تیار تھے، اور دونوں بیڑے آپس میں مل چکے تھے۔ اس لئے رومیوں نے فوراً حملہ کردیا۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ سطح سمندر پر تلواریں چلنے لگیں اور اس قدر گھمسان کی جنگ ہوئی کہ سمندر کا پانی خون کی کثرت سے سرخ ہوگیا۔ رزمگاہ سے لے کر ساحل تک خون کی موجیں اچھلتی تھیں۔ آدمی کٹ کٹ کر سمندر میں گرتے تھے اور پانی انہیں اچھال کر اوپر پھینکتا تھا[1]۔

یہ ہولناک منظر بڑی دیر تک قائم رہا۔ طرفین نہایت ہی پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن آخر میں مسلمانوں کے عزم و ثبات اور جان سپاری نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور قسطنطین نے جہاز کا لنگر اٹھادیا[2]۔

۳۲ھ میں امیر معاویہؓ بحر روم کو عبور کرتے ہوئے تنگنائے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور ۳۳ھ میں ملطیہ کے قریب حصن المراۃ پر حملہ کیا۔ غرض امیر معاویہؓ اپنے زمانہ امارت بھر رومیوں کا نہایت کامیاب مقابلہ کرتے رہے۔ تا آنکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش شروع ہوئی اور دور فتن کا آغاز ہوگیا۔

دورِ فتن کا آغاز:

حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ نے اپنی تمام کوششیں اس فتنہ کو فرو کرنے میں صرف کردیں، لیکن منافقوں اور خلافت اسلامیہ کے دشمنوں کے وجہ سے یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی اور معاملات اور زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ اس وقت امیر معاویہؓ شام میں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو بلا بھیجا۔ یہ آئے لیکن اس وقت شر فتن کے شعلے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لئے لوٹ گئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت تک برابر شام ہی میں رہے۔ اس واقعۂ ہالہ کے بعد جنگ جمل ہوئی، مگر امیر معاویہؓ نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

---

[1] طبری۔ ص ۲۸۶۸ [2] طبری۔ ص ۲۸۸۷

حضرت علیؓ کی خلافت اور امیر معاویہؓ کی مخالفت :

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے۔اس وقت امیر معاویہؓ بدستور شام میں تھے۔جناب امیر نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملوں کو معزول کردیا۔اس سلسلہ میں معاویہؓ بھی شام سے معزول ہوگئے اور ان کی جگہ سہل بن حنیف کا تقرر ہوا۔لیکن وہ آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے۔اس لئے شام کی سرحد تبوک پر ان کے سواروں نے سہل بن حنیف کو روک کر واپس کردیا۔اس وقت حضرت علیؓ کو ان کی مخالفت کا علم ہوا[1]۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو اپنی تدبیر و سیاست کی وجہ سے مغیرۃ الرائے کہلاتے تھے، حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو معاویہؓ کو ابھی معزول نہ کیجئے اور ان کو اُن کے عہدہ پر قائم رکھیئے اور طلحہؓ اور زبیر کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنائیے۔پورا تسلط ہوجانے کے بعد جو مناسب سمجھئے گا اس پر عمل کیجئے گا۔آپ نے جواب دیا کہ طلحہؓ وزبیرؓ کے بارے میں تو غور کروں گا،لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے،اس وقت تک ان کو نہ کہیں کا حاکم بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لوں گا۔اس جواب سے مایوس ہوکر اور شکستہ خاطر ہوکر مغیرہ امیر معاویہؓ سے مل گئے[2]۔

امیر معاویہؓ کے ادعائے خلافت کے اسباب :

گو امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے،لیکن وہ نہایت مدبر اور ہوشمند تھے،اور اپنے اور حضرت علیؓ کے رتبہ کا فرق پورے طور پر سمجھتے تھے۔اس لئے ان کے مقابلہ میں وہ اپنی خلافت کا تصور بھی دل میں نہ لاسکتے تھے۔لیکن اس کے ساتھ ان کی حکومت پسندی اپنی معزولی بھی گوارا نہیں کرسکتی تھی۔اگر حضرت علیؓ انہیں بدستور ان کے عہدہ پر قائم رہنے دیتے تو غالبًا کوئی ناگوار صورت پیش نہ آتی،مگر معاویہؓ کی معزولی نے اُن کو جناب امیر کا مخالف بنادیا۔

جہاں تک واقعات سے اندازہ ہوتا ہے،اس وقت تک امیر معاویہؓ کے دل میں خلافت کے دعویٰ کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا تھا۔بلکہ وہ حضرت علیؓ کی مخالفت سے صرف اپنے عہدے کی بحالی چاہتے تھے۔لیکن حضرت علیؓ اس کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے۔امیر معاویہؓ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمانؓ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا،حضرت علیؓ کی لاعلمی میں (کیونکہ اس وقت کوئی قاتل معین نہ تھا) آپ کے ساتھ ہوگئے۔

---

[1] اخبار الطوال۔ص ۱۵۰ [2] استیعاب۔جلد ا۔ص ۲۵۹

اس وقت بحیثیت خلیفہ کے قاتلین عثمانؓ کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا حضرت علیؓ کا فرض تھا۔لیکن مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے کہ قاتلین کا پتہ چلانا کیا معنی نظام خلافت کا سنبھالنا مشکل تھا اور قاتلوں کی تلاش کے لئے سکون واطمینان کی ضرورت تھی۔ لیکن عوام اس مجبوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور وہ صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ اس لئے امیر معاویہؓ کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا پورا موقع مل گیا۔

خلیفہ مظلوم کے بیدردی کے ساتھ شہید کئے جانے اور قاتلین کے کھلے بندوں پھرنے کا واقعہ ایسا تھا کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کیا، بہت سے غیر جانبدار مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ مصر کے ایک مقام خرنبا میں ایک جماعت حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئی اور جب قیس بن سعد نے ان سے حضرت علیؓ کی بیعت لینے کی کوشش کی تو ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تاثر کی وجہ سے بیعت نہیں کی اور اس کے قصاص کا مطالبہ کیا[1]۔

اس کے علاوہ امیر معاویہؓ کو کچھ لوگ ایسے مل گئے جنہوں نے ان کو حضرت علیؓ کے خلاف اُبھارنا شروع کیا کہ تم کو علیؓ کے خلاف اُٹھنا چاہئے، کیونکہ جو قوت تم کو حاصل ہے وہ علیؓ کو نصیب نہیں۔ تمہارے ساتھ ایسی فرمانبردار جماعت ہے کہ جب آپ خاموش ہوتے ہیں تو وہ بھی کچھ نہیں بولتی اور جب تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو وہ اس کو خاموشی کے ساتھ سنتی ہے اور جو حکم دیتے ہو، اس کو بے چوں وچرا مان لیتی ہے اور علیؓ کے ساتھ جو گروہ ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ اس لئے تمہاری تھوڑی جماعت بھی ان کی بڑی جماعت پر بھاری ہے[2]۔

غرض ان مواقع اور ان تائیدوں نے امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا پورا مخالف بنادیا، لیکن حضرت علیؓ جیسے شخص کا مقابلہ ان کے لئے آسان نہ تھا۔ وہ اس کی دشواریوں کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ اس کے لئے دہاۃِ عرب کو ساتھ ملانے کی ضرورت تھی۔ اس وقت عرب میں معاویہؓ کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن العاصؓ صاحب تدبیر وسیاست مانے جاتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ پہلے ہی مل چکے تھے۔ عمرو بن العاصؓ باقی تھے۔ یہ اس وقت فلسطین میں تھے۔ امیر معاویہؓ نے انہیں بلا کر اپنی مشکلات بیان کیں کہ محمد بن حنفیہ قید خانہ توڑ کر نکل گئے ہیں۔ قیصر روم الگ حملہ پر آمادہ ہے اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۲ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۶۵

انہوں نے مشورہ دیا کہ محمد بن حنفیہ کا تعاقب کراؤ۔ اگر مل جائیں تو فبہا ورنہ کوئی حرج نہیں۔ قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کرلو۔ حضرت علیؓ کا معاملہ بہت اہم ہے۔ مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہیں سمجھ سکتے۔ معاویہؓ نے کہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں معاون تھے۔ اُمت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا :

لیکن تمہیں سبقت اسلام اور قرابت نبوی کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی کے لئے کیوں مدد کروں امیر معاویہؓ نے کہا تم کیا چاہتے ہو۔ عمرو بن العاصؓ بولے، مصر۔ امیر معاویہ نے کہا مصر تو کسی طرح عراق سے کم نہیں۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا، لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے، جب تم حضرت علیؓ کو مغلوب کر چکو گے اور تمام دنیائے اسلام تمہارے زیرِ نگیں ہوگی۔

امیر معاویہؓ کو ان کی خدمات کی بڑی ضرورت تھی، اس لئے اس گفتگو کے دوسرے دن مصر دینے کا تحریری وعدہ کر کے عمرو بن العاصؓ کو ملا لیا[1]۔

حضرت علیؓ کے خلاف دعوت :

عمرو بن العاصؓ کے مل جانے سے معاویہؓ کا بازو بہت قوی ہوگیا۔ انہوں نے ان کو مشورہ دیا، پہلے عمائد شام کو یہ یقین دلا کر کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں علیؓ کا ہاتھ ہے، ان کو مخالفت پر آمادہ کرو اور سب سے پہلے شرحبیل بن سمط کندی کو جو شام کے سب سے بڑے بااثر آدمی ہیں، اپنا ہم خیال بناؤ۔

چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس مشورہ کے مطابق عمائد شام کے دلوں میں یہ بات بٹھادی کہ حضرت عثمانؓ کے خون بے گناہی میں علیؓ کا ہاتھ بھی شامل تھا اور شرحبیل بن سمط کندی نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خلاف اُبھارنا شروع کر دیا[2]۔

ادھر خود امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی زوجہ محترمہ نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگادی۔ لوگ آتے تھے اور یہ المناک منظر دیکھ کر زار زار روتے تھے۔ شامیوں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کرلیں گے، اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے اور نہ بیویوں کو چھوئیں گے[3]۔

---

[1] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۷ [2] اخبار الطوال، ص ۱۶۸۔ ۱۶۹ [3] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۲۵۷

مصالحت کے لئے صحابہؓ کی کوشش :

محتاط صحابہؓ اس خانہ جنگی کی تیاریاں دیکھ دیکھ کر کف افسوس ملتے تھے۔ مشہور صحابہ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابو امامہؓ باہلیؓ سے مسلمانوں کی یہ بدبختی نہ دیکھی گئی، چنانچہ دونوں بزرگوں نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے کہا کہ حضرت علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، پھر تم کیوں ان سے لڑتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے۔ ان دونوں نے کہا، کیا ان کو حضرت علیؓ نے قتل کیا ہے؟ کہا اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلین کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ مطالبہ سن کر دونوں بزرگ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان سے صورت حال بیان کی۔ امیر معاویہؓ کا یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل آئے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب حضرت عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابو امامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو مایوس ہو کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور پھر کسی قسم کی کوشش نہیں کی[1]۔

جنگِ صفین :

اس سلسلہ میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا اور طرفین کی فوجیں میدان جنگ میں آ گئیں۔ اس خونریز جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔

لیلۃ الہریر[2] کی قیامت خیز صبح کو جس میں ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں ہی عورتیں بیوہ ہو گئیں، امیر معاویہؓ اور علی مرتضیٰ اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں نکلے اور دونوں قوتیں اس شدت کے ساتھ ٹکرائیں کہ صفین کی میدان کشتوں کی کثرت سے بھر گیا۔ لاشوں پر لاشیں گرتی تھیں، ہاتھ پاؤں اور سر کٹ کٹ کر خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اڑتے تھے۔ خون تھا کہ اُمنڈ اُمنڈ کے برستا تھا اور مسلمانوں کی ۳۵ سالہ قوت اس طرح آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی۔

اس خونریز اور ہولناک معرکہ کے بعد جنگ دوسرے دن کے لئے ملتوی ہو گئی اور طرفین نے اپنے اپنے مقتولین دفنائے۔ اس جنگ میں شامی فوج کا پلہ اتنا کمزور ہو گیا کہ آئندہ میدان

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۱۸۱ ہم نے مختصر اً جستہ جستہ واقعات نقل کئے ہیں۔ کیونکہ ان واقعات کی تطویل اور تسلسل بیان سے کوئی فائدہ نہیں۔ [2] جنگ صفین کے سلسلہ کے ایک خونریز معرکہ کا نام

میں اس کے ٹھہرنے کی کوئی امید باقی نہ تھی۔ رومی علیحدہ امیر معاویہؓ پر حملہ کرنے پر آمادہ تھے۔ اس لئے انہوں نے عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا، میں نے اس دن کے لئے پہلے ہی سے ایک تدبیر سوچ رکھی تھی جو کسی طرح پٹ نہیں پڑسکتی ہے۔ وہ یہ کہ لوگ میدانِ جنگ میں قرآن کے حکم بنانے کا اعلان کریں۔ اس تدبیر سے عراقیوں میں اس کے رد وقبول دونوں حالتوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔

چنانچہ دوسرے دن جب شامی فوج میدان میں آئی تو اس شان سے کہ دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر آگے آگے تھا اور اس کے پیچھے سینکڑوں قرآن نیزوں پر آویزاں تھے اور شامی ''ہم قرآن کو حکم بناتے ہیں'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ عمرو بن العاصؓ کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ اس سے عراقیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ انہوں نے کہا ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہئے۔ حضرت علیؓ اور بعض دوسرے عاقبت اندیش لوگ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ سب فریب ہے۔

لیکن عراقیوں نے ایک نہ سنی اور برابر یہ اصرار کرتے تھے کہ ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہئے۔ طبری کی ایک روایت کے مطابق تو ان کا اصرار اتنا بڑھ گیا تھا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ اگر قرآن کا فیصلہ مسترد کیا گیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو عثمانؓ کا ہو چکا ہے [1]۔

تحکیم:

غرض عراقیوں کی ضد اور ناسمجھی پر حضرت علیؓ کو چار ونہ چار یہ فریب آمیز فیصلہ ماننا پڑا، اور طرفین نے بڑی رد وقدح کے بعد عمرو بن العاصؓ اور ابوموسیٰ اشعری کو اپنا حکم بنایا کہ یہ دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی رُو سے جو فیصلہ کر دیں فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ چنانچہ دونوں نے صلاح ومشورہ کے بعد امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا اور مجمع عام میں اس کو سنا دیا۔

پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ''برادرانِ اسلام! ہم دونوں بڑے غور فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اُمت محمدی کے اتحاد اور اس کی اصلاح کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے عامہ مسلمین کو از سرِ نو خلیفہ کے انتخاب کا اختیار دیا جائے۔ اس لئے میں دونوں کو معزول کر کے لوگوں کو اختیار دیتا ہوں کہ از سرِ نو جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔

---

[1] طبری۔ ص ۳۳۳

ان کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور ان الفاظ میں اپنا فیصلہ سنایا کہ "صاحبو آپ لوگوں نے ابوموسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا ہے۔ انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا۔ میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے حقدار ہیں۔ اس لئے وہ ان کی نیابت کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس فیصلہ سے مجمع میں سناٹا چھا گیا۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ پر مارنے کے لئے کوڑا اُٹھایا اور قریب تھا کہ ایک مرتبہ پھر تلواریں میان سے نکل آئیں اور دومۃ الجندل کا میدان صفین کا نمونہ بن جائے۔ مگر ابوموسیٰؓ مکہ روانہ ہو گئے اور لوگوں نے معاملہ رفع دفع کر دیا[1]۔

خارجیوں کا ظہور :

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ایسا تھا، جس کو حضرت علیؓ کسی طرح قبول نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے پھر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن اسی درمیان میں اس سے بھی بڑا خارجیوں کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

یہ لوگ کہتے تھے کہ مذہبی معاملات میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے۔ اس لئے معاویہؓ اور علیؓ دونوں نعوذ باللہ کافر ہیں اور جو لوگ اس عقیدے سے منکر ہوں وہ بھی کافر ہیں۔ رفتہ رفتہ اس جماعت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور اس کی قوت اتنی بڑھی کہ حضرت علیؓ کے حدود حکومت میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اس لئے حضرت علیؓ فی الحال معاویہؓ کے مقابلہ کا خیال ترک کر کے ان کی سرکوبی کے لئے نہروان کی طرف بڑھے اور اس سلسلہ میں ان میں اور خارجیوں میں بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن ہم ان سے متعلق نہیں، اس لئے ان کا حال قلم انداز کیا جاتا ہے۔

نہروان سے حضرت علیؓ کی واپسی اور شیعیان علیؓ کی جنگ سے پہلوتہی :

خوارج کا فتنہ فرو کرنے کے بعد جب حضرت علیؓ نہروان سے واپس ہوئے تو پھر فوج کو امیر معاویہؓ سے مقابلہ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے عذر کیا کہ امیر المؤمنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے، تلواریں کُھٹلی ہو گئیں اور نیزوں کی انیاں ٹوٹ گئیں اور بہت سے لوگ واپس جا چکے۔ اس لئے ہم کو وطن پہنچ کر از سرِ نو تیاری کا موقع دیا جائے۔ تا کہ ہم پھر سے اپنی قوت مجتمع کر کے دشمن کے

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۲۱۲۔ ۲۱۴

مقابلہ کے لائق ہوسکیں۔اس عذر پر حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر مقام نخیلہ میں قیام کیا۔یہاں پہنچنے کے بعد مقابلہ کی تیاریوں کے بجائے آپ کے ساتھی آہستہ آہستہ فوج سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لینے لگے اور آپ کے ساتھ صرف مخصوص جماعت باقی رہ گئی۔اس لئے آپ نے فی الحال معاویہؓ سے مقابلہ کے خیال کو ترک کر دیا[1]۔

حضرت علیؓ کی ایک سیاسی فروگذاشت :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصری بالکل غیر جانبدار ہو گئے تھے اور امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کسی کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔چنانچہ جنگ صفین میں انہوں نے کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا۔جنگ صفین کے بعد حضرت قیس ابن سعد انصاری نے جو یہاں کے حاکم اور حضرت علیؓ کے ہوا خواہ تھے،نہایت ہوشیاری اور خوبصورتی کے ساتھ اہل مصر سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی تھی۔صرف خرنبا کے باشندوں نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے،بیعت نہ کی تھی۔حضرت قیسؓ نے مصلحتِ وقت کے خیال سے ان سے جبر نہیں کیا،بلکہ کہلا دیا کہ تم کو انکار ہے،ہم مجبور بھی نہیں کرتے۔اس نرمی وملاطفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خرنبا والوں نے خراج دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

قیس حضرت علیؓ کے مقابلہ امیر معاویہؓ کے قدیم مخالف تھے۔چنانچہ جنگ صفین سے قبل جب انہوں نے مدبرین کو ملانا چاہا تو قیس کو بھی خط لکھا تھا کہ اگر قاتلین عثمانؓ کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آجاؤ تو عراق کی حکومت تمہارے لئے مخصوص کر دی جائے گی،اور حجاز کی حکومت پر تمہیں اختیار ہوگا کہ اپنے جس عزیز کو چاہو مقرر کرنا۔اس کے علاوہ تمہارے اور جو مطالبات ہوں گے،وہ بھی پورے کئے جائیں گے۔اگر تمہیں یہ باتیں منظور ہوں تو جواب دو۔قیس بہت عاقبت اندیش آدمی تھے۔اس لئے صاف جواب دینے کے بجائے گول جواب دیا کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے،اس لئے ابھی جواب نہیں دے سکتا۔

امیر معاویہؓ کو یہ خط ملا تو وہ ان کی نیت سمجھ گئے۔چنانچہ دوبارہ خط لکھا کہ تم اس گول جواب سے مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو۔میرا جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آسکتا۔قیس کو یہ تحریر ملی،تو بہت برہم ہوئے،اور کھل کر دلی جذبات لکھ بھیجے کہ ''تمہاری عقل پر مجھ کو حیرت ہے کہ تم مجھ کو ایک حق گو،حق پرست مستحق خلافت اور آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار کا ساتھ چھوڑ کر ایک کاذب،گمراہ،گمراہ زادہ کی حمایت کی دعوت دیتے ہو''۔

---

[1] ابن اثیر۔جلد ۶۔ص ۳۹۲۔۳۹۳

اس تحریر کے بعد امیر معاویہؓ کو ان سے مایوسی ہوگئی، تو انہوں نے قیس کو زک دینے کے لئے اپنے حامیوں سے کہنا شروع کیا کہ قیس کو برانہ کہو۔ وہ ہمارے ہمدرد ہیں، اور ہمارے پاس برابر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ دیکھو ہمارے ہم خیال خربناوالوں کے ساتھ ان کا کیسا بہتر سلوک ہے۔ ان کے روزینے اور عطیے برابر جاری ہیں۔ اس غلط شہرت دینے کے ساتھ ہی قیس کی جانب سے ایک فرضی خط بھی جس میں حضرت عثمانؓ کے قصاص پر پسندیدگی کا اظہار تھا پڑھ کر سنادیا۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے کانوں میں اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت علیؓ کو جاسوسوں نے بھی تصدیق کردی۔

اتفاق سے اسی درمیان میں حضرت علیؓ کے پاس قیس کا ایک خط آیا کہ خربناوالے بیعت نہیں کرتے، مگر ان پر تلوار اٹھانا مصلحت نہیں سمجھتا۔ حضرت علیؓ کے طرفداروں کو قیس کی جانب سے جو شبہ تھا، وہ اس خط سے اور قوی ہوگیا۔ چنانچہ محمد بن جعفر نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ فوراً باغیوں (اہل خربنا) کی سرکوبی کا فرمان جاری کیجئے۔ ان کی توجہ دلانے پر آپ نے اسی وقت قیس کے نام حکم جاری کردیا۔

قیس نے پھر لکھا کہ آپ ایسے لوگوں کو چھیڑنے کا کیوں حکم دیتے ہیں جو کسی طرف عملی حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ اگر آپ کی طرف سے ذرا بھی سختی ہوئی تو یہ سب برگشتہ ہوجائیں گے۔ میرا مشورہ قبول کیجئے اور ان کو سرِ دست ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ ناقابل قبول سمجھا اور محمد بن جعفر کے اصرار پر محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا[1]۔

مصر میں حضرت علیؓ کی مخالفت :

گو یہ حکم قیس کی مرضی کے بالکل خلاف تھا اور اس سے ان کی بڑی سبکی ہوئی تھی۔ تاہم وہ حضرت علیؓ کے سچے خیر خواہ تھے، اس لئے بے چوں چرا مصر محمد بن ابی بکر کے حوالے کردیا اور تمام نشیب وفراز سمجھا کر اپنی پالیسی واضح کردی۔ لیکن وہ کمسن اور ناتجربہ کار تھے، جوانی کا جوش تھا۔ آتے ہی خربناوالوں پر فوج کشی کردی۔

یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے، اس لئے ابن ابی بکر کو فاش شکست ہوئی۔ اس سخت گیر پالیسی سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پہلے صرف قریہ کے لوگ حضرت علیؓ کے مخالف تھے،

---

[1] دیکھو ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۱ حالات ولایت قیس بن سعد

محمد بن ابی بکر نے اپنے طرزِ عمل سے اوروں کو بھی مخالف بنا کر امیر معاویہؓ کو فائدہ اُٹھانے کا موقع دیدیا۔

چنانچہ معاویہؓ بن خدیج کندی نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متاثر تھے، مصر میں آپ کے قصاص کی دعوت شروع کردی۔ اس طرح مصر کی فضا مسموم ہوگئی[1]۔ حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اشتر نخعی کو لکھا کہ تم مصر جا کر اس کا انتظام سنبھالو۔ یہ حکم ملتے ہی اشتر روانہ ہوگئے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارے سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کردیا گیا۔

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ :

اشتر کی موت کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر کی فوج کشی کے متعلق خط و کتابت کی۔ انہوں نے امداد کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی اور لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو فوراً آؤ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ انشاءاللہ تم کو ضرور کامیابی ہوگی۔ اس جواب کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے عمرو بن العاصؓ کو ۶ ہزار فوج دے کر مصر روانہ کردیا۔

یہاں عثمانی گروہ پہلے سے موجود تھا۔ اس نے مصر کے باہر اس فوج کا استقبال کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے حملہ کرنے سے قبل محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ مصر والے تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، تم میرے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے، اس لئے میں دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے مقابلہ سے باز آجاؤ اور مصر خالی کردو۔ میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہیں کرنا چاہتا۔ محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا۔ وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا۔

چنانچہ محمد بن ابی بکر مقابلہ کے لئے بڑھے۔ مصر کے مشہور بہادر کنانہ بن بشیر مقدمۃ الجیش کی کمان کررہے تھے، انہوں نے عمرو بن العاصؓ کا نہایت پُر زور مقابلہ کیا، جدھر رُخ کردیتے، میدان صاف ہوجاتا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے یہ رنگ دیکھا تو معاویہؓ بن خدیج سکونی کو اشارہ کیا، انہوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور شامیوں نے ہر طرف سے ٹوٹ کر قتل کردیا۔ ان کے گرتے ہی مصریوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ محمد بن ابی بکر شکست کے آثار دیکھ کر روپوش ہوچکے تھے۔ معاویہ بن خدیج نے ان کو ڈھونڈ نکالا، اور وہ نہایت بیدردی سے قتل کردیئے گئے۔ ان کے قتل کے بعد مصر پر معاویہؓ کا قبضہ ہوگیا[2]۔

---

[1] طبری۔ ص ۳۳۹۲ [2] طبری۔ جلد ۶۔ واقعات ۳۸ھ ملخصاً

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر معاویہؓ کی پیش قدمیاں:

۳۸ھ میں مصر پر قبضہ ہوا۔ ۳۹ھ میں امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضہ مقامات کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ان میں سے بعض مقامات پر کامیابی ہوئی اور بعض میں ناکامی۔ طبری اور ابن اثیر نے ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

سب سے اول امیر معاویہؓ کے عامل نعمان بن بشیر نے ایک شخص کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا۔ مالک بن کعب حضرت علیؓ کی جانب سے یہاں کے حاکم تھے۔ انہوں نے نعمان کو شکست دی۔ اس کے بعد سفیان بن عوف ۶ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بڑھے اور انبار و مدائن پر حملہ کرنے کے لئے ہیت پر تاخت کرتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کے حفاظتی افسر اشرس بن حسان کو قتل کر کے کل مال و متاع لوٹ لیا۔ حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو آپ خود نکلے اور سعید بن قیس کو حملہ آوروں کے تعاقب میں روانہ کیا، مگر شامی نکل چکے تھے۔ پھر عبداللہ ابن مسعدہ فزاری تیماء کے اہل بادیہ، حجاز اور مدینہ کے باشندوں سے صدقہ وصول کرنے کے لئے بڑھے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے مسیب بن نجبہ ان کے مقابلہ کو بڑھے۔

تیما، میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ مسیب نے ان کو گھیر کر قلعہ میں آگ لگا دی۔ لیکن پھر ان کے امان طلب کرنے کے بعد بجھوا دی اور شامی لوٹ گئے۔

اس کے بعد ضحاک بن قیس تین ہزار سپاہ سے قوصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علیؓ کے باجگذار دہقانیوں پر تاخت کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے اور یہاں کے حفاظتی دستہ کو لوٹ کر قطقطانہ کا رُخ کیا اور عمرو بن عمیس سے جو فوجی سواروں کے ساتھ حج کو جا رہے تھے، مزاحم ہوئے اور ان کا سامان لوٹ کر روک دیا۔ حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حجر بن عدی کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ تدمر میں ان دونوں کا مقابلہ ہوا، اور شامی لوٹ گئے۔

پھر ۳۹ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو مکہ میں اپنی بیعت لینے اور وہاں سے علوی عمال کو نکالنے کے لئے امیر بنا کر بھیجا۔ اس وقت قثم بن عباس یہاں کے عامل تھے۔ ان کو خبر ہوئی تو اہلِ مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لئے اُبھارا۔ لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا۔ اس لئے قثم نے حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی اور خود مکہ چھوڑ کر کسی گھاٹی میں چلے جانے کا قصد کیا۔ لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ نے روک دیا۔

اسی درمیان میں ریان بن ضمرہ امدادی فوج لے کر پہنچ گئے۔ مگر شامیوں نے اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن وامان میں خلل انداز ہونا نہیں چاہتے۔ ہم یہاں صرف اسی شخص کے مقابلہ میں تلوار اٹھائیں گے جو ہم سے کسی کا تعرض کرے گا۔ اور حضرت ابوسعید خدری سے درخواست کی کہ ہم حرم میں تفریق ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کسی ایسے شخص کو امیر الحج مقرر کر دیجئے جس پر طرفین متفق ہوں۔

ان کی درخواست پر ابوسعیدؓ نے قثم کو ہٹا دیا اور شیبہ بن عثمان نے امارتِ حج کے فرائض انجام دیئے۔ شامی فوج حج کر کے لوٹ گئی۔ اس کے لوٹنے کے بعد دارالخلافہ سے دوسری عراقی فوج مکہ پہنچ گئی۔ اس نے شامیوں کا تعاقب کیا اور وادی القریٰ کے آگے چند شامیوں کو پکڑ لیا۔ لیکن کچھ عراقی امیر معاویہؓ کے یہاں محبوس تھے، اس لئے قیدیوں کا تبادلہ کر لیا۔

اسی سنہ میں امیر معاویہؓ نے عبدالرحمن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ روانہ کیا۔ یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نے فوراً نصیبین سے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی۔ یہ ۶۰۰ سوار لے کر مقابلہ کو نکلے اور عبد الرحمن کو فاش شکست دی۔ اسی درمیان میں شبیب خود بھی پہنچ گئے۔ مگر شامی واپس جا چکے تھے۔ شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا۔ امیر معاویہؓ نے دوبارہ حبیب بن مسلمہ فہری کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، مگر حبیب کے آتے آتے شبیب واپس جا چکے تھے۔

اسی سنہ میں زہیر بن مکحول شام کی جانب سے صدقات وصول کرنے کے لئے آئے۔ حضرت علیؓ نے کلب اور بکر بن وائل سے صدقات وصول کرنے کے لئے جعفر بن عبداللہ کو بھیجا تھا۔ سماوہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں جعفر مارے گئے۔

دومۃ الجندل کے باشندے اب تک غیر جانبدار تھے۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے مسلم بن عقبہ مری کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی بیعت کے لئے مالک بن کعب ہمدانی کو روانہ کیا۔ انہوں نے آتے ہی مسلم پر حملہ کر دیا اور ایک سال مسلسل مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ شکست دینے کے بعد دومۃ الجندل والوں سے بیعت لینی چاہی، لیکن انہوں نے جواب دیا کہ جب تک کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہو جائے گا، اس وقت تک ہم کسی کی بیعت نہ کریں گے۔ ان کے اس جواب پر مالک نے زیادہ اصرار نہ کیا اور لوٹ گئے۔

ابھی تک حجاز مقدس جس کی حکومت سے خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا، جناب امیرؓ کے قبضہ میں تھا۔ ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاۃ کو حجازیوں سے اپنی بیعت

لینے پر مامور کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت علیؓ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے۔ انہوں نے شامیوں کا رُخ مدینہ کی طرف دیکھا تو حرم نبوی ﷺ کی حرمت کے خیال سے مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد بسر نے منبر پر چڑھ کر اعلان کیا کہ ہمارے شیخ عثمانؓ کہاں ہیں؟ خدا کی قسم اگر میں معاویہؓ سے عہد نہ کر چکا ہوتا، تو مدینہ میں ایک بھی جوان زندہ نہ چھوڑتا۔ جب تک تم لوگ جابر بن عبداللہ کو میرے حوالے نہ کرو گے، اس وقت تک تم پر امن کے دروازے بند رہیں گے۔ جابر بن عبداللہ نے یہ اعلان سنا تو چھپ کر اُم سلمہؓ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ اگر امیر معاویہ کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہیں کرتا تو جان جاتی ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا اور ان کے مشورہ پر انہوں نے بیعت کر لی۔

بسر نے اہل مدینہ کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لئے بعض گھروں کو ڈھا دیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد مکہ پہنچ۔ یہاں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اس کے ظلم و جور سے بہت گھبرائے۔ لیکن اس نے اطمینان دلایا کہ میں کسی صحابی کو قتل نہ کروں گا۔

مکہ کے معاملات درست کرنے کے بعد یہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ یہاں کے عامل عبیداللہ بن عباسؓ کو خبر ہوئی، تو وہ عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے یمن پہنچ کر پہلے عبداللہ کا کام تمام کیا، پھر تمام شیعیان علیؓ کے قتلِ عام کا حکم دیا۔ عبیداللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچے بھی یمن میں تھے، لیکن بسر کے ظلم و جور سے یہ معصوم بھی زندہ نہ بچے۔ یمن میں سکہ بٹھانے کے بعد یہ ستم شعار سنگدل شام لوٹ گیا۔

حضرت علیؓ کو اس کی ستم آرائیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس وقت بسر نجران میں تھا۔ اس لئے یہ دونوں سیدھے نجران آئے۔ بسر نکل کر بھاگا اور جاریہ اور وہب نے انتقام میں بہت سے عثمانیوں کو قتل کرا کے ان کے گھروں میں آگ لگوادی اور بسر کا تعاقب کرتے ہوئے مکہ پہنچے اور یہاں کے باشندوں سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر پھر مدینہ جا کر بیعت لی [1]۔

اس مسلسل خانہ جنگی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی۔ اس صلح کی رُو سے شام کا علاقہ امیر معاویہؓ کو ملا اور عراق حضرت علیؓ کے حصہ میں رہا اور یہ شرط قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقہ میں دست اندازی نہ کرے گا [2]۔

---

[1] یہ تمام واقعات مجملاً طبری و ابن اثیر ۳۸ھ تا ۴۰ھ سے ماخوذ ہیں [2] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۲۴

امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ :

ان پیہم خانہ جنگیوں اور کشت وخون سے مسلمانوں کی ایک جماعت کو خیال پیدا ہوا کہ اُمت اسلامیہ کی خونریزی اور اس کے افتراق و پراگندگی کی ساری ذمہ داری معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور علیؓ کے سر ہے۔ اس لئے اگر تینوں کا قصہ پاک کر دیا جائے تو مسلمانوں کو اس مصیبت عظمیٰ سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ برک بن عبداللہ، ابن ملجم اور عمرو بن بکر نے علی الترتیب تینوں اشخاص کے قتل کرنے کا بیڑا اُٹھایا، اور ایک ہی شب میں اپنے شکار پر خفیہ حملہ آور ہوئے۔

ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کر دیا۔ عمرو بن بکر، عمرو بن العاصؓ پر حملہ آور ہوا۔ اس دن ان کے بجائے دوسرا شخص نماز پڑھانے کے لئے نکلا تھا، ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا اور عمرو بن العاصؓ بچ گئے۔ برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ پر حملہ کیا اور وہ زخمی ہوئے، حاجب و دربان ساتھ تھے، قاتل فوراً گرفتار کر کے اسی وقت قتل کر دیا گیا اور امیر معاویہؓ علاج سے شفایاب ہو گئے۔ اسی دن سے انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے مسجد میں مقصورہ بنوایا[1]۔ اور رات کی حفاظت کے لئے ایک دستہ مقرر کیا۔

حضرت حسنؓ کا استخلاف :

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اور جس طرح آپ معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے اس کے تفصیلی حالات اُوپر گزر چکے ہیں۔

اس صلح کے بعد امیر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے مسلمہ خلیفہ ہو گئے۔ لیکن ابھی ان کے دوسرے حریف خارجی جابجا شورش برپا کئے ہوئے تھے۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ سے مصالحت کے بعد ان کی طرف توجہ کی، اور عرصہ تک قلع قمع کرتے رہے۔ ان لڑائیوں کی تفصیل لاحاصل ہے۔ اس لئے انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے وقت سے حضرت حسنؓ کی دستبرداری تک پیہم خانہ جنگیوں کی وجہ سے نظام خلافت درہم برہم ہو گیا تھا۔ ملک کے مختلف حصوں میں جابجا شورشیں برپا

---

[1] وہ چھوٹا سا قبہ نما حجرہ جس میں نماز کے وقت خلفاء بیٹھا کرتے تھے۔ اس کی ابتداء امیر معاویہؓ نے کی۔ ان کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی حفاظت کے خیال سے اس کو قائم رکھا۔

ہو رہی تھی۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے خارجیوں کی سرکوبی کے ساتھ امن وامان کے قیام کی طرف توجہ کی۔ اس سلسلہ میں سرحدی علاقوں میں بہت سی فتوحات بھی ہوئیں۔

ہراۃ وغیرہ کی بغاوت :

۴۱ھ میں بلخ، ہراۃ، بوشنج اور باذغیس میں بغاوت رونما ہوئی۔ مشرقی ممالک کے والی عبداللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کے تدارک کے لئے قیس بن ہیثم کو خراساں کی ولایت پر مامور کیا۔ چنانچہ یہ خراساں سے بلخ پہنچے اور یہاں کے باشندوں سے اطاعت قبول کرا کے بلخ کے مشہور آتشکدۂ نوبہار کو مسمار کر دیا۔ ان کے بعد عبداللہ ابن حازم نے ہراۃ، بوشنج اور باذغیس والوں کو مطیع بنایا[1]۔

کابل کی بغاوت :

کابل اور اس کا ملحقہ علاقہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا۔ ۴۳ھ میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت برپا کی۔ عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو سجستان کا حاکم بنا کر بغاوت کے فرو کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ یہ سجستان سے چل کر باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل پہنچے اور کابل کا محاصرہ کر کے آتش باری کے ذریعہ شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں۔ عباد بن حصین رات بھر شگاف کی نگرانی کرتے رہے کہ دشمن اس کو پُر نہ کر دیں۔ صبح کو شہر والوں نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ ابن اثیر کا بیان ہے۔ یعقوبی کے بیان کے مطابق خود شہر پناہ کے دربان نے رشوت لے کر دروازہ کھول دیا تھا[2]۔

زران اور غزنہ کی فتوحات :

کابل کی بغاوت فرو کرنے کے بعد مسلمانوں نے بست کو فتح کیا، پھر زران کی طرف بڑھے۔ یہاں کے باشندوں نے ان کا رُخ دیکھ کر پہلے سے شہر خالی کر دیا تھا۔ اس لئے یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی اور زاران سے ملخارستان کی طرف بڑھے۔ یہاں کے باشندوں نے بھی سپر ڈال دی۔ زاران کے بعد رخج کا رخ کیا اور یہاں کے باشندوں کو ایک سخت معرکہ کے بعد فاش شکست دے کر پھر غزنہ کی طرف چلے۔ غزنویوں نے پورا مقابلہ کیا، مگر ناکام رہے اور سجستان سے لے کر غزنہ تک پورا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہو گیا[3]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۵ [2] ابن اثیر۔ ص ۳۶۶ و یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۸ [3] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۶

غور کی بغاوت :

۴۷ھ میں غور کے باشندوں نے مرتد ہو کر بغاوت برپا کر دی۔ اس کی بغاوت کو حکم بن عمرو غفاری نے فرو کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا[1]۔

کوہستانی خراسان کی فتوحات :

۵۳ھ میں عبید اللہ بن زیاد خراسان کا والی بنایا گیا۔ اس وقت اس کی عمر کل ۲۵ سال کی تھی۔ لیکن اس نوعمری کے باوجود خراسان کے دشوار گزار کوہستانی علاقہ کو اونٹ کے ذریعہ عبور کر کے رامنی، نسف اور بیکند پر اسلامی پرچم لہرایا۔ اس جنگ میں ترکوں کی ملکہ ساتھ تھی۔ اس کی ایک جوتی چھوٹ گئی تھی، جو مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ اس کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ درہم تھا[2]۔

ترکستان کی فتوحات :

عبید اللہ کے بعد سعید بن عثمانی کا تقرر ہوا۔ یہ مع فوج کے جیحون کو عبور کر کے قبق خاتون کی طرف بڑھے۔ اس کو ایک مرتبہ مسلمانوں کے مقابلہ کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے اس مرتبہ صلح کر لی۔ لیکن ترک، سغد، کش اور نسف کے باشندے ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں مقابلہ کے لئے نکلے۔ بخارئی میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔

اس وقت قبق خاتون کو صلح کر لینے پر ندامت ہوئی اور اس نے معاہدہ توڑ دیا۔ مگر ایک ترکی غلام ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنی جماعت لے کر چلا گیا۔ اس کے چلے جانے سے باقی لوگوں میں بددلی اور کمزوری پیدا ہو گئی۔ قبق خاتون نے ان ہی لوگوں کے بل پر صلح توڑی تھی۔ اس لئے ان کی پراگندگی کے بعد پھر صلح کر لی اور سعید بخارئی میں داخل ہو گئے۔ بخارا کے بعد سعید سمرقند کی طرف بڑھے۔ اس پیش قدمی میں قبق خاتون نے مسلمانوں کی امداد کی۔

سمرقند پہنچ کر سعید نے باب سمرقند پر فوجیں ٹھہرائیں اور قسم کھائی کہ جب تک اس کو فتح نہ کر لیں گے، اس وقت تک نہ ٹلیں گے۔

تین دن تک اہل سمرقند کا مقابلہ کرتے رہے۔ تیر اندازی کا مقابلہ تھا۔ تیسرے دن اس شدت سے جنگ ہوئی کہ سعید عثمانی اور مہلب بن ابی صفرہ کی ایک آنکھ تیر کے صدمہ سے ضائع ہو گئی۔ سمرقند والے بھی بہت زخمی ہوئے۔ لیکن شہر سے باہر نہ نکلے۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۰		[2] ایضاً۔ ص ۴۱۴ وطبری۔ ص ۱۶۹ بلاذری کا بیان اس سے مختلف ہے۔

اسی درمیان میں ایک شخص نے آکر اس محل کا راستہ بتادیا، جس میں شہزادے اور عمائد شہر قیام پذیر تھے۔ مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ جب اہل شہر کو یقین ہوگیا کہ شہر مسلمانوں کے قبضہ سے نہیں بچ سکتا اور اس صورت میں زیادہ کشت وخون ہوگا، تو انہوں نے ان شرائط پر صلح کرلی کہ اہل سمرقند سات لاکھ درہم سالانہ خراج دیں گے اور نقضِ عہد کے خطرہ کے انسداد کے لئے مسلمان عمائد سمرقند کے چند لڑکے بطور ضمانت لیں گے اور ایک مرتبہ سمرقند کے ایک دروازہ سے داخل ہوکر دوسرے دروازے سے نکل جائیں گے۔ اس صلح کے بعد ترمذ کی طرف بڑھے، لیکن یہاں کے باشندوں نے بلامقابلہ صلح کرلی[1]۔

سندھ کی فتوحات :

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں سندھ پر حملہ ہوچکا تھا۔ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ ملتان اور کابل کے درمیان بند اور اہواز کی طرف بڑھے اور دشمنوں سے مقابلہ کیا۔ پھر قیقان (کوکن) کا رخ کیا۔ یہاں ترک شہسواروں سے مقابلہ ہوا۔ ان سب کو مسلمانوں نے قتل کردیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن سوار عبدی کو یہاں کے اسلامی مقبوضات اور ہندوستان کی سرحد کا حاکم مقرر کیا۔ انہوں نے قیقان پر حملہ کرکے مالِ غنیمت حاصل کیا۔ ان میں مشہور قیقانی گھوڑے بھی تھے۔ عبداللہ سوار یہ تحائف لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور کچھ دن قیام کرکے قیقان آئے، لیکن ترکوں نے ان کو شہید کردیا۔

ان کے بعد سنان بن سلم ہذلی ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ انہوں نے مکران فتح کیا اور قیام کرکے یہاں نظام حکومت قائم کیا۔ ان کے بعد راشد بن عمرو ازدی حاکم ہوئے۔ انہوں نے مکران ہوتے ہوئے پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتح یاب ہونے کے بعد مید پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں یہ کام آگئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد سنان بن سلمہ ان کے قائم مقام ہوئے۔ یہ یہاں دو سال تک مقیم رہے۔ سنان کے بعد عباد بن زیاد بجستان کے راستہ سے ہندوستان کی سرحد کی طرف بڑھے اور سنارود سے رود کے کنارہ کنارہ ہندمند ہوتے ہوئے کش پہنچے، اور پھر رود کو پار کرکے قندھار پر حملہ کیا۔ قندھاریوں نے مقابلہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کی قربانی کے بعد قندھار فتح ہوگیا۔

قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو سرحد کا حاکم مقرر کیا۔ انہوں نے بوقان اور قیقان پر حملہ کرکے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلادیں۔ قصدار کو سنان فتح کرچکے تھے۔ لیکن اہل

---

[1] بلاذری۔ ص ۴۱۷ طبری کا بیان اس سے مختلف ہے۔

قصدار باغی ہوگئے تھے۔ اس لئے منذر نے دوبارہ اس کو فتح کیا۔ ان کے بعد حری بن حری باہلی حاکم ہوئے۔ انہوں نے بڑی بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد بہت سی آبادیاں تسخیر کیں اور سند کے بڑے علاقہ پر اسلامی پھریرا لہرایا[1]۔

رومیوں سے معرکہ آرائیاں :

امیر معاویہؓ کے عہد میں مغربی قوموں سے نبرد آزمائیاں ہوئیں اور شہنشاہِ روم کے بہت سے ایشائی اور یورپی مقبوضات پر اسلامی علم نصب ہوا۔ امیر معاویہؓ کی مستقل خلافت کے بعد سب سے پہلے ۴۲ھ میں رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے فاش شکست کھائی اور ان کے بطریقوں کی بڑی تعداد کام آئی[2]۔

بحری لڑائیاں :

پھر ۴۴ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے رومیوں سے متعدد کامیاب معرکہ آرائیاں کیں اور بسر بن ابی ارطاۃ بحر روم میں اسلامی بیڑے دوڑاتا رہا۔ پھر ۴۹ھ میں مالک بن ہبیرہ رومیوں سے نبرد آزما ہوئے اور فضالہ بن عبید نے خرہ فتح کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ پھر یزید شجرر ہاوی نے بحری تاخت کی۔

۴۸ھ میں عقبہ بن عامر مصری فوج کے ساتھ بحری مہموں میں مشغول رہے، لیکن ان مہموں کی حیثیت فاتحانہ نہ تھی۔ بلکہ زیادہ تر رومیوں کو دھمکانا اور آئندہ مستقل حملوں کے لئے مناسب مواقع کی تلاش اور اپنی مدافعت مقصود تھی۔

قسطنطنیہ پر حملہ :

امیر معاویہؓ اور رومیوں کی لڑائی میں قسطنطنیہ پر حملہ تاریخی اہمیت رکھتا تھا۔ اس زمانہ میں قسطنطنیہ کل مشرقی یورپ کا مرکز تھا۔ اس پر ضرب پڑنے سے پورے مشرقی یورپ پر اثر پڑتا تھا۔ امیر معاویہؓ کو بحری بیڑے کا بڑا شوق تھا۔ ان کے اسی شوق کی بدولت ان کے عہد میں بحر روم اسلامی بیڑوں کا جولانگاہ بن گیا تھا۔ امیر معاویہؓ یہ چاہتے تھے کہ بحر روم کے تمام جزائر پر قبضہ کر کے بحر روم کے اس حصہ کو جو اناطولیہ، شام اور مصر سے گھرا ہوا ہے، بالکل محفوظ کر دیں، تا کہ افریقہ اور ایشیا کے وہ مقبوضات جو بحر روم کے ساحلی علاقہ پر ہیں۔ رومیوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں۔

---

[1] بلاذری۔ ص ۴۳۹، ۴۴۰ [2] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۵۲

اس سلسلہ میں انہوں نے ۴۹ھ میں بڑے ساز وسامان کے ساتھ ایک لشکرِ جرار سفیان بن عوف[1] کی ماتحتی میں قسطنطنیہ روانہ کیا۔ اس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے، تاکہ آنحضرت ﷺ کی اس بشارت کے مطابق کہ ''کیا اچھی وہ فوج ہوگی، اور کیا اچھا وہ امیر ہوگا، جو ہرقل کے شہر پر حملہ آور ہوگا''۔ قسطنطنیہ کے حملہ میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں۔

غرض یہ بیڑا بحرِ روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا۔ قسطنطنیہ رومیوں کا بڑا مرکز تھا، اس لئے ان لوگوں نے پوری مدافعت کی اور مسلمانوں سے بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ عبدالعزیز بن زرارہ کلبی کا جوشِ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور شہادت کی تمنا میں آگے بڑھتے جاتے تھے، لیکن ناکام رہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سعادت عظمیٰ رہی جاتی ہے تو بے دھڑک اپنے قریب کی رومی صف میں گھستے چلے گئے اور رومیوں نے نیزوں سے چھید کر شہید کر دیا[2]۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے بھی اسی مہم میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے یزید نے پوچھا کہ کوئی وصیت ہو تو ارشاد فرمائیں، اس کی تعمیل کی جائے گی۔ فرمایا دشمن کی سرزمین سے جہاں تک لے جا سکو لے جا کر دفن کرنا، چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا اور میزبانِ رسول ﷺ کی لاش رات کو مشعل کی روشنی میں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کی گئی[3]۔

صبح کو رومیوں نے پوچھا تم لوگ رات کو کیا کر رہے تھے؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ اپنے نبی کے ایک بڑے ساتھی کو دفن کر رہے تھے، لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے قبر کھودی تو عرب میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا[4]۔

قسطنطنیہ میں آج تک آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خلائق ہے۔ ''ترجمان حقیقت'' نے اسی تاریخی حقیقت کو ان اشعار میں بیان کیا ہے:

تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا اے مسلمان ملّتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت وخون کا حاصل ہے یہ شہر

---

[1] طبری کے بیان کے مطابق یزید بن معاویہ اس فوج کا امیر تھا۔ جلد ۷۔ ص ۸۶ [2] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۲
[3] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳۸ [4] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۳۔۱۴۴

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں کوئی سال رومیوں کے ساتھ نبرد آزمائی سے خالی نہیں گیا۔ ہر موسم گرما میں جب موسم اعتدال پر آتا تھا، مسلمان کبھی ایشیا اور کبھی یورپ میں ان سے مقابلہ کرتے تھے۔ ان کے عہد میں بحرِ روم کے متعدد جزیرے اسلام کے زیرِ نگیں ہوئے۔

روڈس کی فتح :

اس سلسلہ میں سب سے اوّل ۵۳ھ میں جنادہ بن ابی اُمیہ نے روڈس پر حملہ کیا۔ روڈس بحر روم اناطولیہ کے قریب مغرب میں نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ زیتون، انگور اور ہر قسم کے پھل یہاں بکثرت ہوتے تھے۔ جنادہ بن ابی اُمیہ نے ۵۳ھ میں اس کو فتح کیا، اور امیر معاویہؓ نے یہاں بہت سے مسلمان آباد کئے[۱]

ارواڈ کی فتح :

پھر ۵۴ھ میں ایک دوسرے جزیرہ ارواڈ کو جو قسطنطنیہ کے قریب ہے فتح کیا۔ امیر معاویہؓ نے یہاں بھی مسلمانوں کی نو آبادی قائم کی۔ ارواڈ کی فتح میں جنادہ کے ساتھ مجاہد کی کوششیں بھی شریک تھیں۔ اسی زمانہ میں صقلیہ پر بھی حملہ ہوا، لیکن فتح نہ ہوسکا اور عباسیوں نے یہاں علم نصب کیا۔

یزید کی ولی عہدی :

مغیرہ بن شعبہ، امیر معاویہؓ کے بڑے ہمدرد و ہوا خواہ تھے۔ انہوں نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہؓ نے اس قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا۔ لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولٹیکل دقتیں حائل تھیں۔ اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے۔ خلفاء، اکابر مہاجرین وانصار کے مشورے سے منتخب ہوتے تھے۔ اس لئے مسلمان موروثی بادشاہت سے بالکل نا آشنا تھے۔

گو اس زمانہ میں اکابر صحابہ کی بڑی جماعت اُٹھ چکی تھی، تاہم بعض جانشینِ بساطِ نبوت موجود تھے۔ اس لئے قطع نظر توارث کی بدعت کی صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے بھی ان صحابہ کے ہوتے ہوئے خلافت کے لئے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جاسکتا تھا، اور گو عہدِ رسالت کے بعد اور نظام خلافت کی برہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا مذہبی جذبہ کسی حد تک سرد پڑ چکا تھا۔ تاہم ابھی خلافتِ راشدہ کے نظام کو دیکھنے والے موجود تھے اور عجمی شاہ پرستی ان میں پیدا نہ ہوئی تھی اور اتنے کھلے ہوئے

---

۱ بلاذری۔ ص ۲۴۴ و معجم البلدان ذکر ارواڈ

خطاوثواب میں حق و باطل کی تمیز باقی تھی کہ یزید کا نام خلافت کے لئے پیش کیا جاتا اور مسلمان اس کو آسانی سے قبول کر لیتے۔

اس لئے امیر معاویہ ؓ کو پہلے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں تامل ہوا۔لیکن پھر کچھ یزید کی محبت اور کچھ اپنے نزدیک مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے اور ان کی مرکزیت کو مستحکم کرنے کے خیال سے تمام پہلوؤں اور دشواریوں کو نظر انداز کر کے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت مذہبی اور پولٹیکل حیثیت سے مسلمانوں کے تین مرکز تھے۔جن کی رضامندی پر انتخاب خلیفہ کا دارومدار تھا۔مذہبی حیثیت سے حجاز اور پولٹیکل حیثیت سے کوفہ اور بصرہ۔امیر معاویہؓ نے ولی عہد کے فیصلہ کے بعد ان تینوں مقاموں میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی ذمہ داری علی الترتیب مروان بن حکم، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان کے سپرد کی۔مغیرہ اور زیاد نے حسن تدبیر سے کوفہ اور بصرہ کو درست کر لیا اور یہاں کے عمائد کے وفود نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر یزید کی ولی عہدی تسلیم کر لی۔

قلب اسلام حجاز تھا۔اگرچہ اس وقت یہاں بھی عہد رسالت کی بہار ختم اور مذہبی رُوح مضمحل ہو چکی تھی۔اکابر صحابہ اُٹھ چکے تھے۔جو باقیات الصالحات رہ گئے تھے، وہ بھی گمنام گوشوں میں پڑے تھے۔لیکن ان بزرگوں کی اولادیں جنہیں خود بھی شرف صحبت حاصل تھا، موجود تھے اور ان میں حق گوئی اور صداقت کا جوہر پورے طور پر موجود تھا۔ان میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسینؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ نمایاں شخصیت رکھتے تھے۔خصوصاً اوّل الذکر تینوں بزرگ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے۔

اس لئے جب مروان نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ چاہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ و حضرت عمر فاروق ؓ کی طرح اپنے لڑکے یزید کو خلافت کے لئے نامزد کر جائیں۔تو عبدالرحمٰنؓ نے برملا ٹوکا کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ کی سنت ہے۔ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے لڑکے کو ولی عہد نہیں بنایا۔بلکہ اپنے خاندان کو اس سے دور رکھا[1]۔ان کے بعد اور تینوں بزرگوں نے بھی اس سے اختلاف کیا۔مروان نے یہ رنگ دیکھا تو امیر معاویہ ؓ کو اس کی اطلاع دی۔چنانچہ یہ خود آئے اور مکہ مدینہ والوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔اس بارے میں کہ معاویہؓ نے بیعت کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا مورخین کے بیانات مختلف ہیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی۔ص ۱۹۵

طبری کی روایت ہے کہ ان کے آنے کے بعد ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابن ابی بکرؓ اور حسینؓ کے علاوہ سب ہی نے بیعت کرلی۔ بیعت عام کے بعد پھر انہوں نے فرداً فرداً سب سے نہایت نرمی و ملاطفت کے ساتھ کہا کہ تم پانچوں کے سوا سب نے بیعت کرلی ہے اور تمہاری قیادت میں یہ چھوٹی جماعت مخالفت کررہی ہے۔

ان کے اس اعتراض پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ اگر عامہ مسلمین بیعت کرلیں گے تو ہمیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس جواب پر امیر معاویہؓ نے پھر ان سے کوئی اصرار نہیں کیا۔ البتہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے سخت گفتگو ہوگئی [1]۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا، تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے ابن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ بنایا۔ معاویہؓ نے ان سے کہا کہ میرا جو طرز عمل تم لوگوں کے ساتھ ہے اور جس قدر تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جتنی باتیں برداشت کرتا ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہیں۔

یزید تمہارا بھائی اور ابن عم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس کو صرف خلیفہ کا لقب دے دو۔ باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا صرف تم لوگوں کے اختیار میں ہوگا، اور وہ اس میں مطلق مزاحمت نہ کرے گا۔ اس پر ابن زبیرؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے لے کر عمرؓ تک جو طریقے انتخاب خلیفہ کے تھے، ان میں جو بھی آپ اختیار کریں، اس کے قبول کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ باقی ان کے علاوہ اور کوئی جدید طریقہ قبول نہیں کرسکتے۔

امیر معاویہؓ نے یہ جواب سنا تو ان سب کو دھمکا کر بیعت لے لی، اور ان کو عام مسلمانوں کے سامنے لاکر کہا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سربرآوردہ اشخاص ہیں، انہوں نے بیعت کرلی ہے۔ اس لئے اب تم لوگوں کو بھی توقف نہ کرنا چاہئے۔ امیر معاویہؓ کے اس کہنے پر یہ لوگ خاموش رہے، اس لئے عوام نے بھی بیعت کرلی [2]۔

غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت لے کر نظامِ خلافت کا خاتمہ کردیا۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۷۷ [2] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۴۲۳ اس موقع پر ہم نے ابن زبیرؓ اور معاویہؓ کی گفتگو کا خلاصہ لکھا ہے۔ انشاء اللہ تفصیلی گفتگو ابن زبیرؓ کے حالات میں لکھی جائے گی۔ ابن اثیر نے یہ واقعہ ۵۶ھ میں لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مغیرہ بن شعبہ کا انتقال بالاتفاق ۵۰ھ میں ہوچکا تھا۔

امیر معاویہؓ کی آخری تقریر اور علالت :

۵۹ھ میں امیر معاویہؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ عرصہ سے ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے۔ طاقتِ جسمانی جواب دے چکی تھی۔ اس لئے مرض الموت سے پہلے وہ اکثر موت کے منتظر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ بیماری سے کچھ دنوں پہلے انہوں نے حسب ذیل تقریر کی تھی :

"لوگو میں اس کھیتی کی طرح ہوں جو کٹنے کے لئے تیار ہو۔ میں نے تم لوگوں پر اتنی طویل مدت تک حکومت کی کہ میں اس سے تھک گیا اور غالباً تم بھی تھک گئے ہوگے۔ اب مجھے تم سے جدا ہونے کی تمنا ہے اور غالباً تم کو بھی یہی آرزو ہوگی۔ میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہ ہوگا، جیسا کہ میں اپنے پیشرو سے بہتر نہیں ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جو شخص خدا سے ملنے کی تمنا کرتا ہے، خدا بھی اس سے ملنے کا متمنی رہتا ہے۔ اس لئے خدایا ! اب مجھ کو تجھ سے ملنے کی آرزو ہے، تو بھی آغوش پھیلا دے اور ملاقات میں برکت عطا فرما"۔ اس تقریر کے چند ہی دنوں کے بعد بیمار پڑے"[۱]

اس وقت عمر کی اٹھتر (۷۸) منزلیں طے کر چکے تھے۔ وقت آخر ہو چکا تھا۔ اس لئے علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز حالت گرتی گئی۔ اسی حالت میں ایک دن حمام کیا، جسم زار پر نظر پڑی، تو بے اختیار آنسو نکل آئے اور یہ شعر زبان پر جاری ہوگیا :

ای اللیالیٰ سرعت فی نفقبتی اخذن بعضی و ترکن بعضی

لیکن اس وقت بھی حاکمانہ تیور نہ بدلے اور آن بان میں فرق نہ آنے دیا۔ چنانچہ جب مرض زیادہ بڑھا اور لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا تو ایک دن تیل اور سرمہ وغیرہ لگا کر سنبھل کے بیٹھے اور لوگوں کو طلب کیا۔ حاضر ہوئے اور کھڑے کھڑے مل کر واپس گئے۔ لوگ اس آن بان میں دیکھ کر کہنے لگے کہ معاویہؓ تو بالکل صحیح و تندرست ہیں۔

یزید کو وصیت :

جب حالت زیادہ نازک ہوئی، تو یزید کو بلا کر کہا[۲] کہ "جان پدر میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے اور دشمنوں کو زیر کر کے

---

۱ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲ ۲ اس وصیت کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض لکھتے ہیں کہ معاویہؓ نے یزید کو خود بلا کر وصیت کی تھی اور بعض کے نزدیک یزید اس وقت موجود نہ تھا۔ اس لئے اپنے ندیم خاص ضحاک بن قیس فہری کو لکھوا دی تھی کہ وہ ان کے بعد یزید کے حوالے کر دے۔

سارے عرب کی گردنیں جھکا دیں ہیں اور تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا۔

اب میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہلِ حجاز کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ وہ تمہاری اصل بنیادیں ہیں۔ اس لئے جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے حسن سلوک سے پیش آنا اور اس کی پوری عزت کرنا اور احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا۔ عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا حتیٰ کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی پورا کرنا۔ کیونکہ عاملوں کا تبادلہ تلوار کے بے نیام ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔

شامیوں کو اپنا مشیر کار بنانا اور ان کا خیال ہر حال میں مدنظر رکھنا، اور جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے مقابلہ میں کھڑا ہو تو ان سے مدد لینا، لیکن کامیابی کے بعد ان کو فوراً واپس بلا لینا۔ کیونکہ اگر یہ لوگ وہاں زیادہ مقیم رہیں گے تو ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔

سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے۔ اس میں حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ اور کوئی تمہارا حریف نہیں ہے۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں زہد اور عبادات کے علاوہ کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے، اس لئے عامہ مسلمین کی بیعت کے بعد ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی ہمت اور حوصلہ نہیں جو ان کے ساتھی کریں، اس کے وہ بھی پیرو ہو جائیں گے۔

البتہ حسینؓ کی جانب سے خطرہ ہے۔ ان کو عراق والے تمہارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے۔ اس لئے جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے، تو درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ وہ قرابت دار اور رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہیں۔ البتہ جو شخص لومڑی کی طرح داؤ دے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا، وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ اس لئے اگر وہ صلح کریں تو صلح کر لینا ورنہ موقع اور قابو پانے کے بعد ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے کر ڈالنا''۔[1]

اپنے متعلق وصیتیں :

اس وصیت کے بعد اہل خاندان کو وصیت کی کہ'' خدا کا خوف کرتے رہنا، کیونکہ خدا خوف کرنے والوں کو مصائب سے بچاتا ہے۔ جو خدا سے نہیں ڈرتا، اس کا کوئی مددگار نہیں''۔

---

[1] یہ وصیت طبری اور الفخری کے بیان کا خلاصہ ہے۔ دیکھو طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۶۔ ۱۹۷ والفخری۔ ۱۰۲

پھر اپنا آدھا مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا[1]۔ اور تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایت کی کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک کرتہ مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لئے محفوظ رکھا ہے اور آپ کے ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں۔ مجھے اس کرتے میں کفنانا اور موئے مبارک کو آنکھوں اور منہ کے اندر رکھ دینا۔ شاید خدا اسی کے طفیل میں اور اسی کی برکت سے میری مغفرت فرمادے"[1]۔

وفات :

ان وصیتوں کے بعد عرب کے اس مدبر اعظم نے رجب ۶۰ھ میں جانِ جاں آفرین کے سپرد کی۔ وفات کے بعد ضحاک بن قیس ہاتھوں میں کفن لئے ہوئے باہر آئے اور لوگوں کو ان الفاظ میں وفات کی خبر دی۔

لوگو! معاویہؓ عرب کی لکڑی اور اس کی دھار تھے۔ خدا نے ان کے ذریعہ سے فتنہ فرو کیا۔ شہروں کو فتح کرایا، اور لوگوں پر انہیں حکمراں بنایا، آج وہ اس دنیا سے اُٹھ گئے۔ یہ دیکھو ان کا کفن ہے، اسی میں ہم انہیں لپیٹ کر قبر میں دفن کریں گے، اور ان کا فیصلہ ان کے اعمال پر چھوڑیں گے۔ جو شخص جنازہ میں شرکت کرنا چاہتا ہے وہ آئے"[1]۔ اس اعلان کے بعد تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ ضحاک نے نماز جنازہ پڑھائی اور معاویہؓ دمشق کی زمین میں سپرد خاک کئے گئے۔ مدت حکومت ۱۹ سال تین ماہ۔

حُلیہ : حُلیہ یہ تھا۔ قد بلند و بالا، رنگ گورا، سفید ڈاڑھی میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ کی متعدد بیویاں تھیں۔ میسوں بنت بحدل، ان کے بطن سے یزید اور ایک بچی اُمۃ رب المشارق تھی۔ دوسری بیوی فاختہ بنت قرظہ تھیں، جن کے بطن سے عبدالرحمٰن اور عبداللہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن ان کی زندگی میں مر چکے تھے۔ عبداللہ نہایت بیوقوف اور بزدل آدمی تھا۔ اس لئے وہ نمایاں طور پر کہیں نظر نہیں آتا۔ ان کے علاوہ نائلہ اور کتوہ تھیں، لیکن نائلہ کو طلاق دے دی تھی۔

کارنامہ ہائے زندگی :

امیر معاویہؓ کو جو چیز دوسرے اُموی خلفاء سے ممتاز کرتی ہے، وہ ان کی بے نظیر تدبیر و سیاست اور قوتِ نظم تھی۔ امیر معاویہؓ اُموی سلسلہ کے سب سے پہلے بادشاہ تھے اور ان ہی کے ہاتھوں بنو اُمیہ کی بنیاد پڑی تھی۔ اس لئے عام اصول کے اعتبار سے ان کا دورِ حکومت ابتدائی سادہ اور

---

[1] طبری۔ جلد ص ۲۰۲

غیر مکمل ہونا چاہئے تھا، لیکن اس آغاز کے باوجود وہ ترقی یافتہ حکومت کا ایک مکمل نمونہ تھا۔ ان کے بعد کے آنے والے خلفاء کا دور بعض انفرادی اوصاف وخصوصیات میں تو ان کے دور سے ممتاز ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے ان سے کوئی نہ بڑھ سکا۔ امیر معاویہؓ تاریخ اسلام کے سب سے پہلے شخصی فرمانروا تھے۔ اس لئے ان کے عہد میں خلافت راشدہ کا طریق جہانبانی تلاش کرنا بے سود ہے۔

اس لئے ہم کو آئندہ سطور میں صرف " من حیثیت اول ملوک الاسلام " ان کے دور حکومت پر نظر ڈالنی ہے کہ ایک دنیاوی بادشاہ کی حیثیت ان کا دور کیسا تھا؟ ان کی مطلق العنانی محدود تھی یا غیر محدود، ان کا نظام حکومت مکمل تھا یا ناقص، ان کا عہد دور فتن تھا یا دور امن وسکون، ان کے زمانہ میں اسلام کو تقویت پہنچی یا ضعف، ان کے عہد میں رعایا تباہ حال رہی یا مرفہ الحال۔

غرض ان کی "بادشاہت" کی کمزوری اور حکومت پسندی کے پہلو کو نظر انداز کرنے کے بعد دیناوی حکمران کی حیثیت سے ان کے عہد کی کامیابی اور ناکامی پر تبصرہ مقصود ہے، اور آئندہ سطور میں اسی حیثیت سے ان کے عہد حکومت پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

امیر معاویہؓ کے مشیر کار :

امیر معاویہؓ گو شخصیت پسند فرمانروا تھے، تاہم ان میں ایسی خود سری اور خود رائی نہ تھی، جوان کو اس عہد کے ارباب فکر وتدبر کے صلاح ومشورے سے روکتی۔ وہ اس راز سے خوب واقف تھے کہ اتنے بڑے ملک کا نظام تنہا ایک شخص کی رائے سے قائم نہیں رہ سکتا۔ گو کوئی باقاعدہ مجلس شوریٰ نہ تھی، تاہم اس عہد کے بہترین دماغ اور مشاہیر مدبرین عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان وغیرہ ان کے خاص مشیر کار تھے۔ اور کوئی اہم معاملہ ان لوگوں کے مشورہ کے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔ جس کے بعض واقعات اُوپر گزر چکے ہیں۔

ملک کی تقسیم صوبوں میں :

ان کے زمانہ میں دولت اسلامیہ مختلف صوبوں میں تقسیم تھی۔ جن پر علیحٰدہ علیحٰدہ گورنر ہوتے تھے اور بعض بڑے بڑے صوبہ مثلاً خراسان اور افریقہ متعدد چھوٹے صوبوں پر تقسیم تھے۔ خراسان کے ماتحت کچھ حصہ ترکستان کا اور کابل اور سندھ تک کا علاقہ تھا۔ اسی طرح افریقہ میں تیونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ سب داخل تھے۔ ان پر ایک گورنر جنرل ہوتا تھا، جو اپنی جانب سے ان ملکوں کے مختلف حصوں پر علیحٰدہ علیحٰدہ گورنر مقرر کرتا تھا۔

حکام کے انتخاب میں اوصاف کا لحاظ :

ایک منتظم اور عدل پرور سلطنت کے لئے سب سے زیادہ اہم مسئلہ حکام اور عہدہ داروں کا انتخاب ہے۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں تمام ذمہ دار عہدے ان ہی لوگوں کے سپرد کئے جاتے تھے جو پورے طور پر اس کے اہل ہوتے تھے۔ زیاد گورنر جنرل عراق خاص اصول کے ماتحت حکام کا انتخاب کرتا تھا۔

محافظ سرحد، افسر پولیس، قاضی اور صائف کے عہدوں کے لئے معمر اور تجربہ کار اشخاص منتخب ہوتے تھے۔ پولیس کے لئے چست، چالاک اور رعب داب کے اشخاص منتخب ہوتے تھے۔ صاحب الحرس (محافظ دستہ کا افسر) کے لئے پاک باز اور پختہ کار آدمی چنے جاتے تھے اور اس عہد کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا کہ اس کا دامن عوام کی طعنہ زنی اور عیب چینی سے پاک ہو۔ کاتب کا عہدہ نہایت مہتم بالشان ہے۔ اس کی ادنیٰ لغزش قلم اور تسامح سے نظام حکومت میں خلل پڑ جاتا ہے، اس لئے اس کے انتخاب میں خاص طور پر احتیاط کی جاتی تھی اور اس کے لئے وہی شخص منتخب ہوتا تھا جس کی نگاہ دور بین اور دقیقہ رس ہو۔

اسی کے ساتھ عملی حیثیت سے اپنے کام میں چست اور مستعد ہو، جو روز کا کام روز پورا کر لے، اس میں کسی قسم کی خامی نہ ہو۔ جو کام کرے وہ نہایت مضبوط ٹھوس اور مستحکم ہو۔ ان اوصاف کے ساتھ وہ حکومت کا خیر اندیش بھی ہو۔ حاجب کا عہدہ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں نہ تھا۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اس کو قائم کیا۔ چونکہ اس کو ہر وقت حکمران کی پیشی میں رہنا پڑتا تھا، اس لئے وہی شخص حاجب بنایا جاتا تھا، جو حجابت سے پہلے سلاطین کی دوسری خدمات انجام دے چکا ہو اور اس کے ساتھ ذہین اور فہیم بھی ہو۔ کیونکہ اس کو ہر وقت حکمران کے چشم و ابرو کے اشارہ پر کام کرنا پڑتا ہے[1]۔

حکام کی نگرانی اور ان کی کامل واقفیت :

حکام کے انتخاب میں احتیاط کے ساتھ اتنا ہی اہم مرحلہ ان کے افعال واعمال کی نگرانی اور ان کے طرز حکومت سے خبر داری ہے۔ زیاد کا قول تھا کہ والی کو اپنے پورے عملہ سے خود عملہ والوں سے زیادہ خبر دار رہنا چاہئے، اور اس اصول پر وہ پورے طور سے عمل پیرا تھا۔ وہ تمام عاملوں پر گہری نظر رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے امتحاناً پوچھا کہ آپ مجھ کو جانتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تنہا تم کو ہی نہیں بلکہ

---

[1] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۹۔ ۲۸۰

تمہاری سات پشتوں کو جانتا ہوں، اور جو لباس تم پہنتے ہو اسے بھی بتا سکتا ہوں۔ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی سے چادر مستعار لے کر پہنے تو پہچان کر بتا دوں گا[1]۔

عمال کے محاسبہ کا ذکر آگے آئے گا۔

صیغۂ فوج :

ملک کی حفاظت اور قیام امن کے لئے فوجی قوت سب سے اہم چیز ہے۔ فوج کا نظام حضرت عمر فاروقؓ ہی کے زمانہ میں نہایت مکمل ہو چکا تھا۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ نے اس کو اور زیادہ ترقی دی۔ جب امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو اس میں بہت کم ترمیم کی ضرورت تھی۔ تاہم جس حد تک ترقی کی گنجائش تھی، امیر معاویہؓ نے اس کو ترقی دے کر کمال تک پہنچا دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد حکومت میں تمام اہم مرکزوں پر فوجی قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں۔

قلعوں کی تعمیر :

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے مستقر شام میں متعدد قلعہ بنوائے اور بعض ویران قلعے آباد کئے۔ ساحل شام پر رومیوں کا ایک قلعہ جبلہ تھا۔ یہ شام کی فتح کے زمانہ میں اُجڑ گیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اس کو دوبارہ آباد کیا اور انطر طوس، مرقیہ اور بلدیارس کے قلعے بنوا کر آباد کئے[2]۔ روڈس کی فتح کے زمانہ میں یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ یہ قلعہ سات برس تک روڈس کا فوجی مرکز رہا۔ پھر یزید کے زمانہ میں اُجڑا[3]۔ مدینہ میں خاص اہل مدینہ کے لئے ایک قلعہ بنوایا تھا، جس کا نام قصر خل تھا[4]۔

ان قلعوں کے علاوہ امیر معاویہؓ نے فوجی ضرورت کے لئے مستقل شہر آباد کر کے یہاں بڑی بڑی چھاؤنیاں قائم کیں۔ چنانچہ مرعش اور قیروان اسی ضرورت کے لئے بسائے گئے تھے۔ ان کے حالات شہروں کی آبادی کے ذکر میں آئیں گے۔

بحری فوج میں ترقی :

امیر معاویہؓ کے عہد میں جس فوجی شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی وہ بحری محکمہ ہے۔ جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بری فتوحات کی وسعت کے باوجود کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا اور امیر معاویہؓ کے اصرار پر بھی آپ نے مسلمانوں کی حفاظت جان کے خیال سے انہیں سمندر میں

---

[1] یہ تمام تفصیلات یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۹۔ ۲۸۰ سے ماخوذ ہیں [2] فتوح البلدان۔ ص ۱۴۰
[3] ایضاً۔ ص ۲۴۵ [4] ایضاً۔ ص ۱۶۰

نہ اُترنے دیا تھا۔لیکن امیر معاویہؓ پر سمندروں سے کھیلنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ سے باصرار اجازت لے لی اور چند دن کے اندر بحری فوج کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بیڑے کو اس عہد کے مشہور رومی بیڑوں سے بڑھا دیا اور ۳۳ھ میں پانچ سو جہازوں کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا۔جس کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے۔

جہاز سازی کے کارخانے :

امیر معاویہؓ جیسا عظیم الشان بیڑا رکھنا چاہتے تھے، اس کے لئے جہاز سازی کے کارخانوں کی سخت ضرورت تھی۔چنانچہ انہوں نے اپنے عہد میں اس کے متعدد کارخانے قائم کئے۔ان میں پہلا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا تھا[1]۔

بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اس قسم کے کارخانے تمام ساحلی مقامات پر قائم کئے تھے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ پہلے جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر میں تھا۔لیکن امیر معاویہؓ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کئے گئے اور ان کو انہوں نے تمام ساحلی مقامات پر بسایا۔اردن میں عکا میں بھی کارخانہ قائم تھا[2]۔

امیر البحر :

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عموماً برّی بحری سپہ سالار ایک ہی ہوا کرتے تھے۔لیکن امیر معاویہؓ نے بحری قوت کو جس قدر ترقی دی تھی، اس کے لئے مستقل امیر البحر کی ضرورت تھی۔اس لئے انہوں نے برّی اور بحری فوج دونوں کی سپہ سالاری پر الگ الگ اشخاص مقرر کئے۔طبری کے بیان کے مطابق عبداللہ بن قیس حارثی کو انہوں نے امیر البحر مقرر کیا تھا۔انہوں نے کم وبیش پچاس بحری معرکہ آرائیاں کیں۔جن میں ایک مسلمان بھی ضائع نہیں ہوا[3]۔

دوسرے امیر البحر جنادہ بن ابی اُمیہ تھے۔جن کو امیر معاویہؓ نے عثمانی عہد میں بحری لڑائیوں پر مامور کیا تھا۔یہ اس زمانہ سے لے کر یزید کے عہد تک برابر بحری حملوں میں مصروف رہے[4]۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں جس قدر بحری لڑائیاں ہوئیں، اس کی نظیر ان کے بعد عرصہ تک نہیں ملتی۔کوئی سال بحری حملوں سے خالی نہ جاتا تھا۔بلکہ بیک وقت مختلف مقامات پر حملے ہوتے تھے۔اُوپر کی فتوحات کے سلسلہ میں ان کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

---

[1] حسن المحاضرہ سیوطی۔جلد ۲۔ص ۱۹۹ [2] فتوح البلدان۔ص ۱۲۴ [3] طبری
[4] اسد الغابہ۔جلد ۲۔تذکرہ جنادہ ابن ابی اُمیہ

پولیس کا محکمہ اور امن و امان :

جنگی قوت عموماً بیرونی حملہ آوروں کی مدافعت اور دوسرے ملکوں پر حملہ کے لئے ہوتی ہے۔ لیکن اندرون ملک کا امن و امان پولیس پر موقوف ہے اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں پولیس میں بڑی وسعت ہوئی۔ صرف ایک شہر کوفہ میں ۴ ہزار پولیس متعین تھی، اور پانچ سو پولیس مسجد میں پہرا دیتی تھی۔ اس وسعت کا یہ نتیجہ تھا کہ اگر کسی کی کوئی چیز راستہ میں گر جاتی تو راہ رو اُٹھانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ تا آنکہ اس کا مالک خود آ کر نہ اُٹھائے۔ راتوں کو عورتیں تنہا اپنے گھروں میں مکان کے کواڑ کھول کر بے خوف و خطر سوتی تھیں۔ زیاد کہتا تھا کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان رسی کا کوئی ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا۔

ایک گھر سے گھنٹا بجنے کی آواز آتی سنی پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہیں۔ بولا اس کی ضرورت نہیں اگر مال ضائع ہوا تو میں اس کا ضامن ہوں۔ اس سلسلہ میں اس نے بعض ایسے قوانین بھی بنائے تھے، جو بظاہر بہت سخت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً عشاء کے بعد گھروں سے نکلنے کی سزا قتل تھی۔ لیکن عراق جیسے فتنہ پسند ملک میں اس سختی کے بغیر امن و امان ممکن نہ تھا[1]۔

مشتبہ لوگوں کی نگرانی :

مشتبہ چال چلن والوں کی نگرانی اس عہد کی جدت سمجھی جاتی ہے۔ بعض مقامات پر جہاں شورہ پشتوں کے شر و فساد کا خطرہ تھا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں یہ طریقہ رائج ہو چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ابو درداءؓ کو دمشق کے بدمعاشوں کے نام قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا[2]۔ زیاد نے جعد بن قیس تمیمی کو بدمعاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا، جو گھوم پھر کر ان کو نگاہ میں رکھتے تھے[3]۔

ذرائع خبر رساں اور پرچہ نگاری :

برید یعنی سرکاری ڈاک کا انتظام ایک منظم حکومت کے لئے ناگزیر شے ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک اسلامی حکومت میں یہ طریقہ رائج نہ تھا۔ سب سے پہلے ان ہی نے اس کو جاری کیا۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ گھوڑ دوڑ کے تیز رفتار گھوڑے تھوڑی تھوڑی مسافت پر رہتے تھے۔ خبر رساں خبر لے کر ان پر سوار ہوتا اور نہایت تیزی کے ساتھ جاتا تھا اور جب یہ گھوڑا تھک جاتا تھا تو آگے چوکی پر جہاں تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ تازہ دم گھوڑے سے تبادلہ کر کے آگے بڑھتا تھا۔ اسی طریقہ سے

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۷۷۔ ۷۹ [2] ادب المفرد باب الظن [3] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۸۷

بڑھتا ہوا اور گھوڑے بدلتا ہوا منزل مقصود پر پہنچ جاتا تھا۔ اس طریقہ سے ایک مقام کی خبر دوسرے مقام پر نہایت جلد پہنچ جاتی تھی[۱]۔

دیوان خاتم :

فرامین سلطانی اور حکومت کے احکام کی نقل ایک ضروری چیز ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک اسلامی حکومت میں اس کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ اسی لئے کبھی کبھی لوگ اس میں ردو بدل کر دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ایک شخص کو ایک لاکھ کی رقم دلائی اور زیاد کے نام دہانید کا فرمان لکھ دیا۔ اس شخص نے فرمان پڑھ کر دولاکھ بنادیئے اور زیاد سے اسی قدر وصول کرلیا۔ جب زیاد نے امیر معاویہؓ کے سامنے حساب کے کاغذات پیش کئے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص ایک لاکھ کے بجائے دو لاکھ لے گیا۔ اسی دن سے امیر نے دیوان خاتم قائم کیا۔ اس میں یہ ہوتا تھا کہ جب پیش گاہ سلطانی سے کوئی فرمان صادر ہوتا تھا تو وہ پہلے دفتر میں آتا تھا اور یہاں کا اس کی نقل اپنے رجسٹر پر چڑھا کر اصل فرمان کو ملفوف کر کے اس پر موم سے مہر کر دیتا تھا۔ اس طرح اس میں تحریف کا امکان باقی نہیں رہتا تھا[۲]۔

یہ طریقہ محض شاہی فرامین تک محدود نہ تھا بلکہ بعض بڑے بڑے عمال بھی اس پر عامل تھے۔ چنانچہ زیاد نے باقاعدہ دفاتر قائم کئے تھے، جن میں احکام وخطوط کی نقلیں رکھی جاتی تھیں[۳]۔

رفاع عام کے کام :

امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں اس قسم کے بہت سے رفاع عام کے کام کئے، جن سے حکومت کے ساتھ عام رعایا کو بھی فائدہ پہنچا تھا۔

نہریں :

ایشائی ملک زیادہ تر زرعی ہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں جب صنعت وحرفت نے ترقی نہ کی تھی، قریب قریب ہر ملک کی ثروت اور فارغ البالی کا مدار زیادہ تر زراعت پر تھا۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں زراعت کی ترقی اور پیداوار کے اضافہ اور زمین کی سیرابی کے لئے ملک کے طول وعرض میں جابجا نہروں کا جال بچھا دیا۔ جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب اور کروڑوں انسانوں کی پرورش

۱۔ الفخری۔ ص ۹۷ ۲۔ ایضاً ۳۔ تاریخ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۹

ہوتی تھی۔ ان نہروں کی وجہ سے پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور قحط سالی کا خطرہ جاتا رہا۔ خلاصۃ الوفا میں ہے کہ مدینہ شریف اور اس کے گرد بکثرت نہریں تھیں اور امیر معاویہؓ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا۔ انہوں نے جو نہریں جاری کیں ان میں نہر کظامہ، نہر ازراق اور نہر شہداء وغیرہ کے نام خلاصۃ الوفا میں ملتے ہیں[1]۔

حضرت معقلؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے بصرہ میں ایک نہر کھدوائی تھی جو نہر معقل کے نام سے مشہور تھی۔ زیاد نے امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں دوبارہ اس کو کھدوا کر صاف کرایا اور افتتاح کے بعد ایک آدمی کو ایک ہزار درہم دے کر کہا کہ دجلہ کے کنارے کنارے چکر لگا کر لوگوں سے پوچھو کہ یہ نہر کس کی ہے؟ جو شخص زیاد کی نہر بتائے اس کو یہ رقم دے دو۔ اس نے گھوم پھر کر پوچھا، مگر ہر شخص کی زبان پر معقل کا نام تھا[2]۔

عبید اللہ بن زیاد گورنر عراق مقرر ہوا تو اس نے بخارا کے پہاڑ کاٹ کر ایک نہر نکالی[3]۔ ان ہی کے عہد حکومت میں حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی۔ مگر اس کا افتتاح نہ ہو سکا[4]۔ نہر کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوائے، جن میں پانی جمع ہوتا تھا[5]۔ ان نہروں سے پیداوار میں جو اضافہ ہوا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مدینہ اور اس کے قرب و جوار کی نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا[6]۔

شہروں کی آبادی:

امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں مستقل شہر آباد کرائے اور بعض پرانے اُجڑے شہر بسائے۔ مرعش شام کا قدیم اُجڑا ہوا شہر تھا۔ امیر معاویہؓ نے اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے بسایا[7]۔

ان کے عہد میں جو سب سے بڑا شہر آباد ہوا، جو اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے وہ قیروان ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عقبہ بن نافع فہری نے افریقہ کے بڑے بڑے شہر فتح کئے اور ہزاروں بربری اسلام لائے، لیکن یہ سخت فتنہ پرست اور بغاوت پسند تھے۔ جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی، اس وقت تک مطیع و منقاد رہتے اور جیسے ہی ہٹتی مرتد ہو کر باغی ہو جاتے تھے۔ اس لئے عقبہ نے یہاں ایک شہر آباد کر کے مسلمانوں کے بسانے کا قصد کیا۔

---

[1] وفا الوفا۔ ص ۱۱۷ وخلاصۃ الوفا۔ ص ۱۳۶۔ ۱۳۷ [2] فتوح البلدان۔ ص ۳۶۶ [3] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۹
[4] ایضاً۔ ص ۱۵۶ [5] وفا۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۱ [6] ایضاً۔ ص ۲۳۷ [7] فتوح البلدان۔ ص ۱۹۶

تا کہ روز روز کی بغاوت کا خطرہ جاتا رہے۔ چنانچہ انہوں نے ساحل سے ہٹ کر اس کے لئے ایک جنگل منتخب کیا تا کہ رومیوں کے بحری حملوں سے محفوظ رہے یہ جنگل نہایت گھنا اور درندوں اور مسموم کیڑوں کا مسکن تھا۔ عقبہ نے اسے کٹوا کر بسایا۔ وسط شہر میں دارالامارۃ بنوایا، اور چاروں طرف مسلمانوں کے محلّے آباد کر کے ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ شمالی افریقہ کا مرکز بن گیا[1]۔

جب کسی قوم کا اختر اقبال ترقی پذیر ہوتا ہے تو اس کے متعلق عجیب وغریب محیر العقول داستانیں زبان زد خاص وعام ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے عہد اقبال کے اس قبیل کے سینکڑوں واقعات نے بھی تاریخی شہرت حاصل کر لی ہے۔ ان میں قیروان کی تاسیس کے سلسلہ کا ایک واقعہ بھی لائق ذکر ہے۔

جس وقت عقبہ نے اسے بسانے کا ارادہ کیا اس وقت یہاں جنگل اتنا گھنا اور ہیبتناک تھا کہ بڑے بڑے خونخوار درندے اور اژدہے اس میں بھرے ہوئے تھے اور ان کے نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ لیکن جو قوم ترقی پذیر ہوتی ہے اس کا سکہ انسان سے لے کر حیوان تک پر یکساں چلتا ہے۔ یہی قصہ اس جنگل کے مکینوں کے ساتھ پیش آیا۔

عقبہ بن عامر نے جنگل کے پاس اعلان کرادیا کہ ہم لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور ان کی اُمت ہیں اور تمہیں حکم دیتے ہیں کہ کل تک تم سب جنگل خالی کر دو، ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس الٹی میٹم پر جتنے درندے، اژدہے اور دوسرے خوفناک جانور تھے، وہ سب اپنے اپنے بچوں کے ساتھ قطار در قطار نکلنے لگے اور جنگل بالکل خالی کر دیا۔ گو یا یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن اس سے اس وقت مسلمانوں کے اوج اقبال کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

نوآبادیاں :

ان مستقل شہروں کے علاوہ بہت سی نوآبادیاں قائم ہوئیں۔ ۴۳ھ میں انطاکیہ میں فارس بعلبک، حمص اور مصر کے باشندوں کی ایک نوآبادی بسائی[2]۔ ۵۲ھ میں روڈس میں بہت سے مسلمان آباد کئے گئے۔ ۵۴ھ میں ارواڈ میں مسلمان بسے[3]۔ خصوصاً ان مقامات پر جہاں کسی دوسری حکومت کی سرحد ملتی تھی، مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔ اس کی وجہ سے مخالفت کے حملہ کا خطرہ بڑی حد تک کم ہو گیا۔

۱؎ معجم البلدان ذکر ''قیروان'' ۲؎ فتوح البلدان۔ ص۲۴۴ ۳؎ فتوح البلدان بلاذری ص۲۶۴

شیر خوار بچوں کے وظائف :

حضرت عمر فاروقؓ نے دس دس درہم مجاہدین کے بچوں کا وظیفہ مقرر کیا تھا اور اس میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس کو قائم رکھا۔ لیکن اتنی ترمیم کر دی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد یہ وظیفہ جاری ہوتا تھا۔

موذی جانوروں کا قتل :

تہذیب یافتہ سلطنتوں میں رعایا کے آرام و آسائش کے لئے موذی جانوروں کا قتل بھی رائج ہے اور بعض حالتوں میں اس پر انعامات دیئے جاتے ہیں۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں نصیبین میں بچھوؤں کی اتنی کثرت تھی کہ وہاں کے لوگ ان سے پریشان ہو گئے تھے۔ وہاں کے عامل نے امیر معاویہؓ کے پاس اس کی شکایت لکھی۔

انہوں نے لکھا کہ شہر کے باشندوں پر بچھوؤں کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے کہ وہ رات کو اس تعداد میں بچھو پکڑ کر لایا کریں۔ چنانچہ یہ حکم جاری ہوا، اور لوگ مقررہ تعداد میں بچھو پکڑ کر لاتے تھے، اور وہ مار ڈالے جاتے تھے۔ اس طرح بچھوؤں کی تعداد میں نمایاں کمی ہو گئی[1]۔

ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر :

غالباً تمام مذاہب عالم میں یہ بات امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے رعایا کی حیثیت سے مسلم اور غیر مسلم کے حقوق میں کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے اور اس کا عملی ثبوت عہد فاروقی تھا۔ تاہم چونکہ اس زمانہ میں غیر مسلم اقوام نئی نئی مفتوح ہوئی تھیں۔ اس وقت تک انہوں نے معتمد ہونے کا کوئی عملی ثبوت بھی نہیں دیا تھا، اس لئے حقوق میں مساوات کے باوجود حکومت کے عہدوں میں انہیں بار نہ مل سکا۔ اس کے بعد جس قدر زمانہ گزرتا گیا اور غیر مسلموں کا اعتماد بڑھتا گیا ویسے ویسے انکو حکومت میں قربت حاصل ہوتی گئی۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کے قیام دمشق کی وجہ سے جب خصوصیت سے دونوں میں زیادہ روابط بڑھے تو امیر معاویہؓ نے ان کو حکومت کے ذمہ دار عہدوں اور جلیل القدر مناصب پر ممتاز کیا۔ چنانچہ ابن آثال عیسائی کو، جو ان کا طبیب تھا، حمص کا کلکٹر مقرر کیا گیا[2]۔ اور سرجون اور منصور رومی کو مالیات کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کیا[3]۔

---

[1] معجم البلدان ذکر نصیبین [2] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۵ [3] خطط الشام کرد علی۔ جلد اول۔ ص ۱۴۳

غیر مسلموں کے جذبات کا احترام :

شام میں یہودیوں اور عیسائیوں کی بڑی آبادی تھی اور امیر معاویہ ؓ کو یہاں جو اقتدار حاصل تھا تاریخ اس کی شاہد ہے اس کے باوجود انہوں نے ان کے مذہبی مراسم وغیرہ میں دست اندازی نہیں کی۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس گرجے کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا، لیکن عیسائی رضامند نہ ہوئے۔ اس لئے انہوں نے ارادہ ترک کر دیا[1]۔

ذمیوں کے مال کی حفاظت :

خلفاء ذمیوں کے حقوق اور ان کی جان و مال کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ سرکاری ضرورتوں کے لئے بھی کسی پر دست اندازی نہ کی جاتی تھی۔

امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ حضرت عقبہؓ بن عامر صحابی کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ وہ مصر کے ایک گاؤں میں اپنی سکونت کے لئے مکان بنوانا چاہتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے انہیں اس ضرورت کے لئے ایک ہزار جریب زمین عنایت کی۔ انہوں نے ایک غیر آباد پرتی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی، انتخاب کی۔ اس پر ان کے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ پسند کیجئے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ معاہدہ میں جو شرطیں ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ذمیوں کی زمین ان کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی[2]۔

رعایا کی دادرسی :

ایک عادل فرمانبردار کے لئے رعایا کی شکایات سننا اور اس کی دادرسی ضروری ہے۔ امیر معاویہ ؓ کو اس میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ روزانہ مسجد میں بیٹھ کر عام رعایا کو بلا استثناء آزادی سے اپنی شکایات پیش کرنے کا موقع دیتے تھے۔

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ ؓ مسجد میں کرسی رکھوا کر بیٹھتے تھے اور بلا استثناء ضعیف، کمزور، دیہاتی، بچے اور لاوارث سب پیش کئے جاتے تھے، اور ان میں ہر شخص ان کے سامنے اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا۔ امیر معاویہؓ اسی وقت ان کے تدارک کا حکم دیتے تھے۔ مظلوموں کی فریادرسی کے بعد

---

۱ بلاذری۔ ص ۳۳۱ ۲ مقریزی۔ جلد اول۔ ص ۲۰۸

پھر ایوانِ حکومت میں آتے اور تخت پر بیٹھتے۔ اس وقت امراء اور اشراف درجہ بدرجہ باریاب ہوتے، معمولی مزاج پرسی کے بعد جب یہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے تو امیروں سے فرماتے کہ تم لوگ اشراف اس لئے کہلاتے ہو کہ تم کو اپنے سے کم درجہ کے لوگوں پر شرف بخشا گیا ہے۔ اس لئے تم کو چاہئے کہ جو شخص میرے پاس نہیں پہنچ سکتا، اس کی ضروریات مجھ سے بیان کرو۔ اس کے بعد اشراف لوگوں کی ضروریات پیش کرتے اور امیر ان سب کے پورا کرنے کا حکم دیتے [1]۔

یہی حال ان کے عمال کا تھا۔ زیاد گورنر جنرل عراق کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے اس کو کثرت کار اور ذمہ داری کے بار کی وجہ سے عوام سے ملنے جلنے اور ان کی شکایات سننے کا براہِ راست کم موقع ملتا تھا۔ اس کی تلافی کے لئے اس نے اپنے حاشیہ نشینوں کو حکم دیا تھا کہ ہر شخص نہ مجھ تک پہنچ سکتا ہے اور اگر پہنچ بھی جائے تو گفتگو کا موقع نہیں پا سکتا۔ اس لئے تم لوگ عوام کے حالات میرے گوش گزار کرتے رہو [2]۔

مذہبی خدمات :

گو امیر معاویہؓ کا عہد خلفائے راشدینؓ کے مذہبی عہد کے مقابلہ میں دنیاوی بادشاہت کا دور تھا۔ تاہم ان کا زمانہ مذہبی خدمات سے خالی نہیں، اور وہ اپنی حکومت کے استحکام اور بقا کی کوششوں کے ساتھ ہی مذہب کی ترقی اور اوامر و نواہی کے قیام و تبلیغ میں بھی برابر کوشاں رہتے تھے۔

اشاعتِ اسلام : ان کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ افریقہ کی فتوحات میں بے شمار بربری اسلام لائے۔ مگر بار بار مرتد ہو کر باغی ہو جاتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے ارتداد اور بغاوت کو روکنے کے لئے قیروان آباد کیا۔ جس کا تذکرہ اُوپر گزر چکا ہے۔ بربریوں کے علاوہ رومیوں کی معتد بہ تعداد بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئی۔

حرم کی خدمت :

شیخین کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر معمولی کپڑے کا غلاف چڑھتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں پہلی مرتبہ اس پر بیش قیمت غلاف چڑھایا اور امیر معاویہؓ نے اس کو دیبا سے آراستہ کیا اور اس کی خدمت کے لئے غلام مقرر کئے [3]۔

---

[1] مروج الذہب مسعودی۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۳ مطبوعہ مصر [2] یعقوبی۔ جلد ۲ ص ۲۷۹ [3] ایضاً۔ ص ۲۸۳

مساجد کی تعمیر :

ان کے عہد میں بکثرت نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی مرمت ہوئی۔ زیاد بصرہ کا والی ہوا تو اس نے یہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھوں کی چھت دی[1]۔ قبرص فتح ہوا تو یہاں مسلمانوں نے نوآبادی کے ساتھ بہت سی مساجد بھی تعمیر ہوئیں[2]۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کابلی معماروں سے بصرہ میں اپنے لئے کابلی طرز کی ایک مسجد بنوائی[3]۔ عقبہ بن نافع نے قیروان کی آبادی کے سلسلہ میں یہاں کے لئے ایک وسیع جامع مسجد بنوائی[4]۔ مصر کی مسجدوں میں مینار نہ تھے۔ مسلمہ بن مخلد نے ۵۳ھ میں یہاں کی تمام مساجد میں مینار بنوائے[5]۔

اقامتِ دین :

اوامر و نواہی کی تبلیغ اور اقامت دین ایک مسلم حکمراں کا سب سے مقدم مذہبی فرض ہے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانے میں اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش کی۔

نکاحِ شغار کا انسداد :

زمانۂ جاہلیت میں ایک قسم کا نکاح رائج تھا، جسے ''شغار'' کہتے تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کر دیتا تھا کہ وہ اس کے بدلہ میں اپنی لڑکی یا بہن اس کی زوجیت میں دے دے اور یہ تبادلہ مہر ہوتا تھا۔ اور اس صورت میں عورت کو مہر نہ ملتا تھا اور اس کی حق تلفی ہوتی تھی۔

اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی تھی۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عباس بن عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن حکم نے اسی طریقہ پر اپنی لڑکیوں کی شادی ایک دوسرے کے ساتھ کر دی۔ امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے مروان کو لکھا کہ یہ نکاح شغار ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے دونوں میں تفریق کرادو[6]۔

انسداد مفاسد :

عورتوں کی مصنوعی آرائش اور غیر معتدل زیب و زینت ان کی بداخلاقی کا پہلا زینہ ہے۔ یہودی عورتوں کی بداخلاقی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان میں جن عورتوں کے بال گر جاتے تھے وہ

---

[1] فتوح البلدان۔ص ۳۵۵　[2] ایضاً۔ص ۱۶۰　[3] ایضاً۔ ۴۰۴　[4] معجم البلدان ذکر ''قیروان''
[5] اصابہ تذکرہ مسلمہ بن مخلد　[6] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الشغار

مصنوعی لگالیتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان مصنوعی بالوں کی ممانعت فرمادی تھی۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عربی عورتوں نے بھی یہ طرزِ آرائش اختیار کرلیا تھا۔ امیر حج کو آئے تو اس کی ممانعت پر خطبہ دیا اور منبر پر چڑھ کر مصنوعی بالوں کا گچھا ہاتھ میں لے کر کہا ''اے اہلِ مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں'' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنی اسرائیل اس وقت برباد ہوئے جب ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا[1]۔

کبھی کبھی مجامع عام میں آنحضرت ﷺ کے مسنون اعمال کا اعلان کرتے۔ کبھی خود عبادات کا مسنون طریقہ عملاً کرکے دکھاتے۔ کبھی اعمال کے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان لوگوں کو سناتے۔

فرائض اور سنن میں فرق :

آنحضرت ﷺ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے۔ امیر معاویہؓ حج کو گئے تو اس خیال سے کہ لوگ اس روزہ کو فرض نہ سمجھ لیں۔ منبر پر چڑھ کر اعلان کیا ''اے اہلِ مدینہ'' تمہارے عالم کہاں ہیں؟ میں نے آنحضرت ﷺ سے سُنا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ''یہ عاشورہ کا دن ہے۔ خدا نے اس دن کا روزہ تمہارے اُوپر فرض نہیں کیا ہے، میں روزہ رکھتا ہوں، تم لوگوں میں سے جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جس کا دل چاہے افطار کرے[2]۔

مسنون طریقوں کی تعلیم :

ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے مسنون طریقہ سے وضو کیا اور مسح راس کے لئے چُلّو میں پانی لے کر داہنے ہاتھ سے سر پر ڈالا۔ پانی کے قطرے ٹپکنے لگے۔ پھر شروع سر سے لے کر آخر تک ہاتھ پھیرا اور واپس لائے[3]۔

غیر مسنون اعمال کی ممانعت :

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کے ایک مجمع سے کہا کہ آپ لوگوں کو غالباً اس کا علم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں چیزوں سے منع فرمایا ہے، اور چیتے کے کھال کے فرش کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ سب نے کہا، ہاں! پھر کہا، آپ لوگ اس سے بھی بے خبر نہ ہوں گے کہ آپ نے حج اور عمرہ کے قِران سے منع فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا، اس کی ممانعت تو نہیں ہے۔ کہا نہیں! قِران بھی مذکورۂ بالا چیزوں کی طرح ممنوع ہے۔ غالباً آپ لوگ بھول گئے[4]۔

---

[1] بخاری کتاب بدءُ الخلق و کتاب الادب
[2] بخاری کتاب الصیام باب صوم عاشورہ
[3] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ الوضوء النبی ﷺ
[4] کتاب المناسک باب فی القران

خطبہ میں تعلیم وارشاد :

کبھی کبھی خطبہ میں تعلیم وارشاد کا فرض انجام دیتے تھے۔ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر مسلمانوں سے خطاب کیا کہ لوگو میری باتوں کو کان دھر کر سنو! اس لئے کہ مجھ سے زیادہ دین ودنیا کا واقف کار پھر تم کو نہ ملے گا۔نمازوں میں اپنے چہروں اور صفوں کو سیدھا رکھا کرو، ورنہ خدا تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔اپنے کم عقل لوگوں کو قابو میں کرو، ورنہ خدا تم پر دشمن کو مسلط کردے گا۔جو تم کو سخت عذاب دے گا۔صدقہ کیا کرو۔کم مائگی کا عذر نہ کیا کرو۔کم مایہ آدمی کا صدقہ دولت مند کے صدقہ سے زیادہ افضل ہے۔عفیفہ اور پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگایا کرو۔اگر تم میں سے کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کی بھی عورتوں پر تہمت لگائے گا تو قیامت میں اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا[1]

امیر معاویہؓ کی فرد جرم کی تاریخی حیثیت اوراس کے اسباب :

امیر معاویہ ؓ کی سیرت میں ان کے کارناموں کی تفصیل کے بعد سب سے اہم اور ضروری ان غلط روایات اور بے بنیاد الزاموں کی تنقید وتردید ہے،جن کی شہرت عام نے بہت سے تعلیم یافتہ مگر کوتاہ نظر اشخاص کو بھی امیر معاویہ ؓ کی جانب سے غلط فہمیوں میں مبتلا کردیا ہے۔یہ واقعات تاریخی حیثیت سے یا بالکل بے حقیقت ہیں یا نہایت کمزور ہیں۔لیکن ان کی شہرتِ عام نے انہیں تاریخی حقائق سے بھی زیادہ مشہور کردیا ہے اوراس کی تاریکی میں امیر کے روشن خدوخال بالکل چھپ گئے ہیں۔

ان واقعات کی شہرت کے دواسباب ہیں :

پہلا سبب نبی اُمیہ اور بنی ہاشم کی قدیم چشمک اور خلافت کے بارے میں اہلِ بیت اورغیر اہلِ بیت کا سوال ہے۔بعض ناعاقبت اندیش اور بدخواہِ خلافت مفسدوں نے شیخین ہی کے عہد میں اس قسم کی اختلافی سوالات پیدا کردیئے تھے۔لیکن ان دونوں بزرگوں کی خلافت اجماعی خالص شرعی تھی۔نظامِ خلافت حق وصداقت کی بنیادوں پر قائم تھا۔خود یہ بزرگوار اسوۂ نبوی ﷺ مجسم پیکر تھے۔اس سے بڑھ کر حق وباطل میں امتیاز کرنے والی جماعت صحابہؓ موجود تھی۔اس لئے یہ شر انگیز سوالات نہ اُبھر سکے اور دماغوں ہی کے اندر دب کر رہ گئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن اثیر۔جلد ۸۔ص ۱۳۴

اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں (باوجود یکہ وہ بھی خلیفۂ راشد تھے، لیکن چونکہ امتداد زمانہ سے نظام خلافت میں پہلی استواری قائم نہ رہ گئی تھی) فتنہ پرست فرقہ کی شر انگیزیاں اثر کر گئیں اور حضرت عثمانؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بننا پڑا اور اس کے جو مذموم نتائج نکلے وہ سب کو معلوم ہیں۔ ایسی حالت میں امیر معاویہؓ کو جن کی حکومت نہ خلافت راشدہ کے صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی تھی اور وہ بعض غلطیوں کی وجہ سے بدنام ہو رہے تھے، موردِ الزام بنا دینا کیا مشکل تھا۔

دوسرا سبب ان کی بعض لغزشیں ہیں۔ مثلاً جناب امیرؓ کے مقابلہ میں ان کا صف آراء ہونا اور اس میں کامیابی کے لئے ہر طرح کے جائز ناجائز وسائل استعمال کرنا، حضرت حسنؓ سے لڑنا، اسلامی خلافت کو موروثی حکومت میں بدل دینا وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک واقعہ ان کی ایسی غلطی ہے جسے کوئی حق پسند مستحسن نہیں قرار دے سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولی عہدی سے اسلامی خلافت کی رُوح ختم اور اسلام میں موروثی بادشاہت کی رسم قائم ہوگئی۔

ان واقعات نے عوام کو چھوڑ کر حق پسند خواص کو بھی امیر معاویہؓ سے بدظن کر دیا۔ اس لئے امیر معاویہ کے مخالفین کا ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا اور انہوں نے ان واقعات کو جنہیں سنجیدہ طبقہ بھی ناپسند کرتا تھا، آڑ بنا بنا کر امیر معاویہؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بنا دیا اور چونکہ عوام پہلے سے ان سے بدظن تھے، اس لئے امیرؓ کے مخالفوں نے جس رنگ میں ان کی تصویر پیش کی اور جو جو بُرائیاں ان کی طرف منسوب کیں، لوگوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اس کو قبول کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر معاویہؓ کے بعد گو نصف صدی سے زیادہ بنی اُمیہ کی حکومت قائم رہی، لیکن ان کے خلاف جو نفرت انگیز جذبات پیدا ہو رہے تھے، برابر دماغوں میں پرورش پاتے رہے اور ان کی مخالفت کو جو نقش جم گیا تھا، وہ کسی طرح نہ مٹ سکا۔

انہی واقعات کے نتائج میں بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ سب بنی اُمیہ کے نہایت سخت دشمن تھے۔ اس لئے بنی اُمیہ کی مخالفت میں جو صدا امیر معاویہؓ کے عہد میں اُٹھی تھی وہ بنی عباس کے پورے دورِ حکومت تک برابر گونجتی رہی۔ بلکہ اس کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہو گیا اور بنی عباس کی حکومت وہ تو تھی جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں تھا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کے مثالب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے۔

اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لئے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخ میں داخل ہوگئیں۔ کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا۔ روایات کی اتنی تحقیق وتنقید جس سے افسانہ وحقائق میں پورا پورا امتیاز ہوسکے مشکل تھی۔ گو بہت سی بے سروپا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہوگئیں۔ پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے۔

حتیٰ کہ مورّخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخِ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لئے تراشے گئے تھے، اس میں داخل ہوگئے۔ تاہم زمانہ مابعد جب تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی ناقابلِ اعتبار قرار پائیں۔ چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے۔

غرض بعض ان غلط واقعات نے جن کا عوام کی زبانوں کے سوا تاریخ میں سرے سے کوئی وجود نہیں اور حد درجہ ضعیف اور کمزور روایتوں نے مل کر امیر معاویہؓ کی تصویر بہت بھیانک کردی۔ اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ان غلط افسانوں اور کمزور تاریخی روایات کا پردہ ہٹا کر امیر معاویہؓ کی اصلی تصویر پیش کردی جائے، تاکہ ان کی زندگی کے قابل اعتراض پہلو کے ساتھ روشن پہلو بھی نظر آجائیں اور ان کی طرف سے عام طور پر جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ دُور ہوجائیں۔

لیکن ان واقعات کی تردید کا منشاء امیر معاویہؓ کی بے جا حمایت یا ان کا اور جناب امیرؓ کا موازنہ نہیں ہے۔ ابن عم رسول، خلیفۂ راشد علی مرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا۔ ع

''چراغ مُردہ کجا شمعِ کجا''

بلکہ اس کا مقصد صرف امیر معاویہؓ کی جانب تصحیح خیال اور غلط واقعات کی پردہ دری ہے۔ جن کی شہرت عام نے بہت سے مسلمانوں کو ایک صحابیٔ رسول سے بدظن کررکھا ہے۔

امیر معاویہؓ پر عموماً حسبِ ذیل الزامات لگائے جاتے ہیں، یا کم از کم عوام الناس کی زبانوں پر ہیں:

۱۔ حضرت حسنؓ کے زہر دلوانے میں امیر معاویہؓ کا ہاتھ تھا۔

۲۔ بنی ہاشم اور اہلِ بیت نبوی ﷺ کے ساتھ امیر معاویہؓ کا طرزِ عمل ناپسندیدہ تھا۔

۳۔ جناب امیر پر سبّ وشتم کرتے تھے۔

۴۔ صحابہ کو قتل کیا اور ان کی توہین کی۔

۵۔ ان کا طرزِ حکومت نہایت جابرانہ تھا۔

۶۔ انہوں نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنالیا تھا، اور اس کو اپنے اغراض میں اُڑاتے تھے۔

۷۔ حکومت کے تمام شعبوں میں بنی اُمیہ کو بھروادیا تھا۔

۸۔ بہت سی بدعتیں جو خلفائے راشدین کے عہد میں نہ تھیں معاویہؓ نے جاری کیں۔

حضرت حسنؓ کی زہر خورانی :

مذکورہ بالا الزاموں میں حضرت حسنؓ کو زہر دلوانے کا الزام جس درجہ سنگین اور نفرت انگیز ہے، اسی قدر کمزور اور نا قابلِ اعتبار بھی ہے۔ اس الزام کی لغویت اس قدر عیاں ہے کہ اس کے باوجود اس کی شہرت پر حیرت ہوتی ہے۔ آئندہ سطور میں اس کی روایتی اور درایتی دونوں حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے۔

اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اتنا بڑا اہم واقعہ جس پر مورخین کی نظر سب سے پہلے پڑھنی چاہئے تھی، بعض قدیم مورخوں نے سرے سے لکھا ہی نہیں اور جن مورخوں نے اس کا ذکر بھی کیا ہے تو محض روایت کی حیثیت سے۔ ورنہ اس روایت کو خود لائق اعتماد نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ تفصیلئے مورخین بھی اس کو نا قابلِ اعتبار شمار کرتے ہیں۔

درایتی حیثیت سے صورت واقعہ میں اتنا تضاد اور اشخاص کے ناموں میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ یہ اختلاف ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اب علی الترتیب حدیث طبقات، رجال اور تاریخ سے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مشہور حاکم نیشاپوری مستدرک میں ملتا ہے۔ ان کی روایت ہے [۱] :

”عن ام بکر بنت مسور قالت کان الحسن بن علی سم مراراً کل ذلک یفلت حتیٰ کانت المرة الاخیرة التی مات فیها فانه کان یختلف کبده“۔

---

[۱] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۳

''اُم بکر بن مسود روایت کرتی ہیں۔ حسن ابن علی کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا، لیکن ہر مرتبہ بچ گئے، اور آخری مرتبہ جب زہر دیا گیا، جس میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرتے تھے''۔

اس روایت میں زہر دینے کا واقعہ ہے۔ لیکن امیر معاویہ ؓ کیا معنی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں۔ حافظ ذہبی کی تلخیص مستدرک میں بھی جو مستدرک کے ذیل میں ہے، بعینہٖ یہی روایت ہے۔ یہ حدیث کی شہادت ہے۔

اس کے بعد طبقات صحابہ پر نظر ڈالئے تو سلسلۂ طبقات کی مستند ترین کتاب استیعاب میں یہ روایت ملتی ہے[۱]۔

"قال قتادہ و ابو بکر بن حفص سم الحسن بن علی رضی اللہ عنهما سمته امرأة جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی وقالت طائفة کان ذالک منها بتد سیس معاویة الیها .... واللہ اعلم"۔

''قتادہ اور ابوبکر بن حفص کہتے ہیں کہ حسنؓ بن علی کو زہر دیا گیا۔ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا۔ اور ایک چھوٹا گروہ کہتا ہے کہ جعدہ نے معاویہ کے اشارے سے زہر دیا تھا۔۔۔۔ واللہ اعلم''۔

علامہ ابن عبدالبر نے مذکورہ بالا دو روایتیں لکھی ہیں۔ لیکن دوسری روایت جس میں مشتبہ طور پر لکھی ہے۔ اس کا ضعف خود عبارت سے ظاہر ہے کہ'' کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں''۔

علامہ ابن اثیر اسد الغابہ لکھتے ہیں[۲]۔

" و کان سبب موته ان زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس سقته السم فکان توضع تحته طست ترفع اخری نحوار بعین یومافمات منه"۔

''اور ان (حسنؓ) کی موت کا سبب یہ تھا کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے ان کو زہر پلا دیا تھا اور چالیس دن تک ان کے نیچے برابر ایک طشت رکھا جاتا تھا اور دوسرا اُٹھایا جاتا تھا۔ اسی میں وہ انتقال کر گئے''۔

اس روایت میں بھی جعدہ ہی کا نام ہے اور امیر معاویہ ؓ کا کہیں ذکر نہیں۔ علامہ ابن عسقلانی اصابہ میں حضرت حسنؓ کے سنین وفات کے اختلاف بتانے کے بعد لکھتے ہیں[۱]۔

---

[۱] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۴۴ [۲] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵ [۳] اصابہ۔ جلد ۲۔ ۱۳

" ویقال انہ مات مسموماً قال ابن سعد اخبرنا اسماعیل .... عن عمیر بن اسحاق دخلت انا و صاحب لی علی الحسن بن علی فقال لقد لقت طائفة من کبدی و انی قد سیقت السم مراراً فلم اسق مثل ھذا فاتاہ الحسین بن علی فسالہ من سقاہ فابی ان یخبر رحمہ اللہ تعالیٰ "۔

"اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے (حسنؓ) زہر سے انتقال کیا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ مجھ کو اسمٰعیل نے خبر دی۔۔۔۔۔ کہ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں اور میرے ایک ساتھی حسنؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا کہ میرے جگر کے کچھ ٹکڑے گر چکے ہیں اور مجھے کئی مرتبہ زہر پلایا گیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ کے ایسا قاتل کبھی نہ تھا۔ اس کے بعد حسینؓ ان کے پاس آئے اور پوچھا کس نے پلایا۔ لیکن انہوں نے بتانے سے انکار کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ"۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن حجر نفس زہر ہی سے موت ہونے میں مشتبہ ہیں۔ چنانچہ زہر کی روایت "یقال" کر کے لکھتے ہیں، جو ضعفِ روایت کی علامت ہے۔ دوسری اہم روایت ابن سعد کی ہے، جو طبقاتِ صحابہ کے سب سے قدیم مولف ہیں اور جن کی کتاب "طبقات ابن سعد" طبقات کی قدیم ترین اور مستند ترین کتاب ہے اور بعد کی تمام کتابیں اسی سے ماخوذ ہیں، مگر اس میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں۔

علامہ ابن حجرؒ نے اصابہ کے علاوہ رجال کی مشہور کتاب تہذیب التہذیب میں بھی اس واقعہ کے متعلق دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت ابن سعد کی روایت خفیف لفظی تغیر کے ساتھ ہے۔ مگر صورت واقعہ بعینہٖ وہی ہے جو اُوپر لکھی گئی ہے۔ دوسری روایت اسد الغابہ کی ہے جو اُوپر گزر چکی ہے[1]۔

طبقات اور رجال کے بعد تاریخ میں آیئے۔ تاریخ میں یہ واقع مشتبہ سے مشتبہ تر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تفصیلئے مورخین بھی جنہیں امیر معاویہؓ کے مظالم و مثالب اور اہلِ بیت کی مظلومیت دکھانے میں خاص لطف آتا ہے۔ امیر معاویہؓ کے ساتھ زہر خورانی کی نسبت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ بعضوں نے سرے سے زہر خورانی کا واقعہ ہی نہیں لکھا۔

---

[1] دیکھو تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۱

چنانچہ سب سے قدیم تفصیلی مورخ علامہ احمد بن ابی داؤد بنوری المتوفی ۲۸۱ھ جو اپنی قدامت کی وجہ سے مستند مورخ مانے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب اخبار الطوال میں سرے سے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کرتے اور حضرت حسنؓ کی وفات کے حالات اس طرح لکھتے ہیں۔

" ثم ان الحسن اشتکی بالمدینه فثقل و کان اخوه محمد بن الحنیفة فی ضیعة له فارسل الیه فوانی فدخل علیه فجلس عن یساره والحسین عن یمینه ففتح الحسن عینه فراهما فقال للحسین یا اخی اوصیک بمحمد اخیک خیرا فانه جلدة مابین العینین ثم قال یا محمد وانا اوصیک بالحسین کانفه و ازره ثم قال ادفنونی مع جدی صلعم فان منعتم فالبقیع ثم توفی فمنع مروان ان بدفن مع النبی صلعم فدفن فی البقیع ".

'' پھر حسنؓ مدینہ میں بیمار پڑے اور حالت خراب ہوگئی، تو ان کے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو اس وقت اپنی زمینداری پر تھے بلایا گیا۔ وہ حسنؓ کی وفات سے پہلے پہنچ گئے اور حسنؓ کے پاس آکر ان کے بائیں جانب بیٹھے۔ حسینؓ داہنی جانب تھے۔ حسنؓ نے آنکھ کھولی اور دونوں کو دیکھ کر حسینؓ سے کہا کہ برادر عزیز میں تم کو تمہارے بھائی محمد سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں۔ پھر محمد بن حنفیہ سے کہا کہ محمد میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم حسینؓ کے گرد جمع ہوکر ان کی مدد کرنا۔ پھر کہا کہ مجھ کو میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کرنا اور اگر تم کو روکا جائے تو بقیع میں دفن کر دینا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مروان نے نبی صلعم کے ساتھ دفن کرنے سے روکا تو وہ بقیع میں دفن کئے گئے''۔

اس واقعہ میں شروع سے آخر تک سرے سے زہر خورانی کا تذکرہ نہیں ہے۔

ان کے بعد دوسرے مستند اور تفصیلی مورخ علامہ ابن واضح کاتب عباسی المعروف بہ یعقوبی جو تیسری صدی کے نہایت ممتاز مورخ ہیں، اپنی مشہور کتاب تاریخ میں حضرت حسنؓ کی وفات کا یہ واقعہ لکھتے ہیں [1] :

---

[1] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۶

"وتوفی الحسن بن علی فی شهر ربیع الاول ۴۹ھ ولما حضرته الوفاة قال لاخیه الحسین یا اخی ان هٰذا اخر ثلث مرارٍ سقیت فیها السم ولم اسقه مثل موتی هٰذا وانا میت من یومی فاذا انامت فادفنی مع رسول الله فما احد اولیٰ بقربه منی الا ان تمنع من ذالک فلا تسفک محجمة دم".

"اور حسنؓ بن علیؓ نے ربیع الاول ۴۹ھ میں وفات پائی۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی حسینؓ سے کہا برادر عزیز یہ تیسری مرتبہ کا آخری مرتبہ ہے، جس میں مجھے زہر پلایا گیا۔ لیکن اس مرتبہ کے جیسا کبھی نہ تھا، میں آج ہی مر جاؤں گا۔ جب میں مر جاؤں تو مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کرنا، کہ میری قرابت قریبہ کی وجہ سے میرے مقابلہ میں کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ اگر تم روکے جاؤ تو ایک پچھنے کے برابر خونریزی نہ کرنا"۔

اس میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں ہے۔

یعقوبی کے بعد تیسرے مستند ترین تفصیلے مورخ علامہ مسعودی، المتوفی ۳۴۶ھ جو اپنے وسعت علم اور جامعیت کے لحاظ سے مورخین میں ممتاز پایہ رکھتے ہیں۔ اپنی مشہور معروف کتاب مروج الذہب میں تحریر کرتے ہیں[1]۔

"علیؓ بن الحسینؓ بن ابی علیؓ ابی طالب قال دخل الحسینؓ علی عمی الحسنؓ بن علیؓ لما اسقی السم فقام لحاجة الانسان ثم رجع فقال لقد سقیت السم عدة مرارٍ فما سقیت مثل هذه لقد لقطت طائفة من کبدی فرایتنی اقلبه لعود فی یدی فقال الحسینؓ یا اخی من سقاک قال ما ترید بذٰلک فان کان الذی اظنه فالله حسیبه وان کان غیره فما احب ان یوخذبی بریٔ فلم یلبث بعد ذالک الا ثلاثا حتیٰ توفی وذکر ان امراته جعدة بنت الاشعث ابن قیس الکندی سقته السم وقد کان معاویه دس الیها".

---

[1] مروج الذہب مسعودی، جلد ۔ص ۳۸۰۔۳۸۱

''علی بن حسینؓ بن علی بن ابی طالب (زین العابدین) بیان کرتے ہیں کہ حسینؓ میرے چچا حسنؓ بن علی کے پاس ان کے زہر پلانے کے وقت گئے، تو حسنؓ قضائے حاجت کے لئے گئے۔ وہاں سے لوٹ کر کہا مجھے کئی مرتبہ زہر پلایا گیا۔ لیکن اس مرتبہ کے ایسا کبھی نہ تھا۔ اس میں میرے جگر کے ٹکڑے باہر آ گئے۔ تم مجھے دیکھتے کہ میں ان کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ حسینؓ نے پوچھا بھائی صاحب کس نے پلایا؟ حسنؓ نے کہا، اس سوال سے تمہارا کیا مقصد ہے، اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے، جس کے متعلق میرا گمان ہے تو خدا اس کے لئے کافی ہے اور اگر دوسرا ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا میری وجہ سے کوئی نا کردہ گناہ پکڑا جائے۔ اس کے بعد حسنؓ زیادہ نہ ٹھہرے اور تین دن بعد انتقال کر گئے۔ اور ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے معاویہؓ کے اشارہ سے زہر پلایا تھا''۔

اس روایت کے دو حصے ہیں۔ اصل حصہ میں کسی زہر دینے والے کا نام نہیں۔ دوسرے ٹکڑے میں جو محض روایتی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس کا طرزِ تحریر شاہد ہے۔ اس میں امیر معاویہؓ کا نام ہے، لیکن اس روایتی ٹکڑے کی جو حیثیت وہ ''ذکر'' کے لفظ سے ظاہر ہے۔ ''ذکر'' عربی زبان میں اسی واقعہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو نہایت کمزور ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا شہادتیں ان تفضیلیئے مورخین کی ہیں جنہیں اہل سنت بھی عام واقعات میں مستند سمجھتے ہیں۔ اب ان خالص سنی مورخین کی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، جنہیں شیعہ بھی مستند مانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اوّل محدث ابن جریر طبری کا نام سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ واقعہ مجھے طبری میں باوجود تلاش کرنے کے کہیں نہیں ملا۔ طبری کے بعد ابن اثیر کا نمبر ہے، وہ لکھتے ہیں[1]۔

''فی ھٰذہ السنة توفی الحسنؓ ابن علی سمته زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی''۔

''اور اسی سنہ (۴۹ھ) حسنؓ بن علیؓ نے وفات پائی۔ ان کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا''۔

ابن اثیر کے بعد ابو الفداء کا بیان ہے[2]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۳ طبع یورپ [2] ابو الفداء۔ جلد اول۔ ص ۱۸۳

" وتوفی الحسنؓ من سم سقته زوجته جعدة بنت الاشعث قیل فعلت ذالک بامر معاوية وقیل بامر یزید".

"اور حسنؓ نے زہر سے وفات پائی، جسے ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے پلایا تھا۔ اور کہا گیا تھا کہ اس نے یہ فعل معاویہؓ کے حکم سے کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ یزید کے حکم سے کیا تھا"۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ابوالفداء بھی امیر معاویہؓ کی جانب زہر خورانی کی نسبت صحیح نہیں سمجھتا۔ اس لئے پہلے اس نے اپنی رائے لکھی، اس کے بعد دوسری روایت محض روایتی حیثیت سے "قیل" کے ساتھ نقل کی ہے۔ جو ضعف روایت کی دلیل ہے۔

سب سے آخر میں ابن خلدون کی رائے پیش کی جاتی ہے۔ گو زمانہ کے لحاظ سے ان کا شمار متاخرین میں ہے۔ لیکن صحت روایت، اصابت رائے اور تنقید کے اعتبار سے سب سے ممتاز ہے۔ خصوصاً مشتبہ اور مختلف فیہ واقعات میں ان کی رائے فیصلہ کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ اس قسم کے واقعات کی تنقید بھی کرتا ہے اور دینا میں فلسفۂ تاریخ کا امام ہے، اور پہلا شخص ہے جس نے دینا کو فلسفہ تاریخ سے آشنا کیا۔ چنانچہ حضرت حسنؓ کی دست برداری کے سلسلہ میں لکھتا ہے[1]۔

" ثم ارتحل الحسنؓ فی اهل بیته وحشمهم الی المدینة وخرج اهل الکوفة الوداعه باکین فلم یزل مقیما بالمدینة الیٰ ان هلک سنة تسع واربعین وقال ابو الفرج الاصفهانی سنة احدی وخمیس علی فراشه بالمدینة وما ینقل ان معاویه دس الیه السم مع زوجته جعده بنت الاشعث فهو من احادیث الشیعة لمعاوية من ذالک".

"حسنؓ (خلافت سے دستبرداری کے بعد) اپنے اہل بیت اور ان کے خدام کو لے کر مدینہ چلے گئے اور کوفہ والے روتے ہوئے ان کو رخصت کرنے کے لئے نکلے۔ اس وقت سے وفات تک وہ برابر مدینہ میں مقیم رہے۔ ۴۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ اور ابو الفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ ۵۱ھ میں اپنے بستر پر مدینہ میں وفات پائی۔ اور یہ روایت کی معاویہؓ نے ان کی بیوی سے مل کر زہر دلایا، شیعوں کی بنائی ہوئی ہے۔ حاشا معاویہؓ کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔

---

[1] ابن خلدون۔ جلد۲۔ ص۱۸۲

ان تمام مستند شہادتوں کے بعد آخر میں یہ بحث تاریخ اسلام کے مشہور مجدد علامہ ابن تیمیہ حرانی کے فیصلہ پر ختم کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حسن ؓ کو معاویہؓ نے زہر دیا تھا کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے ثابت نہیں ہے اور نہ کوئی قابل وثوق روایت سے اس کی شہادت ملتی ہے اور یہ واقعہ ان واقعوں میں ہے جس کی تہہ تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنا بے علم کی بات کہنا ہے۔ ہم نے زمانہ میں ایسی مثال دیکھی ہے کہ ایک شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زہر سے مرا اور ترکوں وغیرہ نے اسے زہر دیا۔ لیکن اس واقعہ میں لوگوں کا بیان اس درجہ مختلف ہے کہ اس بادشاہ کی جائے وفات اور قلعہ کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ جس میں وہ مرا اور اس بارے میں ہر شخص کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں نے زہر دیا۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس نے نہیں بلکہ دوسرے شخص نے زہر دیا۔ کیونکہ یہ اس طرح پیش آیا۔

یہ واقعہ حال کا اور تمہارے زمانہ کا ہے اور اس کے بیان کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اس بادشاہ کے قلعہ میں موجود ہیں۔ حضرت حسنؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو زہر دیا گیا اور یہ ایسی موت ہے جس کا آسانی سے پتہ چل سکتا ہے، کیونکہ مسموم کی موت چھپی نہیں رہتی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی نے زہر دیا اور یہ مسلم ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی اور معاویہؓ شام میں تھے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ کوئی بدگمان یہ گمان کر سکتا ہے کہ معاویہؓ نے اس کے پاس زہر بھیج کر اس کو کھلانے کا حکم دیا۔

دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسنؓ بکثرت طلاقیں دیتے تھے اور کبھی ایک عورت کے پاس نہیں رہتے تھے۔ اس لئے ان کی بیوی نے فطرت نسوانی کے تحت عداوت میں انہیں زہر دے دیا۔ تیسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عورت کا باپ اشعث بن قیس در پردہ حضرت علیؓ اور حسن ؓ کا مخالف تھا، اس لئے اپنی لڑکی کے ذریعہ سے زہر دلایا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اشعث کو امیر معاویہؓ نے حکم دیا تھا تو یہ محض بدگمانی ہوگی، جو مذہباً ممنوع ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ظن اکذب الحدیث ہے اور باتفاق مسلمین شرعاً اور قانوناً بھی ظن پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے مدحاً اور ذماً اس پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا اور تیسرا سبب صریحاً باطل ہے۔

کیونکہ باختلاف روایت اشعث ابن قیس ۴۰ھ یا ۴۱ھ میں مرا۔ اسی لئے حسنؓ اور معاویہ ؓ کی صلح کے سلسلہ میں کہیں اس کا نام نہیں آیا ہے اور یہ صلح عام الجماعت ۴۱ھ میں ہوئی ہے۔

اگر اس وقت زندہ ہوتا تو اس کا نام کسی نہ کسی طرح اس سلسلہ میں ضرور آتا۔ اس لئے وہ اپنی موت کے دس سال بعد کس طرح اپنی لڑکی سے زہر دلا سکتا ہے۔ واللہ اعلم الحقیقۃ الحال[1]۔

ان شہادتوں کے بعد اس واقعہ پر مزید رد وقدح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے متعلق تمام تر تاریخی شواہد کی اصل عبارتیں مع ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کر دی گئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر خود حق و باطل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس بحث کے ختم کرنے سے پہلے ایک ضروری پہلو کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ یہ مسلّم ہے کہ حضرت حسنؓ نہایت صلح جو اور صلح پسند تھے۔ جنگ وجدل سے انہیں طبعی نفرت تھی اور اسی وجہ سے بچنے کے لئے وہ خلافت جیسے رفیع اعزاز سے دست بردار ہو گئے تھے۔ آپ کی دستبرداری کے بعد خانوادۂ نبوت کے جس شخص میں کسی حد تک خلافت کی خواہش تھی وہ تو حضرت حسینؓ کی ذاتِ گرامی تھی۔ چنانچہ آپ نے حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی مصالحت اور حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے وقت آپ کی مخالفت بھی کی تھی۔ لیکن حضرت حسنؓ نے انہیں ڈانٹ کر خاموش کر دیا تھا۔ اس لئے اگر امیر معاویہؓ آئندہ خطرے سے بچنے کے لئے زہر دلواتے بھی تو حسینؓ کو جن کی طرف سے ان کو دعوئ خلافت کا خطرہ تھا۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے وصیت نامہ میں یزید کو آگاہ کیا تھا۔ نا کہ حسنؓ کو جو ان کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔ غرض عقلی اور نقلی دونوں حیثیتوں سے یہ روایت نا قابلِ اعتبار بلکہ بالکل ہی بے حقیقت ہے۔

۲۔ دوسرا الزام بنو ہاشم کے ساتھ عموماً اور اہلِ بیت نبوی کے ساتھ خصوصاً بد سلوکی کا لگایا جاتا ہے۔

لیکن یہ الزام بھی صریح افترا اور بہتان ہے۔ ممکن ہے خاندانی عصبیت کی وجہ سے امیر معاویہؓ ہاشم کو اچھا نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن ان کے ظاہری اعزاز و احترام میں انہوں نے کبھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ خصوصاً حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد وہ بنو ہاشم سے جس حسن سلوک اور تحمل سے پیش آتے تھے وہ نہ صرف قابل ستائش بلکہ حد درجہ حیرت انگیز ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ان کا یہ طرز عمل پولیٹیکل اغراض کی بنا پر ہو، لیکن اس سے کوئی واقف کار حق پرست انکار نہیں کر سکتا کہ امیر معاویہؓ کا طرزِ عمل بنو ہاشم اور اہلِ بیتِ نبوی کے ساتھ حد درجہ شریفانہ اور متحملانہ تھا۔

---

[1] منہاج السنۃ۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۵

اب واقعات سے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ جب حضرت حسنؓ خلافت سے دستبردار ہوتے ہیں تو شرائط صلح میں ایک اہم دفعہ یہ ہوتی ہے کہ تمام بنی ہاشم کو وظائف دیئے جائیں گے اور ان وظائف میں انہیں بنی اُمیہ کے افراد پر ترجیح حاصل ہوگی[1]۔

اپنی وفات کے وقت انہوں نے حضرت حسینؓ کے بارے میں جو وصیت کی تھی، وہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں : ''عراق والے حسینؓ کو تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑیں گے۔ لیکن جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ قرابت دار ہیں، ان کا بڑا حق ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہیں[2]۔

بنو ہاشم کو ان کی ضرورت کے اوقات میں بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے اور اس احسان کے باوجود ان کی درشت کلامی بھی برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی کے برادر اکبر حضرت عقیل کو ۴۰ ہزار درہم کی ضرورت ہوئی۔ یہ حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ یہاں کیا تھا۔ آپ نے اپنے وظیفہ کی برآورد تک انتظار کرنے کو کہا۔ لیکن اولاً وظیفہ کی رقم ان کے مطالبہ کے مقابلہ میں قلیل تھی۔ پھر اس کے لئے وقت درکار تھا۔ اس لئے عقیل معاویہ کے پاس پہنچے، امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا، تم نے علی کو کیسا پایا؟ جواب دیا وہ رسول اللہ ﷺ کے صحیح صحابی ہیں۔ بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت ﷺ ان میں نہیں ہیں اور تم اور تمہارے حواری ابوسفیان اور اس کے حواریوں کی طرح ہو۔ امیر معاویہؓ نے اپنے باپ پر یہ طعن سننے کے بعد بھی انہیں پچاس ہزار درہم دیئے[3]۔

خصوصاً حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے ساتھ اس رقم کے علاوہ جو شرائط صلح کے مطابق دیتے تھے، برابر مسلوک ہوتے رہتے تھے، اور ایک مشت کئی کئی لاکھ دیتے تھے۔ ابن کثیر نے دونوں بھائیوں کے ساتھ امیر معاویہؓ کی فیاضی کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں[4]۔ حضرت علیؓ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر کو کئی لاکھ سالانہ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جب کوئی ضرورت بیان کرتے تھے تو اس کو پوری کرتے تھے[5]۔

بنو ہاشم کے مرد تو مرد عورتیں تک امیر معاویہؓ کے رودررو انہیں سخت الفاظ کہتی تھیں۔ امیر نہایت تحمل سے ان کو سنتے تھے۔ اور ان کی فرمائشیں پوری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی پچیری بہن اروی ان کے پاس آئیں۔ معاویہؓ نے نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور کہا خالہ مرحبا،

۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۲۳۱ ۲۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۷ والفخری۔ ص ۱۰۳ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۳
۴۔ تفصیل کے لئے دیکھو البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۷ ۵۔ ایضاً

مزاج کیسا ہے۔ انہوں نے جواب دیا، اچھی ہوں اور اہلِ بیت کے فضائل اور معاویہ کی مذمت پر ایک پُر جوش تقریر کی۔ عمرو بن العاصؓ بیٹھے تھے، ان سے نہ سنا گیا۔ بول اُٹھے کہ گمراہ بوڑھی تیری عقل جاتی رہی ہے، زبان بند کر۔ اروی نے اس کے جواب میں عمرو بن العاصؓ کی بُری طرح خبر لی اور ان کی ماں اور ان کے نسب کے متعلق نہایت فحش باتیں سنا کر بولیں کہ تیری یہ مجال کہ میرے سامنے منہ کھولے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے درمیان میں پڑ کر دونوں کو خاموش کر دیا کہ اب ان گزری ہوئی باتوں کو جانے دیجئے اور اپنی ضرورت بیان کیجئے۔ اروی نے کہا مجھ کو ۶ ہزار دینار کی ضرورت ہے۔ ۲ ہزار مفلس بن حارث کے واسطے نہر خریدنے کے لئے اور دو ہزار ان کے ناداروں کی شادی میں صرف کرنے کے لئے اور ۲ ہزار وقت بے وقت کی ضرورتوں کے لئے۔ امیر معاویہؓ نے اسی وقت چھ ہزار کی رقم ان کے حوالے کی اور یہ اس کو لے کر واپس گئیں[1]۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جو ہاشمی خاندان کے بڑے صاحب کمال اور صاحب دماغ بزرگ تھے۔ بنی اُمیہ کے ساتھ تعصب رکھتے تھے اور ان کی یہ روش شروع سے آخر تک برابر قائم رہی اور جب بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے مقابلہ کا سوال ہوا تو حضرت عبد اللہ کی عصبیت ظاہر ہوتی رہی۔ چنانچہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں میدان میں آئے اور بصریوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لائے۔ پھر ثالثی میں ابوموسیٰ اشعری کو عمرو بن العاصؓ کی چال سے بچنے کی ہدایت کی اور جناب امیرؓ کی زندگی میں ان کی جانب سے بصرہ کے والی رہے۔

غرض جناب امیرؓ اور معاویہؓ کے اختلاف کے زمانہ میں عبد اللہ بن عباسؓ کی حیثیت نہ صرف جناب امیرؓ کے معمولی حامی کی تھی بلکہ وہ امیر معاویہؓ کے سخت مخالف تھے۔ لیکن ان مخالفتوں کے باوجود حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے کچھ قبل جب انہوں نے امیر معاویہؓ کے پاس اپنی جان اور اپنے اندوختہ کی امان کے بارے میں خط لکھا تو امیر معاویہؓ نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا[2]۔ ایک مرتبہ ان کو دس لاکھ درہم دیئے[3]۔

مشہور شیعی مورخ طبا المعروف بابن طقطقی لکھتے ہیں کہ اشراف قریش میں عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد اللہ بن جعفر طیارؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، آبان بن عثمانؓ اور آل ابی طالب کے افراد معاویہؓ کے پاس دمشق آیا کرتے تھے۔ یہ ان سب بزرگ کی داشت اور اعلیٰ

---

[1] ابوانصار۔ جلد اول۔ ص ۱۸۸ [2] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲ [3] البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۳۸

پیمانہ پر ان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔ ان کی تمام ضروریات پوری کرتے تھے۔ اس کے بدلہ میں یہ لوگ ہمیشہ ان سے سختی کیساتھ گفتگو کرتے اور چیں بچیں رہتے۔ لیکن امیر معاویہ ان کی گفتگو کو کبھی مذاق میں اڑا دیتے اور کبھی ٹال جاتے اور اس کے جواب میں بیش قیمت تحائف اور بڑی بڑی رقمیں دیتے[1]۔

ان صریح شہادتوں کے بعد امیر معاویہؓ پر اہل بیت اور بنو ہاشم کے ساتھ ناروا سلوک کرنے کا الزام لگانا کس قدر زیادتی ہے۔

۳۔ تیسرا الزام حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کا ہے۔ لیکن یہ الزام تنہا امیر معاویہؓ پر عائد نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ اپنی تحریروں اور تقریروں میں سخت سے سخت الفاظ ان کے لئے استعمال کرتے تھے۔ آج بھی آپ کے خطبات اس کے شاہد عادل ہیں، حضرت علیؓ تو خیر ان سے بلند و برتر تھے۔ ان کے منہ پر یہ باتیں زیب بھی دیتی تھیں۔ لیکن وہ حامیانِ علیؓ بھی جو معاویہؓ کی خاک کے برابر بھی نہ تھے، کوئی بد کلامی امیر کی شان میں اُٹھا نہ رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ دو مقابل کے حریفوں میں ایک کی بدگوئی کا الزام دوسرے پر رکھنا فطرت انسانی سے جہل کا ثبوت ہے۔

یہ تقاضائے فطرت ہے کہ جب دو آدمیوں کا اختلاف دشمنی کی حد تک پہنچ جاتا ہے، تو ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر اُتر آتے ہیں۔ اس لئے امیر معاویہؓ یا حضرت علیؓ پر ایک دوسرے کے سبّ وشتم کا الزام رکھنا فطرت پر الزام ہے۔ غالباً ناظرین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ آزما ہونے کے بعد بھی ان کے تمام فضائل کے معترف تھے اور انہوں نے بارہا اور برملا ان کا اعتراف کیا۔

جنگِ صفین کی تیاریوں کے وقت جب ابو مسلم خولانی ان کو سمجھانے کے لئے گئے اور کہا معاویہ میں نے سُنا ہے کہ تم علیؓ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو۔ تم کو سبقتِ اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے۔ پھر کس برتے پر اُٹھو گے تو انہوں نے صاف صاف اعتراف کیا کہ مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں فضل میں ان کے مثل ہوں۔ میں تو صرف قاتلین عثمانؓ کو مانگتا ہوں[2]۔

اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے انہوں نے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ ''میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ میں اپنے پیش رو سے بہتر نہیں ہوں''[3]۔

---

[1] الفخری۔ ص ۹۴ [2] اخبار الطوال۔ ص ۲۷۲ [3] ابن الاثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲ مطبوعہ یورپ

وہ نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ خاندان بنی ہاشم کے شرف وفضیلت کے معترف تھے۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ بنی اُمیہ اشرف ہیں یا بنی ہاشم؟ انہوں نے زمانۂ جاہلیت کی پوری تاریخ دہرا کر دونوں کی فضیلت کا اعتراف کیا اور آخر میں کہا کہ نبی ﷺ کی بعث کے بعد بنی ہاشم کی فضیلت کو کون پہنچ سکتا ہے[1]۔

۴۔ چوتھا اہم الزام یہ ہے کہ انہوں نے بعض اکابر صحابہ کو قتل کیا، اور بہتوں کی توہین وتذلیل کی۔ لیکن یہ الزام بھی اپنے مفہوم کی صحت کے لحاظ سے لایعنی ہے۔ اکابر صحابہ کی بڑی جماعت ان دونوں کے اختلاف سے پہلے ہی واصل بحق ہو چکی تھی۔ اکابر صحابہ میں اس وقت جو بزرگ باقی رہ گئے تھے، ان میں سے بہتیرے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے خوف سے کہ "اگر دو مسلمان آپس میں لڑیں، تو دونوں جہنمی ہیں"۔ خانہ نشین ہو گئے تھے اور حضرت علیؓ اور معاویہؓ کسی کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔

چنانچہ عشرہ مبشرہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شروع سے آخر تک جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں، کسی میں بھی شریک نہ ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن جب حضرت علیؓ جنگ جمل کے لئے روانہ ہوئے اور لوگوں نے ان کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو انہوں نے صاف جواب دیا اور فرمایا کہ "مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم اور کافر میں امتیاز کرے"[2]۔ ان کے لڑکے عمرو بن سعد نے ان سے کہا کہ آپ کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اُونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت اور حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائیں۔ حضرت سعدؓ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا، خاموش! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "خدا خاموش اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے"[3]۔ پھر جنگ صفین میں امیر معاویہؓ نے ان کو ملانا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا[4]۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں عشرہ مبشرہ میں تھے اور جنگِ جمل کے ہیرو تھے۔ لیکن آغاز جنگ کے بعد میدان سے نکل آئے۔ اور بدبختوں نے ان کی واپسی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر شہید کر دیا[5]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اپنے فضل وکمال اور زہد وورع کے لحاظ سے اپنے عہد میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ جنگ جمل وصفین کسی میں بھی شریک نہ ہوئے۔ لیکن چونکہ حضرت علیؓ کو حق پر

۱؎ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۸
۲؎ ابن سعد۔ جلد ۳۔ قسم اول۔ ترجمہ سعد بن ابی وقاص
۳؎ الریاض المنفرہ فی مناقب العشرہ۔ ص ۲۰۰
۴؎ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۲
۵؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص   مناقب طلحہؓ وزبیرؓ

سمجھتے تھے، اس لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ مگر آپ سے یہ شرط کرلی تھی کہ وہ جنگ میں ساتھ نہ دیں گے اور جناب امیرؓ نے انہیں اس کی اجازت بھی دے دی تھی[۱]۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ جن کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ قرب و اختصاص کی وجہ سے رکن اہل بیعت ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ جنگِ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے اور حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی ڈاڑھ میں گھستے، تو میں بھی آپ کے ساتھ گھس جاتا۔ لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا[۲]۔

حضرت احنف بن قیسؓ جب حضرت علیؓ کی امداد کے لئے آرہے تھے تو اتفاق سے ابو بکرؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ان کو روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑیں تو دونوں جہنمی ہیں[۳]۔

حضرت عمران بن حسینؓ جن کا شمار فضلا اور فقہائے صحابہ میں تھا۔ خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہ کرتے تھے[۴]۔

جب جنگ صفین کے لئے حضرت علیؓ نے تیاریاں شروع کیں اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو شرکتِ جنگ پر آمادہ کرنا شروع کیا تو بہت سے لوگ آمادہ ہوگئے۔ لیکن عبداللہ ابن مسعودؓ کے ساتھیوں اور سو (۱۰۰) قاریوں نے کہا، "امیر المومنین ہم کو آپ کے فضائل کا اعتراف ہے۔ لیکن اس قتال میں ہمیں شک ہے (یعنی اس جنگ میں شرکت جائز ہے یا ناجائز)۔ اس لئے ہمیں اس میں شریک کرنے کے بجائے حفاظت کے لئے سرحدوں کا والی بنا دیجئے"۔

اس جواب پر آپ نے پھر کوئی اصرار نہیں کیا اور ان کی مرضی کے مطابق قزوین قرستے وغیرہ کی سرحدوں پر مامور کردیا[۵]۔

بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو شریک تو ہوگئے مگر چونکہ دل سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا بُرا سمجھتے تھے اس لئے آخر تک تذبذب رہے اور اسی تذبذب کی وجہ سے وہ شرکت کے باوجود میدان جنگ میں ناکام رہے۔ چنانچہ حضرت سہیلؓ بن حنیف جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، لیکن لوگ ان پر جنگ سے پہلو تہی کا الزام لگاتے تھے۔ چنانچہ جب یہ صفین سے لوٹے اور لوگ ان سے حالات پوچھنے آئے، تو انہوں نے اپنی صفائی پیش کی اور کہا کہ ہم نے جب کبھی کسی مہم کے لئے

۱؎ مستدرک حاکم۔ جلد۳۔ ص۵۵۸ ۲؎ بخاری۔ جلد۲۔ ص۱۰۵۳ ۳؎ بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیہ ۴؎ ابن اثیر۔ جلد۳۔ ص۱۹۷ واستیعاب۔ جلد۲۔ ص۴۶۸ ۵؎ اخبار الطوال۔ ص۱۷۵

کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے آسان کر دی۔ لیکن یہ جنگ ایسی ہے کہ ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے تو دوسرا کھل جاتا ہے[1]۔

ان واقعات کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ محتاط صحابہ کی بڑی جماعت ان خانہ جنگیوں میں شریک ہی نہ تھی، تاہم اس سے انکار نہیں کہ بہت سے صحابہ شریک بھی تھے۔ لیکن یہ شرکت کسی ایک فریق کے ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ سوال صرف کثرت وقلت کا تھا۔ اور جب دونوں طرف صحابہ تھے تو تنہا ایک فریق پر قتل صحابہ کا الزام رکھنا کس طرح صحیح ہے اور پھر جب دو حریف میدان میں آتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس وقت رتبہ کا سوال نہیں رہ جاتا کہ فلاں آدمی کو مارنا چاہئے تھا کہ وہ عام آدمی ہے اور فلاں کو نہ مارنا چاہئے کہ وہ صحابی ہے۔ جنگ میں یہ تمام فرق وامتیاز اُٹھ جاتے ہیں۔

اس الزام کا دوسرا ٹکڑا بھی کہ امیر معاویہؓ نے صحابہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔ صحیح نہیں ہے۔ مطلقاً صحابہ کا تو سوال الگ ہے۔ خود ان صحابہ کے ساتھ جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، امیر معاویہؓ کا کوئی نازیبا سلوک نہیں بتایا جاسکتا ہے۔ خود بنو ہاشم جو تمام تر حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور بہت سے اکابر قریش جو کم از کم امیر معاویہؓ کے مخالف تھے، اُن کے ساتھ امیر معاویہؓ کے حسن سلوک کے واقعات اُوپر گزر چکے ہیں کہ وہ ان کی تلخ سے تلخ باتیں سنتے تھے اور پی جاتے تھے۔ بلکہ اس کے جواب میں انہیں ہدایہ وتحائف دیتے تھے اور ان کی امداد کرتے تھے۔

صحابہ کی جو جماعت جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھی، ان میں زیادہ تر انصاری تھے۔ اس لئے فطرت کا تقاضہ یہ تھا کہ امیر معاویہؓ اپنے زمانہ حکومت میں انصار سے اس کا بدلہ لیتے یا کم از کم ان کے ساتھ جو بُرائی کر سکتے تھے کرتے۔ لیکن ایک مثال بھی انصار کے ساتھ بدسلوکی کی نہیں ملتی، بلکہ اس کے برعکس وہ ان کی سختیاں برداشت کرتے تھے اور مسلوک ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے ایک انصاری کے پاس پانچ سو دینار بھیجے، ان بزرگ نے اس کو کم سمجھا اور اپنے لڑکے کو قسم دلا کر کہا کہ اس کو لے جا کر معاویہ کے منہ پر کھینچ کر مارو اور واپس کر دو۔ چنانچہ یہ تھیلی لے کے امیر معاویہؓ کے پاس آئے اور کہا، امیر المومنین میرے والد بڑے تندمزاج ہیں۔ انہوں نے قسم دلا کر مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب میں اس حکم کی کس طرح مخالفت کروں؟ امیر معاویہؓ نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کے کہا بیٹے اپنے باپ کا حکم پورا کرو، لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کرنا،

---

[1] بخاری۔ کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ

(یعنی زور سے کھینچ نہ مارنا)۔لڑکا یہ حکم دیکھ کر شرما گیا اور تھیلی وہیں پھینک دی۔اس کے بعد امیر معاویہؓ نے رقم دوگنی کر کے دوبارہ ان انصاری بزرگ کے پاس بھجوائی۔

یزید کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بپھرا ہوا آیا اور کہا کہ آپ کا حلم اب اتنا بڑھتا جاتا ہے کہ کمزوری اور بزدلی بن جانے کا خوف ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ صاحبزادے حلم کی وجہ سے کبھی ندامت اور ذلت نہیں اُٹھانی پڑتی۔تم اپنی طرز پر رہو،لیکن مجھے میری رائے پر چھوڑ دو[1]۔

علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ معاویہؓ پر حلم غالب تھا اور اسی وجہ سے ان مہاجر وانصار کے لڑکوں کی گردنیں جو اپنی کو معاویہ سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے،ان کے سامنے جھک گئیں تھیں[2]۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ مدینہ گئے۔حضرت ابوقتادہؓ سے ملاقات ہوئی۔امیر نے ان سے پوچھا کہ تمام اہلِ مدینہ مجھ سے ملے،مگر انصار نہیں ملے؟ انہوں نے جواب دیا،سواری نہ تھی۔معاویہؓ نے پوچھا کیوں؟ سواریاں کیا ہوئیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بدر کے دن تمہاری اور تمہارے باپ کی تلاش میں فنا ہوگئیں،پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ تم لوگ ہمارے بعد ترجیح دیکھو گے۔معاویہؓ نے پوچھا،پھر ایسی میں تمہیں کس چیز کا حکم دیا تھا؟ بولے،فرمایا تھا،"صبر کرنا"۔ معاویہؓ نے کہا اچھا صبر کرو[3]۔

اکثر صحابہ ان کو ان کی لغزشوں پر ٹوکتے تھے اور سرزنش کرتے تھے۔لیکن انہوں نے کبھی ان کو کوئی سخت جواب نہیں دیا،بلکہ ہمیشہ اپنی کمزوری دور کرنے کی کوشش کی۔

ایک مرتبہ حضرت مقدامؓ بن معدی کرب،عمرو بن اسود اور بنی اسد کا ایک آدمی تینوں ان کے پاس وفد کی صورت میں آئے۔مقدامؓ نے کہا معاویہؓ میں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں،اگر سچ ہو تو ماننا اور جھوٹ ہو تو رد کر دینا۔انہوں نے کہا فرمایئے۔

مقدامؓ نے کہا،میں تم سے خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے حریر پہننے سے منع نہیں کیا؟ کہا ہاں! پوچھا میں تم کو قسم دلا کر پوچھتا ہوں،تم نے آنحضرت ﷺ سے سونے کے استعمال کی ممانعت نہیں سُنی؟ کہا ہاں۔پوچھا میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے درندوں کی کھال پہننے اور اس کے بچھانے سے منع نہیں فرمایا؟ کہا ہاں! مقدامؓ نے کہا،معاویہؓ خدا کی قسم میں یہ تمام چیزیں تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں۔

---

[1] الفخری۔ص ۱۹۶ [2] ایضاً۔۹۶۔۹۷ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی۔ص ۲۰۱

اس پر امیر معاویہؓ نے کہا، مقدامؓ مجھ کو یقین ہے کہ میری تمہارے سامنے نہ چلے گی اور ان کو ان کے دونوں ہمراہیوں سے زیادہ صلہ دیا[1]۔

ایک مرتبہ حضرت ابو مریم ازدیؓ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے، اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے، تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں سے سامنے پردہ ڈال دے گا۔ امیر معاویہؓ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت برآری کے لئے ایک مستقل آدمی مقرر کر دیا[2]۔

غرض اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں، جن سے صحابہ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ کے ضبط و تحمل کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ صحابہ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ کا تحمل تاریخی مسلّمات میں ہے، جس سے کوئی تاریخ دان انکار کر ہی نہیں سکتا۔ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ امیر معاویہؓ حد درجہ حلیم و بردبار تھے۔ خصوصاً اکابر قریش اور صحابہ کے مقابلہ میں ان کا تحمل کمزوری کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ان تاریخی حقائق کے بعد امیر معاویہؓ پر صحابہ کے ساتھ ناروا سلوک کا الزام لگانا کہاں تک صحیح ہے۔ بہت ممکن ہے، بعض مثالیں اس قسم کی بھی مل جائیں۔ لیکن ایک دو مثالوں سے عام حکم نہیں لگ سکتا اور اگر صرف ایک دو مثالوں سے حکم لگایا جا سکتا ہے تو پھر ان واقعات کے متعلق کیا فتویٰ دیا جائے گا؟

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے صحابہ کی صف میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ جنگ جمل کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سناتے پھرتے تھے، کہ "لوگو! فتنہ کے زمانہ سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے"۔ جب حضرت حسنؓ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرنے کے لئے آئے اور ابوموسیٰؓ کو منبر پر یہ وعظ کہتے سنا تو ان تو ان کو مسجد سے نکال دیا[3]۔

اسی طرح حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ جنہیں عشرہ مبشرہ ہونے کا فخر حاصل تھا، جناب امیرؓ کا طرز عمل پسندیدہ نہ تھا۔

۵۔ پانچواں الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ کا طرز حکومت نہایت جابرانہ تھا۔ لیکن عمومی حیثیت سے یہ الزام بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں انقلاب پسندوں پر جو ان کی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے، بے شک

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب اللباس باب فی جلود النمور [2] ابوداؤد۔ کتاب الخراج والامار [3] اخبار الطوال۔ ص ۱۵۴

سختیاں ہوئیں ہیں۔ لیکن امن پسند رعایا کے ساتھ ان کا طرز حکومت نہایت مشفقانہ تھا۔ بلکہ حکومت کے ہوا خواہوں پر ہمیشہ ان کا ابر کرم برستا تھا۔ امیر معاویہؓ بڑے مدبر اور عاقبت اندیش فرمانرواں تھے۔ اس لئے وہ کسی جماعت پر بلاوجہ ناروا ظلم کر ہی نہیں سکتے تھے۔ رعایا پر نرمی اور سختی کے بارے میں ان کا یہ اصول تھا :

" قال سعید بن العاص سمعت معاویه یوما یقول لا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی ولا اضع سوطی حیث یکفینی لسانی ولو ان بینی و بین الناس شعر ما انقطعت قیل و کیف یا امیر المومنین قال کانوا اذا مدوها خلیقا و اذا خلوها مددتها و کان اذا بلغه عن رجل ما یکره قطع لسانا بالا عطاء "۔

'' سعید بن العاص بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا، اور جہاں زبان کام دیتی ہے، وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہ توڑوں گا۔ لوگوں نے پوچھا، امیر المومنین یہ کس طرح؟ جواب دیا جب وہ لوگ اس کو کھینچیں تو میں ڈھیل دے دوں اور جب وہ ڈھیل دیں تو میں کھینچ لوں اور جب کسی آدمی کی کوئی ناگوار بات معلوم ہوتی تھی، تو انعام و اکرام کے ذریعے سے اس کی زبان بند کر دیتے تھے''۔

یہ صرف الفاظ ہی نہیں ہیں، بلکہ تاریخ اس کی صداقت پر لفظ بہ لفظ شاہد ہے کہ وہ حد درجہ حلیم المزاج تھے اور جب تک پانی سر سے اونچا نہ ہو جاتا تھا، اس وقت تک وہ ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہؓ حلم کے موقع پر حلم سے سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے۔ لیکن حلم کا پہلو غالب تھا[1]۔ ایسی حالت میں امیر پر ظلم و ستم کا الزام لگانا کس حد تک صحیح ہے۔ تاریخ سے ایک مثال بھی ان کے حلم کے خلاف نہیں پیش کی جا سکتی تھی۔

اس الزام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی ذات نہیں، بلکہ ان کے اعمال اور حکام جابر تھے۔ تو کلیہ کی صورت میں یہ بھی صحیح نہیں۔ یہ الزام بھی پولیٹیکل اختلافات نے تراشا ہے۔ ورنہ جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے، عام دنیاوی فرمانرواؤں کی طرح ان کے عمال بھی کچھ فطرتاً سخت گیر اور جور پسند تھے اور کچھ تم دل اور متحمل مزاج، سخت گیر عمال کی سختیاں ان کی طبعی سرشت کا نتیجہ تھیں۔ ان سے

---

[1] الفخری۔ ص ۹۵

امیر کے طرز جہانبانی کا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ان کی سختیاں بھی ان ہی لوگوں تک محدود تھیں، جو بنی اُمیہ کی حکومت مٹانا چاہتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے بعض عمال کی سختیاں ناجائز حدود تک پہنچ جاتی تھیں، لیکن ایک دنیاوی حکومت کے لئے یہ کوئی بڑا الزام نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے تمام اعمال پر فرداً فرداً بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لئے اس موقع پر مثالاً محض چند مشہور عمال کے طرز حکومت کے حالات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس سے کچھ نہ کچھ ان کے عمال کے طرز حکومت کا اندازہ ہو جائے گا۔ امیر کے عاملوں میں مغیرہ بن شعبہؓ، زیاد بن ابی سفیانؓ، عمرو بن العاصؓ اور بسر بن ابی ارطاۃؓ زیادہ پولیٹیکل تھے۔ اس لئے یہی لوگ مورد طعن بھی ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا حال یہ ہے کہ وہ پہلے حضرت علیؓ کے طرفدار تھے۔ مگر آپ نے ان کے خیر خواہانہ اور مفید مشوروں کو مسترد کر دیا۔ اس لئے وہ امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے[1]۔ اور اسی لئے وہ بدنام ہیں۔ ورنہ ان کے مظالم کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ مغیرہؓ حتی الامکان امیر معاویہؓ کے مخالفوں کے ساتھ بھی سختی نہ کرتے تھے اور سختی کے بجائے افہام وتفہیم سے کام لیتے تھے۔ خارجی جناب امیرؓ کی طرح امیر معاویہؓ کے بھی دشمن تھے۔ جب انہوں نے امیر معاویہؓ کے حدود سلطنت میں سر اُٹھایا، تو مغیرہؓ نے جارحانہ کاروائی سے پہلے حسب ذیل تقریر کی :

> ''لوگو ! میں ہمیشہ تمہاری عافیت مدنظر رکھتا ہوں اور مصیبتوں کو تم سے روکتا ہوں۔ مجھ کو خطرہ ہے کہ اس طرز عمل سے احمق بدآموز نہ ہو جائیں۔ ہاں اچھے اور حلیم اشخاص سے مجھے یہ امید نہیں ہے۔ خدا کی قسم مجھ کو خطرہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ بھلے اور ناکردہ گناہ آدمیوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں۔ اس لئے تم لوگ اس عام مصیبت کے آنے سے پہلے اپنے احمق لوگوں کو روکو'' [2]۔

حضرت مغیرہ سے زیادہ جفا کار اور ستم شعار زیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس کی جفا کاری اس حد تک کہ انقلاب پسندوں کے ساتھ اس کا جور اعتدال سے زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ ورنہ عام رعایا کے ساتھ اس کا طرز عمل بھی مشفقانہ تھا۔ اس کا اندازہ اس تقریر سے کیا جاسکتا ہے، جو اس نے بصرہ کی گورنری کے تقرر کے وقت کی تھی۔

علامہ دینوری لکھتے ہیں کہ جب زیاد بصرہ پہنچا تو جامع مسجد میں حمد ثناء کے بعد حسب ذیل تقریر کی :

---

[1] استیعاب تذکرۂ مغیرہ بن شعبہ [2] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۲

''میرے اور قوم کے درمیان کینہ تھا۔ لیکن آج میں نے اس کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا دیا۔ میں کسی سے محض عداوت کی بنا پر مواخذہ نہ کروں گا اور نہ کسی کی پردہ دری کروں گا تا آنکہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب ہو جائے۔ بے نقاب ہو جانے کے بعد بھی میں اس کو نظر انداز کر دوں گا۔ تم میں سے جو محسن ہو اس کو اپنے احسان میں زیادتی کرنی چاہئے اور جو بُرا ہو اس کو اپنی بُرائیاں دُور کرنی چاہئیں۔ خدا تم لوگوں پر رحم کرے، تم لوگ اپنی اطاعت اور فرمانبرداری سے میری مدد کرو'' [1]

لیکن زیاد کی جفا کاری کا الزام امیر معاویہؓ کے سر منڈھنا صحیح نہیں ہے۔ اس نے جو زیادتیاں کیں وہ اس کی جبلی درشتی طبع کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ جب وہ حضرت علیؓ کا طرفدار تھا اس وقت علی الاعلان امیر معاویہؓ کو نہایت سخت وست کہتا تھا۔ جنگ صفین کے زمانہ میں یہ حضرت علیؓ کی جانب سے فارس کا حاکم تھا۔ امیر معاویہؓ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کے لئے ڈرایا دھمکایا۔ اس کے جواب میں اس نے لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی، کہ ''لوگو! نفاق کا سرچشمہ اور جگر خوار کا بچہ مجھ کو دھمکاتا ہے۔ میرے اور اس کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے ابن عم اور نوے ہزار ہتھیار بند شیعہ ہیں، اگر اس نے کوئی بدارادہ کیا تو تلوار اس کا فیصلہ کرے گی'' [2]

تاہم امیر معاویہؓ کو چونکہ اس کی درشت خوانی کا علم تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کی اصلاح اور تلافی کی یہ صورت اختیار کی کہ زیاد کو خاص طور سے یہ ہدایت کی تھی کہ تمام لوگوں کے ساتھ ایک ہی قسم کی سیاست نہ برتنا چاہئے۔ نہ نرمی کرنا چاہئے کہ لوگ سرکش ہو جائیں اور نہ اتنی سختی کہ ان کی جان پر بن جائے۔ اس لئے تم سختی کے لئے رہو اور مجھے نرمی اور لطف و کرم کے لئے چھوڑ دو، تاکہ خوفزدہ لوگوں کے لئے امید کا ایک دروازہ کھلا رہے [3]

اسی طرح عمرو بن العاصؓ کی پولیٹیکل چالوں سے قطع نظر کر کے ان کو جفا کار کی صورت میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، اور اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بسر بن ابی ارطاۃ وغیرہ بعض عمال یقیناً جفا کار تھے۔ جنہوں نے بلاشبہ مظالم کئے۔ لیکن ان بعض مثالوں سے علی الاطلاق سب پر یکساں حکم لگا دینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عام حکمرانوں کی طرح امیر کے عمال بھی کچھ عدل پرور اور نرم خو تھے اور کچھ سنگ دل اور جفا کش پیشہ۔ اگر ایک طرف بسر بن ابی ارطاۃ اور زیاد تھے تو دوسری طرف ان کے بالمقابل عبداللہ

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۲۳۳ [2] اخبار الطوال۔ [3] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۲۶۸

بن عامر بھی تھے۔ جو اپنی طبعی نرمی کی وجہ سے شورش پسندوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بغاوت پسند ان کے قابو میں نہ آتے تھے اور ملک میں بدامنی پھیلاتے تھے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ

"۴۱ھ میں عبداللہ بن عامر والی بصرہ معزول کر دیئے گئے، کیونکہ وہ نہایت حلیم الطبع کریم النفس اور نرم خو تھے اور مفسد احمقوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے۔ اس لئے بصرہ کی فضا خراب ہوگئی تھی۔ انہوں نے زیاد سے اس کی شکایت کی، زیاد نے تلوار بے نیام کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ میں اپنا نفس خراب کر کے اس کی اصلاح کرنا پسند نہیں کرتا" [1]

اتنی مثالیں غالباً امیر معاویہؓ کی 'جابرانہ حکومت' کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہوں گی۔ لیکن ابھی یہ بحث ختم نہیں ہوئی، بلکہ امیر معاویہؓ کے ظلم وستم اور عدل وانصاف کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے اس کی تحقیق ضروری ہے کہ ظالم عالموں کے ساتھ امیر معاویہؓ کا طرزِ عمل کیا تھا اور وہ ظالمانہ واقعات پیش آنے پر کیا صورت اختیار کرتے تھے۔ اگر وہ مظالم کا تدارک کرتے تھے، تو پھر وہ ظالم حکمرانوں کی صف میں شمار نہیں کئے جاسکتے۔ یہ تسلیم ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مظالم بھی ہوئے، لیکن انہوں نے ان کی پوری دادرسی کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن غیلان ان کی جانب سے بصرہ کا والی تھا۔ ایک مرتبہ یہ تقریر کر رہا تھا۔ دورانِ تقریر میں ایک ضبی نے اس پر ایک کنکری کھینچ کر ماری۔ عبداللہ نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد جب عبداللہ امیر معاویہؓ کے پاس گیا تو بنوضبہ بھی شکایت لے کر پہنچے کہ عبداللہ نے ہمارے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے۔ امیر نے ان سے کہا اس کا قصاص تو نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ میں ہاتھ کی دیت ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ ہاتھ کی دیت دی اور عبداللہ کو بصرہ سے معزول کر دیا [2]

حضرت امیر معاویہؓ کے عمال ظلم کر بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ معاویہؓ کو اس کے تدارک میں بڑا اہتمام تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ مظالم کی تحقیقات اور مظلوموں کی دادرسی کے لئے خانہ خدا میں بیٹھتے تھے اور بلاامتیاز ہر کس وناکس اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا۔ امیر انہیں سن کر ان کا تدارک کرتے تھے۔ علامہ مسعودی امیر معاویہؓ کے شبانہ یوم کے معمولات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"ثم یخرج فیقول یا غلام اخراج الکرسی فیخرج الیٰ المسجد فیوضع فیسند ظهره الیٰ المقصوره ویجلس علی الکرسی ویقوم الاحداث فیقدم الیه الضعیف والاعرابی والصبی والمرأة ومن

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۲۶۸ [2] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۴۱۶

لا احد له فيقول ظلمت فيقول اعزوه ويقول عدى على فيقول ابعثوا معه ويقول صنع بى فيقول انظروافى امره حتى اذا لم يبق احد دخل فجلس على السرير ثم يقول ائذنوا للناس على قدر منازلهم .... قال يا هؤلاء انما سميتم اشرافا لانكم شرفتم من دونكم بهذا المجلس ارفعوا الينا حوائج من لا يصل الينا" [1]

''پھر (معاویہ گھر سے) نکلتے اور غلام کو کرسی نکالنے کا حکم دیتے ۔ چنانچہ مسجد میں کرسی نکالی جاتی اور معاویہ مقصورہ کی ٹیک لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور ان کے سامنے مقدمات و حادثات پیش ہوتے ، اس میں کمزور و ناتواں دیہاتی ، بچے ، عورتیں ، لاوارث سب پیش کئے جاتے ، ان میں سے کوئی کہتا مجھ پر ظلم کیا گیا ۔ (معاویہؓ) حکم دیتے ، اس کو عزت دو (یعنی تدارک کرو) ۔ کوئی کہتا میرے اُوپر زیادتی کی گئی ۔ (معاویہؓ) کہتے ، اس کے ساتھ کسی کو تحقیقات کے لئے بھیجو ۔ کوئی کہتا ، میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی ۔ (معاویہؓ) حکم دیتے ، اس کے معاملہ کی تحقیقات کرو ۔ جب کوئی (دادخواہ) باقی نہ رہتا تو مجلس میں آ کر تخت پر بیٹھتے اور حکم دیتے کہ لوگوں (اشراف) کو علی قدر مراتب آنے کی اجازت دو ۔ ۔۔۔۔ پھر ان سے خطاب کرتے کہ تم لوگ اس لئے اشراف کہلاتے ہو کہ اس دربار میں اپنے سے کم رتبہ والوں پر تم کو شرف عطا کیا گیا ہے ۔ اس لئے جو لوگ ہمارے پاس تک نہیں پہنچ سکتے ، ان کی ضروریات ہم سے بیان کرو'' ۔

دادرسی اور انسداد مظلوم میں جس فرمانروا کا یہ اہتمام ہو ، اس کے متعلق ظلم و ستم کا الزام لگانا کہاں کا انصاف اور کہاں کی صداقت ہے ۔

امیر معاویہؓ کے ظلم و ستم اور عدل و انصاف کے اندازہ کرنے میں ایک فاش غلطی یہ کی جاتی ہے کہ ان کے دور کا خلفائے راشدینؓ کے عدل پرور عہد سے موازنہ کیا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر معاویہؓ سے پہلے خلافت راشدہ کا دور تھا اور اس وقت مسلمانوں کے سامنے اس کے علاوہ اور کسی دنیاوی اسلامی حکومت کا نمونہ موجود نہ تھا ۔ اس لئے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی جب ان کی نظر اُٹھتی تھی تو خلافت راشدہ ہی کی طرف اُٹھتی تھی ۔ حالانکہ دونوں کا موازنہ صحیح نہیں ہے

---

[1] مروج الذہب مسعودی حاشیہ نفح الطیب ۔ جلد ۴ ۔ ص ۴۲۳

حضرت علیؓ پر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور امیر معاویہؓ کے زمانہ سے دنیاوی حکومت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔ اس لئے ''اُموی حکومت'' کو ''خلافت راشدہ'' کے معیار جانچنا شدید غلطی ہے۔ اگر امیر معاویہؓ کے دور کو محض ایک دنیاوی حکومت کے لحاظ سے جانچا جائے تو ان پر سے بہت سے اعتراضات خود بخود اُٹھ جاتے ہیں۔

دوسرا غلط مبحث یہ کہا جاتا ہے کہ بنواُمیہ کے پورے دور کی برائیاں امیر معاویہؓ کی طرف منسوب کردی جاتی ہیں، یا کم از کم انہیں اس کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی قرین انصاف نہیں ہے۔ امیر معاویہؓ کے بعد مروان وغیرہ یقیناً ظالم فرمانروا تھے، لیکن اس کا بانی امیر معاویہؓ کو قرار دینا کہاں تک صحیح ہے۔ کیا دولت اُمویہ کی تاسیس کے جرم میں تمام اموی فرمانرواؤں کے مظالم امیر معاویہؓ کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے؟

باقی یہ تینوں اعتراضات کہ امیر معاویہؓ نے قومی بیت المال کو ذاتی خزانہ بنالیا اور اس کو ذاتی اغراض میں صرف کرتے تھے، یا حکومت کے تمام شعبوں میں بنی اُمیہ کو بھر دیا تھا اور بہت سی بدعتیں جاری کیں، جس معنی اور مفہوم میں کئے جاتے ہیں، وہ قطعاً غلط ہیں اور جس معنی میں صحیح ہیں وہ ایک دنیاوی حکمران کے لئے قابل اعتراض نہیں رہ جاتے۔

اگر معترضین کا مقصد یہ ہے کہ امیر نے بیت المال کا روپیہ عیش و تنعم اور لہولعب کے مشاغل میں اُڑایا اور دوسرے قومی مفاد کو بالکل نظر انداز کردیا، تو قطعاً غلط ہے۔ امیر کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس قسم کا الزام ان پر نہیں رکھ سکتا۔ یہ البتہ صحیح ہے کہ انہوں نے خلفائے راشدین کی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے بیت المال کو خالص اسلامی مفاد کے لئے مخصوص نہیں کردیا۔ بلکہ قومی اور اسلامی مفاد کے ساتھ ساتھ اپنے آرام و آسائش اور اپنی حکومت کے استوار کرنے میں بھی صرف کیا اور یہ ایک دنیاوی حکمراں کے لئے قابلِ اعتراض نہیں۔

اس سے کوئی تاریخ داں انکار نہیں کرسکتا کہ بیت المال سے انہوں نے بڑے بڑے قومی کام کئے، فوجیں تیار کیں، جنگی بیڑے بنوائے، فتوحات میں صرف کیا، قلعے تعمیر کرائے، پولیس کو ترقی دی، خبررسانی کا محکمہ قائم کیا۔ دفاتر بنوائے، نہریں کھدوائیں، اسلامی نوآبادیاں قائم کیں، شہر بسائے، شرفاء اور صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے، غربا پر تقسیم کیا، عدالتوں پر صرف کیا، ان کے علاوہ اور بہت سے قومی اور اسلامی مفاد میں لگایا، جن کی سندیں اُوپر گزر چکی ہیں، ان وسیع ملکی اور قومی اخراجات کے ساتھ اگر انہوں نے کچھ روپیہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد میں صرف کردیا تو ایک دنیاوی حکمراں کی

حیثیت سے وہ کس حد تک قابلِ الزام ہے۔ یہ واضح رہے کہ ذاتی اغراض سے مقصد عیش و تنعم نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی حکومت کے قیام کے لئے روپیہ صرف کرتے تھے، اس کو خواہ ملکی مفاد سمجھا جائے، خواہ ذاتی غرض شمار کیا جائے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ امیر بیت المال سے بڑے بڑے صحابہ کو وظائف و عطایا دیتے تھے اور وہ اسے قبول کرتے تھے۔ اگر وہ لوگ اسے صرف بیجا سمجھتے تو کیوں قبول کرتے۔ اُوپر مختلف سرخیوں کے ماتحت گزر چکا ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن عمر فاروقؓ اور عقیل بن ابی طالب وغیرہ میں سے کچھ لوگ مستقل وظائف اور کچھ غیر مستقل عطایا پاتے اور قبول کرتے تھے۔

اگر یہ بزرگ اس مصرف کو ناجائز سمجھتے تو کیوں قبول فرماتے۔ وہ صحابہ جو امیر معاویہؓ پر نکتہ چینی کرتے تھے، وہ بھی ان کے قومی اور ملکی خدمات اور ان کے برمحل مصارف کے مقابلہ میں خاموش ہو جاتے تھے۔

حضرت مسورؓ بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جب ان سے ملا اور سلام کیا تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا، مسور تم ائمہ پر جو طعن کرتے تھے، اب کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا اب اس تذکرے کو جانے دو اور جس ضرورت سے آیا ہوں اسے پوری کرو گے معاویہ نے کہا، خدا کی قسم میں تمہارے دل کی بات کہلا کر چھوڑوں گا۔

ان کے اصرار پر ان کی جو بُرائیاں تھیں، سب میں نے واشگاف بیان کر دیں۔ اس پر معاویہ نے کہا، مجھے گناہوں سے برأت کا دعویٰ نہیں ہے، لیکن مسور تم بتاؤ کیا تمہارے گناہ ایسے نہیں ہیں کہ اگر تمہیں خدا معاف نہ کرے تو تم ہلاک ہو جاؤ؟ میں نے کہا، ہاں۔ معاویہؓ نے کہا پھر کیوں مغفرت خداوندی کے مجھ سے زیادہ مستحق ہو! پھر خدا کی قسم ایسی حالت میں جبکہ اصلاح بین الناس، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور بڑے بڑے بے شمار امور کا بار میرے کندھوں پر ہے جو تمہارے اُوپر نہیں ہے اور میں خدا کے دین پر ہوں خدا بھلائیوں کو قبول کرتا ہے اور بُرائیوں سے درگزر۔

یہ سُن کر میں سوچ میں پڑ گیا اور مجھ کو معلوم ہو گیا کہ معاویہ نے مجھ سے مناظرہ کیا ہے۔ اس کے بعد مسور جب معاویہؓ کا تذکرہ کرتے تھے، تو ان کے لئے دعائے خیر کرتے تھے[1]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸، ص ۱۱۹

حکومت کے شعبوں میں بنی اُمیہ کے بھرنے کا سوال بھی مغالطہ ہے۔ یہ واقعہ الزام کی صورت میں اسی وقت قابلِ تسلیم ہوسکتا تھا، جب اس سے دوسروں کے حقوق کی پامالی ہوئی ہوتی یا مفاد ملکی کو کوئی صدمہ پہنچا ہوتا اور یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔ امیر کا مخالف بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ان کے زمانہ میں حکومت میں شروع سے آخر تک تمام بنی اُمیہ ہی بھرتی ہوئے تھے اور کسی دوسرے کو مطلق گھسنے نہیں دیا جاتا تھا۔ واقعہ کا جہاں تک تعلق ہے بنی اُمیہ کے ساتھ دوسرے خاندانوں کے افراد بھی عہدوں پر ممتاز تھے۔ یہ البتہ ایک حد تک صحیح ہے کہ جنگی امور میں زیادہ تر بنی اُمیہ دخیل تھے۔ لیکن یہ خود ان کی ذاتی صلاحیت کا نتیجہ تھا۔ بنی اُمیہ میدان رزم کے مرد تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ اور امیر معاویہؓ کے دور کی فتوحات اس کی شاہد ہیں۔

بحر روم میں سب سے پہلے اُمویوں ہی نے بیڑے دوڑائے۔ افریقہ کو اُمویوں ہی نے فتح کیا۔ یورپ کا دروازہ اُمویوں ہی نے کھٹکھٹایا۔ اموی اس لئے نہیں بھرے گئے تھے کہ امیر معاویہ کے ہم خاندان تھے۔ بلکہ اس لئے بھرے گئے تھے کہ وہ تلوار کے دھنی اور میدانِ جنگ کے مرد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تنہا بنی اُمیہ کے دور میں جس قدر فتوحات ہوئیں، اس کی نظیر مابعد کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ ایسی حالت میں ان کے حکومت میں بھرنے کا سوال کس قدر ہلکا ہوجاتا ہے۔

رہ گیا بدعات کی ترویج کا سوال تو ایک دنیاوی حکمراں کے لئے بھی چنداں وقابلِ اعتراض نہیں، بشرطیکہ ان بدعات سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوئی ہو اور مذہب میں کسی مذموم رسم کی بنیاد نہ پڑی ہو۔ امیر کی بدعات میں اسلامی خلافت کو شخصی وموروثی حکومت بنادینے کی بدعت تو بے شک نہایت مذموم بدعت تھی۔ جس نے اسلامی خلافت کی روح مردہ کردی اور اس سے بہت مذموم نتائج پیدا ہوئے، لیکن اس کے علاوہ اور کوئی بدعت ایسی نظر نہیں آئی، جس سے کسی اصول کو صدمہ پہنچا ہو۔

حکومت کے سلسلہ میں انہوں نے جو نئی چیزیں رائج کیں، ان سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ یہ بار بار لکھا جاچکا ہے کہ امیر معاویہ خلیفۂ راشد نہ تھے۔ بلکہ حضرت علیؓ پر اس مقدس دور کا خاتمہ ہوچکا تھا، اور امیر معاویہؓ کے عہد سے ایک نئے دورِ حکمرانی کا آغاز ہوا تھا۔ اس لئے اس میں خلفائے راشدینؓ کا محتاط طرز حکومت ڈھونڈھنا کہ کسی فعل میں عہد نبوی ﷺ کے طور طریق سے سرمو تجاوز نہ ہونے پائے۔ خود اپنی غلطی ہے۔

امیر معاویہ تو امیر معاویہؓ ہیں، خود حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جو خلیفۂ راشد تھے، بہت سی نئی باتیں رائج ہو گئیں تھیں اور یہ عہد رسالت کے بعد کا لازمی نتیجہ تھا۔ جس سے کوئی خلیفہ یا بادشاہ بچ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کی بدعت میں ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان سے کسی اسلامی اصول کی پامالی تو نہیں ہوئی۔ اگر نہیں ہوئی تو وہ قابل اعتراض نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

درحقیقت امیر معاویہؓ کی بعض کمزوریوں اور خلافت اسلامیہ میں وراثت کی بدعت کو چھوڑ کر ان کا دور حکومت ہر حیثیت سے کامیاب تھا۔ ابن کثیر نے ان کے دور حکومت کی خوبیوں پر یہ جامع تبصرہ کیا ہے :

''ان کے زمانہ میں دشمنوں کے مقابلہ کا سلسلہ قائم تھا اور دین سربلند تھا۔ زمین کے ہر حصہ سے ان کے پاس مال غنیمت آتا تھا۔ مسلمان ان کی حکومت میں عدل وانصاف اور عفو و درگزر کے سایہ میں امن وراحت کی زندگی بسر کرتے تھے [۱]۔ البتہ ایک صحابی رسول کی حیثیت سے وہ بعض کمزوریوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے''۔

فضل وکمال : امیر معاویہؓ فتح مکہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اس لئے ان کو ایک سال سے زیادہ ذاتِ نبویﷺ سے خوشہ چینی کا موقع نہ ملا۔ لیکن آنحضرتﷺ کی ان دعاؤں

"اللهم علم معاويه الكتاب والحساب وقه العذاب" [۲]۔ اور " اللهم اجعله هاديا مهديا واهدبه" [۳]۔

''خدایا معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب کا علم عطا فرما، اور عذاب سے بچا''۔

''خدایا معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا، اور ان کے ذریعہ سے ہدایت دے''۔

کا اثر ہونا ضروری تھا۔ اس لئے گو انہیں آنحضرتﷺ کی خدمت میں زیادہ رہنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن انہوں نے اپنے ذوق، شوق اور تلاش وجستجو سے دینی علوم میں پوری دستگاہ بہم پہنچالی تھی۔ ان کو اپنے مخالفین سے بھی علمی استفادہ میں عار نہ تھا اور جب اس قسم کے مسائل پیش آتے تھے، جن کے متعلق انہیں علم نہ ہوتا تھا تو حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر پایا اور اشتعال میں آکر ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ امیر معاویہؓ اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ

---

[۱] مسند احمد بن حنبل مسند عرباض بن ساریہ [۲] ترمذی مناقب معاویہ

[۳] موطا امام مالک القضاء فیمن وجد مع امراته رجلا

حضرت علیؓ سے دریافت کر کے مجھے اطلاع دو۔ ابوموسیٰ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ حضرت علیؓ نے واقعہ سن کر استعجاباً فرمایا، اس قسم کے واقعات میرے یہاں نہیں ہوتے، میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ اصل واقعہ بیان کر کے مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو۔ ابوموسیٰ نے کہا معاویہ نے آپ سے پوچھا ہے۔ فرمایا، اگر قاتل چار گواہ نہ لا سکے تو اس قتل کا ذمہ دار ہوگا[1]۔

کبھی کبھی واقف کار بزرگوں سے آنحضرت ﷺ کے اقوال سننے کی فرمائش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو تم نے سنا ہو، اس سے مجھے بھی بہرہ اندوز کرو۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ آنحضرت ﷺ نے فضول گوئی، مال کے اتلاف اور سوال کی کثرت سے منع فرمایا ہے۔

غرض اس طرح سے پوچھ پوچھ کر انہوں نے اپنا دامن علم اتنا وسیع کر لیا کہ وہ صحابہ جو اپنے فضل وکمال کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے، ان کو فقہاء میں شمار کرتے تھے۔ ابن ملیکہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ امیر المومنین معاویہؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے وتر ایک رکعت پڑھی۔ جواب دیا بالکل صحیح کیا وہ فقیہ ہیں[2]۔

اسی تفقہ کی بنا پر وہ صحابہ کی اس جماعت کے جو آنحضرت ﷺ کے بعد صاحب علم وافتاء تھی ایک ممبر تھے۔ البتہ ان کے فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے[3]۔

احادیث نبوی ﷺ کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں ان کی (۱۶۳) روایتیں ملتی ہیں۔ جن میں سے ۴ متفق علیہ ہیں۔ یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ۴ میں بخاری اور ۵ میں امام مسلم منفرد ہیں۔ صحابہ میں ان سے ابن عباسؓ، ابو درداءؓ، جریر بن عبد اللہؓ، نعمان بن بشیرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، ابو سعید خدریؓ، سائب بن یزیدؓ، ابوامامہ بن سہلؓ اور تابعین میں ابن مسیب اور حمید بن عبد الرحمن وغیرہ نے روایتیں کی ہیں[4]۔

کبھی کبھی مذہبی مسائل میں اکابر صحابہ سے اور ان سے اختلاف رائے بھی ہو جاتا تھا اور ان کی رائے صائب نکلتی تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں امیر معاویہؓ شام کے والی تھے، یہاں کے مسلمانوں میں کچھ رومیوں کے اثر اور مال ودولت کی فراوانی سے ظاہری شان وشوکت اور طمطراق پیدا

---

۱ بخاری کتاب الزکوٰۃ قولہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا الخ۔ ۲ بخاری کتاب المناقب باب مناقب معاویہ
۳ اعلام الموقعین۔ جلد ۱ ص ۳ ۴ تہذیب الاسماء نووی ص ۱۳۲

ہو گیا تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ بھی یہیں رہتے تھے۔ یہ بڑے فقیر منش اور متوکل سادہ مزاج بزرگ تھے اور اپنی طرح سب میں عہد نبوت ﷺ کی سادگی دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا مسلمانوں کے لئے زائد ضرورت مال جمع کرنا حرام ہے اور اس عقیدے میں اس قدر متشدد تھے کہ انہوں نے سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہنا شروع کر دیا اور جو مسلمان روپیہ جمع کرتے تھے ان کو اس آیت کو مورد ٹھہراتے تھے[1]۔

" والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقونھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم "۔

"جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے اس کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو"۔

اس آیت سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے۔ امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے اور حضرت ابوذرؓ اس کو مسلمان اور غیر مسلمان دونوں سے متعلق کرتے تھے۔ دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ خدا کی راہ میں نہ دینے سے یہ مراد لیتے تھے کہ کل مال خدا کی راہ میں نہیں دیتے اور امیر معاویہؓ صرف زکوٰۃ میں محدود کرتے تھے۔ اس مختلف فیہ مسئلہ میں گو ترک دنیا کے اصول سے حضرت ابوذرؓ کا خیال کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ لیکن واقعہ کے لحاظ سے امیر کی رائے صحیح ہے۔

دینی علوم کے علاوہ امیر معاویہؓ عرب کے مروجہ علوم میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ کتابت میں جس سے عرب تقریباً ناآشنا تھے، معاویہؓ کو پوری مہارت تھی اور اسی وصف کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا خاص کاتب مقرر فرمایا تھا۔

شاعری عربوں کا خاص فن ہے۔ معاویہ کو شعر شاعری کا نہایت اچھا مذاق تھا۔ وہ شعر کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ کہتے تھے کہ مرد پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے اور ادب کا بلند مرتبہ شعر ہے۔ اس لئے تم لوگ شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمع نظر بناؤ اور اس کی عادت ڈالو۔ میں لیلۃ الہریر میں سخت مصیبت کی وجہ سے بھاگنے کو تھا، لیکن اس رات کو صرف عمرو بن الاطنابہ کے اشعار نے مجھے ثابت قدم رکھا[2]۔

شاعری کے بعد عربوں میں خطابت، آتش بیانی اور زبان آوری کا درجہ تھا۔ گو امیر معاویہؓ نے اعلیٰ درجہ کے خطیب کی حیثیت سے کوئی شہرت نہیں حاصل کی تاہم ان کی تقریر بلاغت اور زور بیان کا

---

[1] ابن سعد ترجمہ ابن ذر [2] کتاب العمدہ ابن رشیق۔ ص ۱۰

بہت عمدہ نمونہ ہوتی تھی۔علامہ طقطقی لکھتے ہیں کہ "کان حکیما نصیحا بلیغا "۔معاویہ حکیم اور فصیح و بلیغ تھے[1]۔وہ اپنی تقریر سے بڑے بڑے مجمعوں کو مسحور کر لیتے تھے۔

جناب امیرؓ کے مقابلہ میں ان کی جو حیثیت تھی وہ ظاہر ہے۔لیکن شامیوں کی تسخیر میں ان کی پولٹیکل تدبیروں کے علاوہ ان کی طلاقت لسانی کو بھی بڑا دخل تھا۔تاریخوں میں بکثرت ان کی تقریروں کے نمونے موجود ہیں۔جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں جو فصیح و بلیغ تقریروں کا ایک بے مثال مجموعہ ہے اور جس میں تقریروں کے بہتر سے بہتر نمونے موجود ہیں۔امیر معاویہؓ کی ایک تقریر نمونۃً نقل کی ہے۔یہ تقریر اپنے اسلوب بیان اور لفظی و معنوی بلاغت کے لحاظ سے بڑے بڑے مشہور خطیبوں کے خطبوں کے پہلو میں رکھی جاسکتی ہے۔لیکن طوالت کی وجہ سے اس موقع پر اس کے کرنے کی گنجائش نہیں[2]۔

حضرت امیر معاویہؓ کی فہرست کمال میں سب سے زیادہ نمایاں ان کی تدبیر و سیاست ہے۔یہ استعداد ان میں فطری تھی۔لیکن علمی اور فنی حیثیت سے انہوں نے اس استعداد کو اور چمکایا تھا۔چنانچہ وہ روزانہ ایام عرب،اخبار عرب،اخبار عجم اور سلاطین عجم کے حالات،ان کے طریق جہانبانی اور دوسرے اقوام کے سلاطین،ان کی لڑائیوں،ان کی سیاسی چالوں اور رعایا کے ساتھ ان کی پالیسی اور دوسری گذشتہ قوموں کے حالات عروج و زوال سنتے تھے[3]۔

تاریخ کی ابتدائی داغ بیل ان ہی کے زمانہ میں پڑی۔اس وقت تک تاریخ کی تدوین کی طرف کسی خلیفہ نے توجہ نہیں کی تھی۔سب سے پہلے امیر معاویہؓ کو اس کا خیال ہوا۔چنانچہ انہوں اس عہد کے ایک بڑے اور باخبر عالم عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں،سلاطین عجم کے حالات، انسان کی بولی،پھوٹنے کی تاریخ اور اس کے مختلف ملکوں اور مقامات پر پھیلنے کے واقعات سن کر ان کو قلم بند کرنے کا حکم دیا[4]۔

ان رسمی علوم کے علاوہ امیر معاویہؓ کے صحیفۂ کمال کا سب سے روشن باب ان کی فطری سیاست اور دانشوری ہے۔تمام مؤرخین انہیں اپنے زمانہ کا سب سے بڑا مدبر،سیاست داں اور بیدار مغز، فرمانروا مانتے تھے۔علامہ فخری لکھتے ہیں کہ معاویہؓ دنیا کے سمجھنے والے فہیم،علیم اور قوی بادشاہ تھے۔ سیاست اور تدبیر میں ممتاز درجہ رکھتے تھے[5]۔

---

[1] الفخری۔ص ۹۵ [2] دیکھو کتاب البیان والتبیین جاحظ۔جلد۔ص ۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳ [3] مروج الذہب۔جلد ۲۔ص ۴۲۵
[4] فہرست ابن ندیم۔ص ۱۳۲ طبع مصر [5] الفخری۔ص ۹۵

ان کے عہد میں تمام بڑے بڑے اکابران کی سیاست و دانائی کے معترف تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ جو خود سیاست اور تدبر میں یگانہ تھے، معاویہ کو "کسرائے عرب" کہتے تھے[1]۔

سعید مقبری راوی ہیں کہ عمر فاروقؓ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ معاویہ کے ہوتے ہوئے کسریٰ و قیصر اور ان کے تدبر کا تذکرہ کرتے ہو[2]۔ حضرت عمرؓ جیسے شخص کو یہ اپنی زبان آوری اور تدبیروں سے چپ کرا دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو امیر معاویہؓ بڑے خدم و حشم کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلے۔ اس شان و شوکت پر حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا کہ تم صبح و شام خدم و حشم کے ساتھ نکلتے ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم چین سے اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہو اور تمہارے دروازے پر حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے! امیر معاویہؓ نے برجستہ کہا، "امیر المومنین! یہاں ہمارے دشمن ہم سے قریب رہتے ہیں اور ان کے جاسوس لگے رہتے ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اسلام کو باعزت دیکھیں"۔ یہ عذر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا! تمہارا بیان عقل مند آدمی کا فریب ہے۔ معاویہؓ نے کہا پھر جیسا فرمایئے ویسا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے زچ ہو کر جواب دیا، "معاویہ جب میں تم سے بحث کرتا ہوں یا تم پر نکتہ چینی کرتا ہوں تو تم مجھے ایسا لاجواب کر دیتے ہو کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو اس بات کا حکم دوں یا منع کروں[3]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو امیر معاویہؓ سے بڑھ کر سردار نہ پایا۔ کسی نے پوچھا اور ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ جواب دیا خدا کی قسم یہ لوگ امیر معاویہ سے بہتر تھے، لیکن امیر معاویہؓ میں سرداری ان سے زیادہ تھی[4]۔ امیر معاویہؓ کے مخالف ان کے اس وصف کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو امیر معاویہ کے شدید مخالفوں میں تھے، وہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی کو امیر معاویہؓ سے زیادہ حکومت کے لئے موزوں نہیں پایا[5]۔

ذاتی فضیلت اور استحقاق خلافت میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ ان کو آپ کے مقابلہ میں صرف پولٹیکل تدبیروں سے کامیاب حاصل ہوئی۔ ان کے فہم و تدبر کا یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب پہلی مرتبہ ان کا مدینہ جانا ہوا تو وہ تعزیت کے طور پر

---

۱ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۷ والفخری۔ ص ۱۰۳ ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۳ ۳ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۷
۴ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۲ ۵ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۱۵

ان کے گھر گئے۔انہیں دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی اپنے پدر بزرگوار کو یاد کر کے رونے لگیں۔ معاویہؓ کے ساتھ بہت سے عمائد قریش بھی تھے،جن کو اس واقعہ سے بدگمانی ہوئی۔اس لئے امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو واپس کر دیا اور عائشہ سے کہا بیٹی ان لوگوں نے میری اطاعت قبول کر لی ہے،لیکن ان کے دلوں میں کینہ ہے اور ہم نے بھی ان کی اطاعت کی وجہ سے حلم اور درگزر سے کام لیا ہے۔لیکن ہمارے دل میں بھی ان کے خلاف غم وغصہ موجود ہے۔اس لئے یہ سودا برابر کا ہے اور ان کی حامی جماعت بھی موجود ہے۔اب اگر ہم ان کی اطاعت کے معاوضہ میں ان کے حقوق نہ ادا کریں اور ان سے بدعہدی کریں گے تو وہ بھی ہم سے بدعہدی کریں گے اور دونوں میں مقابلہ ہو جائے گا،جس کا انجام معلوم نہیں کیا ہو[1]۔اس سے ان کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

غرض سیاست وتدبر،حکومت وفرمانروائی،جہانبانی وکشورکشائی کے اوصاف جلیلہ میں ان کا کوئی معاصر،ان کا کوئی حریف نہ تھا۔تم ان کی پوری تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ لو اس کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوگی۔

اخلاق وعادات وعام حالات :

امیر معاویہؓ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں ہونے کا ثبوت حاصل نہ تھا بلکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں تھے۔اس لئے قبول اسلام کے بعد انکو فیضان نبوی ﷺ سے مستفید ہونے کا زیادہ موقعہ نہ ملا۔یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اولین کی طرح وہ اخلاق نبوی ﷺ کا مکمل نمونہ نہ بن سکے۔تاہم وہ صحابی رسول ﷺ تھے اور ایسے صحابی تھے جن کے لئے زبانِ رسالت ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ خدایا معاویہ کو مہدی وہادی بنا اور ان کر کے ذریعہ سے ہدایت کر۔اس دعائے مستجاب کے اثر سے ان کا دامن اخلاق فضائل سے خالی نہ تھا۔

عبرت پذیری اور قیامت کا خوف :

امیر معاویہؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دنیا میں پڑ کر آخرت کے مواخذہ کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔لیکن یہ خیال حقیقت واقعہ سے بہت دور ہے۔امیر معاویہؓ قیامت کے مواخذہ کا تذکرہ سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے اور روتے روتے ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی[2]۔

ایک مرتبہ شفیا اصبحی مدینہ آئے۔دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے۔پوچھا کون ہیں؟ لوگوں نے کہا،ابو ہریرہؓ۔یہ سن کر شفیا اصبحی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے،اس وقت ابو ہریرہؓ

---

[1] البدایہ والنہایہ۔جلد ۸۔ص ۱۳۲ [2] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الریاء والسمعہ

"لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹ گیا تو شفیا نے ان سے کہا، رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنایئے۔ جس کو آپ نے ان سے سنا ہو، سمجھا ہو، جانا ہو ابو ہریرہؓ نے کہا ایسی ہی سناؤں گا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا، میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپ ﷺ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔ اتنا کہہ کر زور سے چلائے اور پھر بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپ ﷺ کے سوا کوئی شخص نہ تھا یہ کہا اور پھر چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے۔ شفیا اصبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے۔ ہوش آیا تو کہا،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لئے اُترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کئے جائیں گے۔ عالم قرآن، راہِ خدا میں مقتول اور دولت مند۔ پھر خدا عالم سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی؟ وہ کہے گا، ہاں۔ خدا فرمائے گا، تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا۔ خدا فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں۔ چنانچہ خطاب دیا۔

پھر دولت مند سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھ کو صاحب مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا! وہ کہے گا، ہاں خدایا۔ فرمائے گا، تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا۔ خدا فرمائے گا، تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے اور کہلایا۔

پھر وہ جسے راہِ خدا میں جان دینے کا دعویٰ تھا، پیش ہوگا۔ اس سے سوال ہوگا، تو کیوں مار ڈالا گیا؟ وہ کہے گا، تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا، میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا۔ خدا فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو چاہتا تھا کہ دنیا میں جری اور بہادر کہلائے، تو یہ کہا جا چکا ہے۔

یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانوں پر ہاتھ مار کر فرمایا، ابو ہریرہؓ پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ امیر معاویہؓ نے یہ حدیث سنی تو کہا جب ان لوگوں کے ساتھ ایسا کیا گیا تو اور لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ یہ کہہ کر ایسا زار و قطار روئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ مر جائیں گے۔ جب ذرا سنبھلے تو منہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے کہ [1]

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ

" من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون . اولئک الذين ليس لهم في الأخره الا النار وحبط ما صنعوا فيها وبطل ما كانوا يعملون "۔ (سورۂ ہود ۔ ۱۱ : ۱۵ ، ۱۶)

'' جوشخص دنیا اور اس کے ساز و سامان کو چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دیدیتے ہیں اور اس میں اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا ۔لیکن آخرت میں ان کا حصہ آگ کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ برباد ہو جاتا ہے اور جو کام کئے تھے وہ بے کار جاتے ہیں''۔

دنیاوی ابتلا پر تاسف :

اس میں شبہ نہیں کہ قیام ملوکیت کے سلسلہ میں امیر معاویہؓ کو دنیاوی ابتلاء، آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا اور بحیثیت صحابی رسول کے اس سے اپنا دامن نہ بچا سکے ۔لیکن اپنی لغزشوں کا انہیں ہمیشہ احساس رہا اور آخر وقت تک میں وہ اس پر نادم و متاسف رہا کرتے تھے ۔چنانچہ مرض الموت میں کہتے تھے ۔کاش میں ذی طوی (نام مقام) میں قریش کا معمولی آدمی ہوتا اور ان معاملات میں نہ پڑا ہوتا[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ عالم نزع میں اپنا چہرہ زمین پر رگڑتے تھے اور رو رو کر کہتے تھے کہ خدایا تو نے اپنی کتاب میں کہا ہے :

" ان الله لا يغفران يشرک به ويغفر مادون ذلک لمن يشآء ".

(سورۂ نساء ۔ ۴ : ۴۸)

''یعنی اللہ اس کی مغفرت نہیں کرتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اور اس کے ماسوا جس کو چاہتا ہے، بخش دیتا ہے''۔

اس لئے بارالہا مجھ کو ان لوگوں میں شامل فرما جن کی مغفرت تو نے اپنی مشیت پر رکھی ہے[2]۔

بحیثیت شخصی فرمانرواں کے انہیں ہمیشہ دنیاوی وجاہت اور ظاہری شان و شوکت سے واسطہ رہا ۔لیکن جب ظاہری طمطراق پر ان کی نظر پڑتی تھی تو حسرت و افسوس کے کلمات ان کی زبان پر جاری ہو جاتے تھے ۔عبداللہ بن مسعدہ بن حکمہ فرازی بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ شام کے کسی علاقہ سے اپنے علاقہ میں جا رہے تھے ۔راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی ، سر راہ ایک بلند اور کھلی

---

[1] اسد الغابہ ۔جلد ۴ ۔ص ۳۸۷　[2] البدایہ والنہایہ ۔جلد ۸ ۔ص ۱۴۲

چھت پر فرش بچھایا گیا۔ میں بھی امیر کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اتنے میں اُونٹ کی قطاریں گھوڑے اور لونڈی غلام کے غول گزرنے لگے۔ انہیں دیکھ کر امیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ابن مسعدہ خدا ابوبکرؓ پر رحم فرمائے، نہ انہوں نے دنیا کو چاہا، نہ دنیا نے انہیں چاہا۔ عمرؓ کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے اس کو نہ چاہا۔ عثمانؓ کو کچھ دنیا میں مبتلا ہونا پڑا اور ہم لوگ تو بالکل اسی میں آلودہ ہو گئے۔ یہ کہہ کر وہ نادم ہوئے، پھر کہا خدا کی قسم یہ حکومت بھی خدا ہی نے ہم کو دی ہے[1]۔

قبول حق : امیر معاویہؓ کی حکومت کو شخصی حکومت اور انہیں مستبد فرمانروا مانا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے بات کے قبول کرنے میں کبھی عار نہ کیا۔ ایک مرتبہ ان سے حضرت ابومریمؓ ازدی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے تو قیامت کے دن خدا بھی اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا۔ امیر پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے عام لوگوں کی حاجت روائی کے لئے ایک مستقل آدمی مقرر کر دیا[2]۔

حضرت مقدامؓ بن معدیکرب کے بعض ممنوعات پر ٹوکنے اور اس کے صلہ میں ان کو امیر معاویہؓ کے انعام دینے کا واقعہ اُوپر گزر چکا ہے۔

ضبط وتحمل : امیر معاویہ کو جس قدر دنیاوی جاہ جلال اور قوت واقتدار حاصل تھا، اس سے ہر تاریخ داں واقف ہے۔ لیکن اس دنیاوی وجاہت کے باوجود وہ حد درجہ متحمل مزاج تھے۔ وہ مورخین بھی جو ان کے مخالف ہیں، ان کے اس وصف کے معترف ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ معاویہؓ حلم کے موقعہ پر حلم سے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے۔ لیکن حلم کا پہلو غالب تھا[3]۔

جو لوگ ان کے ساتھ رہ چکے تھے، وہ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ میں معاویہؓ کی صحبت میں رہا۔ ان سے زیادہ کسی کو حلیم نہیں پایا[4]۔ وہ تلخ سے تلخ اور ناگوار سے ناگوار باتیں شربت کے طرح پی جاتے تھے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ غصہ پی جانے سے زیادہ میرے لئے کوئی شے لذیذ نہیں[5]۔ ان کے حلم اور عفو پر جب کوئی شخص ٹوکتا تو جواب دیتے کہ مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کسی کا گناہ میرے عفو سے اور کسی کی جہالت میرے حلم سے بڑھ جائے یا میں کسی کے عیب کی پردہ پوشی نہ کروں[6]۔ اور عملاً اس پر کاربند تھے۔

۱۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۱۲ ۲۔ ابوداؤد۔ کتاب الخرج والامارہ ۳۔ الفخری۔ ص ۹۵
۴۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۱۹۴ ۵۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۲۳ ۶۔ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۳۵

عبدالملک بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امیر معاویہؓ سے بڑی بد کلامی کی۔ کسی نے متعجب ہو کر پوچھا آپ اس حد تک انگیز کر لیتے ہیں۔ جواب دیا کہ میں اس وقت لوگوں کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا، جب تک وہ میری حکومت میں حائل نہ ہوں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا، معاویہؓ ہمارے ساتھ سیدھے رہو ورنہ تم کو درست کر دیں گے۔ امیر نے پوچھا کس چیز سے۔ اس نے کہا لکڑی سے۔ جواب دیا، اس وقت سیدھے ہو جائیں گے [1]۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے بڑی بد کلامی کی۔ کسی نے کہا آپ اس کو سزا کیوں نہیں دیتے؟ جواب دیا، مجھے شرم آتی ہے کہ میرے حلم کا دامن میری رعایا کے گناہ کے مقابلہ میں تنگ ہو جائے [2]۔ ایک شخص ابوجہم نے ایک مرتبہ امیر معاویہ سے درشت گفتگو کی امیر معاویہؓ نے سن کر سر جھکا لیا، پھر سر اُٹھا کر کہا، ابوجہم حاکم وقت سے بچا کرو، وہ بچوں کی طرح بگڑ جاتا ہے اور شیر کی طرح پکڑتا ہے اور اس کے تھوڑے غصہ کی لپیٹ میں بہت سے لوگ آجاتے ہیں۔ اس نصیحت کے بعد ابوجہم کو انعام دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کی مدح میں رطب اللسان ہو گئے [3]۔ انہوں نے اپنے خاندان والوں کو نصیحت کی تھی کہ قریش کے ساتھ ہمیشہ حلم کے ساتھ پیش آیا کرو۔ میرا حال یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مجھ کو بُرا بھلا کہتا تھا تو حلم سے اس کا جواب دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ میرا دوست بن جاتا تھا اور ہر وقت میری امداد و حمایت کے لئے تیار رہتا تھا۔

حلم سے کسی شریف کی شرافت میں فرق نہیں بلکہ اس کی عزت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ انسان اس وقت تک صائب الرائے نہیں ہو سکتا، جب تک اس کی جہالت پر اس حلم اور اس کی خواہشات پر ضبط نفس غالب نہ آجائے [4]۔

چنانچہ قریش خصوصاً بنی ہاشم اور آل ابی طالب کے اور افراد ان کو سخت سے سخت باتیں کہتے تھے۔ لیکن امیر معاویہؓ کبھی مذاق میں ٹال جاتے اور کبھی سنی ان سنی بنا دیتے، اور ان کی سخت کلامی پر بھی ان کو مہمان بناتے۔ خاطر مدارات کرتے اور انعام و اکرام دیتے [5]۔

فیاضی : فیاضی اور زر پاشی امیر معاویہؓ کا نہایت نمایاں وصف تھا۔ علامہ الفخری لکھتے ہیں کہ معاویہؓ فیاض اور زر پاش تھے [6]۔ ان کا ابر کرم بلا امتیاز موافق و مخالفت سب پر یکساں برستا تھا۔ عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور آل ابی طالب کے دوسرے افراد ان کے شدید مخالفوں میں تھے۔ لیکن ان کی

---

۱ تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۹۴ ۲ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۳۸ ۳ ایضاً۔ ص ۱۶
۴ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۶ ۵ الفخری۔ ص ۹۵ ۶ ایضاً

مخالفت اوران کی بدکلامیوں کے باوجود امیر ان کے ساتھ مسلوک ہوتے تھے [۱]۔

عقیل بن ابی طالب ان کے پاس چالیس ہزار کی ضرورت لے کر آتے ہیں اور بھرے مجمع میں ان کو اوران کے باپ سفیان کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ لیکن امیر معاویہؓ اس کے باوجود ان کی حاجت پوری کرتے ہیں [۲]۔ اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مسلوک ہوتے رہتے تھے اور ان کو ایک لاکھ کی رقم یک مشت دے دیتے تھے۔ اشراف روزانہ اہل حاجت کی ضروریات پیش کرتے۔ امیر ان کی اولاد کے وظائف مقرر کرتے اوران کے اہل وعیال کی خبر گیری کا حکم دیتے [۳]۔ کبار صحابہ کے وظائف مقرر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری وظیفہ قبول کرتے تھے [۴]۔

صحابہ کی اولاد تک کے ساتھ وہ فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا انتقال ہوا تو امیر نے ترکہ کے علاوہ ان کے ورثہ کے دس ہزار نقد دینے کا حکم دیا [۵]۔

یہ چند واقعات نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ اس قسم کی مثالوں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے مخالف کو بھی امیر کے اس وصف کے اعتراف کے سوا چارہ نہ تھا۔ حضرت عباسؓ فرماتے تھے کہ جو لوگ معاویہؓ کے پاس جاتے ہیں وہ ایک وسیع وادی کے کنارے پر اُترتے ہیں [۶]۔

اُمہات المومنین کی خدمت :

تمام گذشتہ خلفاء امہات المومنین کی خدمت اپنے لئے باعث سعادت وافتخار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ تھے اور رتبہ کے لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ ان کی خدمت میں ایک ایک مشت ایک ایک لاکھ کی نذر پیش کرتے تھے [۷]۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً دس دس پانچ پانچ ہزار کی رقمیں بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے منکدر بن عبداللہ کو دس ہزار کی رقم دینی چاہی، لیکن اس وقت اتفاق سے ہاتھ میں روپیہ نہ تھا۔ اسی دن شام کو امیر معاویہ کی بھیجی ہوئی رقم آ گئی۔ حضرت عائشہؓ نے منکدر کو بلوا کر اس میں سے دس ہزار کی رقم دیدی [۸]۔

---

۱ الفخری ۹۵　　۲ اسد الغابہ تذکرہ عقیل ابن ابی طالب　　۳ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۳۷
۴ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۳　　۵ مستدرک حاکم۔ جلد ۲۔ ص ۵۰۸　　۶ طبری۔ جلد ۷۔ ۲۱۵
۷ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص　　۸ طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ

آثار نبوی سے برکت اندوزی :

امیر کے پاس آثار نبوی میں ایک کرتہ، ناخن اور موئے مبارک تھے۔ زندگی بھر برکت کے لئے اس کو حرز جان بنائے رہے۔ مرتے وقت وصیت کرتے گئے کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے کرتہ مرحمت فرمایا تھا۔ وہ اسی دن کے لئے محفوظ رکھا ہے اور ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں۔ اس کرتہ میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر بھر دینا۔ شاید خدا اس کی برکت سے مغفرت فرمائے [۱]۔

حضرت زبیرؓ بن کعب کو نعتیہ قصیدہ کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے جورداء مبارک مرحمت فرمائی تھی، امیر معاویہؓ نے اس کو پیش قرار رقم دے کر ان سے خرید لیا تھا، یہی چادر تمام خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، جس کو وہ عیدین میں اوڑھ کر نکلتے تھے [۲]۔

مساوات : امیر کو جاہ پسند کہا جاتا ہے، اور ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ معمولی آداب مجلس میں بھی اپنے اور عام مسلمان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔

ابومجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہؓ نکلے۔ عبداللہؓ بن عامر اور عبداللہ بن زبیرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ معاویہؓ کو دیکھ کر ابن عامرؓ کھڑے ہوگئے اور ابن زبیرؓ بیٹھے رہے۔ معاویہؓ نے ابن عامر کے قیام پر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس سے خوش ہوتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جائیں تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے [۳]۔

امیر کے اخلاقی اصول :

امیر معاویہؓ کے اخلاقی اصولوں سے ان کے عام اخلاق و عادات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے آخر میں اخلاق کے بارے میں ان کے کچھ زریں خیالات پیش کئے جاتے ہیں :

فرماتے تھے کہ

"میں اپنے نفس کو اس سے بلند دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا گناہ میرے عفو سے، میرا جہل میرے علم سے زیادہ ہو یا کسی کا عیب اپنے عیب پردہ میں نہ چھپاؤں، یا میری بُرائی میری بھلائی سے زیادہ ہو۔ شریف کے لئے زینت پاکدامنی ہے"۔

---

[۱] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۶۲ [۲] اصابہ تذکرہ زبیرؓ بن کعب
[۳] ادب المفرد باب قیام الرجل للرجل تعظیماً۔

کہتے تھے کہ

''خدا نے بندہ کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں سب سے افضل عقل وحلم ہے۔ اس کی وجہ سے جب آدمی کو کوئی یاد کرتا ہے، تو وہ بھی اس کو یاد کرتا ہے، اور جب کوئی اس کو دیتا ہے تو وہ اس کا شکرادا کرتا ہے، اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو صبر سے کام لیتا ہے اور جب غصہ آتا ہے تو پی جاتا ہے، اور جب قابو پاتا ہے تو درگذر سے کام لیتا ہے، اور جب کوئی بُرائی سرزد ہوتی ہے تو اس کی معافی چاہتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے'' [1]۔

[1] طبری سیرت معاویہؓ

حضرت حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب

نام ونسب :

حسین نام ہے۔ابوعبداللہ کنیت۔"سید شباب اهل الجنه " اور " ریحانۃ النبی "
لقب ہے۔علی مرتضیٰؓ باپ اور سیدہ بتولؓ جگر گوشۂ رسول ماں تھیں۔اس لحاظ سے آپ کی ذات گرامی
قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔شجرہ طیبہ یہ ہے : حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب بن ہاشم بن
عبد مناف قرشی ہاشمی ومطلبی ،

دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پیدائش : ابھی آپ شکم مادر میں تھے کہ حضرت حارثؓ کی صاحبزادی نے خواب دیکھا کہ کسی
نے رسول اکرم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا ہے۔انہوں نے آنحضرت ﷺ
سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ایک ناگوار اور بھیانک خواب دیکھا ہے،فرمایا کیا؟ عرض کیا
ناقابلِ بیان ہے۔فرمایا بیان کرو،آخر کیا ہے؟ آنحضرت کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کیا۔آپ
ﷺ نے فرمایا یہ تو نہایت مبارک خواب ہے۔فاطمہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے گود میں لوگی[1]۔

کچھ دنوں کے بعد اس خواب کی تعبیر ملی اور ریاض نبوی میں وہ خوشرنگ ارغوانی پھول کھلا ،
جس کی مہک حق وصداقت، جرأت وبسالت، عزم واستقلال، ایمان وعمل اور ایثار وقربانی کی وادیوں کو
ابدالآباد تک بساتی اور جس کی رنگینی عقیق کی سرخی، شفق کی گلگونی اور لالہ کے داغ کو ہمیشہ شرماتی رہے گی۔
یعنی شعبان ۴ھ میں علیؓ کا کاشانہ حسینؓ کے تولد سے رشکِ گلزار بنا۔

ولادت باسعادت کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے بچے کو دکھاؤ،
کیا نام رکھا گیا؟ اور نومولود بچہ کو منگا کر اس کے کان میں اذان دی۔اس طرح گویا پہلی مرتبہ خود
زبانِ وحی والہام نے اس بچہ کے کانوں میں توحید الٰہی کا صور پھونکا۔درحقیقت اسی صور کا اثر تھا کہ

سر داد، دست نداد در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

---

[1] مستدرک حاکم۔جلد ۳۔ص ۱۷۶

پھر فاطمہ زہراؓ کو عقیقہ کرنے اور بچہ کے بالوں کے ہم وزن خیرات کرنے کے حکم دیا۔ پدر بزگوار کے حکم کے مطابق فاطمہ زہراؓ نے عقیقہ کیا[1]۔ والدین نے حرب نام رکھا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو یہ نام پسند نہ آیا۔ آپ نے بدل کر حسینؓ رکھا[2]۔

عہد نبوی ﷺ: حضرت حسینؓ کے بچپن کے حالات میں صرف ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پیار اور محبت کے واقعات ملتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔ تقریباً روزانہ دونوں کو دیکھنے کے لئے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دونوں کو بلا کر پیار کرتے اور کھلاتے۔ دونوں بچے آپ ﷺ سے بے حد مانوس اور شوخ تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے کبھی شوخی پر تنبیہ نہیں فرمائی، بلکہ ان کی شوخیاں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اس قسم کے تمام حالات حضرت حسن کے تذکرہ میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ حضرت حسینؓ کا سن صرف سات برس کا تھا کہ نانا کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا۔

عہد صدیقی: حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں امام حسینؓ کی عمر ۷۔۸ برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے ان کے عہد کا کوئی خاص واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے، بجز اس کے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نبیرۂ رسول کی حیثیت سے حضرت حسینؓ کو بہت مانتے تھے۔

عہدِ فاروقی: حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی عہدِ خلافت میں بھی بہت صغیر السن تھے، البتہ آخری عہد میں سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن اس عہد کی مہمات میں ان کا نام نظر نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ بھی حضرت حسینؓ پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور قرابتِ رسول ﷺ کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب بدری صحابہؓ کے لڑکوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر کیا، تو حضرت حسینؓ کا محض قرابتِ رسول ﷺ کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا[3]۔

آپ کسی چیز میں بھی حضرت حسینؓ کی ذات گرامی کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ یمن سے بہت سے حلّے آئے۔ حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ میں تقسیم کئے۔ آپ قبر اور منبر نبوی کے درمیان تشریف فرما تھے۔ لوگ ان حلّوں کو پہن پہن کر شکریہ کے طور پر آ کر سلام کرتے تھے۔ اسی دوران میں حضرت حسنؓ و حسینؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکلے۔ آپ کا گھر حجرہ مسجد کے درمیان میں تھا۔ حضرت عمرؓ کی نظر ان دونوں پر پڑی تو ان کے جسموں پر حلّے نظر نہ آئے۔ یہ دیکھ کر آپ کو

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۶ فضائل حسینؓ، موطا امام مالک کتاب العقیقہ باب جاء فی العقیقہ میں بھی اس کا ذکر ہے
[2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸ [3] فتوح البلدان بلاذری ذکر عطاءِ عمر بن الخطاب

تکلیف پہنچی اور لوگوں سے فرمایا، مجھے تمہیں حلّے پہنا کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا، امیر المومنین یہ کیوں؟ فرمایا، اس لئے کہ ان دونوں لڑکوں کے جسم ان حلّوں سے خالی ہیں۔ اس کے بعد فوراً حاکم یمن کو حکم بھیجا کہ جلد سے جلد دو حلّے بھیجو اور حلّے منگوا کر دونوں بھائیوں کو پہنانے بعد فرمایا، اب مجھے خوشی ہوئی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ پہلے حلّے حضرت حسنؓ وحسینؓ کے لائق نہ تھے[1]۔

حضرت عمرؓ حسینؓ کو اپنے صاحبزادے عبداللہ سے بھی جو عمر اور ذاتی فضل و کمال میں ان دونوں سے فائق تھے، زیادہ مانتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ منبر نبوی ﷺ پر خطبہ دے رہے تھے کہ حسینؓ آئے اور منبر پر چڑھ کر کہا، میرے باپ (رسول اللہ ﷺ) کے منبر سے اُترو، اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے اس طفلانہ شوخی پر فرمایا کہ میرے باپ کا کوئی منبر ہی نہ تھا، اور انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔ خطبہ تمام کرنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ راستہ میں پوچھا کہ یہ تم کو کس نے سکھایا تھا؟ بولے واللہ کسی نے نہیں۔ پھر فرمایا کبھی کبھی میرے پاس آیا کرو۔

چنانچہ اس ارشاد کے مطابق ایک مرتبہ حسینؓ ان کے پاس گئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ معاویہؓ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کر رہے تھے اور ابن عمرؓ دروازے پر کھڑے تھے۔ حسینؓ بھی ان ہی کے پاس کھڑے ہو گئے اور بغیر ملے ہوئے ان ہی کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد جب حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا، تم آئے کیوں نہیں؟ انہوں نے جواب دیا، امیر المومنین میں حاضر ہوا تھا، مگر آپ معاویہ سے گفتگو میں مشغول تھے، اس لئے عبداللہ کے ساتھ کھڑا رہا، پھر ان ہی کے ساتھ لوٹ گیا۔ فرمایا، تم کو اس کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت تھی، تم ان سے زیادہ حق دار ہو، جو کچھ ہماری عزت ہے وہ خدا کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے[2]۔

عہد عثمانی : حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ سب سے اوّل اسی عہد میں جہاد میں قدم رکھا اور ۳۰ھ میں طرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے[3]۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی اور باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے دونوں بھائیوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا کہ باغی اندر گھسنے نہ پائیں۔ چنانچہ حفاظت کرنے والوں کے ساتھ ان دونوں نے بھی نہایت بہادری کے ساتھ باغیوں کو اندر گھسنے سے روکے رکھا۔ جب باغی کوٹھے پر چڑھ کر اندر اُتر گئے اور حضرت عثمان کو شہید کر ڈالا اور حضرت علیؓ کو شہادت

۱۔ ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۳۲۱۔ ۳۲۳ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵ ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۸۴

کی خبر ہوئی تو انہوں نے دونوں بھائیوں سے نہایت سختی کے ساتھ باز پرس کی کہ تمہارے ہوتے ہوئے باغی کس طرح اندر گھس گئے[1]۔

جنگ جمل و صفین : جنگ جمل میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ اختتام جنگ کے بعد کئی میل تک حضرت عائشہؓ کو پہنچانے کے لئے گئے۔ جنگ جمل کے بعد صفین کے قیامت خیز واقعہ میں بھی آپ نے بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ لیکن یہاں ان لاطائل تفصیلات کی ضرورت نہیں۔ التوائے جنگ کے بعد معاہدہ نامہ میں بحیثیت شاہد کے حضرت حسینؓ کے بھی دستخط تھے۔ پھر جنگ صفین کے بعد خوارج کی سرکوبی میں بڑے انہماک سے حصہ لیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت :

اس کے بعد ۴۰ھ میں حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ زخم بہت کاری تھا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر مفید نصیحتیں کیں اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کر کے مرتبۂ شہادت پر ممتاز ہو گئے۔

عہد معاویہؓ : حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسن خلیفہ ہوئے۔ لیکن جیسا کہ اُوپر ان کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے، آپ مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری پر آمادہ ہو گئے اور حسینؓ کو اپنے عزم سے آگاہ کیا۔ حسینؓ نے اس کی بڑی پُرزور مخالفت کی، جس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔ لیکن حضرت حسنؓ کے عزم راسخ کے سامنے ان کی مخالفت کامیاب نہ ہو سکی اور ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت حسینؓ کو بھی برادر بزرگ کے فیصلہ کے سامنے سرِ خم کرنا پڑا۔ تو حضرت حسینؓ امیر معاویہؓ کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ تاہم ان کے زمانہ کی لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں جس کا کمانداد سفیان بن عوف تھا، مجاہدانہ شرکت کی تھی، جس کا ذکر امیر معاویہؓ کے حالات میں اُوپر گزر چکا ہے۔

حضرت حسنؓ کا انتقال :

اسی سال یعنی ۴۹ھ میں حضرت حسنؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس سلسلہ میں حضرت حسینؓ کو جو واقعات پیش آئے ان کا تذکرہ حضرت حسنؓ کے حالات میں گزر چکا ہے، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۵۹

امیر معاویہؓ اور حسینؓ :

ممکن ہے حضرت امام حسینؓ کا دل امیر معاویہؓ کی جانب سے صاف نہ رہا ہو، یا وہ ان کو اچھا نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن دونوں کے ظاہری تعلقات خوشگوار تھے، اور امیر معاویہؓ ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ حضرت حسنؓ نے دستبرداری کے وقت حسینؓ کے لئے جو رقم مقرر کرائی تھی وہ امیر معاویہؓ انہیں برابر پہنچاتے رہے، بلکہ اس رقم کے علاوہ بھی مسلوک ہوتے رہتے تھے۔ البتہ یزید کے ولی عہد کے وقت ناخوشگواری پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن اس میں بھی کوئی بدنما صورت نہیں پیدا ہونے پائی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶ھ میں جب امیر معاویہؓ نے اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لینی چاہی تو طبری کے بیان کے مطابق سوائے چند لوگوں کے کل اہلِ مدینہ نے بیعت کرلی۔ بیعت نہ کرنے والوں میں ایک امام حسینؓ بھی تھے۔ لیکن جب عام بیعت ہوگئی تو امیر معاویہؓ نے ان لوگوں سے کچھ زیادہ اصرار نہیں کیا[۱]۔ (یہ طبری کی روایت ہے)

علامہ ابن اثیر کی روایت کی رو سے امیر معاویہؓ نے پہلے تمام اکابر مدینہ سے بزور بیعت لی اور ان کی بیعت کو عوام کے سامنے پیش کر کے سب سے بیعت لی اور کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ سب خاموش رہے۔ ان خاموش رہنے والوں میں حضرت حسینؓ بھی تھے۔ اس کی تفصیل امیر معاویہؓ کے حالات میں لکھی جا چکی ہے۔

امیر زمانہؓ نہایت زمانہ شناس اور بڑے عاقبت بین مدبر تھے۔ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا پہلے سے اندازہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ اس کا یقین تھا کہ ان کے بعد ابن زبیرؓ ضرور خلافت کا دعویٰ کریں گے اور حسینؓ کو بھی اہلِ عراق یزید کے مقابلہ میں کھڑا کردیں گے۔ اس لئے موت کے وقت یزید سے دونوں کے بارے وصیت کرتے گئے۔ حضرت حسینؓ کے متعلق خاص طور سے تاکید کی تھی کہ میرے بعد عراق والے حسینؓ کو تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑیں گے، جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو تو درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ وہ قرابت دار اور بڑے حقدار اور رسول ﷺ کے عزیز ہیں[۲]۔

یزید کی تخت نشینی، اور حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ :

رجب ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد یزید (جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے)۔ ان کا جانشین ہوا۔ تختِ حکومت پر قدم رکھنے کے بعد یزید کے لئے

---

۱ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۷ ۲ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۷ و الفخری۔ ص ۱۰۲

سب سے اہم معاملہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا۔ کیونکہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت ان دونوں نے اس کو نہ دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ زبان سے اقرار کیا تھا اور ان کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خود ان کی جانب سے دعویٰ خلافت اور حجاز میں یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا۔ کیونکہ ان کے دعویٰ خلافت سے سارا حجاز یزید کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوتا، اور حسینؓ کی وجہ سے عراق میں بھی شورش بپا ہو جاتی۔ جیسا کہ آئندہ چل کر ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں ہوا کہ شام کے بعض حصوں کے سوا قریب قریب پورا ملک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا۔ ان اسباب کی بنا پر اپنی حکومت کی بقاء اور تحفظ کے لئے یزید نے ان دونوں سے بیعت لینا ضروری سمجھا۔

گویا یہ اس کی ناعاقبت اندیشی تھی۔ اگر وہ سمجھداری سے کام لے کر ان بزرگوں کو ساتھ ملا لیتا تو بہت ممکن تھا کی وہ ناگوار واقعات پیش نہ آتے، جنہوں نے نہ صرف یزید کو ساری دنیا میں بدنام بلکہ اُموی حکومت کو لوگوں کی نگاہوں میں مطعون کر دیا۔ جس کا اثر اُموی حکومت پر بہت بُرا پڑا[1]۔

لیکن یزید نے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام ان دونوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا۔ ابھی تک مدینہ میں امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر نہ پہنچی تھی۔ ولید کے لئے اس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی۔ وہ اس کے انجام سے واقف تھا۔ اس لئے بہت گھبرایا اور اس نے اپنے نائب مروان سے مشورہ کیا۔ مروان سخت مزاج تھا۔ اس نے کہا دونوں کو اسی وقت بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو۔ اگر مان جائیں تو فبہا اور اگر ذرا بھی لیت و لعل کریں تو سر قلم کر دو۔ ورنہ ان لوگوں کو معاویہؓ کی موت کی خبر مل گئی تو پھر ان میں سے ہر ایک شخص ایک ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اس وقت سخت دشواری پیش آئے گی۔

اس مشورے کے بعد ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ اولاً یہ طلبی ایسے غیر معمولی وقت میں ہوئی تھی جو ولید کے ملنے کا وقت نہ تھا۔ دوسرے امیر معاویہؓ کی علالت کی خبریں مدینہ میں آ چکی تھیں۔ ان قیاسات سے دونوں آدمی سمجھ گئے کہ امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور انہیں بیعت کے لئے بلایا گیا ہے تاکہ معاویہؓ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت لے لی جائے۔

حضرت حسینؓ کو اندازہ تھا کہ انکار کی بیعت کی صورت میں کس حد تک معاملہ نزاکت اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے متعین کر دیا، اس لئے اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے اور مکان کے باہر آدمیوں کو متعین کر دیا، تاکہ اگر کوئی ناگوار شکل پیش آئے تو وہ لوگ فوراً آپ کی آواز پر پہنچ

---

[1] بنی اُمیہ کے خلاف عباسیوں کی دعوت میں کامیابی کا ایک بڑا سبب حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بھی تھا۔

جائیں۔ ولید نے انہیں امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کے لئے کہا۔

حضرت حسینؓ نے تعزیت کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کرسکتا اور نہ میرے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے۔ جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آجاؤں گا اور عام مسلمان جو صورت اختیار کریں گے، اس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا۔ اس لئے رضامند ہوگیا اور حضرت حسینؓ لوٹ آئے۔

مروان جس نے زبردستی بیعت لینے اور انکار کی صورت میں قتل کردینے کی رائے دی تھی۔ ولید کی اس نرمی اور صلح پسندی پر بہت برہم ہوا، اور کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا، اب تم ان پر قابو نہیں پاسکتے"۔ ولید بولا افسوس تم فاطمہؓ بنت رسول ﷺ کے لڑکے حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم قیامت کے دن حسینؓ کے خون کا جس سے محاسبہ کیا جائے گا، اس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا[1]۔

محمد بن حنفیہ کا مشورہ :

ولید کے پاس سے واپس آنے کے بعد حضرت حسینؓ بڑی کشمکش میں ہوگئے۔ آپ کو اس مشکل سے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ایک طرف آپ یزید کی بیعت دل سے سخت ناپسند کرتے تھے، کیونکہ اس کی ولی عہدی کی بیعت خلفائے راشدینؓ کے اسلامی طریقۂ انتخاب کے بالکل خلاف غیر شرعی اور قیصر و کسریٰ کے طرز کی پہلی شخصی و موروثی بادشاہت تھی۔ دوسرے جمہور اُمت کے خلاف بھی نہیں چاہتے تھے۔

چنانچہ ولید سے فرمادیا تھا کہ تمام اہل مدینہ بیعت کرلیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ تیسرے اہلِ عراق خود آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور آپ کے پاس اس مضمون کے بہت سے خطوط آچکے تھے کہ آپ ظالم حکومت کے مقابلہ میں خلافت قبول کیجئے۔ ان تمام حالات نے آپ کو بڑی کشمکش میں مبتلا کردیا۔

جس دن حضرت حسینؓ ولید سے ملے تھے، اس کے دوسرے دن عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ سے مکہ نکل گئے اور دن بھر ولید اور ان کا عملہ ان کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ اس لئے حضرت حسینؓ کا کسی کو خیال نہ آیا۔ اس کے بعد دوسرے دن ولید نے پھر حضرت حسینؓ کے پاس یاددہانی کے لئے آدمی بھیجا۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۱۰ واخبار الطوال۔ ص ۲۴۱ وحسینؓ کے ساتھ ابن زبیرؓ کے حالات بھی ہیں۔ ان کا ذکر ان کے حال میں آئندہ آئے گا۔

آپ نے ایک دن کی مہلت مانگی۔ ولید نے اسے بھی منظور کرلیا۔ اس کے بعد بھی حسینؓ کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور اسی کشمکش اور پریشانی میں اپنے اہل وعیال اور عزیز واقربا کو لے کر رات کو نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن ابھی تک یہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ مدینہ سے نکل کر جائیں تو کدھر جائیں۔

محمد بن حنفیہ نے مشورہ دیا کہ "اس وقت آپ یزید کی بیعت اور کسی مخصوص شہر کے ارادہ سے جہاں تک ہو سکے الگ رہیئے اور ان لوگوں کو خود اپنی خلافت کی دعوت دیجئے۔ اگر وہ لوگ بیعت کرلیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر کسی دوسرے شخص پر لوگوں کا اجتماع ہو جائے تو اس سے آپ کے اوصاف وکمالات اور فضائل میں کمی نہ آئے گی۔

مجھے خوف ہے کہ اگر آپ اس پُر شور زمانہ میں کسی مخصوص شہر اور مخصوص جماعت کے پاس جانے کا قصد کریں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ایک فریق آپ کی حمایت کرے گا، دوسرا مخالفت۔ پھر یہ دونوں آپس میں لڑیں گے اور آپ ان کے نیزوں کا پہلا نشانہ بنیں گے۔ اس طرح اس اُمت کا معزز ترین اور شریف ترین شخص جس کا ذاتی نسبی شرف میں کوئی مقابل نہیں ہے، سب سے زیادہ ذلیل اور پست اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہو جائے گا۔

یہ مشورہ سن کر حضرت حسینؓ نے پوچھا، پھر میں کہاں جاؤں محمد بن حنفیہ نے کہا، مکہ۔ اگر وہاں آپ کو اطمینان حاصل ہو جائے تو کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی اور اگر وہاں بھی اطمینان حاصل نہ ہو تو کسی اور ریگستان اور پہاڑی علاقہ میں نکل جایئے اور اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہیئے، جب تک ملک کا کوئی فیصلہ ہو جائے۔ اس درمیان میں آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ جب واقعات سامنے آجاتے ہیں اس وقت آپ کی رائے بہت زیادہ صائب ہو جاتی اور آپ کا طریقۂ کار بہت زیادہ صحیح ہو جاتا ہے۔ حضرت حسینؓ نے محمد بن حنفیہ کا مشور پسند کیا اور فرمایا تمہاری نصیحت بہت محبت آمیز ہے، تمہاری رائے بھی صائب ہوگی[1]۔

حضرت حسینؓ کا سفر مکہ اور عبداللہ بن مطیع کا مشورہ :

اس وقت مدینہ بہت پُر آشوب ہو رہا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اگر کہیں امن تھا تو وہ حرم محترم تھا اور حضرت حسینؓ کے پاس کوفہ سے خط پر خط اور آدمی پر آدمی آرہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لایئے، ہم سب جان نثاری کے لئے تیار ہیں۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے کسی دوسرے مقام پر جانے کی مخالفت کی تھی اور مکہ ہی میں قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس لئے حضرت حسینؓ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ جانے کا قصد کرلیا۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۲۰۔۲۲۱ ملخصاً

چنانچہ شعبان ۶۰ھ میں اہل وعیال مکہ روانہ ہوگئے۔ راستہ میں عبداللہ بن مطیع ملے۔ انہوں نے آپ کو مدینہ سے جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں آپ پر فدا ہوں، کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا، فی الحال مکہ جاتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا، اس میں مضائقہ نہیں۔ مگر خدا کے لئے کوفہ کا قصد نہ کیجئے گا۔ وہ منحوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے والد شہید کئے گئے، آپ کے بھائی بے یارومددگار چھوڑے گئے، نیزے سے زخمی ہوئے، جان جاتے جاتے بچی۔ آپ حرم میں بیٹھ جایئے، آپ عرب کے سردار ہیں۔ حجازی آپ کے مقابلہ میں کسی کو نہ مانیں گے۔ حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیجئے۔ میرے چچا اور ماموں آپ پر فدا ہوں، آپ حرم کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیئے گا۔ اگر نصیب دشمناں آپ پر کوئی آنچ آئی تو ہم سب غلام بناڈالے جائیں گے۔

تحقیقِ حال کے لئے مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی اور راہ کے شدائد :

مکہ پہنچنے کے بعد حضرت حسینؓ نے شعب ابی طالب (یہ وہی گھاٹی ہے، جس میں آغاز اسلام میں قریش نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے حامیوں اور ہوا خواہوں کو تبلیغ اسلام کے جرم میں نظر بند کیا تھا) میں قیام فرمایا۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے اور کوفیوں کے بلاوے کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ عمائد کوفہ کے وفود نے آکر عرض کی کہ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لے چلئے۔ وہاں کی مسند خلافت آپ کے لئے خالی ہے اور ہماری گردنیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت حسینؓ نے یہ اشتیاق سن کر فرمایا، میں تمہاری محبت اور ہمدردی کا شکر گزار ہوں، لیکن فی الحال نہیں جاسکتا۔ پہلے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں، یہ وہاں کے حالات کا اندازہ لگا کر مجھے اطلاع دیں گے۔ اس وقت کوفہ کا قصد کروں گا۔

چنانچہ مسلم کو ایک خط دے کر کوفہ روانہ کردیا، کہ وہ براہ راست خود حالات کا صحیح اندازہ لگا کر اطلاع دیں اور اگر حالات کا رخ کچھ بدلا ہوا دیکھیں تو لوٹ آئیں۔

چنانچہ مسلم دو آدمیوں کو لے کر کوفہ روانہ ہوگئے۔ راستہ میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ پانی کی قلت کی وجہ سے دونوں آدمی ہلاک ہوگئے۔ مسلم نے کوفہ کے قریب پہنچ کر حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ میں ان ان دشواریوں کے ساتھ یہاں تک پہنچا ہوں۔ بہتر ہی ہوتا کہ یہ خدمت کسی دوسرے کو سپرد کردی جاتی۔ لیکن امام نے جواب میں لکھا کہ یہ تمہاری کمزوری ہے، ہمت نہ ہارو۔ اس لئے مسلم کو چار وناچار کوفہ میں داخل ہونا پڑا۔ کوفہ والے چشم براہ ہی تھے۔ مسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے پہنچتے ہی کوفہ میں اعلانیہ مخالفت شروع ہوگئی۔

یزید کو مسلم کے پہنچنے کی اطلاع اور حسینؓ کے بصری قاصد کا قتل:

مسلم کے کوفہ پہنچنے کے بعد حکومت شام کے جاسوسوں نے پایۂ تخت دمشق اطلاع بھیجی کہ حسینؓ کی طرف سے مسلم بیعت لینے کوفہ آ گئے ہیں۔ اگر سلطنت کی بقا منظور ہے تو فوراً اس کا تدارک ضروری ہے۔ اس اطلاع پر دربار دمشق سے عبید اللہ بن زیاد کے نام تاکیدی حکم آیا کہ تم فوراً کوفہ جا کر مسلم کو خارج البلد کر دو اور اگر وہ اس میں مزاحمت کریں تو قتل کر دو۔ ابن زیاد کو بصرہ میں یہ فرمان ملا۔ اتفاق سے اسی دن حضرت حسینؓ کا ایک اور قاصد اہل بصرہ کے نام بھی آپ کا خط لے کر آیا تھا۔ بصرہ والوں کو یزید کے فرمان کا علم ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس قاصد کو چھپا دیا۔ مگر ابن زیاد کے خسر کو اس کا علم ہو گیا تھا اور اس نے ابن زیاد کو خبر کر دی۔ ابن زیاد نے اس وقت قاصد کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور جامع بصرہ میں تقریر کی کہ "امیر المومنین" نے مجھے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی مرحمت فرمائی ہے۔ اس لئے میں وہاں جا رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں میرا بھائی عثمان میری نیابت کرے گا۔ تم لوگوں کو اختلاف اور شورش سے بچنا چاہئے۔ یاد رکھو، جس کے متعلق مجھے ان میں حصہ لینے کی اطلاع ملے گی اس کو اور اس کے حامی دونوں کو قتل کر ڈالوں گا اور قریب و بعید اور گناہگار و ناکردہ گناہ سب کو ایک گھاٹ اُتاروں گا، تا آنکہ تم لوگ راہ راست پر آ جاؤ۔ میرا فرض سمجھانا تھا، اسے میں نے پورا کر دیا، اب میں بری الذمّہ ہوں

کوفہ میں ابن زیاد کا ورود اور پہلی تقریر:

اس تہدید آمیز تقریر کے بعد ابن زیاد بصرہ سے کوفہ روانہ ہو گیا۔ اہلِ کوفہ حضرت حسینؓ کے لئے چشم براہ تھے اور آپ کے دھوکے میں ہر باہر سے آنے والے کو دیکھ کر مرحبا بابن رسول اللہ کا نعرہ لگاتے تھے۔ اس لئے ابن زیاد کوفہ میں جن جن راستوں سے گزرا یہی نعرہ سنائی دیا۔ ان کو سن کو جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور سیدھا جامع مسجد پہنچا اور لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ "باشندگان کوفہ! امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے اور مظلوم کے ساتھ انصاف و مطیع و منقاد کے ساتھ احسان اور نافرمان اور باغی کے ساتھ سختی کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کی پوری پابندی کروں گا۔ فرمانبرداروں کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا، لیکن مخالفوں کے لئے سم قاتل ہوں"۔

کوفہ میں مسلم کا خفیہ سلسلہ بیعت:

اس اعلان سے مسلم گھبرا گئے اور رات کو اپنے قیام گاہ سے نکل کر اہلِ بیعت کے ایک ہوا خواہ ہانی بن عروہ مذحجی کے یہاں پہنچے۔ ابن زیاد کے اعلان سے سب خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اس لئے

ہانی کو پہلے مسلم کو ٹھہرانے میں تذبذب ہوا، لیکن پھر زنانہ مکان کے ایک محفوظ حصہ میں چھپادیا۔

حضرت حسینؓ کا ایک بڑا حامی شریک بن اعور سلمی جو بصرہ کا ایک مقتدر اور معزز شخص تھا۔ عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ کوفہ آیا ہوا تھا۔ اس تعلق سے ہانی نے اسے بھی اپنا مہمان بنایا اور مسلم کے ساتھ ٹھہرالیا۔ اس نے ہانی کو مسلم کی امداد پر آمادہ کیا اور مسلم کے پاس حضرت حسینؓ کے حامیوں کی خفیہ آمدرفت شروع ہوگئی اور ان کی بیعت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

سوءِ اتفاق اسی دوران میں شریک بیمار پڑ گیا۔ ابن زیاد کو خبر ہوئی تو وہ عیادت کے لئے آیا۔ اس کے آنے کی خبر سن کر شریک نے پہلے سے اس کا قصہ چکانے کا بدوبست کرلیا اور مسلم کو ایک خفیہ مقام پر چھپا کر ہدایت کردی کہ وہ موقع پاتے ہی نکل کر ابن زیاد کا کام تمام کردیں۔ اس کے بعد بصرہ کی مسند خلافت تمہارے لئے خالی ہوجائے گی اور کوئی مزاحم باقی نہ رہے گا۔

ہانی نے اپنے گھر میں یہ صورت ناپسند کی، لیکن شریک نے اس قتل کو مذہبی خدمت بتا کر ہانی کو آمادہ کرلیا۔ اس کے بعد ہی عبید اللہ بن زیاد عیادت کے لئے آگیا اور دیر تک بیٹھا رہا۔ مگر مسلم نہ نکلے، شریک نے اشارہ بھی کیا۔ مگر کسی وجہ سے مسلم نے حملہ مناسب نہ سمجھا اور ابن زیاد بچ کر نکل گیا۔ اس کی واپسی کے بعد شریک نے کہا، تم نے بڑی بزدلی سے کام لیا۔ مسلم نے جواب دیا، اوّل ہمارے میزبان ہانی کو یہ صورت حال پسند نہ تھی دوسرے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ "ایمان اچانک حملہ سے روکتا ہے"۔ اور اچانک حملہ مسلمانوں کے شایان شان نہیں۔ میرے پاؤں پکڑ لیتا تھا۔ بہرحال مسلم نے اپنی دینداری کی بنا پر ابن زیاد کے قتل کا بہترین موقع کھودیا۔ لیکن اس کے بعد بھی ان کا سلسلہ بیعت بدستور برابر جاری رہا اور اٹھارہ ہزار اہلِ کوفہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت حسینؓ کے زمرۂ عقیدت میں داخل ہوگئے۔

ہانی مذحجی کا قتل :

ابن زیاد کو مسلم کی تلاش میں عرصہ گزر چکا تھا، لیکن ابھی تک اسے ان کا پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر کار اس نے اپنے غلام معقل کو سراغ رسانی پر مامور کیا۔ اس قسم کی خفیہ تحریکوں کا پتہ چلانے کے لئے بہترین مقام مسجد تھی۔ کیونکہ مسجد میں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ اس لئے یہ غلام سیدھا جامع مسجد پہنچا۔ یہاں دیکھا کہ ایک شخص مسلسل نمازیں پڑھ رہا ہے۔ معقل نے نمازوں کی کثرت سے قیاس کیا یہ حضرت حسینؓ کے حامیوں میں سے ہے اور اس کے پاس جا کر کہا میں شامی غلام ہوں، خدا نے میرے

دل میں اہلِ بیعت نبوی ﷺ کی محبت ڈال دی ہے۔ میرے پاس تین ہزار درہم ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں حضرت حسینؓ کا کوئی داعی آیا ہے۔ میں یہ حقیر رقم اس کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس کو کسی کارِ خیر میں صرف کریں۔ یہ سن کر داعی نے سوال کیا، مسجد میں اور مسلمان بھی ہیں، تم نے خاص طور پر مجھ سے یہ سوال کیوں کیا؟ معقل نے جواب دیا، آپ کے بشرہ پر خیر کے آثار نظر آئے۔ معقل کی اس پُر فریب گفتگو سے وہ شخص دام میں آگیا۔ اس کو معقل کی حمایتِ حسینؓ کا یقین ہوگیا۔

چنانچہ اس ملاقات کے دوسرے دن معقل اس داعی کے ہمراہ مسلم کے پاس پہنچا اور تین ہزار درہم پیش کر کے بیعت کی اور حالات کا پتہ چلانے کے لئے اظہارِ عقیدت و خدمت کے بہانے ان ہی کے پاس رہنے لگا۔ رات بھر مسلم کے پاس رہتا اور دن کو ابن زیاد کے پاس جا کر مفصل رپورٹ پہنچاتا۔ ہانی چونکہ مقتدر آدمی تھے اس لئے ابن زیاد کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مسلم کے مشن کے کارکن ہو گئے تھے، اس وقت سے بیماری کا بہانہ کر کے آنا جانا ترک کر دیا تھا۔

ایک دن زیاد کے پاس محمد بن اشعث اور اسماء بن خارجہ آئے۔ ابن زیاد نے ان سے پوچھا ہانی کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا بیمار ہے۔ ابن زیاد نے کہا، کیسے بیمار ہیں کہ دن بھر اپنے دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں، یہ دونوں یہاں سے واپس گئے، تو ہانی سے ابن زیاد کو سوئے ظن بیان کیا اور کہا کہ تم ابھی ہمارے ساتھ چلو تا کہ اسی وقت معاملہ صاف ہو جائے۔ ان دونوں کے کہنے سے ہانی ان کے ساتھ ہو گئے۔ مگر دل میں چور تھا۔ اس لئے قصر امارت کے پاس پہنچ کر ان کو خوف پیدا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس شخص سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ محمد بن اشعث نے اطمینان دلایا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، تم بری الذمہ ہو، اور ہانی کو اندر لے گئے۔ ابن زیاد کو تمام خفیہ حالات کی خبر ہو چکی تھی۔ اس نے ہانی کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا:

اريد حباؤه ويريد قتلي
عذيرک من خليلک من مراد

''میں اس کو انعام دینا چاہتا ہوں جو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ قبیلۂ مراد سے اپنے کسی دوست کو معذرت کے لئے لا۔

ہانی نے یہ شعر سن کر پوچھا، اس کا کیا مطلب ہے؟ ابن زیاد نے کہا مطلب پوچھتے ہو۔ مسلم کو چھپانا، ان کی بیعت کے لئے لوگوں کو خفیہ جمع کرنا، اس سے بڑھ کر سنگین جرم اور کیا ہو سکتا ہے۔

ہانی نے اس الزام سے انکار کیا۔ ابن زیاد نے اسی وقت معقل کو طلب کیا اور ہانی سے کہا اسے پہچانتے ہو۔ معقل کو دیکھ کر ہانی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اب وہ سمجھ گئے کہ یہ اشیعیت کے بھیس میں جاسوسی کر رہا تھا۔ اس عینی شاہد کے سامنے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس لئے صاف صاف اقرار کر لیا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ لیکن خدا کی قسم میں نے مسلم کو بلایا نہیں تھا اور کل واقعہ صحیح صحیح بیان کر کے وعدہ کیا کہ ابھی جا کر انہیں اپنے گھر سے نکالے دیتا ہوں اور نکال کر واپس آتا ہوں۔ لیکن ابن زیاد نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا کہ خدا کی قسم تم اس وقت یہاں سے واپس نہیں جا سکتے جب تک مسلم یہاں نہ آ جائیں۔ ہانی نے جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم میں اپنے مہمان اور پناہ گزین کو قتل کے لئے کبھی تمہارے حوالہ نہیں کروں گا۔ یہ جواب سن کر ابن زیاد بیتاب ہو گیا اور اس زور سے ہانی کو بید مارا کہ ان کی ناک پھٹ گئی اور ابرو کی ہڈی ٹوٹ گئی اور انہیں ایک گھر میں ڈلوا دیا۔

ادھر شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ یہ افوہ سن کر ہانی کے قبیلہ والے ہزاروں کی تعداد میں قصر امارت پر ٹوٹ پڑے اور انتقام انتقام کا نعرہ لگانے لگے۔ یہ نازک صورت دیکھ کر ابن زیاد بہت گھبرایا اور قاضی سے کہا آپ ہانی کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ہانی کے قبیلہ والوں کو اطمینان دلا دیجئے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے۔ چنانچہ قاضی صاحب ہانی کے معائنہ کے لئے گئے۔ ہانی اپنے قبیلہ والوں کا شور و ہنگامہ سن رہے تھے۔ قاضی کو دیکھ کر کہا یہ آوازیں میرے قبیلہ والوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں آپ صرف اتنا پیام پہنچا دیجئے کہ اگر اس وقت ان لوگوں میں سے دس آدمی بھی آ جائیں تو میں چھوٹ سکتا ہوں۔ لیکن قاضی شریح کے ساتھ جاسوس لگا ہوا تھا۔ اس لئے وہ یہ پیام نہ پہنچا سکے اور بنی مذحج کو ہانی کی زندگی کا یقین دلا کر واپس کر دیا۔

اہلِ کوفہ کی غدّاری اور مسلم کی روپوشی :

مسلم بن عقیل نے ہانی کے قتل کی افواہ سنی تو اپنے اٹھارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ قصر امارۃ پر حملہ کر کے ابن زیاد کو گھیر لیا۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس صرف پچاس آدمی تھے۔ ۳۰ پولیس کے آدمی اور ۲۰ عمائد کوفہ۔ ان کے علاوہ مدافعت کی کوئی قوت نہ تھی۔ اس لئے اس نے محل کا پھاٹک بند کرا لیا اور لوگوں سے کہا کہ تم لوگ نکل کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو تہدید و تخویف طمع اور لالچ کے ذریعہ جس طرح بھی ہو سکے مسلم کے ساتھ سے علیحدہ کر دو اور عمائد کوفہ کو حکم دیا کہ چھت پر چڑھ کر یہ اعلان کریں کہ اس وقت جو شخص امیر کی اطاعت کرے گا اس کو انعام و اکرام دیا جائے گا، جو بغاوت کرے گا اس کو نہایت سنگین سزا دی جائے گی۔ عمائد کوفہ کے اس اعلان پر مسلم کے بہت سے ساتھی منتشر ہو گئے۔ شہر کے

لوگ آتے تھے اور اپنے اعزہ واقربا کو لے جاتے تھے۔اس طرح چھٹتے چھٹتے مسلم کے ساتھ کل ۳۰ آدمی رہ گئے۔جب انہوں نے کوفی حامیان حسینؓ کی یہ غداری دیکھی تو کندہ کے محلہ کی طرف چلے گئے اور یہاں باقی ماندہ تیسوں آدمیوں نے بھی ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ دیا اور مسلم تنِ تنہا رہ گئے۔اس کسمپرسی کی حالت میں کوفہ کی گلیوں کی خاک چھانتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے طوعہ نامی ایک عورت کے دروازے پر پہنچے۔اس عورت کا لڑکا بلال شورش پسندوں کے ساتھ نکل گیا تھا۔وہ عورت اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

مسلم نے اس کے دروازے پر پہنچ کر پانی مانگا۔اس نے پانی پلایا۔پانی پلانے کے بعد کہا اب جاؤ اپنا راستہ لو۔لیکن مسلم جاتے تو اب کہاں جاتے،ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی۔اس لئے وہ سن کر خاموش ہو گئے۔عورت نے پھر دو تین مرتبہ کہا۔تیسری مرتبہ مسلم نے جواب دیا کہ میں اس شہر میں پردیسی ہوں،میرا کوئی گھر اور میرے اقربا یہاں نہیں ہیں۔ایسی حالت میں تم میرے ساتھ کچھ سلوک کر سکتی ہو؟ عورت نے پوچھا کس قسم کا؟ مسلم نے کہا میں مسلم بن عقیل ہوں،کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔بوڑھی عورت خدا ترس تھی۔مسلم کی داستانِ مصیبت سن کر انہیں اپنے مکان میں چھپا دیا اور ان کی خبر گیری کرتی رہی۔اس کے بعد جب اس کا لڑکا واپس آیا اور اس نے ماں کو مکان کے ایک خاص حصہ میں زیادہ آتے جاتے دیکھا تو سبب پوچھا؟ بوڑھی ماں نے پہلے تو چھپایا،لیکن جب بیٹے نے زیادہ اصرار کیا تو رازداری کا وعدہ لے کے بتا دیا۔

مسلم کی گرفتاری :

جب سے مسلم ہانی کے گھر سے نکلے تھے،اسی وقت سے ابن زیاد ان کی تلاش میں مصروف تھا لیکن پتہ نہ چلتا تھا۔اس لئے اس نے ایک دن اہل شہر کو مسجد میں جمع کر کے اعلان کیا کہ جاہل اور کمینہ مسلم بن عقیل نے جو فتنہ بپا کیا ہے،اس کو تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔اس لئے جس شخص کے گھر سے وہ برآمد ہوں گے وہ ماخوذ ہوگا،اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا۔اسے انعام دیا جائے گا۔اس اعلان کے بعد حسین بن تمیم کو کوفہ میں عام تلاشی کا حکم دیا۔

جس عورت کے گھر میں مسلم روپوش تھے،اس کے لڑکے کو علم ہو چکا تھا،ابن زیاد کے اعلان سے وہ گھبرا گیا،اور دوسرے دن صبح کو اس نے عبدالرحمٰن بن محمد سے تذکرہ کیا کہ مسلم ہمارے گھر میں روپوش ہیں۔عبدالرحمٰن نے قصر امارۃ میں جا کر اپنے باپ کو اطلاع دی،اس نے ابن زیاد سے کہدیا،اس طرح مسلم کا پتہ چل گیا۔

ابن زیاد نے اُسی وقت ستر آدمیوں کا ایک دستہ مسلم کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا۔ دستہ کی آمد کا شور سُن کر مُسلم سمجھ گئے، لیکن مطلق خوفزدہ نہ ہوئے، اور تن تنہا پورے دستہ کا نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے انہیں گھر سے باہر کر دیا، یہ لوگ پھر ریلا کر کے اندر گھسے، مسلم نے پھر نکال باہر کیا کہ اتنے میں بکیر بن حمران نے مسلم کے چہرہ پر ایسا وار کیا کہ اوپر کا ہونٹ کٹ گیا، اور سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے، لیکن اس حالت میں بھی مسلم نے اس شخص کو نہایت سخت زخمی کر دیا، اس کے زخمی ہوتے ہی باقی ۶۹ آدمی مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور اوپر سے مسلم کے اوپر آگ اور پتھر برسانے لگے مسلم نے یہ بزدلی دیکھی تو گلی میں نکل آئے اور بڑا پرزور مقابلہ کیا۔

شامی دستہ کے امیر محمد بن اشعث نے کہا کہ تنہا کب تک مقابلہ کرو گے، جان دینے سے کیا فائدہ میں تمہیں امان دیتا ہوں سپر ڈال دو، اور اپنے کو بیکار ہلاک نہ کرو۔ مسلم نے اس کے جواب میں نہایت بہادرانہ رجز پڑھا، لیکن محمد بن اشعث نے یقین دلایا کہ تمہارے ساتھ کوئی فریب نہ کیا جائے گا، مقابلہ سے باز آجاؤ۔ مسلم زخموں سے چور ہو چکے تھے، مزید مقابلہ کی طاقت باقی نہ تھی، اس لئے مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ محمد بن اشعث نے پھر امان کی تجدید کی، لیکن عمرو ابن عبید اللہ سلمی نے اسے تسلیم نہ کیا، اور مسلم کی سواری کے لئے اونٹ تک مہیا نہ کیا، چنانچہ اس خستہ حالت میں ان کو خچر پر سوار کر کے تلوار چھین لی گئی۔ تلوار چھننے سے مسلم کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی، اور بادیدۂ پرنم کہا، یہ پہلا دھوکا ہے۔

محمد بن اشعث نے پھر اطمینان دلایا لیکن مسلم بہت مایوس تھے، بولے اب امان کہاں، اس کی طرف آس ہی آس ہے، عمرو ابن عبید اللہ نے اشکباری پر طعنہ دیا، کہ خلافت کے مدعی کو مصائب سے گھبرا کر رونا نہ چاہئے۔ مسلم نے کہا

> ''میں اپنے لئے نہیں روتا ہوں، بلکہ اپنے گھر والوں کے لئے روتا ہوں جو تمہارے یہاں آرہے ہیں، حسینؓ کے لئے روتا ہوں، آل حسینؓ کے لئے روتا ہوں''۔

پھر محمد بن اشعث سے کہا مرا بچانا تمہارے بس سے باہر ہے، البتہ اگر تم سے ہو سکے تو میرے بعد اتنا کام کرنا کہ حسینؓ کو میری حالت کی خبر کر کے یہ پیام بھجوا دینا کہ وہ اپنے اہل بیت کو لے کر لوٹ جائیں اور کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتماد نہ کریں۔ محمد بن اشعث نے کہا خدا کی قسم جس طرح بھی ہو سکے گا یہ پیام ضرور پہنچاؤں گا۔ محمد بن اشعث نے یہ وعدہ پورا بھی کیا جس کا ذکر آئندہ آئے گا[1]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۴۔ ۲۷

مسلم کو امان دینے کے بعد محمد بن اشعث انہیں قصر امارت میں لایا، اور ابن زیاد سے کہا کہ میں مسلم کو امان دے چکا ہوں، لیکن ابن زیاد نے اسے تسلیم نہیں کیا، اور کہا تم کو امان دینے کا کیا اختیار تھا، میں نے تم کو صرف گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کی ڈانٹ سُن کر محمد بن اشعث خاموش ہو گئے۔

مسلم بہت پیاسے تھے، قصرِ امارت کے پھاٹک پر ٹھنڈا پانی نظر پڑا، اسے مانگا۔ مسلم بن عمرو باہلی نے جواب دیا، دیکھتے ہو کتنا ٹھنڈا پانی ہے۔ لیکن اس میں سے تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم کو اس کے عوض آتشِ دوزخ کا کھولتا ہو پانی پلایا جائے گا۔ اس کے اس کہنے پر مسلم نے پوچھا تم کون ہو؟ ابن عمرو نے جواب دیا، میں وہ ہوں جس نے حق کو اس وقت پہچانا، جب تم نے اسے چھوڑ دیا، اور اُمت مسلمہ اور امام وقت کا خیر خواہ رہا۔ جب تم نے ان کے ساتھ گھات کی اور اس کا مطیع و منقاد رہا، جب تم نے سرکشی کی۔ میں مسلم بن عمرو ہوں۔

مسلم بن عقیل نے یہ جواب سن کر کہا، تیری ماں تجھے روئے، تو بھی کس قدر سنگ دل، قسی القلب، ظالم اور درشت خو ہے۔ باہلہ کے بچے تو مجھ سے زیادہ کھولتے ہوئے پانی اور دائمی دوزخ کا مستحق ہے۔

ابن زیاد سے گفتگو اور عمر بن سعد سے وصیت :

مسلم بن عمرو اور مسلم بن عقیل کی اس تلخ گفتگو کے بعد ایک نرم دل نے پانی کا پیالہ لیا، مگر زخموں کی کثرت سے مسلم کا ہر موئے بدن خونابہ فشاں ہو رہا تھا۔ اس لئے جیسے ہی گلاس منہ سے لگاتے تھے، خون سے بھر جاتا اور مسلم اسے ہٹا لیتے۔ تیسری مرتبہ گلاس لبوں سے لگا تو دو دانت جو مقابلہ میں اُکھڑ گئے تھے اور خفیف سے اٹکے ہوئے تھے، گلاس کی ٹھیس لگتے ہی اس میں رہ گئے۔ مسلم نے گلاس لبوں سے ہٹا لیا اور کہا خدا کا شکر ہے، پانی پینا قسمت میں ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

غرض اسی طرح تشنہ لب ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے۔ مسلم نے قاعدہ کے مطابق ابن زیاد کو سلام نہیں کیا۔ نگران نے ٹوکا، امیر کو سلام نہیں کرتے؟ کہا اگر وہ قتل کرنا چاہتے ہیں تو سلام نہیں کروں گا اور قتل کا ارادہ نہیں ہے تو بہت سے سلام لیں گے۔ ابن زیاد بولا، اپنی عمر کی قسم ضرور قتل کروں گا۔ مسلم نے کہا واقعی۔ ابن زیاد نے جواب دیا، ہاں واقعی۔ مسلم نے کہا اگر قتل ہی کرنا ہے تو پھر اپنے کسی قبیلہ والے سے کچھ وصیت کرنے کی مہلت دو۔ ابن زیاد نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اس وقت مسلم کے قریبی اعزہ میں عمر بن سعد پاس تھا۔

مسلم نے اس سے کہا میں تم سے ایک راز کی بات کہتا ہوں۔ عمر بن سعد نے سننے سے انکار کیا۔ اس کے انکار پر ابن زیاد نے پر غیرت دلائی کہ اپنے ابن عم کو مایوس نہ کرنا چاہئے [۱]۔

اس کے غیرت دلانے عمر بن سعد مسلم کے پاس گیا۔ انہوں نے وصیت کی کہ میں نے کوفہ میں سات درہم قرض لئے تھے میرے بعد انہیں ادا کرنا اور میری لاش لے کر دفن کر دینا۔ حسینؓ آرہے ہوں گے، ان کے پاس آدمی بھیج کر راستہ سے واپس کر دینا۔ ابن سعد نے ابن زیاد سے ان وصیتوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا جو وصیت مال کے متعلق ہے، اس کے بارے میں تم کو پورا اختیار ہے، جیسا چاہو کرو۔

حسینؓ کے بارے میں میرا طرزِ عمل یہ ہے کہ اگر وہ یہاں نہ آئیں گے تو میں خواہ مخواہ ان کا تعاقب نہ کراؤں گا اور اگر آگئے تو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ البتہ لاش کے بارے میں تمہاری سفارش نہیں سنی جا سکتی۔ جس نے ہماری اتنی مخالفت کی ہو اس کی لاش ہرگز اس طرزِ عمل کی مستحق نہیں ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ لاش کے متعلق بھی اس نے کہا کہ قتل کرنے کے بعد ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے [۲]۔

مسلم اور ابن زیاد کا آخری مکالمہ اور شہادت :

اس وصیت کے بعد مسلم دوبارہ پھر ابن زیاد کے سامنے لائے گئے اور ان دونوں میں یہ مکالمہ ہوا :

ابن زیاد : لوگ آپس میں متحد و متفق تھے تم ان میں تفرقہ اور اختلاف ڈلوانے اور آپس میں لڑانے آئے ؟

مسلم : یہ خلافِ واقعہ ہے۔ میں ہرگز اس مقصد کے لئے نہیں آیا، بلکہ کوفہ والوں کا خیال تھا کہ تمہارے باپ نے ان کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا، اور ان کا خون بہایا اور اسلامی خلافت کو چھوڑ کر قیصر و کسریٰ کا سا طرزِ عمل اختیار کیا۔ اس لئے ہم یہاں قیام عدل اور کتاب اللہ کے احکام کی دعوت کے لئے آئے۔

ابن زیاد : (یہ چوٹیں سن کر غضبناک ہو گیا تھا، بولا) فاسق تیرے منہ سے یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ کیا تو جب مدینہ میں بادہ نوشی کرتا تھا، اس وقت ہم یہاں عدل و کتاب پر عمل کی دعوت نہیں دیتے تھے ؟

---

[۱] یہ طبری کی روایت ہے۔ دینوری کا بیان ہے کہ عمر بن سعد نے یہ تمام وصیتیں نہایت خوشی سے سنی اور ان کے پورا کرنے کا پختہ وعدہ کیا۔ [۲] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۵۔ ۲۶۶

مسلم : میں شراب پیتا تھا؟ خدا کی قسم خوب جانتا ہوں کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور بغیر علم کے اتہام لگاتا ہے۔ جیسا تو نے بیان کیا، میں ویسا نہیں ہوں۔ مجھ سے زیادہ شراب نوشی کا وہ مستحق ہے، جس کے ہاتھ خون سے آلودہ ہیں، جو خدا کی حرام کی ہوئی جانوں کو لیتا ہے اور بغیر قصاص کے لوگوں کو قتل کرتا ہے۔ حرام خون بہاتا ہے، محض ذاتی عداوت، غصہ اور سوئے ظن پر لوگوں کی جان لیتا ہے اور پھر ان ستم آرائیوں پر اس طرح لہو ولعب میں مشغول ہے گویا اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔

ابن زیاد : فاسق تیرے نفس نے تجھے ایسی چیز کی تمنا دلائی، جس کا خدا نے تجھے اہل نہ سمجھا، تیری آرزو پوری نہ ہونے دی۔

مسلم : پھر اس کا کون اہل تھا ؟

ابن زیاد : امیر المومنین یزید !

مسلم : ہر حال میں خدا کا شکر ہے، وہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو فیصلہ کردے۔

ابن زیاد : معلوم ہوتا ہے، تم خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہو ؟

مسلم : خیال ہی نہیں بلکہ اس کا یقین ہے۔

ابن زیاد : اگر میں تم کو اس بُری طرح قتل نہ کروں کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہ ملے تو خدا مجھے قتل کرے۔

مسلم : بے شک اسلام میں تم کو ایسی نئی مثالوں کے قائم کرنے اور نئی بدعات کے جاری کرنے کا حق ہے، جو اس میں نہیں ہیں۔ تم کو خدا کی قسم! تم بُرے طریقہ سے قتل کرنا، بُرے طریقہ سے مثلہ کرنا اور خبث سیرت کسی ایک بُرائی کو بھی نہ چھوڑنا۔ ان بُرائیوں کا تم سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ہے۔

یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد بالکل بے قابو ہو گیا۔ اور مسلمؓ، حسینؓ، علیؓ، اور عقیلؓ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ گالیاں برسانے کے بعد مسلمؓ کو پانی پلوا کر جلادوں کو حکم دیا کہ انہیں محل کی بالائی منزل پر لے جا کر قتل کر دو، اور قتل کرنے کے بعد ان کا دھڑ نیچے پھینک دو۔

مسلمؓ نے اس قتل بے گناہی کے خلاف ایک بار احتجاج کیا۔ لیکن کون سننے والا تھا۔ آخر میں ابن زیاد نے یہ خدمت اس شخص کے سپرد کی، جس کو مسلم نے زخمی کیا تھا۔ تا کہ وہ انتقامی جذبہ کے ساتھ انہیں قتل کرے۔ چنانچہ یہ شخص مسلم کو مقتل کی طرف لے چلا۔ اس وقت مسلمؓ کی زبان پر تکبیر،

استغفار اور ملائکہ اور رُسل پر درود وسلام جاری تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدایا میرے بعد اور ان لوگوں کے درمیان تو ہی فیصلہ کر، جنہوں نے ہم کو دھوکہ دیا، جھٹلایا اور ذلیل کیا"۔

جلاد نے مقامِ قتل پر لے جا کر گردن ماردی اور سر کے ساتھ دھڑ بھی نیچے پھینک دیا۔ اس دردناک طریقہ پر حضرت حسینؓ کا ایک نہایت قوی بازو ٹوٹ گیا[1]۔

حضرت حسینؓ کی سفر کوفہ کی تیاریاں اور خیر خواہوں کے مشورے :

یاد ہوگا کہ مسلم کو حضرت حسینؓ نے کوفہ کے حالات معلوم کر کے اطلاع دینے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مسلم جب کوفہ آئے تھے تو یہاں کے باشندوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت اور ان کی حمایت میں جنگ کرنے پر بیعت کی تھی۔ مسلم نے گرفتاری کے قبل ان ظاہری حالات کو دیکھ کر حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ سارا شہر آپ کا منتظر ہے، فوراً تشریف لائیے۔

حضرت حسینؓ نے یہ خط پا کر سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس وقت آپ کو کوفہ کے نئے حالات کی کوئی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ تمام اہلِ مکہ ومدینہ کوفیوں کی غداری اور بے وفائیوں سے واقف تھے۔ حضرت علیؓ اور حسنؓ کے ساتھ ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا، وہ نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس لئے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کا کوفہ جانا پسند نہ کیا۔ جب آپ کی تیاریوں کی خبر مشہور ہوئی تو تمام ہوا خواہوں نے آپ کو روکنے کی کوشش کی اور غالباً سب سے پہلے عمرو بن عبدالرحمٰن نے آ کر عرض کیا۔

میں نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ ایسے شہر جا رہے ہیں، جہاں دوسرے کی حکومت ہے اور وہاں اس کے امراء وعمال موجود ہیں۔ جن کے قبضہ میں بیت المال ہے۔ عوام دنیا اور دولت کے بندے ہیں۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی آپ سے لڑیں گے۔ حضرت حسینؓ نے عمرو بن عبدالرحمٰن کے ہمدردانہ مشورہ کا مخلصانہ شکریہ ادا کیا۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس آئے اور پوچھا ابن عم! لوگوں میں یہ خبر گرم ہے کہ تم عراق جا رہے ہو، کیا یہ صحیح ہے؟ حسینؓ نے جواب دیا، ہاں۔ انشاء اللہ دو ایک دن میں جاؤں گا۔ ابن عباسؓ نے کہا "میں تم کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، اس راہ سے باز آؤ۔ ہاں اگر عراقیوں نے شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہو،

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۵۔ ۲۶۷

تو بخوشی جاؤ۔لیکن اگر عراقیوں نے تم کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا حاکم موجود ہے،اس کی حکومت قائم ہے،اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین مانو کہ انہوں نے تم کو محض جنگ کے لئے بلایا ہے۔مجھ کو یقین ہے کہ یہ سب تم کو دھوکہ دے جائیں گے،تم کو جھٹلائیں گے تمہاری مخالفت کریں گے اور تمہیں بے یارو مددگار چھوڑیں گے،اور جب تمہارے مقابلہ کے لئے بلائے جائیں گے تو تمہارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے"۔حضرت حسینؓ نے فرمایا "میں استخارہ کروں گا،دیکھوں کیا جواب ملتا ہے"۔

ابن عباسؓ کے بعد ابن زبیرؓ آئے۔انہوں نے یہ معلوم کر کے کہ عراقی پورے طور پر آپ کی امداد کے لئے آمادہ ہیں،پہلے کوفہ جانے کا مشورہ دیا۔لیکن پھر اس خیال سے کہ اس سے حضرت حسینؓ کو کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو[1] یہ صورت پیش کی کہ اگر آپ حجاز ہی میں رہ کر حصول خلافت کی کوشش کیجئے تو ہم سب بیعت کر کے آپ کی مدد کریں گے اور آپ کے خیرخواہ رہیں گے۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا،میں نے اپنے والد بزرگوار سے یہ حدیث سنی ہے کہ "حرم کا ایک مینڈھا ہے،جس کی وجہ سے اس کی حرمت اُٹھ جائے گی"۔میں چاہتا ہوں کہ میں وہ مینڈھا نہ بنوں"۔اس کے بعد ابن زبیرؓ نے حضرت حسینؓ سے بہت اصرار کیا کہ آپ حرم میں بیٹھے رہیے،باقی کام میں انجام دوں گا۔لیکن حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ اگر میں حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤں تو وہ مجھے حرم میں قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے اور کسی طرح حرم میں قیام کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

اس کے بعد دوسرے دن پھر ابن عباسؓ آئے اور کہا "ابن عم میرا دل نہیں مانتا،صبر کی صورت بنانا چاہتا ہوں۔مگر حقیقۃً صبر نہیں کر سکتا۔مجھے اس راستہ میں تمہاری ہلاکت کا خوف ہے۔عراقیوں کی قوم فریبی ہے۔تم ہرگز ان کے قریب نہ جاؤ۔مکہ ہی میں رہو۔تم اہل حجاز کے سردار ہو۔اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ واقعی تمہیں بلانا چاہتے ہیں تو ان کو لکھو کہ پہلے وہ اپنے دشمنوں کو نکال دیں۔پھر تم جاؤ۔لیکن اگر نہیں رکتے اور یہاں سے جانا ہی پر اصرار ہے تو یمن چلے جاؤ۔وہ ایک وسیع ملک ہے،وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں۔تمہارے باپ کے حامی ہیں اور بالکل الگ تھلگ مقام ہے۔تم اسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر لوگوں کو دعوتی خطوط لکھو اور ہر طرف اپنے دعاۃ بھیجو،مجھ کو امید ہے کہ اس طرح امن و عافیت کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

---

[1] اس لئے کہ خلافت کے مدعی جو ہو سکتے تھے،ان میں سے ابن زبیرؓ بھی تھے۔

یہ سن کر حضرت حسینؓ نے فرمایا، مجھ کو یقین ہے کہ آپ میرے شفیق ناصح ہیں۔ لیکن اب تو میں ارادہ کر چکا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ جب بالکل مایوس ہو چکے تو فرمایا، اچھا" اگر جاتے ہو تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ مجھ کو خطرہ ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ کی طرح اپنے بچوں اور عورتوں کے سامنے نہ قتل کر دیئے جاؤ اور وہ غریب دیکھتے رہ جائیں"۔

لیکن کارکنانِ قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس لئے ابن عباسؓ کی ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور حضرت حسینؓ کسی بات پر رضامند نہ ہوئے[1]۔

پھر ابوبکر بن حارث نے آکر عرض کیا کہ" آپ کے والد ماجد صاحبِ اقتدار تھے۔ ان کی طرف مسلمانوں کا عام رجحان تھا، ان کے احکام پر سر جھکاتے تھے۔ شام کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ ان کے ساتھ تھے۔ اس اثر و اقتدار کے باوجود جب وہ معاویہ کے مقابلہ میں نکلے تو دنیا کی طمع میں لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تنہا ساتھ چھوڑنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہی۔

ان کے بعد عراقیوں نے آپ کے بھائی کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی آپ کی نگاہ میں ہے۔ ان تجربات کے بعد بھی آپ اپنے والد کے دشمنوں کے پاس اس امید پر جاتے ہیں کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ شامی آپ سے زیادہ مستعد اور مضبوط ہیں، لوگوں کے دلوں میں ان کا رعب ہے۔ یاد رکھیئے کہ آپ کے پہنچتے ہی شامی کوفیوں کو طمع دلا کر توڑ لیں گے اور یہ سگِ دنیا فوراً ان سے مل جائیں گے اور جن لوگوں کو آپ کی محبت کا دعویٰ ہے اور جنہوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی لوگ آپ کو چھوڑ کر آپ کے دشمن بن جائیں گے۔ ابوبکر حارث کا یہ پُر زور استدلال بھی حضرت حسینؓ کے عزمِ راسخ کو بدل نہ سکا۔

آپ نے جواب دیا، خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی[2]۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے خاص خاص ہوا خواہوں نے روکنا چاہا، لیکن قضائے الٰہی نہیں ٹل سکتی تھی۔

مکہ سے کاروانِ اہلِ بیعت کی روانگی اور ہوا خواہوں کی آخری کوشش :

غرض ترویہ کے دن ذی الحجہ ۶۰ھ کو کاروانِ اہلِ بیعت مکہ سے روانہ ہوا۔ عمرو بن سعید عاص اُموی حاکم مکہ کے سواروں نے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت حسینؓ زبردستی آگے بڑھتے چلے گئے اور تنعیم پہنچ کر مزید اُونٹ کرایہ پر لئے اور بڑھتے ہوئے صفاح پہنچے۔ یہاں فرزدق

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵ [2] مسعودی۔ جلد ۳۔ ص ۴۵۷ بر حاشیہ نفع الطیب

شاعر ملا۔آپ نے اس سے عراق کے حالات پوچھے۔اس نے کہا،آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا ہے۔لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں،لیکن تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں۔قضائے الٰہی آسمان سے اُترتی ہے۔خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔آپ نے سن کر فرمایا تم نے سچ کہا " **للہ الامر یفعل مایشآء و کل یوم ربنا فی شان** " اگر خدا کا حکم ہمارے موافق ہوا تو اس کی نعمتوں پر اس کے شکر گزار ہوں گے۔شکر گزاری میں وہی مددگار ہے اور خدا کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوا تو بھی ہماری نیت حق اور تقویٰ ہے۔فرزدق سے گفتگو کے بعد قافلہ آگے بڑھا[1]۔

راستہ میں عبداللہ بن جعفر کا خط ملا کہ میں خدا کا واسطہ دلاتا ہوں،میرا خط ملتے ہی فوراً لوٹ آیئے۔مجھے ڈر ہے کہ جہاں آپ جا رہے ہیں،وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی ہے۔اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔آپ ہدایت،یابوں کا علم اور مومنوں کا آسرا ہیں۔آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔خط کے بعد ہی میں بھی پہنچتا ہوں۔

اس خط کے بعد عبداللہ نے عمرو بن سعید حاکم مکہ سے کہا کہ وہ اپنی جانب سے بھی ایک خط لکھ کر حسینؓ کو واپس بلالے۔عمرو بن سعید نے کہا،تم مضمون لکھ دو میں اس پر مہر لگا دوں گا۔چنانچہ عبداللہ نے عمرو کی جانب سے حسب ذیل خط لکھا:

> ''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو اس راستہ سے پھیر دے،جدھر تم جا رہے ہو۔میں نے سنا ہے کہ تم عراق جاتے ہو۔میں تم کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ افتراق اور انشقاق سے باز آؤ،اس میں تمہاری ہلاکت ہے۔میں تمہارے پاس عبداللہ بن جعفر اور اپنے بھائی کو بھیجتا ہوں۔تم ان کے ساتھ لوٹ آؤ،میں تم کو امان دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ صلہ رحمی اور بھلائی سے پیش آؤں گا۔تمہاری مدد کروں گا۔تم میرے جوار میں نہایت اطمینان اور راحت کے ساتھ رہو گے۔اس تحریر پر خدا وکیل اور شاہد ہے''۔

عمرو نے تحریر پر اپنی مہر کر دی اور عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن عمر دونوں اس کو لے کر حضرت حسینؓ کے پاس گئے۔حضرت حسینؓ نے اسے پڑھا،اور فرمایا کہ ''میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے،اس میں آپ نے مجھے ایک حکم دیا ہے،میں اس حکم کو پورا کروں گا،خواہ اس کا نتیجہ میرے موافق نکلے یا مخالف''۔عبداللہ اور یحییٰ نے پوچھا،کیا خواب تھا فرمایا،میں نے اسے نہ کسی سے بیان کیا ہے اور نہ مرتے دم تک بیان کروں گا۔اس گفتگو کے بعد عمرو بن سعید کے خط کا

---

[1] ابن اثیر۔جلد۴۔ص۳۳

جواب لکھا کہ ''جو شخص اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہے، عمل صالح کرتا ہے اور اپنے اسلام کا معترف ہے، وہ خدا اور اس کے رسول سے اختلاف کیوں کر کر سکتا ہے۔ تم نے مجھے امان، بھلائی اور صلہ رحمی کی دعوت دی ہے۔ ''پس بہترین امان اللہ تعالیٰ کی امان ہے۔ جو شخص دنیا میں خدا سے نہیں ڈرتا، خدا قیامت کے دن اس کو امان نہیں دے گا''۔ اس لئے میں دنیا میں خدا کا خوف چاہتا ہوں، تاکہ قیامت کے دن اس کی امان کا مستحق رہوں۔ اگر خط سے تمہاری نیت واقعی میرے ساتھ صلہ رحمی اور نیکی کی ہے تو خدا تم کو دنیا اور آخرت دونوں میں جزائے خیر دے''[1] والسلام

ابن زیاد کے انتظامات اور حضرت حسینؓ کے قاصد کا قتل :

ادھر کاروانِ اہلِ بیت منزلیں طے کر رہا تھا۔ دوسری طرف اُموی حکام ان کے مقابلہ کے لئے اپنے انتظامات کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ کی آمد کی خبر سن کر ابن زیاد نے قادسیہ سے لے کر خفان، قطقطانہ اور جبل لعلع تک سواریوں کا تانتا باندھ دیا تھا کہ اہلِ بیت کے قافلہ وحرکت کی خبریں دم بدم ملتی رہیں اور اہلِ کوفہ اور حضرت حسینؓ میں خط وکتابت اور نامہ و پیام کا سلسلہ قائم نہ رہ سکے۔

حضرت حسینؓ نے مقام حاجز ہمیں پہنچ کر قیس بن مسہر صیدادی کو اپنی آمد کا اطلاعی خط دے کر کوفہ روانہ کیا۔ لیکن اُموی حکام نے پہلے سے راستوں کی ناکہ بندی کر لی تھی۔ اس لئے قیس قادسیہ میں گرفتار کر لئے گئے اور ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوائے گئے۔

ابن زیاد نے انہیں یہ گستاخانہ حکم دیا کہ قصر کی چھت پر چڑھ کر کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ کو گالیاں دو۔ قیس اس حکم پر قصر کے اُوپر چڑھ گئے۔ لیکن ایک فدائی حسینؓ کی زبان اس کی دشنام سے کس طرح آلودہ ہو سکتی تھی۔

چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے وہی فرض ادا کیا جس کے لئے وہ بھیجے گئے۔ یعنی حضرت حسینؓ کی آمد کی ان الفاظ میں اطلاع دی کہ ''لوگو! میں حسینؓ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر اور بہترین مخلوق کا ہرکارہ ہوں وہ حاجز تک پہنچ چکے ہیں، ان کی مدد تمہارا فرض ہے''۔ یہ کہہ کر ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علیؓ کے لئے استغفار کیا۔ ابن زیاد نے اس حکم عدولی اور اس اہانت پر حکم دیا کہ اس کو بلند مقام سے نیچے گرا کر مار ڈالا جائے۔ اس حکم کی اسی وقت تعمیل ہوئی اور مسلم کے بعد حضرت حسینؓ کا دوسرا فدائی ان کی راہ میں نثار ہو گیا[2]۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۹۔۲۸۱ [2] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۳۴

حسینؓ اور عبداللہ بن مطیع کی ملاقات :

بطن رملہ سے آگے بڑھ کر عربوں کے ایک چشمہ پر حسینؓ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع سے ہوئی، جو عراق سے لوٹ رہے تھے۔ عبداللہ بن مطیع نے پوچھا، " فلیت بابی و امی یا ابن رسول اللہ" آپ خدا اور اپنے جدامجد کے حرم کے باہر کیوں نکلے؟ فرمایا، کوفہ والوں نے بلایا ہے کہ "معالم حق زندہ کیا جائے اور بدعتوں کو مٹایا جائے"۔ عبداللہ نے عرض کی کہ آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ ہرگز کوفہ کا قصد نہ کیجئے اور آپ یقیناً شہید کر دیئے جائیں گے۔ فرمایا، جو کچھ خدا نے لکھ دیا ہے، اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے[1]۔

ایک جانباز کا ایثار :

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات کے بعد حضرت حسینؓ نے مقام زرود میں منزل کی۔ قریب ہی ایک خیمہ نظر آیا، پوچھا کس کا خیمہ ہے؟ معلوم ہوا، زہیر بن قین کا۔ وہ حج سے فارغ ہو کر کوفہ جا رہے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے ان کو بلا بھیجا۔ مگر انہوں نے ملنے سے انکار کیا۔ ان کے انکار پر ان کی بیوی نے کہا، سبحان اللہ، ابن رسول بلاتے ہیں اور تم نہیں جاتے۔ بیوی کے کہنے پر وہ چلے گئے اور حضرت حسینؓ سے ملاقات کی۔ آپ سے ملتے ہی دفعۃً خیالات بدل گئے۔ اسی وقت اپنا خیمہ اُکھڑوا کے حضرت حسینؓ کے خیمہ کے قریب نصب کرایا اور بیوی کو طلاق دے کر کہا تم اپنے بھائی کے ساتھ لوٹ جاؤ۔ میں نے جان دینے کی ٹھان لی ہے اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ تم میں سے جو لوگ شہادت کے طلبگار ہوں وہ میرے ساتھ چلیں اور جو لوگ نہ جانا چاہتے ہوں وہ آگے بڑھ جائیں۔ لیکن صدائے حق کا کسی نے جواب نہ دیا اور سب ہی نے کوفہ کا راستہ لیا، اور زہیر حضرت حسینؓ کے ساتھ زرود سے آگے بڑھے[2]۔

مسلم کے قتل کی خبر ملنا :

ابھی تک حضرت حسینؓ مسلم بن عقیل کے قتل سے بالکل بے خبر تھے۔ مقام ثعلبیہ میں ایک اسدی سے جو کوفہ سے آ رہا تھا۔ مسلم اور ہانی کے قتل کا حال معلوم ہوا۔ یہ وحشت ناک خبر سن کر آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔

اس اطلاع کے بعد ہوا خواہوں نے ایک مرتبہ پھر سمجھایا اور قسمیں دلا دلا کر اصرار کیا کہ آپ یہیں سے لوٹ چلئے، کوفہ میں آپ کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔ یہ سب آپ کے دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن مسلم کے بھائی بضد ہوئے کہ خدا کی قسم جب تک ہم اپنے بھائی کا بدلہ نہ لیں گے یا قتل

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۲۵۸۔۲۵۹ [2] اخبار الطوال۔ ص ۲۵۹

نہ ہو جائیں گے، اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا، جب یہ لوگ نہ ہوں گے تو پھر ہماری زندگی کس کام کی۔ غرض یہاں سے بھی قافلہ آگے بڑھا۔

حضرت حسینؓ کے پاس عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبر اور مسلم کے پیامات کا پہنچنا :

حضرت حسینؓ جن جن چشموں سے گزرتے تھے لوگ جوق در جوق ساتھ ہوتے جاتے تھے۔ رزبار پہنچ کر عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبر ملی۔ عبداللہ کو آپ نے راستہ سے مسلم کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، لیکن راستہ ہی میں حصین ابن نمیر کے سواروں نے ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے زہیر بن قین کی طرح انہیں بھی حضرت حسینؓ پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا، لیکن اس فدائی نے بھی وہی نمونہ پیش کیا، جو اس کے پیشرو پیش کر چکے تھے۔

انہوں نے کہا، لوگو! فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لڑکے حسینؓ آرہے ہیں، تم لوگ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو۔ ابن زیاد نے انہیں بھی قصر امارت کی بلندی سے گرا دیا۔ جسم کی ساری ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور اس دردناک طریقہ سے حسینؓ کے ایک اور فدائی کا خاتمہ ہو گیا[1]۔

یاد ہوگا کہ مسلم بن عقیل نے محمد بن اشعث اور عمر بن سعد سے وصیت کی تھی کہ وہ ان کے بعد حضرت حسینؓ کو اہلِ کوفہ کی بیوفائی کی اطلاع دے کر یہاں آنے سے روک دیں۔ ان دونوں نے یہ وصیت پوری کی اور حضرت حسینؓ کے پاس آدمی بھیجے، لیکن عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبر ملنے کے بعد ان دونوں کے قاصد پہنچے جب تیر کمان سے نکل چکا تھا[2]۔

حضرت حسینؓ کی پہلی تقریر اور ہجوم کا منتشر ہونا :

حضرت حسینؓ کو جب مسلسل یہ دل شکن خبریں ملیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ "مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر کے قتل کی دردناک خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے تم سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ خوشی سے لوٹ سکتا ہے۔ ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں"۔ یہ تقریر سن کر عوام کا ہجوم چھٹنے لگا اور صرف جانثار باقی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ آئے تھے[3]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۳۶ [2] اخبار الطوال ص ۲۶۰ [3] طبری جلد ۷ ص ۲۹۶

زبالہ سے بڑھ کر بطن عقبہ میں قافلہ اُترا، یہاں ایک شخص ملا۔ اس نے نہایت لجاجت کے ساتھ کہا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ لوٹ جائیے۔ خدا کی قسم آپ نیزوں کی انی اور تلواروں کی دھار کے مقابلہ میں جا رہے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے، اگر انہوں نے آپ کے لئے راستہ صاف کر دیا ہوتا اور ان کے جنگ میں کام آنے کی توقع ہوتی تو یقیناً آپ جا سکتے تھے۔ لیکن موجودہ حالات میں کسی طرح جانا مناسب نہیں۔ فرمایا، جو تم کہتے ہو، میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جا سکتا[1]۔

محرم ۶۰ھ کے خونی سال کا آغاز اور حُر کی آمد :

بطن عقبہ کے بعد قافلہ شراف میں اُترا۔ یہاں سواریوں کو پانی وغیرہ پلا کر ذی حسمہ کی طرف مڑ کر پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہوا۔ اب محرم ۶۰ھ کا خون آشام سال شروع ہو چکا تھا۔ ذی حسمہ میں حُر بن یزید تمیمی جو حکومت شام کی جانب سے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو گھیر کر کوفہ لانے کے لئے بھیجا گیا تھا، ایک ہزار سواروں کے ساتھ پہنچا اور حضرت حسینؓ کے قافلہ کے سامنے قیام کیا۔ ظہر کے وقت حسینؓ نے اذان کا حکم دیا اور اقامت کے وقت نکل کر حر کے دستہ کے سامنے حمد و ثنا کے بعد حسب ذیل تقریر کی :

> ''لوگو! میں خدا اور تم لوگوں سے عذر خواہ ہوں۔ میں تمہارے پاس خود سے نہیں آیا، بلکہ میرے پاس اس مضمون کے تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد آئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے، شاید خدا آپ کے ذریعہ ہمیں سیدھا راستہ پر لگا دے۔ اب میں آ گیا ہوں۔ اگر تم لوگ عہد و میثاق کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمہارے شہر چلوں اور اگر ایسا نہیں کرتے اور ہمارا آنا تمہیں ناگوار ہے، تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں''۔

یہ تقریر سن کر سب خاموش رہے، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے اقامت کا حکم دیا اور حر سے پوچھا، میرے ساتھ نماز پڑھو گے یا علیحدہ؟ حر نے کہا نہیں، آپ کے ساتھ ہی پڑھوں گا۔ حر کی یہ **اقتداء فی الصلوٰۃ** ان کے سامنے پہلی فال نیک تھی۔ چنانچہ اس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت حسینؓ اپنے خیمہ میں چلے آئے اور حر اپنے فرودگاہ پر لوٹ گیا۔

اس کے بعد عصر کے وقت حضرت حسینؓ نے قافلہ کو کوچ کا حکم دیا اور کوچ سے پہلے نماز باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد حسب ذیل تقریر کی :

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۹۵

''لوگو! اگر تم لوگ خدا سے ڈرو اور حق دار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی رضامندی کا موجب ہوگا۔ ہم اہلِ بیت خلافت کے ان عہدوں کے مقابلہ میں جنہیں اس کا کوئی استحقاق نہیں اور جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں خلافت کے حقیقی مستحق ہیں۔ اگر اب تم کو ہمارا آنا ناگوار ہے اور تم ہمارا حق نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اس سے مختلف تھی، جو تمہارے خطوط اور تمہارے قاصدوں سے معلوم ہوئی تھی تو میں لوٹ جاؤں''۔[1]

حضرت حسینؓ اور حُر میں تند گفتگو :

اس تقریر پر حر نے پوچھا، قاصد اور خطوط کیسے؟ حر کے اس استعجاب پر حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے منگا کر اس کے سامنے اُنڈلوا دیئے۔ ان خطوط کو دیکھ کر حر نے کہا، ہم لوگوں کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں جنہوں نے یہ خطوط لکھے۔ ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے جس جگہ ملاقات ہو جائے، اس جگہ سے آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں اور آپ کو ساتھ لے جا کر ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچا دیں۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا، تمہاری موت اس سے زیادہ قریب ہے۔ یہ کہہ کر کاروانِ اہلِ بیت کو لوٹانا چاہا۔ لیکن حر نے مزاحمت کی۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا، تیری ماں تجھ کو روئے، تو کیا چاہتا ہے۔ حر نے کہا، آپ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا عرب یہ کلمہ زبان سے نکالتا تو میں بھی برابر کا دے لیتا۔ لیکن خدا کی قسم میں آپ کی ماں کا نام عزت ہی کے ساتھ لوں گا۔ امام نے فرمایا، آخر چاہتے کیا ہو؟ حُر نے کہا، صرف اس قدر کہ آپ میرے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلے چلئے۔ فرمایا میں تمہارا کہنا نہیں مان سکتا۔ حُر نے کہا، تو پھر میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ اس ردوقدح میں دونوں میں تلخ و تند گفتگو ہوگئی۔

حُر نے کہا، مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے۔ صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں ملیں، آپ کو لے جا کر کوفہ پہنچا دوں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایسا راستہ اختیار نہ کیجئے جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ واپس کرے۔ اس درمیان میں ابن زیاد کو لکھتا اور آپ یزید کو لکھئے۔ شاید خدا عافیت کی کوئی صورت پیدا کر دے اور میں آپ کے معاملہ میں آزمائش سے بچ جاؤں۔ حر کے اس مشورہ پر حضرت حسینؓ نے عذیب اور قادسیہ کے بائیں جانب ہٹ کے چلنے لگے۔ حر بھی ساتھ ساتھ چلا۔[2]

خطبہ : آگے بڑھ کر مقام بیضہ میں آپ نے پھر ایک پُر جوش خطبہ دیا۔ کہ

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸ [2] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۴۰

لوگو ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جس نے ظالم محرمات الٰہی کا حلال کرنے والے، خدا کے عہد توڑنے والے، سنت رسول ﷺ کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ دیکھا اور قولاً اور عملاً غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کرے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ، ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الٰہی کو بیکار کر دیا ہے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اس لئے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔

میرے پاس تمہارے خطوط آئے، قاصد آئے کہ تم نے بیعت کر لی ہے اور تم مجھے بے یارو مددگار نہ چھوڑو گے۔ پس اگر تم اپنی بیعت پوری کرو گے تو راہ راست کو پہنچو گے۔ میں علیؓ اور فاطمہؓ رسول ﷺ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے برابر اور میرے اہل تمہارے اہل کے برابر ہیں۔ میری ذات تم لوگوں کے لئے نمونہ ہے اور تم ایسا نہ کرو گے اور اپنا عہد توڑ کر میری بیعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالو گے تو خدا کی قسم یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہوگا۔ تم اس سے پہلے میرے باپ، میرے بھائی، میرے ابن عم مسلم کے ساتھ ایسا کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے فریب آ گیا۔ تم نے اپنے فعل سے اپنا حصہ ضائع کر دیا۔ جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ گویا اپنی ذات سے عہد توڑتا ہے۔ عنقریب خدا مجھ کو تمہاری امداد سے بے نیاز کر دے گا"۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ [1]

یہ تقریر سن کر حر نے کہا کہ میں آپ کو خدا کو یاد دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا، تم مجھے موت سے ڈراتے ہو۔ کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ تم مجھے قتل کر دو گے۔ میں نہیں سمجھتا تمہارے اس کہنے پر تم کو اس کے سوا کیا جواب دوں، جو اوسی کے چچازاد بھائی نے اوسی کو اس وقت دیا تھا، جب اوسی نے انہیں قتل ہونے سے ڈرا کر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے روکا تھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی امداد کے لئے نکلو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس پر انہوں نے یہ جواب دیا،

سامضی وما بالموت عار علی الفتی

اذا مانوی خیر او جاهد مسلما

"عنقریب روانہ ہوتا ہوں اور موت جوانمردی کے لئے عار نہیں ہے جب کہ اس کی نیت نیک ہو اور مسلمان کی طرح جہاد کرے"۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۴۰۔ ۴۱

حُر نے یہ جواب سنا تو الگ ہٹ کر چلنے لگا۔

قیس بن مسہر کے قتل کی خبر ملنا :

عذیب الہجانات پہنچ کر حضرت حسینؓ کو چار انصار ملے، جو طرماح بن عدی کی رہنمائی میں کوفہ کی خبریں لئے ہوئے آرہے تھے۔ حر نے کہا، یہ لوگ کوفہ کے باشندے ہیں۔ اس لئے انہیں روک لوں گا یا لوٹا دوں گا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا، یہ میرے انصار ہیں اور لوگوں کے برابر ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس لئے اپنی ذات کی طرح ان کی حفاظت بھی کروں گا اور اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے تو جنگ کروں گا۔ یہ عزم سن کر حر رک گیا اور حضرت حسینؓ نے کوفیوں سے پوچھا کہ اہل، کوفہ کا کیا حال ہے؟ مجمع بن عدی نے کہا، اشراف کوفہ کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں۔ ان کی ہتھیلیاں روپوں سے بھر دی گئی ہیں۔ اس لئے وہ سب آپ کے خلاف متحد اور مشتعل ہو رہے ہیں۔ البتہ عوام کے دل آپ کی طرف مائل ہیں۔ لیکن ان کی تلواریں بھی آپ کے خلاف کھچی ہوں گی۔ یہ حال سن کر آپ نے قاصد قیس بن مسہر کا حال پوچھا، معلوم ہوا قتل کر دیئے گئے۔ قیس کے قتل کی خبر سن کر آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور آپ کے رخسار مبارک پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں اور زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی :

" **فمنهم من قضىٰ نحبه ومنهم من ينتظر ومابدلوا تبديلا** "۔

''مسلمانوں میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی منت پوری کی (یعنی شہید ہوئے) اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو شہادت کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی ردو بدل نہ کیا''۔

پھر قیس کے لئے دعا فرمائی کہ'' خدایا ہم کو اور ان لوگوں کو جنت عطا فرما اور اپنی رحمت کے مستقر میں ہمارے اور ان کے لئے، اپنے لئے اپنے ذخیرۂ ثواب کا بہترین حصہ جمع فرما[1]۔

طرماح بن عدی کا اپنے وطن چلنے کی دعوت دینا :

حضرت حسینؓ کا یہ تاثر دیکھ کر طرماح بن عدی نے کہا آپ ساتھ کوئی بڑی جماعت بھی نہیں ہے۔ اتنے آدمیوں کے لئے تو یہی لوگ کافی ہیں، جو آپ کے ساتھ چل رہے ہیں (حر کا دستہ)۔ میں نے کوفہ سے روانگی کے وقت وہاں انسانوں کا اتنا بڑا ہجوم دیکھا کہ اس سے پہلے ایک میدان میں کبھی نہ دیکھا تھا اور یہ انبوہ عظیم آپ کے مقابلہ میں بھیجنے کے لئے جمع کیا گیا تھا۔ اس لئے میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ اگر آپ کے امکان میں ہو تو اب آپ ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۴۱

اگر آپ ایسے مقام پر جانا چاہتے ہیں، جہاں کے لوگ اس وقت تک آپ کی حفاظت کریں جب تک آپ کی کوئی صحیح رائے قائم ہو جائے اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کوئی آخری فیصلہ نہ کرلیں، تو ہمارے ساتھ چل کر ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام کیجئے۔

خدا کی قسم یہ پہاڑ ایسا ہے کہ اس کے ذریعے سے ہم نے سلاطین، غسان وحمیر، نعمان بن منذر اور تمام ابیض واحمر کو روکا ہے۔ خدا کی قسم جو ہمارے یہاں آیا کبھی ذلیل نہیں ہوا۔ چلئے میں آپ کو ساتھ لے چل کر وہاں ٹھہراتا ہوں۔ وہاں سے آپ باجہ سلمی قبائل طے کو بلا بھیجئے۔ وہ دس دن کے اندر اندر پیادوں اور سواروں کا ہجوم کر دیں گے۔ پھر جب تک آپ کا دل چاہے قیام کیجئے۔ اگر وہاں کوئی ہنگامی حادثہ پیش آیا تو بیس ہزار طائی آپ کی مدد کریں گے، جو آپ کے سامنے اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے اور کوئی شخص آپ کے قریب نہ پہنچنے پائے گا۔

حضرت حسینؓ نے ان کی دعوت کے جواب میں ان کا شکریہ ادا کیا کہ خدا تم کو اور تمہاری قوم کو جزائے خیر دے۔ ہم میں اور ان لوگوں میں عہد ہو چکا ہے۔ اس عہد کی رو سے اب ہم نہیں لوٹ سکتے۔ ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارے اور انؑ کے معاملات کی صورت اختیار کریں گے۔ یہ جواب سن کر طرماح دوبارہ امداد کے لئے آنے کا وعدہ کر کے بال بچوں سے ملنے کے لئے گھر چلے گئے اور حسب وعدہ واپس بھی ہوئے مگر حضرت حسینؓ کی شہادت اس قدر جلد ہوگئی کہ طرماح کو آتے ہوئے راستہ میں اس کی خبر ملی [1]۔

قصر بنی مقاتل کی منزل اور خواب :

عذیب الہجانات سے بڑھ کر قصر بنی مقاتل میں قافلہ اُترا یہاں ایک خیمہ نصب تھا۔ حضرت حسینؓ نے پوچھا یہ کس کا خیمہ ہے۔ معلوم ہوا عبید اللہ ابن حر جعفی! فرمایا، انہیں بلاؤ۔ انہوں نے **انا للہ و انا الیہ راجعون** پڑھ کر جواب دیا، میں صرف اسی لئے کوفہ سے چلا آیا تھا کہ اپنی موجودگی میں وہاں حسینؓ کا آنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے اب میں ان کا سامنا کرنا نہیں چاہتا۔ آدمی نے آ کر حضرت حسینؓ کو یہ جواب سنا دیا۔ اسے سن کر حسینؓ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی مدد کے لئے کہا۔ لیکن عبید اللہ نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے آدمی کو دے چکے تھے۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا، اگر تم میری مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم خدا کا خوف کر کے مجھ سے لڑنے والے زمرہ میں تو شامل نہ ہو، عبید اللہؓ نے کہا انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت حسین

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۴۱۔ ۴۲

اپنی فرودگاہ پر لوٹ آئے۔ تھوڑی رات گئے آنکھ لگ گئی تھی کہ پھر آپ **انا للہ وانا الیہ راجعون** اور **الحمد للہ ربّ العالمین** پڑھتے ہوئے بیدار ہوگئے۔ آپ کے صاحبزادے زین العابدین نے پوچھا، ابا آپ نے **الحمد للہ وانا للہ** کیوں پڑھا؟ فرمایا میری آنکھ لگ گئی تھی کہ میں نے میں نے خواب میں ایک سوار دیکھا، وہ کہہ رہا تھا کہ قوم جارہی ہے اور موت اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ خواب ہماری موت کی خبر ہے۔

شیر دل صاحبزادے نے جواب دیا، ابا خدا آپ کو بُرے وقت سے بچائے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا، خدا کی قسم حق پر ہیں۔ عرض کیا جب حق کی راہ میں موت ہے تو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ فرمایا میری جانب سے تم کو اس کی جزائے خیر دے۔ اس خواب کی صبح کو یہاں سے کوچ کا حکم دیا۔

حُر کے نام ابن زیاد کا فرمان آنا اور عقر میں کاروانِ اہلِ بیت کا قیام :

قصر بنی مقاتل سے چل کر قافلہ نینوا میں اُترا، حر ساتھ ساتھ تھا۔ یہاں اس کو ابن زیاد کا فرمان ملا کہ میرے خط کے دیکھتے ہی حسینؓ کو گھیر کر ایسے چٹیل میدان میں لا کر اُتارو، جہاں کوئی قلعہ اور پانی کا چشمہ وغیرہ نہ ہو۔ حر نے یہ فرمان حسینؓ کو سنایا اور انہیں اسی قسم کے میدان کی طرف لے جانا چاہا۔ حسینی لشکر والوں نے کہا، ہم کو چھوڑ دو۔ ہم اپنی مرضی سے نینوا، غاضریہ یا شقیقہ میں خیمہ زن ہوں گے۔ حُر نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ ہمارے ساتھ جاسوس لگا ہوا ہے۔ اس پر زہیر بن قیس نے کہا، یا ابن رسول اللہ! آئندہ جو وقت آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ ابھی لڑنا آسان ہے۔ اس دستہ کے بعد جو فوجیں آئیں گی، ان کا مقابلہ ہم نہ کر سکیں گے۔ لیکن خیر خواہ اُمت نے جواب دیا۔

میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا نہ کروں گا۔ زہیر نے کہا، اچھا کم از کم اتنا کیجئے کہ سامنے والے قریہ میں منزل کیجئے۔ وہاں فرات کا ساحل ہے۔ گاؤں بھی مضبوط و مستحکم ہے۔ اگر یہ لوگ وہاں جانے سے مزاحم ہوں گے، تو ہم ان کا مقابلہ کر لیں گے۔ کیوں کہ ان سے لڑنا بعد کے آنے والوں کے مقابلہ میں آسان ہے۔ حضرت حسینؓ نے گاؤں کا نام پوچھا؟ معلوم ہوا، ''عقر''۔ فرمایا، خدایا! میں تجھ سے اور عقر (ذبح کرنا) سے پناہ مانگتا ہوں۔ غرض پنجشنبہ ۲۔ محرم ۶۱ھ کو نینویٰ کے میدان کرب وبلا میں قافلہ خیمہ زن ہوا[1]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۴۳۔ ۴۴

عمر بن سعد کے سامنے رَےّ کی حکومت کا پیش کیا جانا اور حسینؓ کے شہید کرنے کی خدمت سپرد ہونا، نفس وضمیر کی کشمکش :

ادھر اہل بیت نبوی ﷺ کا غریب الوطن قافلہ نینویٰ کے میدان میں پڑا تھا۔ دوسری طرف کوفہ میں ان چند نفوس کے لئے بڑی زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اسی زمانہ میں دیلمیوں نے دستبی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے عمر بن سعد رَےّ کا حاکم بنا کر دیالمہ کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تھا اور فوجیں لے کر حمام اعین تک پہنچ گیا تھا کہ اسی دوران حضرت حسینؓ کے مقابلہ کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت پیش آئی جو ان کا مقابلہ کر سکے۔ ابن زیاد نے اس کام کے لئے ابن سعد کا بلا بھیجا اور کہا، حسینؓ کا مقابلہ سب سے مقدم ہے۔ پہلے ان سے نپٹ لو پھر عہدہ پر واپس جانا۔ عمر سعد نے کہا خدا امیر پر رحم کرے مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ ابن زیاد نے کہا، اگر تم کو اس سے عذر ہے تو رَے کی حکومت نہ ملے گی۔

اس دھمکی پر ابن سعد نے اس مسئلہ پر غور کرنے کی مہلت مانگی۔ ابن زیاد نے مہلت دیدی اور ابن سعد نے اپنے ہواخواہوں سے اس بارے میں مشورہ لینا شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے خون کا بار اُٹھانے کی تائید کون کر سکتا تھا۔ چنانچہ سب نے اس کی مخالفت کی۔ ان کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے آ کر کہا،

> ''ماموں! میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ آپ حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں جا کر خدا کا گناہ اپنے سر نہ لیجئے اور قطع رحم نہ کیجئے [1]۔ خدا کی قسم اگر آپ کی دنیا، آپ کا مال، آپ کی حکومت سب ہاتھوں سے نکل جائے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ خدا سے ملیں اور آپ کے ہاتھ حسینؓ کے خونِ بے گناہی سے آلودہ ہوں''۔

ابن سعد نے کہا، انشاءاللہ تمہارے مشورہ پر عمل کروں گا۔

حضرت عمار بن عبداللہ بن یسار اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں : وہ کہتے ہیں کہ ابن سعد کو حسینؓ کے مقابلہ کے لئے جانے کا حکم ملنے کے بعد، میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے تذکرہ کیا کہ امیر نے مجھے حسینؓ کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا تھا، مگر میں نے انکار کر دیا۔ عبداللہ نے کہا خدا تم کو نیک ہدایت دے۔ تم کبھی بھی ایسا نہ کرنا، اور ہرگز نہ جانا۔ یہ کہہ کر عبداللہ چلے آئے۔

---

[1] عمر کے والد حضرت سعدؓ بن وقاص آنحضرت ﷺ کے رشتہ کے ماموں تھے۔ اس لحاظ سے عمر حضرت حسینؓ کا عزیز تھا۔

اس کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ابن سعد جانے کی تیاریاں کر رہا ہے تو یہ دوبارہ گئے، مگر اس مرتبہ ابن سعد نے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ عبداللہ اس کا عندیہ سمجھ کر واپس چلے آئے۔

اس فیصلہ کے بعد ابن سعد ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا کہ آپ نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے اور حکومت کا فرمان بھی لکھ چکے ہیں۔ اس لئے اس کا انتظام بھی کر دیجئے اور حسینؓ کے مقابلہ میرے ساتھ کوفہ کے فلاں فلاں اشراف کو بھیجئے۔ ابن زیاد نے کہا،

''تم کو مجھے اشراف کوفہ کے نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ارادہ میں تمہارے احکام کا پابند نہیں ہو سکتا کہ تمہاری رائے سے فوج کا انتخاب کروں۔ اگر تم کو جانا ہے تو میری فوج کے ساتھ جاؤ، ورنہ حکومت کا فرمان واپس کر دو''۔ جب ابن سعد نے دیکھا کہ ابن زیاد اس کا یہ کہنا بھی نہیں مانتا تو چارو ناچار اسی فوج کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا[1]۔

عمر بن سعد کی آمد :

غرض تیسری محرم ۶۱ھ کو چار ہزار فوج کے ساتھ ابن سعد نینوا پہنچا اور عزرہ بن قیس احمسی کو حضرت حسینؓ کے پاس ان کے آنے کا سبب پوچھنے کے لئے بھیجنا چاہا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ لیکن عزرہ ان لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے حضرت حسینؓ کو بلاوے کے خطوط لکھے تھے۔ اس لئے اب اس کو یہ پوچھنے کے لئے جاتے ہوئے غیرت معلوم ہوئی، اس لئے انکار کر دیا۔ اس کے انکار پر دوسرے لوگوں کے سامنے یہ خدمت پیش کی گئی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ جس کا نام لیا جاتا تھا، وہ حضرت حسینؓ کے بلانے والوں میں نکلتا تھا، اس لئے کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ آخر میں ایک جری شخص کثیر بن عبداللہ شعبی نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں جاؤں گا۔ اگر ان کے ساتھ کچھ اور مقصد ہو تو وہ بھی پورا کرنے کو تیار ہوں۔ ابن سعد نے کہا میں اور کچھ نہیں چاہتا، ان سے جا کر صرف اتنا پوچھو کہ وہ کس لئے آئے ہیں؟ چنانچہ کثیر یہ پیام لے کر گیا۔

حضرت ابوثمامہ صائدی نے حضرت حسینؓ کو اطلاع دی کہ ابوعبداللہ آپ کے پاس روئے زمین کا شریر ترین اور خونریز ترین شخص آ رہا ہے۔ پھر کثیر بن عبداللہ سے کہا کہ تلوار علیحدہ رکھ کر حضرت حسینؓ سے ملاقات کرو۔ کثیر نے جواب دیا، خدا کی قسم یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ میں قاصد ہوں، پیام لایا ہوں۔ اگر تم سننا چاہتے ہو تو پیام پہنچا دوں گا، ورنہ چلا جاؤں گا۔ ابوثمامہ نے کہا، اچھا تلوار نہیں رکھتے تو میں تمہاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا۔ تم حضرت حسینؓ کے ساتھ گفتگو کر لینا۔ کثیر نے کہا یہ بھی

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۰۸۔ ۳۰۹

نہیں ہوسکتا۔ تم قبضہ بھی نہیں چھو سکتے۔ ابوثمامہ نے کہا، اچھا تو مجھے پیام بتادو، میں جا کر حضرت حسینؓ کو پہنچادوں گا۔ کثیر اس پر بھی آمادہ نہ ہوا، اور بلا پیام پہنچائے ہوئے لوٹ گیا۔

اس کی واپسی کے بعد ابن سعد نے قرہ بن سعد حنظلی کو بھیجا۔ یہ سنجیدہ اور سلجھے ہوئے آدمی تھے۔ انہوں نے جا کر سلام کے بعد ابن سعد کا پیام پہنچایا۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ تمہارے شہر والوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے۔ اب اگر تم لوگ میرا آنا ناپسند کرتے ہو تو میں لوٹ جاؤں۔ قرہ نے جا کر ابن سعد کو یہ جواب سنا دیا۔ جواب سن کر اس نے اطمینان کی سانس لی اور کہا کہ امید ہے کہ اب خدا مجھ کو حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے گا اور اپنا سوال اور حضرت حسینؓ کا جواب لکھ کر بھیج دیا۔

لیکن کاتب ازل اس کا نامۂ اعمال سیاہ کر چکا تھا۔ اس لئے ابن سعد کی اس مصالحانہ تحریر کے بعد بھی اس نے صلح و مسالمت کی روش اختیار نہ کی اور ابن سعد کو جواب لکھا کہ تمہارا خط ملا۔ تم نے جو کچھ لکھا میں سمجھا۔ تم حسینؓ اور ان کے کل ساتھیوں سے یزید کی بیعت لے لو، جب وہ بیعت کرلیں گے اس وقت دیکھا جائے گا۔ ابن سعد کو یہ تحریر ملی تو بولا، معلوم ہوتا ہے ابن زیاد امن و عافیت نہیں چاہتا[1]۔

پانی کی بندش اور اس کے لئے کشمکش :

اس کے بعد دوسرا حکم پہنچا کہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کردو۔ جس طرح تقی زکی اور مظلوم امیر المومنین عثمانؓ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ان سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کرو۔ بیعت کے بعد پھر میں ان کے بارے میں غور کروں گا۔ اس حکم پر ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین کردیا۔ اس دستہ نے ساتویں محرم سے پانی روک دیا۔

حضرت عبداللہ ابن ابی حصین شامی نے امام حسینؓ سے مخاطب ہو کر کہا، حسینؓ پانی دیکھتے ہو کیسا آسمان کے جگر جیسا جھلک رہا ہے، لیکن خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم اسی طرح پیاسے مرو گے۔ آپ نے فرمایا خدایا! اس کو پیاسا مار اور اس کی کبھی مغفرت نہ فرما[2]۔

جب حسینی لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا تو حضرت حسینؓ نے اپنے سوتیلے بھائی عباسؓ بن علیؓ کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل کے ساتھ پانی لینے کو بھیجا۔ یہ چشمے پر پہنچے تو عمرو بن حجاج مزاحم ہوا۔ لیکن، عباسؓ نے مقابلہ کر کے ہٹادیا اور پیادوں نے ریلا کر کے مشکیں بھرلیں اور عباسؓ نے انہیں کھڑے کھڑے لشکر میں بھجوادیا[3]۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۱۰۔ ۳۱۱ [2] ایضاً۔ ص ۳۱۲ [3] اخبار الطوال۔ ص ۲۶۶

حضرت حسینؓ اور عمر بن سعد کی خفیہ گفتگو :

اس کے بعد حضرت حسینؓ نے ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں رات کو کسی وقت اپنے اور تمہارے لشکر کے درمیان تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ کی اس خواہش پر ابن سعد بیس آدمیوں کو لے کر موجودہ مقام پر ملنے کے لئے آیا۔ حضرت حسینؓ کے ساتھ بھی بیس آدمی تھے۔ لیکن آپ نے انہیں علیحدہ کر دیا۔ آپ کی تقلید میں ابن سعد نے بھی اپنے آدمی ہٹا دیئے اور دونوں میں رات کی تنہائی میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، یہ گفتگو کیا تھی، اس کا صحیح علم کسی کو نہیں۔

لوگوں نے مختلف قیاسات لگائے ہیں۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں اپنی اپنی فوجیں یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلے چلیں۔ ابن سعد نے کہا کہ میرا گھر گرا دیا جائے گا۔ فرمایا میں بنوا دوں گا۔ ابن سعد نے کہا، میری جائداد ضبط کر لی جائے گی۔ فرمایا میں اس سے بہتر جائداد دوں گا۔ لیکن ابن سعد کسی قیمت پر ساتھ جانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے فرمایا، کہ مجھے جہاں سے آیا ہوں واپس جانے دو یا یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے دو۔ پھر اس کے بعد وہ خود کوئی فیصلہ کرے گا، یا کسی سرحدی مقام پر بھیج دو۔[1]

پہلی روایت تو خیر قابل قیاس ہے۔ اس لئے صحیح سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن دوسری روایت راویۃً اور درایۃً دونوں حیثیتوں کے کمزور ہے اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اس روایت کا ایک راوی مجالد بن سعید محدثین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں نے اس پر جرح کی ہے۔[2]

اس کے علاوہ عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر حسینؓ کے ساتھ رہا اور شہادت تک ان سے جدا نہ رہا۔ مگر آپ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستہ میں، عراق میں، لشکر گاہ میں، غرض شہادت تک کہیں بھی گفتگو میں کوئی ایسا خیال ظاہر نہیں فرمایا، جس سے ظاہر ہوتا کہ آپ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یا کسی سرحدی مقام پر نکل جانے کے لئے آمادہ تھے۔ آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، خدا کی زمین بہت وسیع ہے، کہیں چلا جاؤں گا جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کر لیں۔[3]

درایتی حیثیت سے کہ ابن زیاد کا تو یہی حکم تھا کہ اگر حسینؓ بیعت کر لیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ابن سعد بھی دل سے یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔

---

۱. طبری۔ ص ۳۱۲۔ ۳۱۴ ۲. میزان الاعتدال۔ جلد ۳۔ ص ۸ ۳. تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۹

چنانچہ اس نے اسے ٹالنے کی پوری کوشش کی تھی اور ابن زیاد کو لکھا تھا کہ حسینؓ واپس جانے پر آمادہ ہیں۔ لیکن ابن زیاد نے جواب دیا تھا کہ اب وہ بغیر بیعت کے واپس نہیں جاسکتے۔ بیعت کے بعد پھر دیکھا جائے گا، یہ جواب سن کر ابن سعد نے کہا تھا، یہ امن وعافیت نہیں چاہتا۔ اس لئے حضرت حسینؓ کے بیعت پر آمادہ ہو جانے کے بعد ابن سعد کا اس کو نامنظور کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ابن زیاد کا تہدیدی فرمان :

ابن سعد کو دنیاوی جاہ وحشم کی طمع میں حضرت حسینؓ سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی متعدد وجوہ سے اس کا دل اب تک برابر ملامت کر رہا تھا۔ حضرت حسینؓ کی ذات گرامی وہ تھی کہ قرابت نبوی ﷺ کی وجہ سے غیر متعلق اور بیگانہ اشخاص بھی مشکل سے آپ کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرأت کر سکتے تھے۔ اور ابن سعد تو آپ کا عزیز بھی تھا۔ اس لئے نینوا آنے کے بعد بھی وہ برابر جنگ ٹالتا رہا کہ شاید اس طرح اس گناہِ عظیم سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد نے اس ڈھیل کو محسوس کیا تو آخر میں نہایت سخت فرمان بھیجا، کہ

> ''میں نے تم کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم ڈھیل دیتے رہو، دن بڑھاتے چلے جاؤ اور حسینؓ کے سفارشی بن کر ان کی بقا اور سلامتی کی تمنا کرو۔ تم حسینؓ اور ان کے ساتھیوں سے میرا حکم ماننے کے لئے کہو، اگر مان جائیں تو سب کو ہمارے پاس بھیج دو، ورنہ فوراً حملہ کر دو کہ وہ سرکش اور جھگڑے والے ہیں اور اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج ذی الجوشن کے حوالے کر کے تم الگ ہو جاؤ۔ ہم نے جو حکم دیا ہے اسے وہ پورا کریں گے'' [1]۔

ابن زیاد نے یہ فرمان شمر ذی الجوشن اور عبداللہ بن ابی المحل کے ذریعہ سے ابن سعد کے پاس بھجوایا تھا۔ عبداللہ کی پھوپھی اُم نبین حضرت علیؓ کو بیاہی تھیں۔ اور عباس، عبداللہ جعفر اور عثمان ان ہی کے بطن سے تھے۔ اس لئے عبداللہ نے شمر سے کہا کہ ہمارے ابن اخت حسینؓ کے ساتھ ہیں۔ اگر امیر کی رائے ہو تو ان کے پاس امان نامہ بھیج دیا جائے۔ شمر اس پر راضی ہو گیا اور اسی وقت کاتب سے لکھوا دیا۔ عبداللہ نے اسے اپنے غلام کزمان کے ہاتھ عباس وغیرہ کے پاس بھجوا دیا۔ غلام نے انہیں لے جا کر دیا کہ تمہارے ماموں نے یہ امان نامہ دیا ہے۔ اس پر غیور اور باحمیت بھانجوں نے جواب دیا کہ ماموں سے جا کر سلام کہنا اور کہنا امان نامہ پہنچا، لیکن ہمیں امان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی امان ابن سمیہ (ابن زیاد) کی امان سے بہتر ہے [2]۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۱۶ [2]

ابن سعد کا آخری فیصلہ :

شمر نے ابن زیاد کا یہ فرمان لا کر ابن سعد کو دیا، تو وہ پڑھ کر بہت برہم ہوا، اور کہا ''تمہارا برُا ہو، اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو، خدا اس کا برُا کرے۔ خدا کی قسم، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ابن زیاد کو جو لکھا تھا، اس کے قبول کرنے سے تم ہی نے اس کو روک کر ہمارا کام بگاڑا ہے۔ ہم کو امید تھی کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ حسینؓ کے پہلو میں ایک خوددار دل ہے۔ اس لئے وہ کبھی اس کے سامنے نہ جھکیں گے''۔ شمر ابن سعد کی یہ باتیں سن کر بولا، بتاؤ اب تم کیا کرتے ہو؟ امیر کے حکم کی تعمیل کر کے ان کے دشمنوں کو قتل کرو گے یا نہیں؟ اگر قتل نہیں کرتے تو فوج میرے حوالے کر دو۔

ابن سعد کے ضمیر اور نفس میں اب بھی کشمکش جاری تھی۔ لیکن رے کی حکومت نہیں چھوڑی جاتی تھی۔ اس لئے نفس اور ضمیر کی کشمکش میں بالآخر نفس غالب آ گیا اور وہ اس بارِ عظیم کو اُٹھانے کے لئے آمادہ ہو گیا اور شمر سے کہا کہ میں خود اس کام کو کروں گا۔ تم پیدل کی نگرانی کرو[1]۔ اور ۹۔ محرم ۶۱ھ کو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آغازِ جنگ سے پہلے شمر نے حسینی فوج کے پاس جا کر ایک مرتبہ پھر عباسؓ کے بھائیوں کو سمجھایا کہ بنی اخت میں تم کو امان دیتا ہوں۔ لیکن اس مرتبہ غیرت مند نوجوانوں نے پہلے سے بھی زیادہ سخت جواب دیا کہ ''تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو، اگر تو ہمارا ماموں ہوتا تو ہم کو امان دیتا اور ابن رسول اللہ ﷺ کو نہ دیتا[2]۔

ایک شب کی اجازت :

اسی تاریخ کو عصر کے وقت ابن سعد کچھ لوگوں کو ساتھ لئے ہوئے حضرت حسینؓ کی فرودگاہ پر آپ سے ملنے آیا۔ آپ نے ملاقات کے لئے نکلنے کا عزم کیا، لیکن عباسؓ نے روکا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے میں جاتا ہوں۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا، اچھا تم ہی جاؤ۔ مگر یہ پوچھ لینا کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں۔ چنانچہ عباسؓ جا کر ان سے ملے اور آنے کا مقصد پوچھا۔ فوجیوں نے جواب دیا کہ امیر فلاں فلاں مقصد سے آئے ہیں۔ غالباً اس سے آغازِ جنگ کی طرف اشارہ تھا۔ عباسؓ نے جواب دیا کہ ''اچھا ابھی جلدی نہ کرو، میں امام کو تمہارے آنے کا مقصد بتا دوں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حسینؓ کو اس کی خبر کی۔ آپ نے فرمایا، ''اچھا آج رات کی اور مہلت لے لو تاکہ اس آخری رات کو اچھی طرح نمازیں پڑھ لیں، دعائیں مانگ لیں اور توبہ استغفار کر لیں، خدا خوب جانتا ہے کہ مجھ کو نماز، اس کی کتاب کی تلاوت اور دعا

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۴۷

[2]

اور استغفار سے کتنا دلی تعلق ہے''۔ عباسؓ نے جا کر ابن سعد کے دستہ سے کہا کہ'' آج تم لوگ لوٹ جاؤ ،رات کو ہم اس معاملہ پر غور کریں گے اور جو فیصلہ ہو گا صبح جواب دیں گے''۔

ابن سعد نے شمر سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ آپ امیر ہیں آپ جانیں۔ شمر کے بعد پھر اور لوگوں سے رائے لی۔ سب نے مہلت دینے کی رائے دی۔ ابن سعد اس دن لوٹ آیا۔ ان لوگوں کی واپسی کے بعد امام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے حسب ذیل خطبہ دیا :

خطبہ : ''میں خدا کا بہترین ثنا خواں ہوں۔ اور مصیبت اور راحت ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں، خدایا میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہم لوگوں کو نبوت سے سرفراز کیا اور ہمیں گوش شنوا، دیدۂ بینا اور دل آشنا دیا، ہم کو قرآن سکھایا اور دین میں فہم عطا کی۔ اب ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرما۔ امابعد مجھے کسی کے ساتھی اپنے ساتھی سے زیادہ وفادار اور کسی کے اہل اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا کوئی دوسرا گھرانہ نہیں معلوم ہوتا۔ خدا تم لوگوں کو ہماری جانب سے جزائے خیر دے۔ میں ان دشمنوں کی وجہ سے آج کا دن کل ہی کا دن سمجھ رہا ہوں۔ اس لئے میں تم لوگوں کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں، میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی۔ رات ہو چکی ہے، ایک ایک اُونٹ لے لو اور ایک ایک آدمی میرے ایک ایک اہلِ بیت کو ہاتھ پکڑ کے ساتھ لے لے۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ تم لوگ اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ خدا یہ مصیبت آسان کر دے۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ لوگ مجھ ہی کو ڈھونڈیں گے۔ میرے بعد کسی کی تلاش نہ ہوگی''۔

جانثاروں کی تقریریں :

اس اہم تقریر پر تمام اعزہ نے یک زبان ہو کر جواب دیا،'' کیا ہم صرف اس لئے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہم کو یہ دن نہ دکھائے''۔ اس جواب پر حضرت حسینؓ نے بنو عقیل سے فرمایا کہ مسلم کا قتل تمہارے لئے بہت ہو چکا ہے، اس لئے تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ لوٹ جاؤ، لیکن باحمیت بھائیوں نے جواب دیا کہ'' ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ کہیں گے اپنے سردار، اپنے آقا اور ابن عم کو چھوڑ آئے۔ ان کے لئے ایک تیر بھی نہ چلایا، ایک نیزہ بھی نہ مارا، تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا، اور معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہو؟ خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، ہم لوگ جان مال اور اہل وعیال سب آپ کے اُوپر فدا کر دیں گے، آپ کے ساتھ لڑیں گے، جو انجام آپ کا

ہوگا، وہی ہمارا بھی ہوگا۔ آپ کے بعد جینا بے کار ہے"۔

بنو عقیل کے بعد مسلم بن عوسجہ اسدی نے اُٹھ کر کہا کہ "ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور خدا کے سامنے آپ کے ادائے حق کا عذر نہ کریں؟ خدا کی قسم میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا جب تک دشمنوں کے سینوں میں نیزہ نہ توڑ لوں، اور تلوار نہ چلالوں۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس اسلحہ بھی نہ ہوتا تو دشمنوں سے پتھر مار مار کر لڑتا اور آپ کے اُوپر سے فدا ہو جاتا[1]۔

مسلم بن عوسجہ کے بعد سعد بن عبداللہ حنفی نے اُٹھ کر تقریر کی۔ کہ "خدا کی قسم ہم اس وقت تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، جب تک خدا کو معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کا فرمان ملحوظ رکھا۔ اگر مجھ کو یہ بھی یقین ہوتا کہ میں ستر (۷۰) مرتبہ قتل کیا جاؤں گا اور ہر مرتبہ زندہ کر کے آگ میں جلا کر میری خاک اُڑا دی جائے گی، تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ تا آنکہ اپنے کو موت کے حوالہ کر دیتا، نہ کہ ایسی صورت میں جبکہ معلوم ہے مرنا ہے کہ مرنا ایک ہی مرتبہ ہے اور موت میں ابدی عزت ہے"۔

حضرت سعد بن عبداللہ حنفی کے بعد زہیر بن قین اُٹھ کر بولے، "خدا کی قسم مجھے تمنا ہے کہ میں قتل ہوتا، پھر زندہ ہوتا، پھر قتل کیا جاتا، اسی طرح ہزار مرتبہ زندہ ہو ہو کر قتل کیا جاتا اور خدا اس قتل سے آپ کی ذات اور آپ کے اہلِ بیت کے نوجوانوں کو بچالیتا"۔ غرض اس طریقہ کے ہر جان نثار نے اپنی اپنی عقیدت اور جان نثاری کا اظہار کی[2]۔

شبِ عاشورہ:

جمعرات کا دن گزرنے کے بعد عاشورہ کی وہ تاریک رات نمودار ہوئی جس کی صبح کو میدان کربلا میں قیامت بپا ہونے والی تھی۔ درمیان میں صرف ایک ہی رات رہ گئی تھی، جس میں حضرت حسینؓ کو حجلۂ عبادت میں جمالِ حقیقت کے ساتھ راز و نیاز کرنا تھی اور اس کی راہ میں جان دینے کے لئے تیاریاں بھی کرنی تھیں۔ چنانچہ آپ نے منتشر خیموں کو ایک جگہ ترتیب سے نصب کرایا۔ ان کی پشت پر خندق کھدوا کر آگ جلوادی کہ دشمن حملہ آور نہ ہو سکیں اور ہتھیاروں کی صفائی کرائی۔ جس وقت آپ کی تلوار صاف کی جارہی تھی، اس وقت آپ نے چند عبرتناک اشعار پڑھے۔

آپ کی جانثار بہن حضرت زینبؓ کو ان انتظامات سے ہونے والے واقعات کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا اور وہ حضرت حسینؓ کے پاس بدحواس دوڑتی ہوئی آئیں اور چیخ چیخ کر رونے لگیں کہ

---

[1] یہ خط اور جوابات ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۴۸۔ ۴۹ سے ماخوذ ہیں [2] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۲۲۔ ۲۲۳

''کاش آج موت میری زندگی کا خاتمہ کردیتی۔ ہائے میری ماں فاطمہؓ، میرے باپ علیؓ اور میرے بھائی حسنؓ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، بھیا ان گزرے ہوؤں کے جانشین اور ہم لوگوں کے محافظ اور ہمارا سہارا تم ہی ہو''۔

بہن کو اس طرح مضطرب و بے قرار دیکھ کر فرمایا ''زینب علم و وقار کو شیطان کے حوالہ نہ کرو''، لیکن یہ وقت وقار و سکینہ کا نہ تھا۔ زینب بولیں ''بھائی میں آپ پر سے قربان، آپ کے بدلہ میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں''۔ بہن کی یہ دلدوزی اور محبت بھری باتیں سن کر بھائی کا دل بھی بھر آیا اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا ''زینب ذرا چین سے رہنے دو''۔ یہ جواب سن کر زینبؓ نے منہ لپیٹ لیا اور ڈھاڑیں مار کر رونے لگیں کہ ''آپ کا اپنے کو مجھ سے الگ الگ رکھنا میرے دل کر ٹکڑے اُڑائے دیتا ہے''۔ یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔

حضرت حسینؓ نے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے کے بعد جب ہوش آیا تو صبر کی تلقین کی، کہ ''زینبؓ خدا سے ڈرو اور خدا سے تسکین حاصل کرو، ایک نہ ایک دن سارے روئے زمین کے باشندے مرجائیں گے آسمان والوں میں بھی کوئی باقی نہ رہے گا، آسمان و زمین کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ صرف ایک اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ میری ماں، میرے باپ اور میرے بھائی سب مجھ سے بہتر تھے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات نمونہ ہے۔ تم اسی نمونہ سے صبر و تسلی حاصل کرو۔ میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ اگر میں مرجاؤں تو اسوۂ رسول کے خلاف نہ کرنا، میری موت پر گریبان نہ پھاڑنا، منہ نہ نوچنا اور بین نہ کرنا''۔

بہن کو صبر و شکر اور ضبط و تحمل کی تلقین کر کے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حفاظت کے ضروری انتظامات کر کے صبح صادق تک سب لوگ نماز، دعا، استغفار اور تضرع و زاری میں مصروف رہے[1]۔

قیامتِ صغریٰ :

شبِ عاشورہ ختم ہونے کے بعد صبح قیامت نمودار ہوئی۔ جس میں تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ دلدوز واقعہ پیش آنے والا تھا۔ اور باختلاف روایت جمعہ یا سنیچر کے دن بعد نماز فجر حسینی فوج لڑنے کے لئے تیار ہو گئی۔ یہ کوئی لشکرِ جرار نہ تھا، بلکہ بہتر (۷۲) جان نثاروں کی ایک مختصر جماعت تھی۔ جس کی ترتیب یہ تھی کہ میمنہ پر زہیر بن قین تھے اور میسرہ پر حبیب ابن مظہر، عباسؓ علمدار کے ہاتھوں میں

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۵

حسینی علم تھا۔ ادھر مٹھی بھر جان نثار تھے۔ دوسری طرف چار ہزار شامی تھے۔ حضرت حسینؓ جب میدانِ جنگ میں جانے کے لئے رہوار پر سوار ہوئے، تو قرآن سامنے رکھا، اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ ایزدی میں یہ دعا کی[1]۔

بارگاہِ ایزدی میں دعا :

"خدایا تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں میرا آسرا ہے۔ مجھ پر جو وقت آئے، ان میں تو ہی میرا پشت و پناہ تھا۔ بہت سے غم واندوہ ایسے ہیں جن میں دل کمزور پڑجاتا ہے۔ کامیابی کی تدبیریں کم ہوجاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں، دوست اس میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن شماتت کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس قسم کے تمام نازک اوقات میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا۔ تجھی سے اس کی شکایت کی، تو نے ان مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا۔ تو ہی ہر نعمت کا ولی، ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور خواہش کا منتہی ہے"۔

آپ دعا سے فارغ ہوئے کہ شمر نے اس آگ کے شعلوں کو دیکھ کر جو خیموں کی پشت پر اس کی حفاظت کے لئے جلائی گئی تھی، بآواز بلند کہا، حسینؓ قیامت سے پہلے دنیا ہی میں آگ مل گئی۔ آپ نے جواب دیا، "تو اس میں جلنے کا زیادہ مستحق ہے"۔ مسلم بن عوسجہ نے عرض کی، "یا ابن رسول اللہ! شمر زد میں ہے، ارشاد ہو تو تیر چلا کر اس کا خاتمہ کر دوں"۔ فرمایا، "میں اپنی جانب سے ابتدا کرنا نہیں چاہتا"۔ اور شامی فوج کے قریب جا کر بطور اتمام حجت کے فرمایا :

اتمامِ حجت :

لوگو ! جلدی نہ کرو، پہلے میرا کہنا سن لو، اور مجھ پر سمجھانے کا جو حق ہے اسے پورا کر لینے دو، اور میرے آنے کا عذر بھی سن لو۔ پھر اس کے بعد تمہیں اختیار ہے۔ اگر میرا عذر قبول کر لو گے، میرا کہنا سچ مانو گے اور انصاف سے کام لو گے تو خوش قسمت ہو گے اور تمہارے لئے میری مخالفت کی کوئی سبیل باقی نہ رہے گی، اور اگر تم نے میرا عذر قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو ۔۔۔۔۔

"فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمة ثم اقضوا الیّ ولا تنظرون .

ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین"۔ (الآیۃ)

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۵

''پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرالو تاکہ تمہاری وہ بات تم میں سے کسی کے اُوپر مخفی نہ رہے، تم میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر ڈالو اور مجھے مہلت نہ دو، میرا ولی اللہ ہے، جس نے کتاب نازل کی اور وہی صالحین کا ولی ہوتا ہے''۔

آپ کی بہنوں اور صاحبزادیوں نے یہ تقریر سنی تو خیمہ امامت میں ماتم بپا ہوگیا۔ ان کے رونے کی آوازیں سن کر آپ نے عباسؓ اور علی کو بھیجا کہ جا کر انہیں خاموش کردو، ''میری عمر کی قسم ابھی ان کو بہت رونا ہے''۔ بہنوں اور لڑکیوں کو خاموش کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر آخری اتمام حجت کے لئے کوفیوں کے سامنے تقریر فرمائی۔ کہ

''لوگو! میرے نسب پر غور کرو، میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے کو ملامت کرو۔ خیال کرو میرا قتل اور میری آبروریزی تمہارے لئے زیبا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا لڑکا اور اس کے وصی، ابن عم، خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، اس کے رسول اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والے کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہد اُحمزہ میرے باپ کے اور جعفر طیار ذوالجناحین میرے چچا نہ تھے؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ ''یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہوں گے''۔

''اگر میں سچ کہتا ہوں اور یقیناً سچ کہتا ہوں، کیونکہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹے پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے، اس وقت سے میں نے عمداً جھوٹ نہیں بولا اور اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں اس کے جاننے والے موجود ہیں، ان سے تصدیق کرلو۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ، ابوسعید خدریؓ، سہل بن سعد الساعدیؓ، زید بن ارقمؓ، انس بن مالکؓ ابھی زندہ ہیں۔ ان سے پوچھو، یہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے۔ مجھے بتاؤ کیا اس فرمان میں میری خونریزی کے لئے روک نہیں''۔

اس تقریر کے دوران شمر ذی الجوشن نے حضرت حسینؓ کے ایمان پر چوٹ کی۔ حبیب ابن مظاہر نے اس کا دندان شکن جواب دے کر کہا کہ ''امام جو کچھ فرماتے ہیں، اس کو تو نہیں سمجھ سکتا، کیونکہ خدا نے تیرے قلب پر مہر لگادی ہے۔ ذی الجوشن کے اعتراض اور حبیب کے جواب کے بعد جناب امام نے پھر تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا :

''خیر اگر تم کو اس میں کچھ شک ہے تو اسے جانے دو۔ لیکن کیا اس میں بھی کچھ شبہ ہے کہ میں تمہارے نبی ﷺ کی بیٹی کا بیٹا ہوں، خدا کی قسم آج مشرق سے لے کر مغرب تک روئے زمین پر تم میں اور کسی غیر قوم میں بھی میرے سوا کسی نبی ﷺ کا نواسہ موجود نہیں ہے۔ میں خاص تمہارے نبی ﷺ کی لڑکی کا بیٹا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم لوگ میرے خون کے کیوں خواستگار ہو۔ ''کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی کا مال ضائع کیا ہے؟ کسی کو زخمی کیا ہے'' ؟

ان نصائح اور سوالات کو سن کر سب خاموش رہے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد آپ نے نام لے کر سوالات شروع کئے۔

''اے شیث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث کیا تم نے مجھ کو نہیں لکھا تھا۔ پھل پک چکے ہیں، کھجوریں سرسبز ہیں، دریا جوش میں ہے، فوجیں تیار ہیں، تم فوراً آؤ'' ان لوگوں نے جواب دیا، ہم نے نہیں لکھا تھا۔ فرمایا ''سبحان اللہ! خدا کی قسم تم نے لکھا تھا''۔

''لوگو! اگر میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے چھوڑ دو تا کہ میں کسی پُر امن خطہ کی طرف چلا جاؤں''۔

اس پر قیس بن اشعث بولا، تم اپنے بنی عم کا کہنا کیوں نہیں مان لیتے۔ ان کی رائے تمہارے مخالف نہ ہوگی اور ان کی جانب سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہوگا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا'' کیوں نہیں، آخر تم بھی تو اپنے بھائی کے بھائی ہو۔ تم کیا چاہتے ہو، کہ بنو ہاشم مسلم بن عقیل کے خون کے علاوہ تم سے اور دوسرے خون کے بدلہ کا بھی مطالبہ کریں، خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دوں گا اور غلام کی طرح اس کا اقرار نہیں کروں گا[1] اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

''وانی عذت بربی وربکم ان ترجمون .

انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب''.

''اور میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ کو سنگسار کرو۔

میں اپنے اور تمہارے رب سے ہر مغرور و متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا، پناہ مانگتا ہوں''۔

زہیر بن قیس کی تقریر:

اس تقریر کے بعد آپ سواری بٹھا کر اُتر پڑے اور شامی آپ کی طرف بڑھے۔ ان کا ہجوم دیکھ کر زہیر بن قیس نے شامیوں کے سامنے بڑی پُر جوش تقریر کی:

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۲۹۔ ۳۳۰

''اے اہل کوفہ! خدا کے خوف سے ڈرو، ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے۔ ابھی ہم بھائی بھائی ہیں، ایک مذہب اور ایک ملت کے ماننے والے ہیں۔ جب تک ہمارے درمیان تلوار نہ اُٹھ جائے، اس وقت تک ہمیں تمہیں نصیحت کرنے کا حق ہے۔ جب آپس میں تلواریں اُٹھ جائیں گی تو ہمارا تمہارا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور ہماری تمہاری جماعت الگ الگ ہو جائے گی۔ خدا نے ہم کو اور تم کو نبی ﷺ کی ذرّیت کے بارہ میں آزمائش میں مبتلا کیا ہے کہ ہم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ میں تم کو ان کی امداد اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تم کو ان سے سوائے بُرائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، وہ تمہاری آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گے، تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمہارا مثلہ کریں گے، تم کو کھجور کی شاخوں پر لٹکائیں گے۔ حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ وغیرہ کی طرح تمہارے ممتاز لوگوں کو بھی قتل کریں گے''۔

حضرت زہیر بن قین کی یہ تقریر سن کر کوفیوں نے انہیں گالیاں دیں اور ابن زیاد کی تعریف کر کے بولے، خدا کی قسم ہم حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا قتل یا انہیں گرفتار کر کے امیر ابن زیاد کے پاس پہنچائے بغیر نہیں ٹل سکتے۔

حضرت زہیر بن قین نے پھر انہیں سمجھایا کہ ''خدا کے بندو! فاطمہؓ کا فرزند ابن سمیہ کے مقابلہ میں امداد و اعانت کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر تم ان کی امداد نہیں کرتے تو خدارا انہیں قتل تو نہ کرو۔ ان کے معاملہ ان کے اور ان کے ابن عم یزید پر چھوڑ دو۔ وہ حسینؓ کو قتل نہ کرنے کی صورت میں تم سے زیادہ رضامند ہوگا''۔

اس پر شمر ذی الجوشن نے زہیر بن قین کو ایک تیر مارا اور کہا خاموش رہو، خدا تمہارا منہ بند کرے۔ اپنی بک بک سے پریشان کر ڈالا۔ اس پر زہیر نے کہا، ''ابن بوال تجھ سے کون خطاب کرتا ہے تو تو جانور ہے، خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تو کتاب اللہ کی ان دو آیتوں کو بھی نہیں جانتا **وابشر بالخزی یوم القیامۃ والعذاب العلیم**۔ شمر بولا خدا تجھ کو اور تیرے ساتھی کو ایک ساتھ قتل کرے۔ زہیر نے جواب دیا، ''موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم حسینؓ کے ساتھ جان دینا مجھ کو تیرے ساتھ دائمی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر بآواز بلند کوفیوں سے خطاب کیا کہ لوگو! تم اس سنگ دل ظالم کے فریب میں نہ آؤ، خدا کی قسم جو لوگ محمد ﷺ کی اولاد اور ان کے اہل بیت کا خون بہائیں گے وہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہیں گے''۔

حُر کی آمد :

کوفیوں کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے تھے اور دلوں پر مہر لگ چکی تھی۔ اس لئے حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کی ساری افہام وتفہیم رائیگاں گئی۔ کسی پر کوئی اثر نہ ہوا اور امام نے زہیر بن قین کو واپس بلالیا۔ ان کی واپسی کے بعد کوئی وقت منتظر باقی نہ رہا اور عمر بن سعد حضرت حسینؓ کی طرف بڑھا۔ اس کی پیش قدمی کے ساتھ ہی اس گروہ اشقیا میں سے دفعۃً ایک پرستار نکل آیا۔

یہ حُر تھے۔ عین اس وقت جب طبل جنگ پر چوب پڑنے والی تھی۔ حُر کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کا پردہ ہٹ گیا اور حق کا جلوہ نظر آنے لگا۔ چنانچہ کوفی فوج کا ساتھ چھوڑ کر حضرت حسینؓ کی فوج میں چلے آئے اور عرض کیا، میری جانب سے جو کچھ گستاخیاں اور بے عنوانیاں ہو چکیں وہ ہو چکیں۔ اب میں اپنی جان غمگساری کے لئے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے ابھی درِ توبہ باز ہوگا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا، تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ تمہیں بشارت ہو کہ تم دنیا میں اور آخرت دونوں میں "حُر" آزاد ہو[1]۔

حُر کی تقریر :

حسینی فوج میں شامل ہونے کے بعد حُر نے کوفیوں سے کہا، "لوگو! حسینؓ نے جو تین صورتیں تمہارے سامنے پیش کی ہیں، ان میں کوئی صورت کیوں نہیں منظور کر لیتے، تاکہ خدا تم کو اُن کے ساتھ لڑنے سے بچالے"۔ ابن سعد بولا، میں دل سے چاہتا ہوں، لیکن افسوس اس کی کوئی سبیل نہیں نکلتی۔ حُر نے پھر کہا،

"اے اہل کوفہ! پہلے تم نے حسینؓ کو بلایا، جب وہ آگئے تو تم نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ خیال کرتے رہے کہ ان کی حمایت میں لڑو گے، پھر ان کے خلاف ہو گئے اور اب ان کے قتل کے درپے ہو۔ انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور خدا کی وسیع زمین میں کسی طرف ان کو جانے نہیں دیتے کہ وہ اور ان کے اہل بیت کسی پُرامن مقام پر چلے جائیں، اس وقت ان کی حالت بالکل قیدی کی ہو رہی ہے کہ وہ اپنی ذات کو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ تم نے اُن پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے، جس پانی کو یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں اور دیہات کے سور اور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں۔ اس کے لئے حسینؓ اور ان کے اہل وعیال تشنہ لب تڑپتے ہیں۔ تم نے محمد ﷺ کے بعد ان کی اولاد کا کیا خوب لحاظ کیا؟ اگر تم توبہ کر کے اپنی روش نہیں چھوڑو گے تو خدا تمہیں قیامت کے دن پیاسا تڑپائے گا"۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۲۹۔ ۳۳۰ وابن اثیر جلد ۴۔ ص ۵۳۔ ۵۴

جنگ کا آغاز :

حُر کی اس تقریر کے بعد ابن سعد علم لے کر آگے بڑھا، اور پہلا تیر چلا کر اعلانِ جنگ کر دیا۔ اور دونوں طرف سے آدمی نکل نکل کر دادِ شجاعت دینے لگے۔ شامیوں کی فوج سے یسار اور سالم دو شخص نکلے۔ ادھر سے تنہا عبد اللہ بن عمیر اُن کے جواب میں آئے، اور ایک ہی وار میں یسار کو ڈھیر کر دیا۔ پاس ہی سالم تھا، اُس نے جھپٹ کر عبد اللہ پر وار کیا، عبد اللہ نے ہاتھوں پر روکا، اُنگلیاں اُڑ گئیں۔ لیکن انہی کٹی اُنگلیوں سے سالم کو مار گرایا۔ عبد اللہ کی بیوی بھی ساتھ تھیں، انہوں نے شوہر کو لڑتے دیکھا تو خود بھی ہاتھ میں خیمہ کی ایک چوب لے کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھیں کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ آل محمد ﷺ کی طرف سے لڑتے رہو۔ عبد اللہ نے انہیں عورتوں کے خیمہ میں لوٹانا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گی، تمہارے ساتھ جان دوں گی۔ حضرت حسینؓ نے ان کی ضد دیکھ کر آواز دی کہ خدا تم کو اہلِ بیت کی جانب سے جزائے خیر دے۔ تم لوٹ جاؤ، عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔ آپ کے ارشاد پر وہ لوٹ گئیں۔

اس کے بعد عمرو بن حجاج شامی لشکر کے میمنہ کو لے کر حضرت حسینؓ کی طرف بڑھا، جب آپ کے قریب پہنچا تو فدائیان حسینؓ پاؤں ٹیک کر سینہ سپر ہو گئے اور نیزوں کے وار سے شامی سواروں کے گھوڑوں کے منہ پھیر دیئے۔ پھر شامی جماعت سے ابن حوزہ نامی ایک شخص نے نکل کر باآواز بلند پکارا، حسینؓ ہیں؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر اس نے یہی سوال کیا۔ تیسری مرتبہ سوال کرنے پر لوگوں نے کہا، ہیں۔ تمہارا کیا مقصد ہے؟ اس نے کہا، حسینؓ تم کو دوزخ کی بشارت ہو۔ حضرت حسینؓ نے جواب میں فرمایا، ''تو جھوٹا ہے، میں دوزخ میں نہیں بلکہ ربّ رحیم شفیع اور مطاع کے حضور میں جاؤں گا''۔ تیرا نام کیا ہے؟ جواب دیا، ابن حوزہ۔ فرمایا، ''خدایا اس کو آگ میں داخل کر''۔ اتفاق سے اسی دوران ابن حوزہ کا گھوڑا بدک کر ایک نہر میں پھاند پڑا اور ابن حوزہ کا پاؤں رکاب میں اٹک گیا۔ اسی حالت میں دوسری مرتبہ بدک کر بھاگا اور ابن حوزہ پیٹھ سے لٹک گیا۔ گھوڑا سرپٹ بھاگا اور ابن حوزہ پتھروں کی رگڑ سے چور چور ہو کر مر گیا۔

اس کے بعد شامی فوج سے یزید بن معقل نکلا اور حسینی لشکر سے بریر بن حضیر ان کے مقابل ہوئے۔ زبانی مباحثہ کے بعد دونوں نے تلواریں نکالیں۔ یزید بن معقل نے بریر پر وار کیا، بریر نے وار خالی دیا اور جواب میں ایسی کاری تلوار ماری کہ یزید کو خود کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ یزید کو تڑپتا دیکھ کر شامی فوج کے ایک سپاہی رضی بن منقد نے بریر پر حملہ کیا، دونوں میں کشتی

ہونے لگی۔ بریر اس کو چت کر کے سینہ پر بیٹھ گئے۔ رضی کو چت دیکھ کر کعب بن جابر ازدی شامی نے بریر پر نیزہ سے حملہ کیا، نیزہ ان کی پیٹھ میں پیوست ہو گیا۔ بریر زخمی ہو کر رضی کے سینہ سے اُتر پڑے۔ ان کے اُترتے ہی کعب نے تلوار سے زخمی کر کے گرادیا۔ اس طرح رضی کی جان بچ گئی۔

بریر کے بعد عمر بن قرظہ انصاری بڑھے اور حضرت حسینؓ کے سامنے داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ عمر بن قرظہ کا بھائی ابن سعد کے ساتھ تھا۔ عمرو کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر پکارا، کذاب ابن کذاب حسینؓ تو نے میرے بھائی کو گمراہ کیا۔ اور دھوکہ دے کر قتل کرادیا۔ آپ نے جواب دیا، ''خدا نے تیرے بھائی کو نہیں بلکہ تجھ کو گمراہ کیا۔ تیرے بھائی کو اس نے ہدایت دی''۔ یہ جواب سن کر وہ بولا، اگر میں تم کو قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کرے۔ یہ کہتے ہی حضرت حسینؓ کی طرف جھپٹا۔ مگر نافع بن ہلال مرادی نے ایسا نیزہ مارا کہ وہ چاروں شانے چت گرا۔ مگر اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر بچالیا۔

ان کے بعد حُر بن یزید نکلے، اور حضرت حسینؓ کے سامنے بڑی شجاعت و بہادری سے لڑے۔ یزید بن سفیان ان کے مقابلہ کو آیا۔ حُر نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیا حُر کے بعد نافع بن ہلال بڑھے۔ شامیوں میں مزاحم بن حریث ان کے مقابل آیا۔ نافع نے اسے بھی اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچادیا۔

عام جنگ اور مسلم بن عوسجہ کی شہادت :

ابھی تک لڑائی کا انداز یہ تھا کہ ایک ایک شخص ایک ایک کے مقابل میں نکلتا تھا۔ مگر شامی لشکر سے جو نکلا، وہ بچ کر نہ گیا۔ اس لئے عمر بن حجاج پکارا ،

لوگو! جن سے تم لڑرہے ہو یہ سب اپنی جانوں پر کھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے آئندہ کوئی شخص تنہا ان کے مقابلہ میں نہ جائے۔ ان کی تعداد تو اتنی کم ہے کہ اگر تم لوگ ان کو صرف پتھروں سے مارو تو بھی ان کا کام تمام ہو جائے گا۔ کوفہ والو! اطاعت اور جماعت کی پوری پابندی کرو۔ اس شخصؓ کے قتل میں کسی شک وشبہہ اور تذبذب کی راہ نہ دو۔ جو دین سے بھاگا ہے اور جس نے امام کی مخالفت کی ہے۔

عمر بن سعد کو بھی عمرو بن حجاج کی یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ اس نے فرداً فرداً مبارزت سے روک دیا اور عام جنگ کا آغاز ہو گیا۔

عمر بن حجاج میمنہ کو لے کر حضرت حسینؓ پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑی دیر تک آپس میں کشمکش جاری رہی۔ اس معرکہ میں مشہور جان نثار مسلم بن عوسجہ اسدی شہید ہوئے۔ غبار چھٹا تو لاشہ نظر پڑا۔ حضرت

حسینؓ قریب تشریف لے گئے، کچھ کچھ جان باقی تھی، فرمایا، مسلم تم پر خدا رحم کرے **فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا** حضرت حسینؓ کے بعد حبیب مظہر نے آکر جنت کی بشارت دی، اور کہا اگر مجھ کو یہ یقین نہ ہوتا کہ میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا، تو تم سے وصیت کرنے کی درخواست کرتا اور اسے پوری کرتا۔ مسلم میں بقدر رمق جان باقی تھی، حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے صرف ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے لئے جان دے دینا۔ یہ وصیت کر کے محبوب آقا کے سامنے جان دے دی [1] کہ

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

مسلم کی موت پر شامی فوج میں بڑی خوشی ہوئی۔

دوسرا حملہ اور تیروں کی بارش :

اس کے بعد دوسرے ریلے میں شمر شامی میسرہ کو لے کر حسینی میسرہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے بعد شامی چاروں طرف سے حسینی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ بڑا زبردست مقابلہ ہوا، حسینی فوج کے بہادر عبداللہ الکلبی کئی آدمیوں کو قتل کر کے خود شہید ہوئے۔ اس معرکہ میں حسینی فوج میں ۳۲ آدمی تھے، لیکن اس پامردی سے لڑے کہ جدھر رُخ کرتے تھے، شامیوں کی صفیں اُلٹ دیتے تھے اور ان کی سواریوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتی تھیں۔ شامی سوار دستہ کے کمانڈار غررہ بن قیس نے اپنے سواروں کی یہ بے ترتیبی دیکھی تو ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ مٹھی بھر آدمیوں نے ہمارے دستہ کا یہ حال کر دیا ہے۔ اس لئے فوراً کچھ پیدل اور کچھ تیر انداز بھیجو۔

ابن سعد نے اس کی درخواست پر پانچ سو سواروں کا دستہ بھیج دیا۔ اس دستہ نے جاتے ہی حسینی لشکر پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور تھوڑی دیر میں ان کے تمام گھوڑے زخمی ہو کر بے کار ہو گئے۔ پھر بھی ان کے استقلال میں کمی نہ آئی۔ سب سوار گھوڑوں سے اُتر پڑے اور دو پہر تک اس بہادری اور بے جگری سے لڑتے رہے کہ شامیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

اہلِ بیت کے خیموں کا جلایا جانا :

شامی جنگ کو جلد ختم کر دینے کے لئے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت حسینؓ نے اپنے خیموں کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی تھی کہ شامی ایک ہی رخ سے حملہ کر سکتے تھے، اس لئے

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۵۸

عمر بن سعد نے حکم دیا کہ خیمے اُکھاڑ دیئے جائیں تاکہ ہر طرف سے حسینی فوج پر حملہ کیا جا سکے۔ چنانچہ شامی خیمے اُکھاڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن اس میں یہ دشواری پیش آئی کہ جب وہ حسینی خیموں میں گھسنے کا قصد کرتے تھے، تو آڑ میں پڑ جاتے تھے۔ اس لئے حسینی سپاہی انہیں مار لیتے تھے۔ ابن سعد نے اس صورت میں بھی ناکامی دیکھی تو خیموں میں آگ لگوادی۔ حضرت حسینؓ نے دیکھا تو فرمایا، یہ بھی اچھا ہوا، میدان صاف ہو جائے گا تو یہ لوگ پشت سے حملہ آور نہ ہو سکیں گے۔

حضرت حسینؓ کا یہ خیال بالکل صحیح نکلا۔ خیموں کے جل جانے سے پشت سے حملہ کا خطرہ جاتا رہا۔ شمر اہل بیت کے خیمہ میں نیزہ مار کر بولا، اس کو مع آدمیوں کے جلا دوں گا۔ عورتوں نے سنا تو چلاتی ہوئی خیموں سے باہر نکل آئیں۔ حضرت حسینؓ نے دیکھا تو شمر کو ڈانٹا کہ تو میرے اہل بیت کو آگ میں جلانا چاہتا ہے، خدا تجھ کو آتش دوزخ میں جلائے۔ کچھ اس ڈانٹ کے اثر اور کچھ لوگوں کے غیرت دلانے سے شمر لوٹ گیا۔ اس کے جاتے ہی زہیر بن قین نے کوفیوں کو اہل بیت کے خیموں سے ہٹا دیا[1]۔

جانبازوں کی شہادت :

پچھلے معرکوں میں شمعِ امامت کے بہت سے پروانے فدا ہو چکے تھے۔ اب امام حسینؓ کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں کوفیوں کا ٹڈی دل تھا۔ اس لئے ان کے قتل ہونے سے ان میں کوئی کمی نظر نہ آتی تھی۔ لیکن حسینی فوج میں سے ایک آدمی بھی شہید ہو جاتا تو اس میں کمی محسوس ہوتی تھی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر عمرو ابن عبداللہ صاعدی نے امام سے عرض کیا کہ "میری جان آپ پر فدا ہو، اب شامی بہت قریب ہوتے جاتے ہیں اور کوئی دم میں پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ پہلے میں جان دے لوں، اس کے بعد آپ کو کوئی گزند پہنچے۔ ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ نماز پڑھ کر خدا سے ملنا چاہتا ہوں"۔

ان کی اس درخواست پر حضرت حسینؓ نے فرمایا، ان لوگوں سے کہو، کہ "تھوڑی دیر کے لئے جنگ ملتوی کر دیں، تاکہ ہم لوگ نماز ادا کر لیں"۔ آپ کی زبان سے یہ فرمائش سن کر حصین بن نمیر شامی بولا، تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب بن مظہر نے جواب دیا کہ "گدھے! آل رسول کی نماز قبول نہ ہوگی، اور تیری قبول ہوگی"؟ یہ جواب سن کر حصین کو طیش آ گیا، اور حبیب پر حملہ کر دیا۔ حبیب نے اس گھوڑے کے منہ ایسا ہاتھ مارا کہ وہ دونوں پاؤں کھڑا ہو گیا اور حصین اس کی پیٹھ سے نیچے آ گرا۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۴۷۔ ۳۵۰

لیکن اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر بچالیا۔ اس کے بعد حبیب اور کوفیوں میں مقابلہ ہونے لگا، کچھ دیر تک حبیب نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، لیکن تنِ تنہا کب تک انبوہ کثیر کے مقابل ٹھہر سکتے تھے۔ بالآخر شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت حسینؓ کا ایک اور بازو ٹوٹ گیا، اور آپ بہت شکستہ خاطر ہوئے۔ مگر کلمۂ صبر کے علاوہ زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا۔ حُر نے آقا کو غمگین دیکھا تو رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور مشہور جان نثار زہیر بن قین کے ساتھ مل کر بڑی بہادری اور شجاعت سے لڑے، لیکن کب تک لڑتے۔ آخر میں کوفی پیادوں نے ہر طرف سے حُر پر ہجوم کر دیا، اور یہ پروانہ بھی شمعِ امامت پر سے فدا ہو گیا[1]۔

جان نثاروں کی آخری جماعت کی فداکاری :

اب ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا۔ لیکن کوفی نماز پڑھنے کے لئے بھی دم نہ لیتے تھے۔ اس لئے امام نے صلوٰۃ خوف پڑھی، اور نماز کے بعد پھر پورے زور کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ کربلا کی زمین تھرا گئی۔ کوفیوں کا ہجوم بڑھتے بڑھتے حضرت حسینؓ کے پاس پہنچ گیا۔ تیروں کی بارش ٹڈی دل کا گمان ہوتا تھا۔ مشہور جانباز حنفی امام کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور جتنے تیر آئے اب مردانہ وار اپنے سینے پر روکے۔ لیکن ایک انسان کب تک مسلسل تیر باری کا ہدف بن سکتا تھا۔ بالآخر یہ بھی امام کی راہ میں سینہ چھلنی کر کے فدا ہو گئے۔ ان کے بعد زہیر بن قین کی باری آئی۔ یہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے اپنے پیشرؤں سے جا ملے۔ ان کے بعد نافع ہلال بجلی جنھوں نے ۱۲ کوفیوں کو قتل کیا تھا، گرفتار کر کے شہید کئے گئے۔

اب حسینی لشکر کا بڑا حصہ آقائے نامدار پر سے فدا ہو چکا تھا، صرف چند جانثار باقی رہ گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ شامی فوجوں کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی طاقت نہیں ہے تو یہ طے کر لیا گیا کہ قبل اس کے کہ امام ہمام پر کوئی نازک وقت آئے، سب کے سب آپ پر سے فدا ہو جائیں۔ چنانچہ تمام فدائی اہلِ بیت ایک ایک کر کے پروانہ وار بڑھنے لگے۔

اس جماعت میں سب سے اوّل عبداللہ اور عبدالرحمٰن بڑھے، ان کے بعد دونوجوان سیف بن حارث اور مالک بن عبد نکلے۔ اس وقت دونوں کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں۔ امام نے پوچھا، "روتے کیوں ہو" ؟ عرض کی، اپنی جان کے لئے نہیں روتے۔ رونا اس پر ہے کہ آپ کو چاروں

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ ۳۴۷۔ ۳۵۰

طرف سے اعداء نرغے میں محصور دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ امام نے کہا،"خدا تم دونوں کو متقیوں جیسی جزا دے"۔ ان دونوں کے بعد حنظلہ بن شامی نکلے اور کوفیوں کو سمجھایا کہ وہ حسینؓ کے خونِ بے گناہ کا وبال اپنے سر نہ لیں۔ لیکن اب اس قسم کی افہام و تفہیم کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ حضرت حسین نے فرمایا کہ "اب انہیں سمجھانا بے کار ہے"۔

آپ کے اس ارشاد پر حنظلہ آپ کے اہلِ بیت پر صلوٰۃ و سلام بھیج کر رخصت ہوئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد سیف اور مالک دونوں نوجوانوں نے جانیں فدا کیں۔ ان کے بعد عابس بن ابی شبیب اور شوذب بڑھے، شوذب شہید ہوئے، لیکن عابس بہت مشہور بہادر تھے، ان کے مقابلہ میں کسی شامی کو آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس لئے ہر طرف سے ان پر سنگساری شروع کر دی۔ عابس نے ان کی یہ بزدلی دیکھی تو اپنی زرہ اور خود اُتار کے پھینک دی اور حملہ کر کے بے محابہ دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور انہیں ردہم برہم کر دیا۔ لیکن تنِ تنہا ایک انبوہ کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ اس لئے شامیوں نے انہیں بھی گھیر کر شہید کر دیا۔ اسی طریقہ سے عمرو بن خالد، جبار بن حارث، سعد، مجمع بن عبید اللہ سب جان نثار ایک ایک کر کے فدا ہو گئے اور تنہا سوید بن ابی المطاع باقی رہ گئے[1]۔

علی اکبر کی شہادت:

جب سارے فدایانِ اہلِ بیت ایک ایک کر کے جامِ شہادت پی چکے اور نونہالان اہلِ بیت کے علاوہ اور کوئی جانثار باقی نہ رہا تو اہلِ بیت کرام کی باری آئی اور سب سے اوّل ریاضِ امامت کے گل تر خاندانِ نبوی ﷺ کے تابندہ اختر علی اکبرؓ میدان میں آئے اور تلوار چمکاتے اور یہ رجز

انا علی بن حسین بن علی　　　ورب البیت ولی بالنبی

"میں حسینؓ ابن علیؓ کا بیٹا علی ہوں ۔ خانہ کعبہ کی قسم ہم نبی کے قرب کے زیادہ حق دار ہیں"

تا اللہ لا یحکم فینا ابن الدّعی

"خدا کی قسم نا معلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا"

پڑھتے ہوئے بڑھے۔ آپ رجز پڑھ پڑھ کر حملہ کرتے تھے، اور بجلی کی طرح کوند کر نکل جاتے تھے۔ مرہ بن منقذ تمیمی آپ کی یہ برق رفتاری دیکھ کر بولا، اگر علی اکبرؓ میری طرف سے گزریں تو حسینؓ کو بے لڑکے کا بنا دوں۔ علی اکبرؓ ابھی کم سن تھے، جنگ و جدال کا تجربہ نہ تھا۔ مرہ کا طنز سن کر سیدھے اس کی طرف بڑھے۔ مرہ ایک جہاندیدہ اور آزمودہ کار تھا۔ جیسے ہی علی اکبرؓ اس کے

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ۶۱۔ ۶۲

پاس پہنچے،اس نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ جسم اطہر میں پیوست ہو گیا۔ نیزہ لگتے ہی شامی ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اس گلبدن کے جسم کو جس نے پھولوں کی سیج پر پرورش پائی تھی ٹکڑے اُڑا دیئے۔

ان کی جان نثار پھوپھی جنھوں نے بڑے نازوں سے ان کو پالا تھا، خیمہ کے روزن سے یہ قیامت خیز نظارہ دیکھ رہی تھیں، چہیتے بھتیجے کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر بے تاب ہو گئیں۔ یارائے ضبط باقی نہ رہا اور یا ابن اخاہ کہتی ہوئیں خیمہ سے باہر نکل آئیں اور بھتیجے کی لاش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں۔ ستم رسید بھائی حسینؓ نے دکھیاری بہن کا ہاتھ پکڑ کے خیمہ کے اندر کیا، کہ ابھی وہ زندہ تھے۔ اور مخدرات عصمت مآب پر غیر محرموں کی نظر پڑنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ بہن کو خیمے میں پہنچانے کے بعد علی اکبرؓ کی لاش اور اپنے قلب وجگر کے ٹکڑوں کو بھائیوں کی مدد سے اُٹھوا کر لائے اور خیمہ کے اندر لٹا دیا[1]۔

یہ بھی بے کسی کا عالم تھا۔ تمام اعزہ واقربا شہید ہو چکے ہیں، ایک طرف جانثاروں کی تڑپتی ہوئی لاشیں ہیں، دوسری طرف جوان مرگ بیٹے علی اکبرؓ کا پاش پاش بدن ہے، تیسری طرف زینب خستہ حال پر غش طاری ہے۔ اس بے کسی کے عالم میں کبھی علی اکبرؓ کی لاش کو دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کی طرف نظر اُٹھاتے ہیں کہ آج تیرے ایک وفادار بندے نے تیری راہ میں سب سے بڑی نذر پیش کر کے سنت ابراہیمی پوری کی ہے، تو اسے قبول فرما۔ لیکن اس وقت بھی زبان پر صبر وشکر کے علاوہ شکایت نہیں آتا۔ کہ

من ازیں درد گراں نمایہ چہ لذت یابم کہ بہ اندازۂ آن صبر وثباتم دادند

خاندان بنی ہاشم کے نونہالوں کی شہادت :

حضرت علی اکبرؓ کی شہادت کے بعد مسلم بن عقیل کے صاحبزادے عبداللہ میدان میں آئے۔ ان کے نکلتے ہی عمرو بن صبیح صیداوی نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہ تیر قضا بن گیا۔ ان کے بعد جعفر طیار کے پوتے عدی نکلے۔ انہوں نے بھی عمرو ابن نہشل کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ پھر عقیلؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن میدان میں آئے۔ ان کو عبداللہ بن عروہ نے تیر کا نشانہ بنایا۔ بھائی کو نیم بسمل دیکھ کر محمد بن عقیل بے تحاشا نکل پڑے لیکن لقیط بن ناشر نے ایک ہی تیر میں ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

ان کے بعد حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم میدان میں آئے۔ یہ بھی عمرو بن سعد بن مقبل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ قاسم کے بعد ان کے دوسرے بھائی ابو بکرؓ نے عبداللہ بن عقبہ کے

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۷

ہاتھوں شہید ہوئے۔ امام کے سوتیلے بھائی حضرت عباسؓ نے جب دیکھا کہ جو نکلتا ہے وہ سیدھا حوض کوثر پر پہنچتا ہے اور عنقریب برادر بزرگ تنِ تنہا ہونے والے ہیں تو بھائیوں سے کہا کہ آقا کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ، اور ان پر اپنی جانیں فدا کر دو۔

اس آواز پر تینوں بھائی عبداللہؓ، جعفرؓ اور عثمانؓ حضرت حسینؓ کے سامنے دیوار آہن بن کر جم گئے اور تیروں کی بارش کو اپنے سینوں پر روکنے لگے اور زخموں سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا تھا۔ لیکن ان کی جبیں شجاعت پر شکن تک نہ آئی تھی۔ آخر میں ہانی بن ثوب نے عبداللہ اور جعفر کو شہید کر کے اس دیوار آہن کو بھی توڑ دیا اور تیسرے بھائی عثمان کو یزید اصبحی نے تیر کا نشانہ بنایا۔ تینوں بھائیوں کے بعد اب صرف تنہا عباسؓ باقی رہ گئے تھے۔ یہ بڑھ کر حضرت حسینؓ کے سامنے آ گئے، اور چاروں طرف سے آپ کو بچانے لگے، اور اسی ناموسِ اکبر کی حفاظت میں جان دی[1]۔ عباسؓ کے بعد اہلِ بیت میں خود امام ہمام اور عابد بیمار کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا۔

فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار :

اللہ اللہ! یہ بھی نیرنگی دہر اور انقلابِ زمانہ کا کیسا عجیب اور کیسا عبرتناک منظر ہے کہ جس کے نانا کے گھر کی پاسبانی ملائکہ کرتے تھے، آج اس کا نواسہ بے برگ ونوا بے یار و مددگار کربلا کے دشت غربت میں کھڑا ہے اور روئے زمین پر خدا کے علاوہ اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

غزوۂ بدر میں جس کے نانا کی حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے اُترے تھے، آج اس کے نواسے کو ایک انسان بھی محافظ نہیں ملتا۔

ایک وہ وقت تھا کہ رسول اللہ ﷺ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ دشمنان اسلام کی ساری قوتیں پاش پاش ہو چکی تھیں۔ رحمتِ عالم کے دامنِ عفو و کرم کے علاوہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ بغض و عداوت اور دشمنی اور کینہ توزی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ بے بس ولاچار دربار رسالت میں حاضر کئے گئے تھے۔ ایک طرف ان کے جرائم کی طویل فہرست تھی۔ دوسری طرف رحمۃ للعالمین ﷺ کی شانِ رحمت و کرم۔

تاریخ کو معلوم ہے کہ سرکارِ رسالت ﷺ سے اس سنگین اور اشتہاری مجرم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا؟ قتل کی دفعہ عائد نہیں کی گئی، جلاوطنی کی سزا تجویز نہیں ہوئی، قید خانہ کی چار دیواری

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۲۶۸

میں بند نہیں کیا گیا۔ بلکہ "من دخل دار ابی سفیان فھو امن" یعنی "جوشخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے، اس کا جان و مال محفوظ ہے" کے اعلان کرم سے نہ صرف تنہا ابوسفیان کی جان بخشی فرمائی، بلکہ ان کے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں، آنحضرت ﷺ کے قتل کے مشورے ہو چکے تھے، دارالامن "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ" کی عملی تفسیر فرمائی گئی۔

ایک طرف یہ رحمت، یہ عفو و کرم اور یہ درگزر تھا۔ اور دوسری طرف رحمۃ للعالمین ﷺ کی ستم رسیدہ اولاد ہے۔ نبوت کا سارا کنبہ ابوسفیان کی ذریات کے ہاتھوں تہ تیغ ہو چکا ہے۔ کربلا کا میدان اہل بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔ جگر گوشۂ رسول کی آنکھوں کے سامنے گھر بھر کی لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ اعزہ کے قتل پر خون آنکھیں بار ہیں۔ بھائیوں کی شہادت پر سینہ وقف ماتم ہے، جواں مرگ لڑکوں اور بھتیجوں کی موت پر دل فگار ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی وحوش و طیور تک کے لئے امان ہے، لیکن جگر گوشۂ رسول کے لئے امان نہیں، اور آج وہی تلواریں جو فتح مکہ میں مفتوحانہ ٹوٹ چکی تھیں، دشت کربلا میں نوجوانانِ اہلِ بیت کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئیں اور حسینؓ کے خون کی پیاس میں زبانیں چاٹتی ہیں۔ لیکن پیکر صبر و قرار حسینؓ اس حالت میں بھی راضی برضا ہیں اور اس بے بسی میں بھی جادۂ مستقیم سے پاؤں نہیں ڈگمگائے۔

سنا ہوگا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شروع شروع میں اسلام کی دعوت شروع کی تو کفارِ مکہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس، جو آپ کے کفیل تھے، آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ اس پر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو سمجھایا کہ جانِ عم میرے اُوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اُٹھا بھی نہ سکوں۔ آنحضرت ﷺ کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے، وہ ابوطالب ہی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے پائے ثبات میں لغزش دیکھی تو آبدیدہ ہو کر فرمایا، خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا، یا خدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر سے نثار ہو جاؤں گا[1]۔

اس جواب کے بعد آنحضرت ﷺ پھر بدستور دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے اور قریش نے اس کے جواب میں آپ کو سخت سے سخت اذیتیں پہنچانا شروع کیں، لیکن اس راہ کے کانٹے آپ

---

[1] ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹

کے لئے پھول تھے۔اس لئے یہ تکلیفیں بھی آپ کو دعوتِ اسلام سے نہ روک سکیں۔قریش نے اپنی محدود نظر کے مطابق قیاس کیا تھا کہ محمد ﷺ کو نام و نمود اور جاہ وحشم کی خواہش ہے۔چنانچہ ان کا ایک نمائندہ عتبہ بن ربیعہ ان کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا،

محمد ﷺ کیا چاہتے ہو؟ کیا ملک کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ تمہارے لئے مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ تمہارے زیرِ فرمان ہو جائیں،لیکن تم ان باتوں سے باز آجاؤ۔لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی[1]۔

"قل ائنکم لتکفرون بالّذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له انداداً ذٰلک رب العٰلمین"۔ (سورۂ سجدہ : ۴۱ : ۹)

"اے محمد ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو،جس نے دو دن میں زمین پیدا کی اور اس کا مقابل ٹھہراتے ہو،یہ خدا سارے جہاں کا پروردگار ہے"۔

آج باون برس کے بعد حضرت حسینؓ پھر اسی اسوۂ نبوی ﷺ کو زندہ کرتے ہیں اور اُمت مسلمہ کو حق وصداقت،عزم واستقلال،اور ایثار وقربانی کا سبق دیتے ہیں،اور ناانصافی،حدود اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو پامال کرنے والی،خلقِ خدا کو اپنی ظالمانہ حکومت کا نشانہ بنانے والی اور محرمات الٰہی کو روا کرنے والی حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور بیانگ دہل اعلان فرماتے ہیں،کہ

لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم،محرماتِ الٰہی کو حلال کرنے والے،خدا کے عہد کو توڑنے والے،سنتِ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً وعملاً اس کو بدلنے کی کوشش نہ کی تو خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو اس ظالم بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کرے۔آگاہ ہو جاؤ،ان لوگوں نے شیطان کی حکومت قبول کی ہے اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ملک میں فساد پھیلایا ہے،حدود اللہ کو بے کار کر دیا ہے،مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں،خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔اس لئے مجھے اس کے بدلنے کا حق ہے[2]۔

آج بھی حق وصداقت کی اس آواز کو خاموش کرنے کے لئے یہ ترغیب دلائی جاتی ہے کہ حسینؓ تم اپنے بنی عم (یزید) کی اطاعت قبول کرلو،جو کچھ تم چاہتے ہو۔اس کو وہ پورا کریں گے اور ان کی جانب سے تمہارے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ ہوگا۔لیکن حضرت حسینؓ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی

---

[1] بعض آیتوں میں اُوپر کی آیات ہیں اور بعض میں حم کی ابتدائی آیات ہیں۔ [2] ابن اثیر۔جلد ۴۔ص ۴۰

قسم میں ذلیل آدمی کی طرح ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر میں ہاتھ غلام کی طرح اقرار نہ کروں گا۔ یہ جواب دے کر یہ آیت تلاوت فرماتے ہیں[۱]۔

" انی عذت بربی وربکم ان ترجمون .

انی عذت　　بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب"۔

''میں نے اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگی ہے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

میں اپنے اور تمہارے رب سے ہر مغرور و متکبر سے جو یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا، پناہ مانگتا ہوں''۔

کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد : '' ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و اھل بیت'' کا یہی مقصد تھا۔

آفتاب امامت کی شہادت :

اُوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تمام نوجوانانِ اہلِ بیت شہید ہو چکے ہیں اور اب اس خانوادۂ نبوت میں سوائے عابد بیمار اور امام خستہ تن کے کوئی باقی نہیں ہے۔ لیکن سنگدل شامی اس نوبت کے بعد بھی امام ہمام کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ چنانچہ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آ گئی کہ فلکِ امام کا آفتاب میدان جنگ کے اُفق پر طلوع ہوا، یعنی حضرت حسینؓ شامی فوج کی طرف بڑھے۔

ابن زیاد کے حکم کے مطابق ساتویں محرم سے حسینی لشکر پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ جب تک عباس علمدار زندہ تھے، جان پر کھیل کر پانی لے آتے تھے۔ لیکن ان کے بعد ساقی کوثر ﷺ کے نواسہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ تھا۔ اہلِ بیت کے خیموں میں جو پانی تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور امام کے لب خشک تھے، حلق سوکھ رہا تھا۔ اعزہ کے قتل سے دل فگار ہو رہا تھا، جی چھوٹ چکا تھا۔ اس لئے کوفیوں کے لئے آپ کا کام تمام کر دینا آسان تھا۔ لیکن وہ لاکھ سنگدل اور جفاکش سہی، پھر بھی مسلمان تھے۔ اس لئے جگر گوشۂ رسول کے خون کا بارِ عظیم اپنے سر نہ لینا چاہتے تھے۔ ہمت کر کے آگے بڑھتے تھے، لیکن جرأت نہ ہوتی تھی، ضمیر ملامت کرتا تھا اور پلٹ جاتے تھے[۲]۔

حضرت حسینؓ کی پیاس لحہ بہ لحہ بڑھتی جاتی تھی۔ آخر میں آپ نے رہوار کو فرات کی طرف موڑا کہ ذرا حلق نم کر کے کانٹے دور کریں، لیکن کوفیوں نے نہ جانے دیا۔ یہ وہی تشنہ لب ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ چند آدمیوں کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے کہ حسینؓ کے رونے کی آواز کانوں میں آئی، جلدی سے گھر گئے اور پوچھا میرے بیٹے کیوں رو رہے ہیں، فاطمہؓ نے کہا پیاسے ہیں۔

---

۱ طبری۔ جلد ۔ص ۳۳۰　　۲ مستدرک حاکم فضائل حسینؓ

اتفاق سے اس وقت گھر میں پانی نہ تھا۔ لوگوں سے پوچھا، لیکن کسی کے پاس نہ نکلا تو آپ نے یکے بعد دیگرے دونوں کو اپنی زبانِ مبارک چسا کر ان کی تشنگی فرو کری[1]۔

یہ اسی رحمت عالم ﷺ کا تشنہ لب نواسہ ہے کہ جب مکہ میں خشک سالی ہوتی تھی، فصلیں تباہ ہونے لگتی تھیں، سبزہ سوکھ جاتا تھا اور خلق اللہ بھوکوں مرنے لگتی تھی تو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان آتے تھے اور کہتے تھے، محمد ! تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمہاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی جارہی ہے۔ خدا سے پانی کی دعا کرو۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس سب سے بڑے دشمن کی درخواست پر پانی کے لئے دعا فرماتے تھے۔ دفعتاً ابر اُٹھتا تھا اور سات دن تک مسلسل اس شدت کی بارش ہوتی تھی کہ جل تھل ہو جاتا تھا[2]۔

ٹھیک باون (۵۲) برس کے بعد اسی رحمۃ عالم ﷺ اور دوست و دشمن کے سیراب کرنے والے کا نواسہ ایک قطرہ پانی کے لئے ترستا ہے اور انہیں ابوسفیان کی ذریات کے حکم سے پانی کی ایک بوند اس کی خشک حلق تک نہیں پہنچے پاتی ہے۔

آہ! صاحب اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر کا نواسہ اور یوں تشنہ کام ہے، ع

''تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو''

آخر جب پیاس کی شدت ناقابلِ برداشت ہوگئی، تو پھر ایک مرتبہ نرغۂ اعدا سے فرات کی طرف بڑھے اور ساحل تک پہنچ گئے۔ پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے ایسا تیر مارا کہ دہن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، آپ نے چلو میں پانی لے کر آسمان کی طرف اچھالا کہ اے بے نیاز یہ لالہ گوں منظر تو بھی دیکھ لے، کہ

بجرمِ عشق تو ام میکشند غوغائیست   تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

چلو سے خون کی نذر پیش کر کے فرمایا کہ ''خدا جو کچھ تیرے نبی کے نواسہ کے ساتھ کیا جارہا ہے اس کا شکوہ بھی تجھ ہی سے کرتا ہوں کہ مبادا ع

''خون من ریزی و گویند سزاوار نبود''

جس قدر امام نڈھال ہوتے جاتے تھے، شامیوں کی جسارت زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا امام میں تابِ مقاومت باقی نہیں ہے تو اہلِ بیت کے خیموں کی طرف بڑھے اور حضرت حسین ؓ کو ادھر جانے سے روک دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''تمہارا کوئی دین ایمان ہے؟

---

[1] مستدرک حاکم فضائل حسینؓ [2] بخاری جلد اول ابواب الاستسقاء ص ۱۳۷

تمہارے دلوں سے قیامت کا خوف بالکل ہی جاتا رہا؟ ان سرکشوں اور جاہلوں کو میرے اہلِ بیت کی طرف جانے سے روکو"۔ لیکن امام مظلوم کی فریاد کوئی نہ سنتا تھا، بلکہ آپ کی فریاد سے[1] ان کی شقاوت اور بڑھتی جاتی تھی۔ اور شمر لوگوں برابر اُبھار رہا تھا۔ اس کے اُبھارنے پر یہ شوریدہ بخت ہر طرف سے ٹوٹنے لگے۔ لیکن شمشیرِ حسینی ان بادلوں کو ہوا کی طرح اُڑا دیتی تھی۔ مگر ایک خستہ دل خستہ جگر اور زخموں سے چور ہستی میں سکت ہی کیا باقی تھی۔ یہ بھی حسینؓ ہی کا دل تھا کہ اب تک دشمنوں کے بے پناہ ریلے کو روکے ہوئے تھے۔ لیکن تا کجے، بالآخر وہ وقت آ گیا کہ ماہ خلافت کو شامیوں نے نرغہ کے تاریک بادلوں میں گھیر لیا۔

امام کو محصور دیکھ کر اہلِ بیت کے خیمہ سے ایک بچہ دوڑتا ہوا نکل آیا اور بحیر بن کعب سے جو حسینؓ کی طرف بڑھ رہا تھا، معصومانہ انداز سے کہا، خبیث عورت کے بچے میرے چچا کو قتل کرے گا۔ ہاشمی بچہ کی اس ڈانٹ پر اس بزدل نے بچہ پر تلوار کا وار کیا۔ بچہ نے ہاتھ پر روکا، نازک ہاتھ دیو ہیکل کا وار کس طرح روکتے، ہاتھ جھول گیا۔ حضرت حسینؓ نے بچہ کو نیم بسمل دیکھ کر سینہ سے چمٹا لیا اور کہا بیٹا صبر کرو۔ عنقریب خدا تم کو تمہارے اجداد سے ملا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ، علیؓ، حمزہؓ، جعفرؓ اور حسن کے پاس پہنچ جاؤ گے[1]۔ بچے کو تسلی دے کر ابن اسد اللہ الغالبؓ پھر حملہ آور ہوئے اور جدھر رُخ کر دیا دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں[2]۔

میدان کربلا میں قیامت بپا تھی۔ ہر طرف تلواروں کی چمک سے بجلی تڑپ رہی تھی کہ دفعتاً مالک بن بشیر کندی نے دوشِ نبوی ﷺ کے شہ سوار پر ایسا وار کیا کہ تلوار کلاہ مبارک کو کاٹتی ہوئی کاسۂ سر تک پہنچ گئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور سارا بدن خون کے چھینٹوں سے لالۂ احمر ہو گیا۔ پیراہن مبارک کی رنگینی پکار اُٹھی،

خلّہ سوختہ اند اہل بہشت از غیرت   تا شہیدانِ تو گلگوں کفنے ساختہ اند

لیکن اس وقت بھی امام ہمام کے صبر و سکون میں فرق نہ آیا۔ دوسری ٹوپی منگا کر زخمی فرق مبارک پر رکھی اور اس پر سے عمامہ باندھا اور شیر خوار بچہ کو گود میں لیا کہ اس کے بعد پدری شفقت کا سایہ سر سے اُٹھنے والا تھا۔ کسی سنگدل نے ایسا تیر مارا کہ بچہ گود میں تڑپ کر رہ گیا[3]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۷۶   [2] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۶۴   [3] اخبار الطوال۔ ص ۲۶۹ یہ اخبار الطوال کا بیان ہے کہ میدان کربلا میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا۔ اذان کے لئے امام کے پاس لایا گیا، کسی نے امام پر تیر چلایا، اتفاق سے وہ آپ کے بجائے بچہ کے حلق میں آ کر لگا اور اس معصوم نے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی بند کر لیں۔

جان نثار بہن یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر خیمہ سے نکل آئیں اور چلاتی ہوئی دوڑیں کہ کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا۔ ابن سعد حضرت حسینؓ کے پاس کھڑا تھا، اس سے کہنے لگیں، " عمر! کیا قیامت ہے۔ ابوعبداللہ قتل کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو"۔

گو ابن سعد کی آنکھوں میں جاہ و حشمت کی طمع نے پردے ڈال دیئے تھے۔ پھر بھی عزیز تھا، خون میں محبت تھی۔ زینبؓ کی فریاد سن کر بے اختیار رو دیا اور اتنا رویا کی رخسار اور ڈاڑھی پر آنسوؤں کی لڑی رواں ہوگئی اور فرط خجالت سے زینبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

امام ہمام لڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، " آج تم لوگ میرے قتل کے لئے جمع ہوئے ہو۔ خدا کی قسم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے، جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناراضی کا موجب ہوگا۔ خدا تم کو ذلیل کر کے مجھے اعزاز بخشے گا، اور تم سے اس طرح بدلہ لے گا کہ تمہیں خبر تک نہ ہوگی۔ خدا کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو خدا کی قسم تم پر خدا سخت عذاب نازل فرمائے گا اور تم میں باہم خون ریزی کرائے گا اور جب تک تم پر دونا عذاب نہ کر لے گا، اس وقت تک راضی نہ ہوگا"۔

حضرت حسینؓ کی حالت لحہ بہ لحہ غیر ہوتی جاتی تھی، زخموں سے سارا بدن چور ہو چکا تھا، لیکن کسی کو شہید کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور سب اس جبل معصیت کو ایک دوسرے پر ٹال رہے تھے۔ شمر یہ تذبذب دیکھ کر پکارا، تمہارا برا ہو، تمہاری مائیں لڑکوں کو روئیں۔ دیکھتے کیا ہو؟ بڑھ کر حسینؓ کو قتل کر دو، اس للکار پر شامی چاروں طرف سے امام ہمام پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شخص نے تیر مارا، تیر گردن میں آ کر بیٹھ گیا۔ امام نے اس کو ہاتھوں سے نکال کے الگ کیا۔

ابھی آپ نے تیر نکالا ہی تھا کہ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری، پھر گردن پر وار کیا، ان پیہم زخموں نے امام کو بالکل نڈھال کر دیا۔ اعضاء جواب دے گئے اور کھڑے ہونے کی طاقت باقی نہ رہی۔ آپ اُٹھتے تھے اور سکت نہ پا کر گر پڑتے تھے۔ عین اسی حالت میں سنان بن انس نے کھینچ کر ایسا کاری نیزہ مارا کہ فلکِ امامت زمین بوس ہو گیا۔

سنگدل اور شقی ازلی خولی بن یزید سر کاٹنے کے لئے بڑھا، لیکن ہاتھ کانپ گئے تھرا کے پیچھے ہٹ گیا اور سنان بن انس نے اس سر کو جو بوسہ گاہِ سرورِ کائنات ﷺ تھا، جسم اطہر سے جدا کر لیا۔ اور ۱۰۔ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں خانوادۂ نبوی ﷺ کا آفتابِ ہدایت ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

اس شقاوت اور سنگدلی پر زمین کانپ اٹھی۔ عرش الٰہی تھرا گیا، ہوا خاموش ہوگئی، پانی کی روانی رُک گئی، آسمان خون رویا، زمین سے خون کے چشمے پھوٹے، شجر و حجر سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں، جن و انس نے سینہ کوبی کی، ملائکہ آسمانی میں صفِ ماتم بچھی کہ آج ریاضِ نبوی ﷺ کا گل سر سبز مرجھا گیا۔ علیؓ کا چمن اُجڑ گیا اور فاطمہؓ کا گھر بے چراغ ہوگیا۔

چوں خون زحلق تشنۂ او برزمین رسید	جوش از زمین بہ ذروۂ عرش بریں رسید
نحل بلند او چو خساں برزمین زوند	طافان بآسمان زغبار ز، ین رسید
باد آن غبار چوں بمزارِ نبیؐ رساند	گرد از مدینہ برفلک ہفتمین رسید
کرد این خیال وہم غلط کار کان غبار	تا دامنِ جلال جہاں آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذاتِ ذوالجلال
او در دلست و ہیچ دلے نیست بے ملالی

ستم بالائے ستم:

امام ہمام کو شہید کرنے کے بعد بھی سنگدل اور خونی شامیوں کا جذبۂ عناد فرو نہ ہوا، اور شہادت کے بعد وحشی شامیوں نے اس جسدِ اطہر کو جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے جسدِ مبارک کا ٹکڑا فرمایا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ اس بہیمانہ شقاوت کے بعد لٹیرے پردہ نشینانِ عفاف کے خیموں کی طرف بڑھے اور اہلِ بیت کا سامان لوٹ لیا، ابھی خانوادۂ نبوی ﷺ میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ (عابد بیمار) باقی تھا، جس وقت شمر ان کے خیمے کی طرف آیا، اس وقت زین العابدینؓ بیمار تھے۔ سپاہی بولے اس کو کیوں چھوڑتے ہو؟ ایک شخص حمید بن مسلم کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا، سبحان اللہ! ابھی وہ کم سن ہیں، کمسنوں کو بھی قتل کرو گے۔[1]

ابھی یہ سپاہیوں کو سمجھا رہا تھا کہ عمر بن سعد آگیا۔ اس نے کہا خبردار کوئی شخص خیموں میں نہ جائے اور نہ اس بیمار کو ہاتھ لگائے۔ جس نے جو کچھ لوٹا ہو، سب واپس کر دے۔ عمر بن سعد کے اس کہنے پر سپاہیوں نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت عابدؓ پر اس برتاؤ کا بڑا اثر ہوا۔ آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن لوٹا ہوا مال کسی نے واپس نہ کیا۔[2]

---

[1] یہ صحیح نہیں کہ زین العابدینؓ کمسن بچہ تھے۔ بروایت صحیح اس وقت ان کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی لیکن اس وقت بیمار تھے اس لئے جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۶۲ [2] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۶۹۔ ۷۰

شہدائے بنو ہاشم کی تعداد اور ان کی تجہیز و تکفین :

حضرت حسینؓ کے ساتھ بہتر (۷۲) آدمی شہید ہوئے۔ان میں بیس (۲۰) آدمی خاندان بنی ہاشم کے چشم چراغ تھے۔

۱۔حسین بن علیؓ ۲۔عباس بن علیؓ ۳۔جعفر بن علیؓ ۴۔عبداللہ بن علیؓ ۵۔عثمان بن علیؓ ۶۔محمد بن علی ۷۔ابو بکر ابن علیؓ ۸۔علی بن حسین بن علیؓ (علی اکبر) ۹۔عبداللہ بن حسینؓ ۱۰۔ابو بکر بن حسنؓ ۱۱۔عبداللہ بن حسنؓ ۱۲۔قاسم بن حسنؓ ۱۳۔عون بن عبداللہ بن جعفر طیار ۱۴۔محمد عبداللہ بن جعفرؓ ۱۵۔جعفر بن عقیل بن ابی طالبؓ ۱۶۔عبدالرحمٰن بن عقیلؓ ۱۷۔عبداللہ بن عقیلؓ ۱۸۔مسلم بن عقیلؓ ۱۹۔عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ ۲۰۔محمد بن ابوسعید بن عقیلؓ۔

امام کی شہادت کے بعد اہلِ بیت نبوی ﷺ میں زین العابدینؓ، حسن بن حسنؓ، عمرو بن حسنؓ اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے۔زین العابدینؓ بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے اور بچے شیر خواری کی وجہ سے بچ گئے۔

تجہیز و تکفین :

شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔حضرت حسینؓ کا لاشہ بے سر کے دفن کیا گیا۔سر مبارک ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا۔

ابن زیاد کے سامنے جب سر مبارک پیش ہوا تو چھڑی سے لب اور دندان مبارک کو چھیڑنے لگا۔حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے۔ان سے یہ نظارہ نہ دیکھا گیا۔فرمایا، "چھڑی ہٹالو، خدائے واحد کی قسم ! میں نے رسول اللہ ﷺ کے لبِ مبارک کو ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے"۔یہ کہہ کر رو دیئے۔ابن زیاد بولا، خدا تیری آنکھوں کو ہمیشہ رُلائے، اگر تو بڈھا پھوس نہ ہوتا اور تیرے حواس جاتے نہ رہے ہوتے، تو تیری گردن اُڑا دیتا۔

ابن زیاد کے یہ گستاخانہ کلمات سُن کر آپ نے فرمایا کہ "قوم عرب آج تم نے غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں ڈال لیا۔تم نے ابن مرجانہ کے کہنے سے حسینؓ بن فاطمہؓ کو قتل کر دیا۔ابن مرجانہ نے تمہارے بھلے آدمیوں کو قتل کیا اور بڑوں کو غلام بنایا اور تم نے یہ ذلت گوارا کر لی۔اس لئے ذلیلوں سے دُور رہنا بہتر ہے"۔یہ کہہ کر اس کے پاس سے چلے گئے[1]۔

---

[1] ابن اثیر۔جلد ۴۔ص ۶۹۔۷۰

اہلِ بیت کا سفر کوفہ :

حضرت حسین ؓ کی شہادت کے بعد شامی بقیۃ السیف اہلِ بیت کو کربلا سے کوفہ لے چلے۔ اس وقت تک شہداء کی لاشیں اسی طرح بے گوروکفن پڑی ہوئی تھیں۔ اہلِ بیت کا یہ ستم رسیدہ اور لٹا ہوا قافلہ اسی راستہ سے گزرا۔ بے گوروکفن لاشوں پر عورتوں کی نظر پڑی تو قافلہ میں ماتم بپا ہو گیا۔ حضرت حسینؓ کی بہن اور صاحبزادیوں نے سر پیٹ لئے۔ زینبؓ رورو کر کہتی تھیں : کہ

اے محمد گو قیامت سر بروں آری زخاک

سر بروں آر د قیامت درمیاں خلق بین

''اے دادا جان محمد ﷺ جس پر ملائکہ آسمانی درود و سلام بھیجتے ہیں، آیئے دیکھئے! حسین ؓ کا لاشہ چٹیل میدان میں اعضاء بریدہ، خاک و خون میں آلودہ پڑا ہے، آپ کی لڑکیاں قید ہیں، آپ کی ذرّیت مقتول بچھی بچھی ہوئی ہے، ہوا ان پر خاک اُڑا رہی ہے''۔ یہ دلدوز بین سُن کر دوست و دشمن سب رو دیئے۔

اسی طرح سے یہ قافلہ کوفہ لے جا کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس قوت زینبؓ ننگے پاؤں نہایت خراب لباس اور خستہ حالت میں تھیں، لونڈیاں ساتھ تھیں۔ ابن زیاد نے اس زبوں حالت میں دیکھ کر پوچھا، یہ کون ہیں؟ زینبؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے مکرر سہ مکرر سوال پر ایک لونڈی نے کہا کہ زینب بنت فاطمہؓ ہیں۔ یہ سن کر اس سنگدل نے کہا، خدا کا شکر ہے، جس نے تم کو رسوا کیا۔ تمہیں قتل کیا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔ زینبؓ نے جواب دیا، ''تیرا خیال غلط ہے، خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو محمد رسول اللہ ﷺ سے نوازہ، اور ہم کو پاک کیا۔ ہم نہیں بلکہ فاسق (ابن زیاد) رسوا ہوتے ہیں اور جھٹلائے جاتے ہیں''۔ ابن زیاد بولا تم نے دیکھا، خدا نے تمہارے اہلِ بیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ زینبؓ نے جولب دیا، ''ان کی قسمت میں شہادت مقدر ہو چکی تھی، اس لئے وہ مقتل میں آئے اور عنقریب وہ اور تم خدا کے روبرو جمع ہو گے، اس وقت وہ اس کے سامنے اس کا انصاف طلب کریں گے''۔ یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد غصہ سے بیتاب ہو کر بولا، خدا نے تمہارے اہل بیت کے سرکش اور نافرمان آدمی سے میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔

شہید بھائی پر یہ چوٹ سن کر زینبؓ ضبط نہ کر سکیں اور رو کر کہنے لگیں، ''میری عمر کی قسم تم نے ہمارے ادھیڑوں کو قتل کیا، ہمارے گھر والوں کو نکالا، ہماری شاخوں کو کاٹا اور ہماری جڑ کو اُکھاڑا۔ اگر اسی سے تمہاری تسکین ہوتی تو ہو گئی''۔

ابن زیاد زینبؓ کے یہ بیباکانہ جوابات سن کر بولا: "یہ جرأت اور شجاعت! میری عمر کی قسم تمہارے باپ بھی شجاع تھے"۔ زینبؓ بولیں، "عورتوں کو شجاعت سے کیا تعلق"۔

اس کے بعد زین العابدینؓ پر اس کی نظر پڑی، پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟ جواب دیا، علی بن حسینؓ۔ نام سن کر کہنے لگا، کیا خدا نے علی بن حسینؓ کو قتل نہیں کیا؟ زین العابدینؓ خاموش رہے۔ ابن زیاد نے کہا بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام بھی علی تھا، وہ قتل ہوئے۔ ابن زیاد نے کہا، ان کو خدا نے قتل نہیں کیا۔ زین العابدینؓ پھر چپ ہو گئے۔ ابن زیاد نے پھر پوچھا، چپ کیوں ہو؟ انہوں نے جواب میں یہ آیت تلاوت کی:

" اللہ یتوفی الا نفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ"

"اللہ ہی نفسوں کو موت دیتا ہے، جب ان کی موت کا وقت آتا ہے۔ کسی نفس میں یہ مجال نہیں کہ بغیر اذن خداوندی کے مر جائے"۔

ان کا جوب سن کر کہا، تم بھی ان ہی میں ہو اور ان کے بلوغ کی تصدیق کرا کے قتل کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر زین العابدینؓ نے کہا، "ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے"۔ جان نثار پھوپھی زینبؓ یہ سفاکانہ حکم سن کر تڑپ گئیں اور ابن زیاد کے کہا، "ابھی تک تم ہمارے خون سے سیر نہیں ہوئے، کیا ہمارا کوئی بھی آسرا باقی نہ رکھو گے۔ یہ کہہ کر زین العابدینؓ سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے مصر ہوئیں کہ تم کو خدا کی قسم اگر ان کو قتل کرنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ مجھ کو بھی قتل کر دو"۔

لیکن زین العابدینؓ پر مطلق کوئی ہراس طاری نہ ہوا۔ انہوں نے نہایت سکون اور اطمینان سے کہا، "اگر مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو عزیز داری کا پاس کر کے اتنا کرو کہ کسی متقی آدمی کو عورتوں سے ساتھ کر دو، جو ان کو اچھی طرح پہنچا دے"۔ زین العابدینؓ کی یہ درخواست سن کر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا اور اس شقی کے دل میں بھی رحم آ گیا۔ حکم دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے چھوڑ دو[1]۔

سفرِ شام: ابن زیاد نے اہلِ بیت کے حالات اور شہداء کے سروں کا معائنہ کرنے کے بعد انہیں شام روانہ کر دیا اور خدا خدا کر کے اہلِ بیت کرام کی دربدری کی مصیبت ختم ہوئی۔ اہل بیت کے ساتھ جو کچھ اہانت آمیز برتاؤ ہوا وہ ابن زیاد کی ذاتی خباثتِ نفس کا نتیجہ تھا۔ یزید کا دامن ایک حد تک اس سے بری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شہادت کا واقعہ ہائلہ اور اس کے بعد اہل بیت کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۷۰۔۷۱

وہ یزید ہی کی خیر خواہی اور اسی کے عہد میں ہوئیں اور اس نے اس کا شرعی قصاص بھی نہیں لیا۔اس حیثیت سے یقیناً وہ مجرم ہے اور بہت بڑا مجرم ہے۔لیکن درحقیقت ان تمام واقعات کو اس کے حکم سے کوئی تعلق نہیں۔یہ سب واقعات بغیر اس کے حکم کے اور اس کی لاعلمی میں ہوئے۔اس لئے ان کی ذمہ داری زیادہ تر ابن زیاد کے سر ہے۔یزید کو تاعمر اس کا قلق رہا، جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا۔

حضرت حسینؓ کی خبر شہادت پر یزید کا تاثر اور اس کی برہمی :

چنانچہ سب سے اول جب زحر بن قیس نے یزید کے دربار میں حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچائی اور غایت خیر خواہی میں اس کو پوری تفصیل سے مزے لے کر بیان کرنے لگا تو یزید انہیں سن کر آبدیدہ گیا اور بولا۔"اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو۔اگر میں ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا، خدا حسینؓ پر اپنی رحمت نازل کرے"۔زحر نے انعام واکرام کی طمع میں بڑی لفاظی اور حاشیہ آرائی کے ساتھ شہادت کا واقعہ بیان کیا تھا۔لیکن یزید نے اسے کچھ بھی نہ دیا[1]۔

علامہ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دنیوری جن کو اہل بیت نبوی ﷺ کے ساتھ خاص عقیدت ہے۔اُوپر کا واقعہ اپنی تاریخ اخبار الطوال میں اس طرح لکھتے ہیں۔کہ

جب یزید نے حسینؓ کی شہادت کے واقعات سنے تو آبدیدہ ہوگیا اور کہا تم لوگوں کا بُرا ہو۔اگر تم لوگ حسینؓ کو چھوڑ دیتے تو میں زیادہ خوش ہوتا۔ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو۔ خدا کی قسم ! اگر میں حسینؓ کے پاس موجود ہوتا، تو ان کو معاف کر دیتا، خدا ابوعبداللہ پر رحمت نازل فرمائے[2]۔

شاتمین اہل بیت کو تنبیہ اور حضرت حسینؓ کے سر سے خطاب :

جب محضر بن ثعلبہ اہل بیت کا ستم رسیدہ قافلہ لے کر یزید کے پھاٹک پر پہنچا تو چلایا کہ محضر بن ثعلبہ امیر المومنین کی خدمت میں لئیموں اور فاجروں کا سر لایا ہے۔یزید نے یہ صدا سن کر کہا کہ اُم محضر نے جو بچہ جنا ہے وہ سب سے زیادہ شریر اور لئیم ہے۔اس کے بعد جب حضرت حسینؓ اور دوسرے مقتولوں کے سر اس کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے حضرت حسینؓ کے سر پر ایک نگاہ ڈالی اور ایک شعر پڑھ کر کہا، خدا کی قسم ! اگر تمہارے ساتھ ہوتا، تو تم کو قتل نہ کرتا۔اس کے بعد یحییٰ بن حکم نے ایک قطعہ پڑھا، جس میں اُبن سمیہ کی تعریف اور اہل بیت پر کچھ طعن تھا۔یزید نے سن کر اس کے سینے پر ہاتھ مارا، اور ڈانٹ کر خاموش کیا[3]۔

---

[1] طبری۔جلد ۷۔ص ۳۷۵ [2] اخبار الطوال۔ص ۲۷۲ [3] طبری۔جلد ۷۔ص ۳۷۶

شہداء کے سروں کے ملاحظہ کے بعد اہل بیت کے قافلہ کو طلب کیا اور امرائے شام کے روبرو زین العابدین سے کہا، علی! تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا۔ میرے حق سے غفلت کی اور حکومت میں جھگڑا کیا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ زین العابدین نے اس پر یہ آیت تلاوت کی :

" ما اصاب من مصيبةٍ في الارض ولا في نفسكم الافي كتاب من قبل ان نبرأها "۔ (سورۂ حدید)

" جتنی مصیبتیں روئے زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں، وہ سب ہم نے ان کے پیدا کرنے سے پہلے کتاب میں لکھ رکھی ہیں "۔

یہ جواب سن کر یزید نے اپنے لڑکے خالد سے کہا کہ تم اس کا جواب دو۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا، تو یزید نے خود بتایا، کہ کہو

" ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفو عن كثير "۔

" تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے ہاتھوں کے اعمال کا نتیجہ ہے، اور بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے "۔

اہلِ بیتِ نبوی ﷺ کا معائنہ اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ :

اس سوال و جواب کے بعد عورتوں اور بچوں کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا، اس وقت یہ سب نہایت ابتر حالت میں تھے۔ یزید نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہا، " خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے، اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور نہ اس طرح سے تم کو بھیجتا۔ فاطمہ بنت علیؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہوگئی اور ہمارے لئے کوئی حکم دیا۔ اور بڑی نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کیا[1]۔

علامہ ابن اثیر اسی مجلس کا واقعہ لکھتے ہیں : کہ

اہل بیت کے فضائل کا اعتراف :

یزید نے امام حسینؓ کے سر سے مخاطب ہو کر کہا کہ حسینؓ اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا تو کبھی تم کو قتل نہ کرتا، پھر حاضرین سے مخاطب ہوا کہ تم لوگ جانتے ہو، ان کا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ " ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے، ان کی ماں فاطمہؓ میری ماں سے، ان کے دادا

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ۷۳

رسول اللہ ﷺ میرے دادا سے بہتر تھے اور وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے"۔ ان کے اس قول کا جواب کہ ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے بہتر تھے یہ ہے کہ "ان کے باپ اور میرے باپ نے خدا سے محاکمہ چاہا اور لوگوں کو معلوم ہے کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دیا"۔

ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں تو "میری عمر کی قسم مجھے اعتراف ہے کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں"۔ اور ان کا یہ کہنا کہ ان کے دادا رسول اللہ ﷺ میرے دادا سے بہتر تھے، تو میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی وہ مسلمان جو خدا اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ہم میں سے کسی کو رسول اللہ کا مثل نہیں ٹھہرا سکتا۔ مگر افسوس انہوں نے "**قل اللّٰھم مالک الملک**" کا خدائی فرمان نہیں پڑھا تھا"[1]۔

یزید کے گھر میں حسینؓ کا ماتم اور زین العابدینؒ کے ساتھ برتاؤ :

اہل بیت سے گفتگو کے بعد ان سب کو خاص حرم سرا میں ٹھہرانے کا حکم دیا۔ یزید خود حضرت حسینؓ کا رشتہ دار تھا، اس کی عورتیں بھی عزیز تھیں۔ اس لئے ستم رسیدہ قافلہ کے زنانہ خانہ میں داخل ہوتے ہی یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا اور ساری عورتوں نے نوحہ کیا۔ تین دن تک کامل یزید کے گھر میں ماتم بپا رہا۔ اس دوران یزید برابر زین العابدینؒ کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بلا کر کھلاتا تھا[2]۔

نقصانِ مال کی تلافی اور سکینہ کی منت پذیری :

یاد ہوگا کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شامی وحشیوں نے اہل بیت نبوی کا کل ساز و سامان لوٹ لیا تھا اور ابن سعد کے حکم کے باوجود کسی نے واپس نہ کیا تھا۔ یزید نے اس کی پوری تلافی کی اور تمام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر جن جن کا جس قدر مال و متاع گیا تھا، اس سے دگنا مال دلوایا۔ سکینہ بنت حسینؓ اس کے اس تلافی مافات سے بہت متاثر ہوئیں۔ چنانچہ وہ کہتی تھیں کہ میں نے منکرین خدا میں سے یزید سے بہتر کسی کو نہ پایا[3]۔

اگر میری اولاد بھی کام آجاتی تو حسینؓ کو بچاتا اور ہر قسم کی امداد کا وعدہ :

چند دن قیام کرنے کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھجوانا چاہا اور سب کو بلا کر زین العابدینؒ سے کہا۔ ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر میں ہوتا تو حسینؓ جو کچھ کہتے میں مان لیتا اور ان کی جان بچانے کی پوری کوشش کرتا، خواہ اس میں

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۷۳ [2] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۷۸ [3] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۸۱

میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی۔لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہو چکی۔بہر حال جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو فوراً مجھے لکھنا[1]۔

شام سے اہل بیت کی مدینہ روانگی اور اس کے لئے انتظامات :

ان سب سے مل کر نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ اہل بیت کی ضروریات کا کل سامان مہیا کیا جائے اور چند دیانتدار اور نیک شامیوں کے ساتھ انہیں رخصت کیا جائے اور حفاظت کے لئے مدینہ تک سواروں کا دستہ ساتھ کیا جائے ۔اس حکم پر جملہ ضروری سامان مہیا کیا گیا اور یزید نے انہیں رخصت کیا۔جو لوگ حفاظت کے لئے ساتھ کئے گئے تھے،انہوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے،ایک لحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوتے تھے۔جہاں قافلہ منزل کرتا تھا،یہ لوگ پردہ کے خیال سے الگ ہٹ جاتے تھے۔اسی حفاظت و مدارات کے ساتھ قافلہ مدینہ پہنچا۔مخدرات اہل بیت کے شریف اور منت پذیر دل ان محافظوں کے شریفانہ سلوک سے بہت متاثر ہوئے۔

چنانچہ فاطمہؓ اور زینبؓ نے اپنے کنگن اور بازو بند اُتار کر شکرانہ کے طور پر بھیجے اور زبانی کہلایا کہ اس وقت ہم معذور ہیں،اسی قدر معاوضہ دے سکتے ہیں۔لیکن نعمان ابن بشیر نے اس کو واپس کر دیا اور کہا اگر ہم نے دنیاوی منفعت کے لئے یہ خدمت کی ہوتی تو یہ چیزیں معاوضہ ہو سکتی تھیں۔لیکن خدا کی قسم ہم نے جو کچھ کیا،وہ خالصۃ للہ اور رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے خیال سے کیا ہے[2]۔

بعض غیر مستند روایات پر تنقید :

اُوپر کے واقعات سے اہل بیت نبوی ﷺ کے ساتھ یزید کے برتاؤ کا پورے طور پر اندازہ ہو جاتا ہے اور ان بے سروپا انسانوں کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے،جن سے مخدرات عصمت مآب کی سخت توہین ہوتی ہے۔البتہ دو ایک واقعات ضرور اس قسم کے ملتے ہیں جو نازیبا کہے جا سکتے ہیں اور یقیناً قابلِ ملامت ہیں۔لیکن ان واقعات کی صحت ہی محل نظر ہے۔بہر حال وہ واقعات ہم اس موقع پر بجنسہٖ نقل کرتے ہیں :

ایک واقعہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت علیؓ نوخیز اور خوبصورت تھیں ۔ خاندان نبوی ﷺ کی مستورات یزید کے سامنے پیش کی گئیں تو فاطمہؓ کو دیکھ کر ایک شامی وحشی نے کہا ''امیر المومنین'' یہ لڑکی مجھے دید یجئے۔اس کی فرمائش پر فاطمہؓ ڈر گئیں اور اپنی بڑی بہن کا کپڑا پکڑ لیا۔زینبؓ ان سے عمر میں بڑی تھیں،وہ جانتی تھیں کہ یزید شرعاً فاطمہؓ کو کسی کے حوالہ نہیں کر سکتا۔اس لئے انہوں نے

---

[1] ایضاً۔ص ۳۷۹ [2] ابن اثیر۔جلد ۴۔ص ۷۶

اس شامی کو ڈانٹا تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تو یہ لڑکی نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ یزید کو۔

چونکہ زینبؓ نے جواب میں یزید کو بھی شامل کر لیا تھا، اس لئے یزید نے کہا تم جھوٹ کہتی ہو اگر میں چاہوں تو اس لڑکی کو لے سکتا ہوں۔ زینبؓ نے پھر کہا، جب تک تم ہمارا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار نہ کر لو۔ اس وقت تک تمہارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں (یعنی مال غنیمت کے طور پر مسلمان عورت پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا)۔ اس پر یزید اور زیادہ برہم ہو گیا اور کہا یہ خطاب مجھ سے ہے، میں دین سے نکلوں یا تمہارے باپ اور بھائی دین سے نکلے تھے۔

زینبؓ نے کہا، خدا کے دین، میرے باپ کے دین، میرے نانا کے دین سے تم کو تمہارے باپ کو اور تمہارے دادا کو ہدایت ملی۔ یزید نے کہا دشمن خدا تو جھوٹ کہتی ہے۔ زینبؓ نے جواب دیا تو تو جابر امیر ہے۔ اس لئے ظلم سے برا کہتا ہے اور اپنی بادشاہت کے زعم میں استبداد کرتا ہے۔ اس جواب پر یزید شرما کر خاموش ہو گیا۔

شامی نے پھر کہا، امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت ہو۔ شامی کے دوبارہ کہنے پر یزید نے اس کو ڈانٹا، کہ خدا تجھ کو موت دے اور کبھی تجھے بیوی بھی نصیب نہ ہو[۱]۔

گو یہ طبری کی روایت ہے۔ لیکن اس کا راوی حارث بن کعب شیعہ ہے[۲]۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یزید کی مخالفت میں اس روایت سے کیا پایا ہوگا۔ اس تدلیس کا اندازہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بھی لکھا ہے۔ مگر اس میں یزید کی اس تلخ گفتگو کا کوئی ذکر نہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جب اہل بیت کا قافلہ یزید کے پاس پہنچا تو جو شامی وہاں تھے، یزید کے پاس فتح مبارکباد دینے کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے ایک سرخ رنگ کے آدمی نے اہل بیت کی ایک لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا" امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔ زینبؓ بولیں، خدا کی قسم یہ لڑکی نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ یزید کو، جب تک وہ اللہ کے دین سے نہ نکل جائے۔ شامی نے دوبارہ پھر سوال کیا، مگر یزید نے روک دیا[۳]۔

اس روایت میں یزید کی سخت کلامی کا مطلق تذکرہ نہیں اور اس واقعہ میں جو بدنمائی تھی وہ بھی بالکل نہیں پائی جاتی۔ درایۃً بھی یہ روایت خلاف قیاس ہے، کیونکہ جس لڑکی کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس کا نام فاطمہ بنت علیؓ بتایا ہے۔ اور اس کے لئے جاریہ کا استعمال کیا گیا ہے، یعنی اس وقت بہت

---

۱ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۷۷۔ ۳۷۸ ۲ لسان المیزان۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶ ۳ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۳

کم سن لڑکی تھیں۔ حالانکہ اس وقت فاطمہ بنت علیؓ کی عمر ۲۴، ۲۵ سال سے کم نہ رہی ہوگی۔ کیونکہ حضرت علیؓ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اور ۶۱ھ کا یہ واقعہ ہے۔ اس لئے اگر حضرت علیؓ کی وفات کے وقت فاطمہؓ کی عمر دو تین سال بھی مانی جائے، تب بھی ۶۱ھ میں وہ ۲۴ سال کی ہوں گی، اور جاریہ سے گزر کر وہ پوری بال بچوں والی عورت ہوں گی۔ کیونکہ جاریہ کمسن اور نوخیز لڑکی کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے سرے سے اس واقعہ کی صحت ہی مشتبہ ہو جاتی ہے۔

دوسرا مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر مبارک لایا گیا تو اس نے چھڑی سے دندانِ مبارک کو ٹھوکا دیا۔ مگر یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ واقعہ ابن زیاد کا ہے، جس کو غلط فہم راویوں نے یزید کی طرف منسوب کر دیا۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ جن صحابہ سے یہ واقعہ مروی ہے، وہ شام میں موجود ہی نہ تھے[1]۔

ان دو واقعوں کے علاوہ اور کوئی قابلِ ذکر واقعہ کسی مستند تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ باقی عام طور جو پُر درد افسانے شہادت ناموں میں ملتے ہیں، وہ محض مجالسِ عزا کی گرمی کے لئے گھڑ لئے گئے ہیں۔ کہ ع

'' بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستان کے لئے ''

ورنہ تاریخی حیثیت سے ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ البتہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ پر چوٹ اور طعن وطنز کی بہت سی مثالیں ہیں۔ لیکن یہ تمام باتیں یزید کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ امیر معاویہؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ کے سوا شروع سے آخر تک قریب قریب تمام اُموی فرمانروا اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور یہ ان کی خاندانی چشمک کا نتیجہ تھا۔

واقعۂ شہادت پر ایک نظر :

درحقیقت حضرت حسینؓ کا واقعہ شہادت بھی منجملہ ان واقعات کے ہے، جس میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے بڑی افراط وتفریط سے کام لیا ہے۔ بعض اسے اتنا گھٹاتے ہیں کہ خاکم بدہن حضرت حسینؓ کو حکومت کا باغی قرار دے کر آپ کے قتل کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ اور بعض اتنا بڑھاتے ہیں کہ اس کا اندرونی سلسلہ تکمیل نبوت سے ملا دیتے ہیں۔

---

[1] منہاج السنہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۹

خود اہل سنت کے اکابر علماء نے اس میں بڑی بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ چنانچہ بعضوں نے واقعۂ شہادت اور تکمیلِ نبوت میں اس طرح ایک مخفی رشتہ قائم کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام انبیاء کے انفرادی فضائل ذات پاک محمدی ﷺ میں جمع کر دیئے تھے اور آپ کی ذات گرامی حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ ید بیضاداری کی حامل اور آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہاداری کی مصداق تھی۔ خدا کی راہ میں شہادت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ جس سے اس نے بہت سے محبوب انبیاء کو نوازہ۔

لیکن چونکہ ذات محمدی ان سب سے اعلیٰ وارفع تھی اور اُمت کے ہاتھوں شہادت آپ کے مرتبۂ نبوت سے فروتر تھی۔ اس لئے اس منصب کی تکمیل کے لئے آپ کے نواسہ کو جو گویا آپ کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا تھے انتخاب فرمایا۔ اس طرح سے آپ کی جامعیت کبریٰ میں جو خفیف سا نقص باقی رہ گیا تھا اس کی تکمیل ہوگئی۔

خوش اعتقادی کا اقتضا یہ ہے کہ ان بزرگوں کے خیالات کو عقیدت کے دل سے قبول کر لیا جائے۔ لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس قسم کے خیالات کی حیثیت شاعرانہ نکتہ آفرینی اور خوش خیالی سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت کی تکمیل کے لئے کسی بیرونی جزو کی ضرورت نہیں۔ نبوت خود ایسا جامع اور کامل وصف ہے، جو اپنی تکمیل کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہیں۔ ہزاروں انبیاء و رسل دنیا میں آئے، لیکن کیا ان میں سے سب خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے اور جن کو یہ منصب نہیں ملا، ان کی نبوت ناقص رہ گئی؟ غالباً کوئی صاحبِ مذہب بھی تسلیم نہ کرے۔

پھر ذات پاک محمدی ﷺ تو خود قصرِ نبوت کی آخری تکمیلی اینٹ تھی۔ جس کے بعد کسی کمال کی حاجت نہیں۔ اور سورۂ فتح اور سورۂ مائدہ نے اس تکمیل پر تصدیقی مہر کر دی تھی اور بالفرض تکمیل نبوت کے لئے کسی درجہ پر شہادت کی ضرورت تسلیم بھی کر لی جائے (اگرچہ اس کی مذہبی سند نہیں ہے) تو غزوۂ احد میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت پر اس کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اور چچا کی شہادت کے بعد نواسہ کی شہادت کا انتظار باقی نہ رہ گیا تھا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ شہادت گو مرتبۂ نبوت سے فروتر ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں تکمیل فرض نبوت کے خاطر کیا کیا مصائب نہیں برداشت کئے، ہر طرح کی سختیاں سہیں، دشمنوں کی گستاخیاں برداشت کیں، گلوئے مبارک میں پھندا ڈالا گیا، راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، پشت مبارک پر نجاستوں کے انبار لادے گئے، سنگباری سے جسم مبارک سے خون کے فوارے چھوٹے، دندان مبارک شہید کیا گیا، گھر سے بے گھر ہوئے، جان تک لینے کی تیاریاں کی گئیں۔ کیا میزان آزمائش میں شہادت کے مقابلہ میں یہ قربانیاں ہلکی رہیں گی۔

ہرگز نہیں۔ایک مرتبہ جان دے دینا تو پھر بھی آسان ہے،لیکن مسلسل مشق ستم بنا رہنا اس سے بہت دشوار ہے۔اس کے علاوہ اگر مذہبی حیثیت سے اس قسم کی خیال آرائیوں پر غور کیا جائے تو ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔اس کی تائید میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی تو نہیں مل سکتی اور بغیر حدیث کی شہادت کے اسے کسی طرح قبول نہیں کیا جاسکتا۔مذہب اسلام میں بہت سی گمراہیاں اسی منصب نبوت کے ساتھ افراط وتفریط کرنے سے ہوئی ہیں۔اس لئے اس قسم کے تخیلات سے محض شاعرانہ نکتہ کی حیثیت سے لطف لیا جاسکتا ہے،لیکن اسے اعتقاد نہیں بنایا جاسکتا۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس شہادت کی حیثیت کیا تھی؟ کیا حضرت حسینؓ محض خلافت کے لئے کوفہ گئے،مگر اس میں ناکام رہے اور قتل کردیئے گئے یا اس کے اندر کوئی اور راز مضمر تھا۔اگر پہلی صورت مان لی جائے تو پھر حسینؓ کی شہادت اور عام حوصلہ مندوں کی قسمت آزمائی میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔اس کے جواب کے لئے یزید کی ولی عہدی سے لے کر واقعۂ شہادت تک کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے کہ یزید کی ولی عہدی کی مذہبی حیثیت کیا تھی اور کن حالات میں مسلمانوں نے اسے ولی عہد تسلیم کیا تھا؟ اور اس کے ہمعصروں میں اس منصب کے لئے اس سے زیادہ اہل اشخاص موجود تھے یا نہیں؟ اور خلافت کے بعد اس کا طرزِ حکومت کیسا تھا؟

حضرت امیر معاویہؓ نے جس طرح یزید کو ولی عہد بنایا تھا۔اس کی تفصیل اُوپر ان کے حالات میں گزر چکی ہے۔گو اس بارے میں روایات مختلف ہیں تاہم اتنا قدرِ مشترک ہے کہ مدینہ کے ارباب رائے صحابہؓ نے خوشی سے امیر کی یہ بدعت تسلیم نہیں کی اور عبداللہ بن زبیرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حسینؓ اور دوسرے نوجوانوں نے علی الامکان اس کی مخالفت کی تھی۔ابن زبیرؓ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم خلافت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے طریقہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ قبول نہیں کرسکتے۔عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے اس سے بھی زیادہ تلخ لیکن صحیح جواب دیا۔

مروان نے جب مدینہ میں یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا تو کہا،امیر المؤمنین معاویہ چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ وعمرؓ کی سنت کے مطابق اپنے لڑکے یزید کو خلیفہ بنا جائیں۔عبدالرحمن نے جواب دیا یہ ابوبکرؓ وعمرؓ کی سنت نہیں ہے بلکہ کسریٰ وقیصر کی ہے۔ابوبکرؓ وعمرؓ نے اپنی اولاد کو اپنا جانشین نہیں کیا،بلکہ اپنے خاندان میں سے بھی کسی کو نہیں بنایا۔لیکن چونکہ عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے بڑی حد تک حریت وآزادی کا خاتمہ ہوچکا تھا۔اس لئے کچھ لوگوں نے امیر معاویہ کے دبدبہ وشکوہ سے مرعوب ہوکر،کچھ لوگوں نے مال وزر کے طمع میں اور بعضوں نے محض اختلاف اُمت کے خطرہ سے

بچنے کے لئے یزید کو ولی عہد مان لیا۔ جو لوگ مخالف تھے، انہوں نے بھی جان کے خوف سے خاموشی اختیار کر لی۔ بہر حال کسی نے خوش دلی کے ساتھ یزید کو ولی عہد تسلیم نہیں کیا۔

حضرت ابن زبیرؓ، حسینؓ، عبدالرحمٰنؓ گو خاموش ہو گئے تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی ولی عہدی تسلیم نہیں کی تھی۔ امیر معاویہؓ نے ان سے یہاں تک کہا کہ تم لوگ یزید کو محض خلیفہ کا نام دے دو، باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا مصرف سب تمہارے ہاتھوں میں رہے گا۔ لیکن اس قیمت پر بھی انہوں نے آمادگی ظاہر نہ کی۔ ان کے انکار پر امیر معاویہؓ بھی مصلحت وقت کے خیال سے خاموش ہو گئے۔

یہ یزید کی ولی عہدی کی صورت تھی۔ اس کے علاوہ اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ اس وقت یزید سے بہتر اشخاص اس منصب کے موجود تھے تو یزید کی ولی عہدی اور زیادہ قابلِ اعتراض ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا تینوں بزرگ میں سے ہر ایک یزید کے مقابلہ میں زیادہ اہل تھا۔ اکابر صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دوسرے دوسرے بزرگ موجود تھے۔ جن کے ہوتے ہوئے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جا سکتا تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ نے ان تمام شخصیتوں سے قطع نظر کر کے یزید کو ولی عہد بنا دیا۔

اس کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو بھی اس نے اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت نہیں کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان بزرگوں کے مشورے سے نظام حکومت چلاتا یا کم از کم امیر معاویہؓ کی طرح نرم پالیسی رکھتا، اس نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی استبداد شروع کر دیا اور عمائد مکہ سے بیعت لینے کے احکام جاری کئے۔

ایسی صورت میں حضرت حسینؓ اس نامنصفانہ حکم کو مان لیتے اور یزید کی غیر شرعی بیعت کو قبول کر کے تاریخ میں ظلم و ناانصافی کے سامنے سپر ڈالنے کی مثال قائم کرتے یا اس کے خلاف آواز بلند کر کے استبداد کے خلاف عملی جہاد کا سبق دیتے۔

ان دونوں صورتوں میں آپ نے دوسری صورت اختیار کی اور اس حکومت کے خلاف اٹھ کر جو غیر شرعی طریق پر قائم ہوئی تھی اور جس نے بہت سی اسلامی روایات کو پامال کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے حریت و آزادی کا سبق دے دیا۔ جس کا ثبوت خود حضرت حسینؓ اور آپ کے دعاۃ کی تقریروں سے ملتا ہے۔ چنانچہ مسلم بن عقیل پر جب ابن زیاد نے یہ فرد جرم قائم کی کہ

---

[۱] تاریخ الخلفاء، سیوطی۔ ص ۱۹۵

"لوگ متحد الخیال تھے، ایک زبان تھے، تم انہیں پراگندہ کرنے، ان میں پھوٹ ڈلوانے اور آپس میں لڑانے کے لئے آئے"۔ تو مسلمؓ نے اس کا یہ جواب دیا :

"کلا لست ولکن اھل المصر زعموا ان اباک قتل خیارھم وسفک دماء ھم وعمل فیھم اعمال کسریٰ و قیصر فاتیناھم لنار بالعدل وند عوا انی حکم الکتاب "۔

"ہرگز نہیں، میں خود سے نہیں آیا۔ بلکہ شہر (کوفہ) والوں کا خیال تھا کہ ان کا خون بہایا اور ان میں کسریٰ و قیصر کا سا طرز عمل اختیار کیا۔ اس لئے ہم ان کے پاس آئے تا کہ ہم لوگوں کو انصاف کا حکم اور کتاب اللہ کے حکم کی دعوت دیں"۔

مسلم بن عقیلؓ کے بعد جب حضرت حسینؓ خود تشریف لائے تو مقام بیضہ میں اپنے آنے کے یہ اسباب بیان کئے :

" قال ابو مخنف عن عقبه بن ابی العیزار ان الحسین خطب اصحابه واصحاب الحرّ بالبیضة فحمد الله واثنی علیه ثم قال ایهاالناس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من رای سلطانا جائرًا مستحلاً لحرم الله ناکثا لعهد الله مخالفا لسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یعیر علیه بفعل ولا قول کان حقًا علیٰ الله ان یدخله مدخله الا وان هولاء قد لزمر اطاعة الشیطان وترکو اطاعة الرحمٰن واظهروا الفساد وعطّلوا الحدود واستاثروا بالفی واحلّوا حرام الله وحرّموا حلاله وانا احق من غیّر وقد اتتنی کتبکم وقدمت علیَّ رسلکم ببعیتکم انکم لا لسلمونی ولا تخذلونی فان تممتم علی بعیتکم تصیبوا رشدکم فانا الحسین بن علی وابن فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم نفسی مع انفسکم واهله مع اهلکم ، فلکم فی اسوة وان لم تفعلوا ونقضتم عهدکم وخلعتم بیعتی من اعنا فکم فلعمری ما هی لکم بنکیر لقد فعلتموها بابی واخی وابن عمی مسلم والغرور من اغتربکم فخظلکم اخطاتم ونصیبکم ضیعتم ومن نکث فانماینکث علی نفسه وسیغنی الله عنکم" ۔ والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ

(طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۰۰)

"ابومخنف عقبہ بن ابی العیز ار سے روایت کرتے ہیں کہ مقام بیضہ میں حسینؓ نے اپنے اور حر کے ساتھیوں کے سامنے خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد کہا، لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا، جو ظالم ہے، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے، سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالف کرتا ہے، خدا کے بندوں میں گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور دیکھنے والے کو اس پر عملاً یا قولاً غیرت نہ آئی تو خدا کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ اس دیکھنے والے کو دوزخ میں داخل کردے۔ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں (بنی اُمیہ) نے شیطان کی اطاعت قبول کرلی ہے اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ خدا کی زمین پر فتنہ وفساد پھیلا رکھا ہے، حدود اللہ کو بے کار کردیا ہے، مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کردیا ہے۔ اس لئے مجھے ان باتوں پر غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔ میرے پاس بلاوے کے تمہارے خطوط آئے، بیعت کا پیام لے کے تمہارے قاصد آئے، انہوں نے کہا کہ تم مجھے دشمنوں کے حوالے نہ کروگے اور بے یارو مددگار نہ چھوڑوگے۔ پس اگر تم اپنی بیعت کے حقوق پورے کروگے تو ہدایت پاؤگے۔ میں حسینؓ علیؓ ابن طالب اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا بیٹا ہوں، میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل بیت تمہارے گھر والوں کے ساتھ ہیں۔ تمہارے لئے میری ذات نمونہ ہے۔ اب اگر تم اپنے فرائض پورے نہ کروگے اور اپنا عہد وپیمان توڑ کر اپنی گردنوں سے میری بیعت کا حلقہ اُتاردوگے تو خدا کی قسم تم سے یہ بھی بعید نہیں، تم میرے باپ، بھائی اور میرے ابن عم مسلمؓ کے ساتھ ایسا کرچکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے، جو تمہارے فریب میں آگیا، تم نے نقض عہد کرکے اپنا حصہ ضائع کردیا۔ جو شخص عہد توڑتا ہے، اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے اور عنقریب خدا مجھ کو تمہاری امداد سے بے نیاز کردے گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس تقریر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کا آنا محض حصول خلافت کے لئے نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد اسلامی خلافت کا احیا تھا۔ یعنی موروثی حکومت کے اثرات سے اس کے نظام میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں، ان کو دور کرکے پھر خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی جائے۔ اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے خود اس کی خواہش نہیں کی، بلکہ جب

اہل عراق نے پیہم خطوط سے آپ کو اس کا یقین دلا دیا کہ ان کے لئے یزید کی حکومت نا قابل برداشت ہے، اس وقت آپ نے کوفہ کا قصد فرمایا۔

اسی لئے آپ کے تشریف لانے کے بعد جب عراقیوں نے دھوکہ دے دیا تو آپ واپس جانے پر آمادہ ہو گئے اور فرمایا کہ تم نے اپنی شکایات کی بنا پر مجھے بلایا تھا۔ اب جب کہ تم اسے پسند نہیں کرتے، تو مجھے بھی اس کی خواہش نہیں ہے۔ میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں گا۔

درحقیقت حضرت امام حسینؓ کے دعویٰ خلافت اور شہادت کے بارے میں افراط وتفریط سے پاک صحیح مسلک یہ ہے کہ نہ آپ شیعی عقیدہ کے مطابق خلیفۂ برحق تھے اور نہ خوارج کے عقیدہ کے مطابق نعوذ باللہ باغی، جس کا قتل روا ہو۔ بلکہ آپ کوفیوں کی دعوت پر ایک نیک مقصد تجدید خلافت کے لئے اُٹھے اور اس کی راہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

فضل وکمال: آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت حسینؓ کمسن بچہ تھے۔ اس لئے براہِ راست ذات نبوی ﷺ سے استفادہ کا موقع نہ ملا۔ لیکن حضرت علیؓ جیسے مجمع البحرین علم وعمل باپ کی تعلیم وتربیت نے اس کی پوری تلافی کر دی۔ تمام اربابِ سیر آپ کے کمالات علمی کے معترف ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر، امام نووی، علامہ ابن اثیر تمام بڑے بڑے ارباب سیر اس پر متفق ہیں کہ حسینؓ بڑے فاضل تھے[1]۔ لیکن افسوس اس اجمالی سند کے علاوہ واقعات کی صورت میں ان کمالات کو کسی سیرت نگار نے قلم بند نہیں کیا۔

احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم):

حضرت حسینؓ خانوادۂ نبوی ﷺ کے رکن رکین تھے۔ اس لئے آپ کو احادیث کا بہت بڑا حافظ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن صغرسنی کے باعث آپ کو اس کے مواقع کم ملے اور جو ملے بھی اس میں آپ کا فہم وحافظہ اس لائق نہ تھا کہ سمجھ کر محفوظ رکھ سکتے۔ اس لئے براہِ راست آنحضرت ﷺ سے سنی ہوئی مرویات کی تعداد کل آٹھ ہے[2]۔ جو آپ کی کمسنی کو دیکھتے ہوئے کم نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ بالواسطہ روایت کی تعداد کافی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے حدیثیں روایت کی ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:

---

[1] دیکھو استیعاب ابن عبدالبر، تہذیب الاسماء نووی اور اسد الغابہ وغیرہ۔ تراجم حسینؓ

[2] تہذیب الکمال۔ ص ۸۳

حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، ہند بن ابی ہالہؓ، عمر بن الخطابؓ وغیرہ۔ جن رواۃ نے آپ سے روایتیں کی ہیں، ان کے نام یہ ہیں آپ کے بردار بزرگ حضرت حسنؓ، صاحبزادہ علی اور زید، صاحبزادی سکینہ، فاطمہ پوتے ابوجعفر الباقر۔ عام رواۃ میں شعبی، عکرمہ، کرز التمیمی، سنان بن ابی سنان دولی، عبداللہ بن عمرو بن عثمان، فرزدق شاعر وغیرہ[1]۔

فقہ وفتاویٰ : قضاوافتا میں علیؓ کا پایہ تمام صحابہؓ میں بڑا تھا، اس موروثی دولت میں حضرت حسینؓ کو بھی حصہ ملا تھا۔ چنانچہ ان کے معاصران سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کو جو عمر میں ان سے بڑے اور خود بھی صاحب کمال بزرگ تھے۔ قیدی کی رہائی کے بارے میں استفتا کی ضرورت ہوئی، تو انہوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا اور ان سے پوچھا، ابوعبداللہ قیدی کی رہائی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ اس کی رہائی کا فرض کس پر عائد ہوتا ہے، فرمایا، ان لوگوں پر جن کی حمایت میں لڑا ہو۔

اسی طرح ایک مرتبہ ان کو شیرخوار بچہ کے وظیفہ کے بارے میں استفسار کی ضرورت ہوئی تو اس میں بھی انہوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پیدائش کے بعد ہی جب سے بچہ آواز دیتا ہے وظیفہ واجب ہو جاتا ہے۔

اسی طریقہ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے اس سوال پر اسی وقت اونٹنی کا دودھ دہا کر کھڑے کھڑے پیا۔ آپ کھڑے ہو کر کھانے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ بھنا ہوا بکری کا گوشت لے لیتے تھے اور کھاتے کھلاتے چلے جاتے تھے[2]۔

آپ کے تفقہ کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ فقیہ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام باقرؒ کے شاگرد تھے اور حدیث وفقہ میں ان سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا اور دینی علوم میں امام باقر کو سلسلہ بہ سلسلہ اپنے اسلاف کرام سے بڑا فیض پہنچا تھا۔

خطابت : ان مذہبی کمالات کے علاوہ اس عہد کے عرب کے مروجہ علوم میں بھی پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ خطابت اس زمانہ کا بڑا کمال تھا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ اپنے عہد کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ نہج البلاغہ کے خطبات آپ کے کمال خطابت کے شاہد ہیں۔ حضرت حسینؓ کو بھی اس موروثی کمال سے وافر حصہ ملا تھا اور ان کا شمار اس عہد کے ممتاز خطیبوں میں تھا۔ واقعہ شہادت کے سلسلے میں آپ کے خطبات گزر چکے ہیں۔ ان سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہو گیا ہوگا[3]۔

---

۱ تہذیب التہذیب۔ جلد۲۔ ص ۳۴۵ ۲ یہ تینوں واقعات استیعاب سے ماخوذ ہیں۔ جلد۱۔ ص ۱۴۸

۳ ان میں سے بہت سے خطابات الحاقی ہیں۔ لیکن کچھ صحیح بھی ہیں۔ جن کی تصدیق تاریخ سے ہو جاتی ہے۔

شاعری : ادب اور تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں آپ کی جانب بہت سے حکیمانہ اشعار منسوب ہیں، لیکن ان کی صحت مشکوک ہے۔

کلماتِ طیّبات : آپ کے کلماتِ طیبات اور حکیمانہ مقولے اخلاق وحکمت کا سبق ہیں۔ فرماتے تھے، سچائی عزت ہے، جھوٹ عجز ہے، راز داری امانت ہے، حق جوار قرابت ہے، امداد دوستی ہے، عمل تجربہ ہے، حسن خلق عبادت ہے، خاموشی زینت ہے، بخل فقر ہے، سخاوت دولت مندی ہے، نرمی عقل مندی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے حسن بصریؒ سے چند اخلاقی باتیں کیں، وہ آپ کو جانتے نہ تھے، اس لئے یہ باتیں سن کر متعجب ہوئے۔ آپ جب چلے گئے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھے۔ لوگوں نے کہا حسینؓ بن علیؓ۔ یہ سن کر حسن بصریؒ نے کہا تم نے میری مشکل حل کر دی یعنی اب کوئی تعجب کی بات نہیں[1]۔

فضائل اخلاق : آپ کی ذاتِ گرامی فضائل اخلاق کا مجموعہ تھی۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ "کان الحسین رضی اللہ عنہ کثیر الصّلوۃ والصوم والحج والصدقہ وافعال الخیر جمیعا"[2]۔ یعنی حضرت حسینؓ بڑے نمازی، بڑے روزہ دار، بہت حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور تمام اعمال حسنہ کو کثرت سے کرنے والے تھے۔

عبادات : فضائل اخلاق میں راس الاخلاق عبادت الٰہی ہے۔ حضرت حسینؓ کو تمام عبادات خصوصاً نماز سے بڑا ذوق تھا۔ اس کی تعلیم بچپن میں خود صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حاصل کی تھی۔ اس تعلیم کا اثر یہ تھا کہ آپ بکثرت نمازیں پڑھتے تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کو بیویوں سے بھی ملنے کا موقع کم ملتا تھا۔

ایک مرتبہ کسی نے امام زین العابدین سے کہا تمہارے باپ کی اولاد کس قدر کم ہے۔ آپ نے فرمایا، اس پر تعجب کیوں ہے۔ وہ رات ودن میں ایک ایک ہزار نمازیں پڑھتے ہیں۔ عورتوں سے ملنے کا انہیں موقعہ کہاں ملتا ہے[3]۔

یہ روایت مبالغہ آمیز ہے۔ اس سے زندگی کی دوسری ضروریات کے ساتھ ایک ہزار رکعتیں روزانہ پڑھنا ناممکن ہے، غالباً راوی سے سہو ہو گیا ہے۔ لیکن اس سے ان کی کثرتِ عبادات کا ضرور پتہ ملتا ہے۔

---

[1] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۲ [2] استیعاب واسد الغابہ تذکرہ حسینؓ
[3] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳

روزہ بھی کثرت کے ساتھ رکھتے تھے۔تمام ارباب سیر آپ کی کثرت صیام پر متفق ہیں۔حج بھی بکثرت کرتے تھے اور اکثر پاپیادہ حج کئے ہیں۔زہیر بن بکار مصعب سے روایت کرتے ہیں کہ حسینؓ نے پچیس حج پاپیادہ کئے [1]۔

صدقات وخیرات : مالی اعتبار سے آپ کو خدا نے جیسی فارغ البالی عطا فرمائی تھی،اسی فیاضی سے آپ راہِ خدا میں خرچ بھی کرتے تھے۔ابن عساکر لکھتے ہیں ہیں کہ حسینؓ خدا کی راہ میں کثرت سے خیرات کرتے تھے [2]۔ کوئی سائل کبھی دروازہ سے ناکام واپس نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ کی گلیوں میں پھرتا ہوا درِ دولت پر پہنچا۔اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے،سائل کی صدا سن کر جلدی جلدی نماز ختم کر کے باہر نکلے۔سائل پر فقر وفاقہ کے آثار نظر آئے۔اسی وقت قنبر خادم کو آواز دی،قنبر حاضر ہوا،آپ نے پوچھا ہمارے اخراجات میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے؟قنبر نے جواب دیا،آپ نے دوسو درہم اہل بیت میں تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے، وہ ابھی تقسیم نہیں کئے گئے ہیں۔فرمایا،اس کو لے آؤ،اہل بیت سے زیادہ ایک مستحق آگیا ہے،چنانچہ اسی وقت دوسو کی تھیلی منگا کر سائل کے حوالے کردی،اور معذرت کی کہ اس وقت ہمارا ہاتھ خالی ہے،اس لئے اس سے زیادہ خدمت نہیں کر سکتے [3]۔حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جب آپ کے پاس بصرہ سے آپ کا ذاتی مال آتا تھا تو آپ اسی مجلس میں اس کو تقسیم کردیتے تھے [4]۔

صدقات وخیرات کے علاوہ بھی آپ بڑے فیاض اور سیر چشم تھے۔شعراء کو بڑی بڑی رقمیں ڈالتے تھے۔حضرت حسنؓ بھی فیاض تھے،لیکن آپ کی فیاضی برمحل اور مستحق اشخاص کے لئے ہوتی تھی۔اس لئے ان کو حضرت حسینؓ کی بے محل فیاضیاں پسند نہ آتیں تھیں۔چنانچہ ایک مرتبہ ان کو اس غلط بخشی پر ٹوکا۔حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ بہترین مال وہی ہے جس کے ذریعہ سے آبرو بچائی جائے [5]۔

وقار وسکینہ : سکنیت اور وقار آپ کا خاص وصف تھا۔آپ کی مجلس وقار اور متانت کا مرقع ہوتی تھی۔ امیر معاویہؓ نے ایک شخص کو حضرت حسینؓ کی مسجد کا پتہ بتایا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوتو وہاں لوگوں کا ایک حلقہ نظر آئے گا۔اس حلقہ میں لوگ ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھے ہوں گے کہ گویا ان کے سر پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔یہ ابوعبداللہ (حسینؓ) کا حلقہ ہوگا [6]۔

۱۔ تہذیب الاسماء نووی جلد۲۔ص۱۵۳ ۲۔ ابن عساکر۔جلد۴۔ص۳۲۳۔۳۲۴ ۳۔ ایضاً۔ص۲۶۳

۴۔ ابن عساکر۔جلد۴۔ص۳۱۲ ۵۔ ایضاً۔ص۳۲۲ ۶۔ ایضاً

انکسار و تواضع : لیکن اس وقار و سکینہ کے باوجود تمکنت و خود پسندی مطلق نہ تھی اور آپ حد درجہ خاکسار اور متواضع تھے۔ ادنیٰ ادنیٰ اشخاص سے بے تکلف ملتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں کچھ فقراء کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت حسینؓ کو دیکھ کر انہیں بھی مدعو کیا۔ ان کی درخواست پر آپ فوراً سواری سے اُتر پڑے اور کھانے میں شرکت کر کے فرمایا کہ تکبّر کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا اور ان فقراء سے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے، اس لئے تم بھی میری دعوت قبول کرو اور ان کو گھر لے جا کر کھانا کھلایا[1]۔

ایثار و حق پرستی آپ کی کتابِ فضائلِ اخلاق کا نہایت جلی عنوان ہے۔ اس کی مثال کے لئے تنہا واقعہ شہادت کافی ہے کہ حق کی راہ میں سارا کنبہ تہِ تیغ کرا دیا، لیکن ظالم حکومت کے مقابلہ میں سپر نہ ڈالی۔

استقلال رائے : حضرت حسنؓ سراپا حلم تھے۔ آپ کے مزاج میں مطلق گرمی نہ تھی۔ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں بہت قدیم رقابت تھی لیکن حسنؓ نے اس رقابت کو بھی دل سے فرموش کر دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بنی اُمیہ کے مقابلہ میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس باب میں حضرت حسینؓ کا حال حضرت حسنؓ سے بالکل مختلف تھا۔ بنی اُمیہ کے مقابلہ میں آپ کسی دست برداری اور مصالحت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ جس پر آپ کی تقریریں شاہد ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب امام حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت حسینؓ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔ لیکن امام حسنؓ نے ان کی مخالفت کے باوجود اپنا ارادہ نہ بدلا اور خلافت سے دست بردار ہو کر دنیا کو بتلا دیا کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے مقابلہ میں حکومت کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ لیکن حضرت حسینؓ کی یہ عصبیت بھی حق پرستی ہی کا نتیجہ تھی۔ اس لئے دونوں بزرگوں کے اوصاف، اخلاق کے دو مختلف مظاہر تھے۔

ذاتی حالات اور ذریعہ معاش :

حضرت حسینؓ مالی حیثیت سے ہمیشہ فارغ البال رہے اور بہت عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ میں ۵ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا۔ جو حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ تک برابر ملتا رہا۔ اس کے بعد حضرت حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کے وقت امیر معاویہؓ سے ان کے لئے دو لاکھ سالانہ مقرر کرا دیئے تھے۔ غرض اس حیثیت سے آپ کی زندگی مطمئن تھی۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۲۲

حُلیہ : حضرت امام حسنؓ وحسینؓ دونوں بھائی شکل وصورت میں آنحضرت ﷺ کے مشابہ تھے[1]۔

ازواج واولاد : آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ آپ کی ازواج میں لیلیٰؓ، حبابؓ، حرارؓ اور غزالہؓ تھیں۔ ان سے متعدد اولادیں ہوئیں۔ جن میں علی اکبرؓ، عبداللہؓ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام زین العابدینؒ باقی تھے۔ انہیں کی نسل چلی۔ صاحبزادیوں میں سکینہؓ، فاطمہؓ اور زینبؓ تھیں۔

بعض پچھلی کتابوں میں حضرت امام حسینؓ کی ازواج میں ایک نام یزدگرد شاہ ایران کی لڑکی شہر بانو کا بھی ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام زین العابدینؒ ان ہی کے بطن سے تھے۔ لیکن کسی قدیم ماخذ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے قابل اعتماد نہیں اور یہ ایرانیوں نے سیاسی مقصد کے لئے گھڑی ہے۔

---

[1] اس کا ذکر حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

نام ونسب :

نام عبداللہ ہے۔ ابوبکر اور حبیب کنیت۔ والد ماجد کا نام زبیرؓ اور والدہ محترمہ کا اسماء تھا۔ جدی شجرہ یہ ہے : عبداللہ بن زبیرؓ بن عوام بن خویلد ین بن اسد بن عبدالعزی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی قرشی اسدی۔ ننھیالی نسب یہ ہے : اسماء بنت ابی بکرؓ بن ابی قحافہ ابن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کعب بن لوئی بن غالب بن فہر۔

حضرت عبداللہ کی ذات گرامی اپنے خاندان اور اپنی قرابتوں کے لحاظ سے متعدد شرفوں کی حامل تھی۔ آپ کے والد ماجد حضرت زبیرؓ بن عوام آنحضرت ﷺ کے حواری اور عشرہ مبشرہ میں تھے۔ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ صدیقہؓ آپ کی پھوپھی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ آپ کی دادی تھیں۔ اس رشتہ سے آپ کو آنحضرت ﷺ کے بھانجے ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ دادھیالی افتخار ہیں۔ ننھیالی رشتوں کے لحاظ سے بھی متعدد فضائل حاصل تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے نانا تھے۔ آپ کی والدہ اسماءؓ کو بارگاہِ نبوت سے ذات النطاقین کا محبت آمیز لقب ملا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین حرم محترم حضرت عائشہؓ آپ کی خالہ تھیں۔ غرض دادھیال اور ننھیال جس اُفق پر نظر جاتی ہے، آسمان فضائل مہرو ماہ نظر آتے ہیں۔

پیدائش : ایسے معزز گھرانے میں حضرت عبداللہؓ کی ذات گرامی وجود میں آئی۔ سنہ پیدائش کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱ھ میں پیدا ہوئے اور بعض سے ۲ھ ظاہر ہوتا ہے۔ پہلی روایت زیادہ مستند ہے۔ تاریخ اسلام میں آپ کی پیدائش کو اس لئے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ مہاجرین کے مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک ان میں سے کسی کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ مسلمانوں کی انقطاع نسل کے لئے انہوں نے سحر کر دیا ہے۔

عین اسی شہرت کے زمانہ میں ان اوہام باطلہ کی تردید کے لئے حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ اس لئے مسلمانوں کو آپ کی پیدائش سے غیر معمولی مسرت ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ نومولود فرزند کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئیں اور آغوش رسالت ﷺ میں دے دیا۔

آپ نے گود میں لے کر خیر و برکت کی دعا کی اور تبرکا کھجور چبا کر اس نومولود کے منہ میں ڈالے۔ اس طرح دنیا میں آنے کے بعد اس مائدہ عالم سے جو سب سے پہلی نعمت عبداللہؓ کے منہ میں گئی، وہ آنحضرت ﷺ کا لعاب دہن تھا۔[1]

بیعت : جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت زبیرؓ نے انہیں ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ ﷺ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور اس چھوٹے مسلمان سے بیعت لی۔ اس طرح ان کو بہت صغر سنی میں بیعت نبوی ﷺ کا شرف حاصل ہو گیا۔[2]

بچپن میں بلندی کے آثار : عموماً جو اشخاص مستقبل میں بڑے ہونے والے ہوتے ہیں، ان کے بچپن ہی کے واقعات ان کے روشن اور پُر عظمت مستقبل کا پتہ دیتے ہیں۔ اگر دنیا کے اکابر رجال کے ابتدائی حالات کا پتہ چلایا جائے تو ان کی صغر سنی ہی کے واقعات سے ان کی آئندہ عظمت کا پتہ چل جائے گا۔

چونکہ حضرت عبداللہؓ کو آگے چل کر اکابر رجال کی فہرست میں داخل ہونا تھا اور تاریخ اسلام میں عزم و حوصلہ اور تہور و شجاعت کی داستانیں چھوڑنی تھیں۔ اس لئے بچپن ہی سے وہ نہایت جری، بیباک، باحوصلہ اور خود پرست تھے۔ بچوں میں عموماً خوف و ہراس غالب ہوتا ہے اور وہ معمولی معمولی باتوں سے ڈر جاتے ہیں۔ لیکن عبداللہؓ اس عمر میں بھی بڑے نڈر تھے۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ کہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ مار کر بچوں کو بھگا دیا۔ لیکن عبداللہؓ فوراً سنبھل کر لوٹ پڑے اور لڑکوں سے کہا، تم لوگ ہمیں اپنا سردار بنا کر اس شخص پر حملہ کر دو۔ چنانچہ اسی وقت ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر کے اس شخص پر حملہ کر دیا۔

بچپن میں جب بیعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو ان کے دو اور ہم سن حضرت جعفرؓ کے لڑکے عبداللہ اور ابوسلمہ کے لڑکے عمر بھی بیعت کے لئے پیش کئے گئے۔ یہ دونوں تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر جھجکے، لیکن عبداللہؓ بڑی دلیری سے آگے بڑھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی تیزی دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا اپنے باپ کا بیٹا ہے۔[3]

حضرت عمر فاروقؓ درشت آدمی تھے۔ اس لئے لڑکے انہیں دیکھ کر شرارت بھول جاتے تھے اور بھاگ نکلتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ

---

۱ بخاری، کتاب العقیقہ المولود غداة یولد، پیدائش کا سنہ اصابہ تذکرہ عبداللہ بن زبیرؓ سے ماخوذ ہے۔
۲ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۴۸، ۳ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۳

ادھر سے گزرے، توسب بچے ان کو دیکھ کر بھاگ گئے۔لیکن عبداللہ بدستور اپنی جگہ کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم کیوں نہیں بھاگے؟ انہوں نے کڑک کر جواب دیا، میں کیوں بھاگتا، نہ میں نے کوئی جرم کیا ہے اور نہ راستہ تنگ تھا کہ آپ کے لئے چھوڑتا[1]۔ان واقعات سے انداز ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بچپن ہی سے کس قدر جری اور دلیر تھے۔

عہد خلفاء: عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ابن زبیرؓ کم سن تھے، اس لئے ان دونوں زمانوں کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔البتہ ایک روایت سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ خندق میں وہ ایک اونچے ٹیلے پر سے غزوۂ خندق کا تماشہ دیکھتے تھے۔اس وقت ان کی عمر کل چار پانچ سال کی تھی۔اس روایت سے بھی ان کی فطری جرأت و بہادری کا پتہ چلتا ہے ورنہ کمسن بچہ ایسے ہولناک مناظر کے تخیل سے سہم جاتا ہے، لیکن ابن زبیرؓ نے اسے دیکھا اور محفوظ رکھا[2]۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی زمانہ میں بھی بچپن ہی تھا۔البتہ آخری عہد میں نوجوانی کا آغاز ہوگیا تھا۔چنانچہ جبکہ ان کی عمر ۲۲ھ سال کی تھی۔سب سے اول یرموک کی جنگ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک ہوئے[3]۔اور یہ غالباً ان کے جہاد میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا۔اس شرکت نے ان کی فطری صلاحیت کو اُبھار دیا اور میدان جنگ ایسا بھایا کہ مرتے دم تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔

جنگ طرابلس: حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں پورے آزمودہ کار بہادر ہوگئے تھے۔اس لئے ان کے اصل کارناموں کا آغاز ہی اسی عہد سے ہوتا ہے۔چنانچہ اس عہد میں سب سے اول طرابلس کی جنگ میں شریک ہوئے۔اس کی تسخیر درحقیقت عبداللہؓ ہی کی خوش تدبیری کا نتیجہ تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۶ھ میں جب عبداللہ بن ابی سرح نے طرابلس پر حملہ کیا تو یہاں کے حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔عرصہ تک دونوں میں نہایت پُر زور مقابلہ ہوتا رہا، لیکن فیصلہ نہ ہوسکا۔حضرت عثمانؓ کو میدان جنگ کے حالات کی کوئی خبر نہ ملتی تھی۔ اس لئے آپ نے ابن زبیرؓ کو ایک دستہ کے ساتھ دریافت حال لئے بھیجا۔یہ طرابلس پہنچے تو مسلمانوں نے انہیں دیکھ کر نعرۂ تکبیر لگایا۔جرجیر نے اس کا سبب پوچھا۔معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا امدادی دستہ آیا ہے۔یہ سن کر وہ گھبرا گیا۔عبداللہ ابن زبیرؓ کے آنے سے پہلے جنگ نہایت بے ترتیب ہورہی تھی۔مقابلہ کا کوئی وقت متعین نہ تھا۔انہوں نے آتے ہی سب سے پہلے صبح سے دوپہر تک کا

---

[1] یہ دونوں واقعہ ابن اثیر۔جلد ۳۔ص ۲۹۳ سے ماخوذ ہیں [2] مستدرک حاکم۔جلد ۳۔۵۵۵
[3] اصابہ جلد ۴۔ص ۷۱

وقت مقابلہ کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ صبح سے لے کر دوپہر تک مقابلہ ہونے لگا۔ بعد ظہر مجاہدین اپنے اپنے خیموں میں چلے جاتے تھے۔

حضرت ابن زبیرؓ تمام مجاہدین کو میدانِ جنگ میں دیکھتے تھے۔ لیکن ابن ابی سرح انہیں کہیں نظر نہ آتا تھا۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ جرجیر نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص عبداللہ بن سرح کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دے گا۔ اس اعلان کی وجہ سے وہ کھلے بندوں نہیں نکلتا۔

یہ سن کر زبیرؓ عبداللہ بن سرح کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اس میں خوف کی کیا بات ہے۔ تم بھی اعلان کرادو کہ جو شخص جرجیر کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ نقد دیا جائے گا۔ اس کی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی اور اس کے پورے ملک کا اسے حکمراں بنا دیا جائے گا۔ ابن زبیرؓ کے اس مشورے کے مطابق عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے یہ اعلان کرادیا۔ اس اعلان پر جرجیر عبداللہ بن سرح سے بھی زیادہ ہراساں ہوگیا۔

لیکن جنگ پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا۔ وہ برابر طول کھینچتی چلی جارہی تھی اور کوئی فیصلہ نہ ہوتا تھا۔ ایک دن ابن زبیرؓ نے ابن ابی سرح کہا کہ جنگ کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا ہم لوگ اپنے ملک سے بہت دور ہیں، ہمارا حریف اپنے ملک کے اندر ہے۔ اس کو ہر طرح مدد مل رہی ہے۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ کل ہم لوگ فوج کے ایک حصہ کو آرام کرنے دیں اور ایک حصہ کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلیں، جب معمول کے مطابق رومی تھک کر لوٹ جائیں تو ہم لوگ تازہ دم فوج لے کر فوراً حملہ کردیں۔ اس تدبیر سے ممکن ہے خدا ہمیں کامیاب کردے۔

حضرت ابن ابی سرح نے یہ مشورہ عام صحابہ کے سامنے پیش کیا، سب نے اس مفید تجویز کی تائید کی۔ چنانچہ دوسرے دن اسلامی فوج کے تمام منتخب بہادروں کو ساز و سامان سے لیس کر کے خیموں میں چھوڑ دیا اور باقی مسلمان میدان میں نکلے۔ صبح سے دوپہر تک نہایت زوردار مقابلہ ہوتا رہا، بعد دوپہر جب معمول کے مطابق رومیوں نے اپنے خیموں میں لوٹنا چاہا تو ابن زبیرؓ نے اس کا موقع نہ دیا اور برابر جنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب فریقین تھک کر چور ہوگئے تو ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے اپنے لشکر گاہ پر لوٹ گئے۔

رومیوں کے واپس جاتے ہی ابن زبیرؓ تازہ دم فوج لے کر پہنچ گئے اور رومیوں پر اس طرح اچانک ٹوٹ پڑے کہ ان کو ہتھیار سنبھالنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور انہوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ اس معرکہ میں جرجیر کی لڑکی بھی گرفتار ہوئی۔

رومیوں کو میدان سے بھگانے کے بعد ابن ابی سرح نے محاصرہ کر کے شہر فتح کر لیا۔ اس میں اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ فی سوار تین تین ہزار اور فی پیادہ ایک ایک ہزار دینار حصہ میں پڑا۔ سبیطلہ کی فتح کے بعد ابن ابی سرح نے سارے طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور ابن زبیرؓ فتح کا مژدہ لے کر مدینہ گئے۔ اس طرح طرابلس کی فتح کا سہرا در حقیقت ابن زبیرؓ ہی کے سر رہا[1]۔

طبرستان کی فوج کشی میں شرکت :

افریقہ کی فتح کے بعد ۳۰ھ میں طبرستان کی فوج کشی میں شریک ہوئے اور نمایاں حصہ لیا[2]۔ ان دونوں مہموں کے علاوہ اس عہد کے اکثر معرکوں میں ابن زبیرؓ نے داد شجاعت دی، لیکن ان میں ان کے کوئی نمایاں کارنامے نہیں ہیں، اس لئے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمانؓ کی حفاظت :

حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور تک مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا اور ان کی تمام قوتیں غیر مسلموں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھیں۔ اس لئے جدھر رُخ کر دیتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم چوم لیتی تھی۔ لیکن چند ہی برسوں میں دفعۃً حالات بدل گئے اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پیدا ہوا کہ پھر ان کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔

ابتداء میں چند اشخاص کو حضرت عثمانؓ کے خلاف کچھ شکایتیں تھیں، فتنہ پردازوں نے اسے آڑ بنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی آگ لگائی کی مسلمانوں کی پینتیس (۳۵) سالہ مساعی جل کر خاکستر ہو گئی اور ۳۵ھ میں شورش پسندوں کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی کہ خلیفۃ المسلمین کو قصر خلافت میں گھیر لیا۔ ایسے نازک وقت میں خلیفۂ مظلوم کی حفاظت کے لئے جو سرفروش نکلے تھے ان میں ایک ابن زبیرؓ بھی تھے[3]۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور جنگ جمل :

لیکن حضرت عثمانؓ کے خلاف جو طوفان اُٹھایا گیا تھا، وہ ایسا نہ تھا کہ چند مصلحین کے روکنے سے تھم جاتا۔ چنانچہ اس نے حضرت عثمانؓ کی شمع حیات بجھا کر ہی دم لیا۔ آپ کی شہادت پر صحابہ کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ خانہ نشین ہو گیا۔ دوسرا حضرت علیؓ کے ساتھ آپ کی حمایت میں تھا۔ تیسرا خلیفۂ مظلوم کا قصاص لینے پر آمادہ تھا۔ اس آخری جماعت کے سرکردہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، عبداللہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ۶۸۔ ۷۰ [2] ایضاً ص ۸۴ [3] تاریخ الخلفاء، سیوطی ص ۱۵۹

اس اختلاف نے صحابہ کے دو گرہوں کو باہم صف آرا کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے انتقام لینے والے گروہ کی قیادت حضرت عائشہؓ کرتی تھیں اور حضرت علیؓ ان کے مقابلہ میں صف آرا تھے۔ عین میدانِ جنگ میں جب مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کا خون پی رہی تھیں، حضرت علیؓ نے عبد اللہ کے والد زبیرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشن گوئی یاد دلائی۔ زبیرؓ اسے سن کر اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن حواری رسول آقائے نامدار ﷺ کی پیشن گوئی سننے کے بعد ایک لحہ کے لئے بھی اس کا مصداق نہیں بن سکتا تھا[1]۔

محتاط صحابہ نے اس خانہ جنگی کو روکنے کی بہت کوششیں کیں، لیکن کوئی کوشش بھی کارگر نہ ہوئی اور مسلمانوں کے دو مقدس گروہوں میں نہایت خون آشام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ اُونٹ پر سوار اپنی فوج کی حوصلہ افزائی فرماتی تھیں۔ یہ جنگ دو مقدس ہستیوں کی غلط فہمی اور خطائے اجتہادی کا نتیجہ تھی۔ لیکن ان کے پیرووں نے شخصیتوں کا بھی لحاظ اُٹھا دیا تھا اور حضرت عائشہؓ کے اُونٹ پر برابر تیروں کا مینہ برس رہا تھا اور ناموس نبوت کے فدائی اُونٹ کے گرد پروانہ وار حریم نبوت کی شمع پر فدا ہو رہے تھے۔

حضرت ابن زبیرؓ بھی خالہ کی حفاظت میں سر بکف محمل کے پاس پہنچے۔ حضرت عائشہؓ نے محمل کے اندر سے پوچھا کون؟ ابن زبیرؓ نے کہا، اماں! آپ کا بیٹا۔ حضرت عائشہؓ نے پیار کے لہجہ میں ڈانٹا، ابھی خالہ بھانجے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت علیؓ کی فوج سے اشتر نخعی حضرت عبداللہ کی طرف لپکا، انہوں نے تلوار سونت لی اور دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ اشتر نے ایسا وار کیا کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا۔ انہوں نے بھی جواب دیا، مگر او چھا پڑا اور دونوں باہم دست و گریباں ہو گئے، لیکن دونوں طرف کے آدمیوں نے بڑھ کر چھڑا دیا[2]۔

اس جنگ میں ابن زبیرؓ اپنی خالہ اور آنحضرت ﷺ کے حرم محترم کی حفاظت میں اس بہادری اور بے جگری سے لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ اختتام جنگ کے بعد شمار کیا گیا تو تلواروں اور نیزوں کے ۴۰ سے زیادہ زخم بدن پر تھے[3]۔

یزید کی ولی عہدی اور ابن زبیرؓ کی مخالفت :

جنگ جمل میں خالہ کی محبت اور ناموس نبوت کی حمایت میدان جنگ میں کھینچ لائی تھی۔ لیکن اس کے بعد صفین کی خانہ جنگی میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ رفع شر کے خیال سے امیر معاویہؓ

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۶ [2] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۲۰۶ [3] اصابہ۔ جلد ۴ تذکرہ عبداللہ بن زبیرؓ

کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس وقت تک اس بیعت پر قائم رہے، جب تک امیر معاویہؓ نے اسلامی خلافت کو موروثی سلطنت بنانے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن جب انہوں نے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تو ابن زبیرؓ نے اس کی بڑی پُر زور مخالفت کی، چنانچہ جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لئے مدینہ آئے اور حضرت حسینؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہ کو بلایا تو ان لوگوں نے ان سے گفتگو کرنے کے لئے ابن زبیر ؓ کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ان بزرگوں سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرا جو طرز عمل ہے، تمہارے ساتھ جس قدر صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جتنی باتیں انگیز کرتا ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہیں۔ یزید تمہارا بھائی اور تمہارا ابن عم ہے۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ صرف نام کے لئے اس کو خلیفہ کا لقب دے دو، باقی عمال کا عزل ونصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا صرف، سب تم ہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا اور وہ اس میں کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کی خاموشی پر امیر معاویہؓ نے ابن زبیرؓ سے کہا تم ان کے خطیب اور نمائندہ ہو، اس لئے تم جواب دو انہوں نے کہا، اگر آپ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر ؓ اور عمر ؓ میں سے کسی ایک کا طریقہ انتخاب بھی اختیار کیجئے تو اس کو قبول کرنے میں ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ امیر نے کہا، ان لوگوں کا طریقہ کیا تھا؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا، آپ کے بعد مسلمانوں نے ابوبکر ؓ کو منتخب کر لیا۔ امیر معاویہؓ نے کہا یہ سچ ہے۔ لیکن آج ہم میں ابوبکر ؓ جیسی شخصیت کس کی ہے جس پر سب کا اتفاق ہو جائے۔ ایسی صورت میں تو اختلاف کے اور زیادہ بڑھنے کا خطرہ ہے۔ ابن زبیرؓ نے کہا تو پھر ابوبکر ؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انہوں نے ایک شخص کو خلیفہ بنایا، جس کا نسبی تعلق قریش سے بہت دور پر ملتا تھا اور وہ ان کا عزیز بھی نہ تھا، یا عمر ؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انہوں نے چھ آدمیوں کا انتخاب کر کے ان میں سے ایک کا انتخاب مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا اور چھوؤں آدمیوں میں سے کوئی بھی ان کی اولاد میں تھا اور نہ باپ کے اولاد میں۔ امیر معاویہؓ نے کہا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہے؟ ابن زبیرؓ نے کہا نہیں [1]۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل امیر معاویہؓ کے حالات میں گزر چکی ہے، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ امیر معاویہ ؓ ابن زبیر ؓ کی اس دلیری اور جرأت سے ہمیشہ ان سے

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۴۲۲

کھٹکتے رہے۔ چنانچہ اپنی وفات کے جب انہوں نے ابن زبیرؓ اور ان کے معاصرین کے متعلق یزید کو وصیت کی تو ابن زبیرؓ کے خطرے سے اس کو خاص طور سے آگاہ کیا کہ جو شخص لومڑی کی طرح ہو کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ ابن زبیرؓ ہے۔ اگر وہ مصالحت کر لیں تو فبہا ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا[1]۔

امیر معاویہؓ کا انتقال، حضرت حسینؓ کا سفر کوفہ اور ابن زبیرؓ کا مشورہ :

یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے چار سال بعد ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور یزید ان کا جانشین ہوا۔ اس وقت اس کے لئے سب سے بڑا سوال حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا۔ چنانچہ زمام حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام حسینؓ اور ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا۔ اس حکم پر ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ حسینؓ اس طلبی پر چلے آئے، لیکن ابن زبیرؓ نے ایک دن کی مہلت مانگی اور راتوں رات مدینہ سے مکہ نکل گئے۔ ولید کو خبر ہوئی تو ان کی تلاش میں آدمی دوڑائے، مگر ابن زبیرؓ دور نکل چکے تھے۔ مکہ پہنچنے کے بعد یہاں مستقل قیام کر دیا۔

اسی دوران حضرت حسینؓ کوفہ کے قصد سے مدینہ سے مکہ آئے۔ ابن زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ عراقی پورے طور پر حسینؓ کی امداد کے لئے آمادہ ہیں اور وہ ان کی دعوت پر کوفہ جانے والے ہیں، تو آپ کے پاس جا کر پہلے آپ کے اس ارادہ کی تائید کی۔ پھر اس خیال سے کہ مبادا اس تائید سے حضرت حسینؓ کو ان کی جانب سے کوئی بدگمانی پیدا ہو۔ یہ مشورہ دیا کہ آپ حجاز ہی میں رہ کر حصول خلافت کی کوشش کیجئے۔ ہم سب بیعت کر کے آپ کی کامیابی کے لئے کوشش کریں گے اور ہر طرح سے آپ کے خیر خواہ رہیں گے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا،

میں نے اپنے والد سے ایک حدیث سنی ہے کہ "حرم کا ایک مینڈھا ہے، جس کی وجہ سے اس کی حرمت اُٹھ جائے گی"، اس لئے چاہتا ہوں کہ "میں وہ مینڈھا نہ بنوں"۔ اس جواب پر ابن زبیرؓ نے پھر بہ اصرار کہا کہ آپ حرم میں قیام کئے ہوئے بیٹھے رہئے، باقی تمام کام میں انجام دوں گا۔ لیکن حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ "میں اگر حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤں تو وہ مجھے حرم میں قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے"۔ حضرت حسینؓ کو ان کی طرف سے کچھ بدگمانی تھی[2]۔ اس لئے ان کے مشورے کو خیر خواہی پر محمول نہ فرمایا اور یوں بھی آپ کوفہ جانے کا فیصلہ کر چکے تھے، اس لئے ابن زبیرؓ کا مشورہ رائیگاں گیا[3]۔

---

[1] الفخری۔ ص ۱۰۳ و طبری [2] طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۴ [3]

یزید اور ابن زبیرؓ میں مخالف:

ابن زبیرؓ اپنے ورود مکہ سے لے کر حضرت حسینؓ کی شہادت تک سکون واطمینان کے ساتھ حرم کی پناہ میں بیٹھے رہے۔ کیونکہ اس درمیان میں شامی حکومت حضرت حسینؓ سے نپٹ رہی تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد جب یزید کو حضرت حسینؓ سے فراغت ملی تو اس نے چند آدمیوں کو ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کے لئے مکہ بھجا۔ ابن زبیرؓ نے انہیں یہ جواب دیا کہ "میں یزید کی کسی بات کا جواب نہ دوں گا، میں باغی نہیں ہوں، لیکن اپنے کو دوسرے کے قبضہ میں بھی نہ دوں گا"۔ ان لوگوں نے یہ جواب جاکر یزید کو سنادیا۔ لیکن یزید کسی ایسے شخص کو جس کی جانب سے اس کی حکومت کو خطرہ ہوسکتا تھا، بغیر قابو میں لائے چھوڑنے والا نہ تھا۔ خصوصاً ابن زبیرؓ کے بارے میں امیر معاویہؓ کی وصیت موجود تھی۔ اس لئے اس نے دوبارہ معززین شام کا ایک وفد بھیجا۔

حضرت حسینؓ کی شہادت میں اسے اپنی غفلت کا نہایت تلخ تجربہ ہوچکا تھا۔ اس لئے اس مرتبہ ارکان وفد کو بہ تصریح ہدایت کردی کہ بلاظلم وتعدی سمجھا سمجھا کر کسی طرح ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کی کوشش کرنا۔ چنانچہ ان لوگوں نے حرم میں جاکر ابن زبیرؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ ابن زبیرؓ نے اس وفد کے ایک رکن ابن عضاہ سے کہا، کیا تم حرم میں خون بہانا پسند کروگے؟ اس نے جواب دیا، اگر تم بیعت نہ کروگے تو اس میں بھی دریغ نہ کروں گا۔

حضرت ابن زبیرؓ نے حرم کے ایک کبوتر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس مقام پر تو اس پرندہ کا خون بھی حرام ہے۔ ابن عضاہ نے تیر کمان میں جوڑ کر کبوتر کے سامنے کرکے اس سے خطاب کی کہ تو امیر المومنین کے حکم کی سرتابی کرے گا؟ پھر ابن زبیرؓ سے کہا، اگر یہ کبوتر اس استفسار پر ہاں کہتا ہے، تو خاک وخون میں تڑپتا نظر آتا۔ ابن عضاہ کا یہ جواب سن کر ابن زبیرؓ اس وفد کے ایک دوسرے رکن نعمان بن بشیر کو تخلیہ میں لے گئے اور ان کے سامنے اپنا اور یزید کا موازنہ کیا۔ نعمان نے کہا مجھ کو آپ کے تمام فضائل کا اعتراف ہے۔

یہ اقرار کرانے کے بعد کہا، کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو یزید کی بیعت کا مشورہ دوگے؟ نعمان نے کہا، اگر آپ میری ذاتی رائے پوچھتے ہیں تو میں کبھی آپ کو مشورہ نہ دوں گا اور نہ آئندہ اس مقصد کے لئے آپ کے پاس آؤں گا۔ اس گفتگو کے بعد شامی وفد ناکام واپس چلا گیا اور یزید کے سامنے بیان دیا کہ ابن زبیرؓ بیعت کے لئے آمادہ نہیں۔ مسلم بن عقبہ مری نے نعمان کی شکایت کی کہ انہوں نے ابن زبیرؓ سے تخلیہ میں کچھ گفتگو کی تھی اور اس گفتگو کے بعد وہ بغیر اپنا کام پورا کئے ہوئے لوٹ آئے۔

ابن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور شامی فوج کا مدینۃ الرسول کو لوٹنا :

شامی وفد کی واپسی کے بعد ابن زبیرؓ نے تہامہ اور اہلِ حجاز کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ کے علاوہ باقی اور تمام لوگوں نے بیعت کر لی۔ بیعت لینے کے بعد انہوں نے یزید کے عمال کو مدینہ سے نکال دیا اور یہاں سے بنی اُمیہ کی حکومت اُٹھ گئی۔

یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے مسلم بن عقبہ مری کو ایک فوج گراں کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہلِ مدینہ کی تادیب کی جائے۔ (انہوں نے بھی مکہ والوں کی طرح اپنے یہاں سے اُموی عمال کو نکال دیا تھا) اور مدینہ سے فراغت کے بعد پھر مکہ میں ابن زبیرؓ کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق مسلم پہلے مدینہ آیا۔

یہاں کے باشندے پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت پُرزور مقابلہ ہوا، لیکن اہلِ مدینہ حکومت کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا گئے۔ اس معرکہ میں بہت سے انصاری شہید ہوئے اور شامی فوج تین شبانہ روز تک نہایت بیدردی کے ساتھ مدینۃ الرسول لوٹتی رہی اور یہاں کے باشندوں کے بے دریغ قتل کرتی رہی۔ پھر باشندگان مدینہ سے بزور شمشیر یزید کی بیعت لے کر مکہ روانہ ہوئی[1]۔

مکہ کا محاصرہ اور یزید کی موت :

ابھی مسلم مکہ نہ پہنچا تھا کہ اس کا آخری وقت ہو گیا اور وہ راستہ ہی میں حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا کر چل بسا۔ اس وقت ابن زبیر حرم محترم میں پناہ گزیں تھے۔ حصین بن نمر نے مکہ پہنچ کر مکہ حرم کا محاصرہ کر لیا اور جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتشباری شروع کر دی۔ اس آتش باری سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا[2]۔

ابن زبیرؓ اور حصین میں مقابلہ جاری تھا کہ ربیع الاوّل ۶۴ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت سے شامیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور حصین بن نمیر نے ابن زبیرؓ سے کہلا بھیجا کہ جس کے لئے ہم لڑتے تھے وہ مر گیا۔ اس لئے اب صلح کر کے حرم کے دروازے کھول دو تاکہ ہمارے آدمی خانہ کعبہ کا طواف کر لیں اور اب آپس میں ملنا جلنا چاہئے۔ اس کی درخواست پر ابن زبیرؓ نے حرم کے دروازے کھول دیئے اور شامی بلا تکلف طواف کرنے لگے۔

---

[1] اخبار الطوال۔ ص۲۷۲۔۲۷۶ ابن اثیر نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔، ہم نے صرف نتیجہ پر اکتفا کیا۔
[2] ابوالفداء۔ جلد۲۔ ص۱۹۲

اس سلسلہ میں ایک دن ابن زبیرؓ اور حصین میں ملاقات ہوگئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ یزید کی وفات سے بنی اُمیہ کی قوت کمزور پڑ چکی تھی اور اس وقت ان میں کوئی ایسا باحوصلہ شخص نظر نہ آتا تھا جو حکومت سنبھال سکتا۔ اس لئے حصین نے ابن زبیر ؓ کا ہاتھ پکڑ کے آہستہ سے کہا، اگر آپ میرے ساتھ شام چلے چلیں تو وہاں میں آپ کی بیعت کے لئے کوشش کروں، ان لوگوں (بنی اُمیہ) کا معاملہ اب کمزور پڑ چکا ہے اور موجودہ وقت میں آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نظر نہیں آتا۔

یہ رازدارانہ گفتگو سن کر ابن زبیرؓ نے حصین کا ہاتھ جھٹک دیا اور باآواز بلند جواب دیا، "جب تک ایک ایک حجازی کے بدلہ میں دس دس شامیوں کا سر نہ قلم کرلوں گا، اس وقت تک یہ ناممکن ہے"۔ حصین نے مایوس ہوکر جواب دیا، جو شخص تم کو داہیۂ عرب شمار کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ میں تم سے راز کی گفتگو کرتا ہوں اور تم چلا کر اس کا جواب دیتے ہو۔ میں تم کو امن وسلامتی کی طرف بلاتا ہوں اور تم میدان جنگ میں کھینچتے ہو۔ ابن زبیر ؓ کا یہ رنگ دیکھ کر حصین فوج لئے ہوئے شام چلا گیا[1]۔

درحقیقت ابن زبیر ؓ کو یہ بہترین موقع ملا تھا۔ اگر جذبات سے مغلوب ہوکر اسے نہ کھو دیتے اور حصین کی دعوت قبول کرلیتے تو آج بنواُمیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا اور تاریخ اسلام کسی اور رنگ پر ہوتی۔ مگر ان کی قسمت میں تو مقتول ہونا لکھا تھا۔

معاویہ بن یزید کی تخت نشینی اور دستبرداری :

یزید کے بعد اس کا لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا۔ یہ طبعاً سلیم الفطرت تھا۔ اس لئے بنی اُمیہ کی بےعنوانیوں سے بہت جلد بددل ہوگیا اور تخت نشینی کے چند ہی مہینوں کے بعد اپنے اہل خاندان کو جمع کرکے کہا کہ مجھ سے تمہاری حکومت سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے اور تم میں کوئی عمر بن الخطاب ؓ نظر نہیں آتا، جسے خلیفہ بنادوں اور نہ اہل شوریٰ ہی نظر آتے ہیں کہ ان پر معاملہ چھوڑ دوں۔ تم اپنے معاملات کو زیادہ سمجھتے ہو۔ اس لئے جسے چاہو خلیفہ بنالو، یہ کہہ کر خلافت سے دستبردار ہوگیا[2]۔

حضرت معاویہ بن یزید کی دستبرداری کے بعد بنی اُمیہ کی خلافت قریب قریب ختم ہوگئی اور تمام اسلامی ممالک نے ابن زبیر ؓ کی خلافت تسلیم کرلی۔ شام میں بھی ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔ کیونکہ مروان بن حکم اور دوسرے اکابر بنی اُمیہ مدینہ میں تھے۔ لیکن ان میں بھی ابن زبیرؓ کے مقابلہ کا دم باقی نہ تھا۔ چنانچہ مروان ان کی بیعت پر آمادہ ہوگیا تھا۔ لیکن اس موقع پر پھر ابن زبیرؓ نے بڑی سیاسی غلطی کی، جو پہلی غلطی سے بھی زیادہ سخت تھی[3]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۷ ومستدرک حاکم فضائل ابن زبیرؓ [2] ابوالفداء۔ جلد اول۔ ص ۱۹۳
[3] اس سے مراد حصین بن نمیر کے مشورہ کی مخالفت ہے، جو اُوپر گزر چکا ہے۔

انہوں نے انتقاماً جوش میں جس قدر بنی اُمیہ مدینہ میں تھے۔ سب کو حکماً نکلوا دیا۔ ان میں مروان بھی تھا۔ بلکہ مروان کا لڑکا عبدالملک اس وقت بیمار تھا۔ اس کی بیماری کی وجہ سے مروان سفر سے معذور تھا۔ لیکن ابن زبیرؓ کے سخت احکام کے سامنے اس کو قیام کرنے کی ہمت نہ پڑی اور اسے بیمار عبدالملک کو لے کر مجبوراً مدینہ چھوڑنا پڑا۔ بنو اُمیہ کے مدینہ سے نکلنے کے بعد ابن زبیرؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے بنی اُمیہ کی تلاش میں آدمی دوڑائے۔ مگر وہ قابو سے باہر ہو چکے تھے[1]۔

اس غلطی سے بنی اُمیہ کو قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ اگر عبداللہ بن زبیرؓ انہیں مدینہ میں رہنے دیتے تو پھر خاندان بنی اُمیہ میں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا اور دمشق کا تخت ان کے لئے بالکل خالی ہو جاتا۔ مگر ان کی قسمت میں بیدردی کے ساتھ حرم میں ذبح ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اس لئے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے اسباب مہیا کر دیئے۔

شام میں مروان کی بیعت :

بنی اُمیہ مدینہ سے نکل کر شام پہنچے۔ اس وقت یہاں کی حالت بڑی ابتر ہو رہی تھی۔ گو ابن زبیرؓ کا اثر یہاں بھی پہنچ چکا تھا۔ تاہم بنی اُمیہ کے پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے ان کے حامیوں کی بھی خاصی جماعت موجود تھی۔ مروان جس وقت شام پہنچا، اس وقت اسے دو قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک عبداللہ بن زبیرؓ کے شامی حامیوں کی، دوسرے خود اپنے اہل خاندان کی۔ اس لئے کہ بنی اُمیہ میں اس وقت مروان کے علاوہ عمرو بن سعید اور خالد بن یزید بھی خلافت کے دعویدار تھے۔ چنانچہ عرصہ تک ان میں کشمکش جاری رہی اور جنگ وجدال کی نوبت بھی آ گئی۔ لیکن آخر میں بنی اُمیہ کے ایک خیر خواہ روح بن جذامی کی کوششوں سے یہ اختلاف ختم ہو گیا اور ذی الحجہ ۶۴ھ میں مروان کا انتخاب ہو گیا اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولی عہدی کے لئے نامزد کر دیئے گئے۔ اس طرح بنی اُمیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی[2]۔

شام سے ابن زبیرؓ کے داعیوں کا اخراج اور مروان کا قبضہ :

گو مروان کی بیعت کے بعد بنی اُمیہ کے اُکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے۔ لیکن ابھی تک تمام ممالک اسلامیہ پر ابن زبیرؓ کا اثر غالب تھا۔ مصر، کوفہ، بصرہ، عواصم، خراسان میں ان کے داعی کام کر رہے تھے۔ بلکہ خود شام میں حمص، قنسرین اور دمشق ان ہی کے زیر اثر تھے۔ خاص پایۂ تخت دمشق پر ابن زبیرؓ کے داعی ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا۔ اس لئے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد ہی

---

۱ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴ ۲ تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۱۲۰۔ ۱۲۳

مروان نے ابن زبیرؓ کے کارکنوں کے اخراج کی طرف توجہ کی اور سب سے پہلے وہ اُموی پایۂ تخت دمشق کی طرف بڑھا۔ یہاں ابن زبیرؓ کا داعی ضحاک بن قیس تھا اور دوسرے شامی دعاۃ کی امداد واعانت بھی اس کی حاصل تھی۔ اس لئے مروان کا اور اس کا بہت زبردست مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں ضحاک مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ اس قتل کی خبر حمص پہنچی، تو وہاں کا کارکن نعمان بن بشیر بھی حمص چھوڑ کر بھاگا۔ مگر راستے میں قتل کر دیا گیا۔ قرقیسیا کے داعی نے بھی ان دونوں کا انجام دیکھ کر میدان خالی کر دیا۔ اس کے بعد مروان نے فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح شام کے وہ مقامات جو ابن زبیرؓ کے زیر اثر تھے، پھر بنی اُمیہ کے قبضہ میں آ گئے[1]

مصر پر قبضہ: مصر میں عبدالرحمٰن بن مجدم ابن زبیرؓ کی دعوت میں مصروف تھا۔ اس لئے شام سے فراغت کے بعد مروان مصر کی طرف بڑھا۔ عبدالرحمٰن اس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ اس کے نکلنے کے ساتھ دوسری سمت سے عمرو بن سعید اُموی مصر میں داخل ہو گیا۔ عبدالرحمٰن سے کچھ نہ بن پڑا اور اس نے گھبرا کر سپر ڈال دی اور مصر میں بھی مروان کی بیعت ہو گئی۔ مصر پر قبضہ کے بعد مروان دمشق واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اطلاع ملی کہ عبدالرحمٰن بن زبیرؓ کے بھائی مصعب دمشق پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر مروان نے فوراً عمرو بن سعید کو مصعب کے اخراج کے لئے آگے روانہ کر دیا۔ اس نے دمشق پہنچ کر مروان کے پہنچنے سے قبل ہی مصعب کو نکال دیا اور مروان پایۂ تخت میں داخل ہو گیا[2]

مروان کی وفات اور عبدالملک کی تخت نشینی:

اُوپر معلوم ہو چکا کہ مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولی عہد نامزد کئے گئے تھے۔ مصر وشام وغیرہ کے بعد مروان نے ان دونوں کا نام خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک کو ولی عہد بنا دیا۔ اس کے چند ہی دنوں بعد اس کا پیام اجل آ گیا۔ چنانچہ رمضان ۶۵ھ میں وہ چل بسا۔ اس کی وفات کے بعد عبدالملک اس کا جانشین ہوا۔

مختار ثقفی کا خروج:

بنی اُمیہ ابن زبیرؓ کی کشمکش کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک گمنام مگر عالی دماغ مختار بن ابی عبید ثقفی کو قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا، مگر اس جیسے معمولی آدمی کا کسی سہارے کے بغیر کامیاب ہونا مشکل تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب ابن زبیرؓ کا اثر غالب تھا۔ اس لئے وہ شروع میں ان کے ساتھ ہو گیا اور حسن تدبیر سے ان کے دماغ میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا[3]

---

[1] یعقوبی۔ جلد۲۔ ص ۳۰۵۔۳۰۶ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد۔ جلد ۵۔ ۷۱

لیکن چند دنوں کے بعد اس کو اندازہ ہوا کہ ان کے ساتھ رہ کر وہ حصول مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تو وہ توابین کی تحریک یعنی امام حسینؓ کے خون کا انتقام لینے والی جماعت میں جو اسی زمانہ میں قائم ہوئی تھی شامل ہوگیا اور جب اس تحریک کے سرکردہ مختلف لڑائیوں میں کام آگئے تو خود اس کا رہنما بن گیا۔ لیکن ابن زبیرؓ سے بھی تعلق قائم رکھا، اور ان پر اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اس تحریک کو موثر بنانے کے لئے حضرت زین العابدینؒ سے بھی اس کی سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی۔

اس سلسلے میں اس نے بہت سے گمراہ کن عقائد بھی اختراع کئے تھے، جن کا امام موصوف کو علم تھا، اس لئے انہوں نے اس کی درخواست مسترد کردی اور مسجد نبوی ﷺ میں تقریر کرکے مختار کی گمراہی اور مکروزور کا پردہ فاش کردیا۔ اور فرمایا کہ اس شخص نے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اہلِ بیت کی دعوت کو آڑ بنایا ہے، ورنہ اس کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان سے مایوس ہونے کے بعد مختار حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس پہنچا اور ان سے امامت قبول کرنے کی درخوست کی۔ امام زین العابدین نے انہیں بھی روکا، اور کہا کہ اہلِ بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے بالکل مختلف ہے اور وہ یہ دعویٰ صرف محبانِ اہل بیت کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے، ورنہ حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے۔

حضرت محمد بن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے رائے لی۔ اس زمانہ میں ابن زبیرؓ ان دونوں کو بیعت کے لئے مجبور کر رہے تھے اور ان کو ان کی جانب سے خطرہ تھا۔ اس لئے مختار کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ابن عباسؓ نے محمد بن مختار کو سرپرستی قبول کرنے کا مشورہ دیا[1]۔

محبان اہل بیت کا مرکز عراق تھا۔ وہاں یہ تحریک زیادہ کامیاب ہوسکتی تھی۔ اس لئے محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختار نے ان سے عراق میں کام کرنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ محمد بن حنفیہ نے محض ابن زبیرؓ کے خطرہ سے بچنے کے لئے مختار کی سرپرستی قبول کی تھی، ورنہ ان کو خود اس پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے عراق میں کام کرنے کی اجازت دینے کے بعد بھی انہوں نے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی اس کے ساتھ کردیا اور اس کو مختار سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کردی[2]۔

---

[1] مروج الذہب مسعودی۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۹۔ ۲۸۰ ملخصاً [2] ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۷۱

دوسری طرف مختار نے ابن زبیرؓ سے بھی مخفی تعلق رکھا، تاکہ اگر اس تحریک میں کامیابی نہ ہو تو ابن زبیرؓ کا دروازہ کھلا رہے اور ان سے اس نے کہا عراق میں اس کا قیام ان کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ اور وہاں جا کر وہ بنی ہاشم کو بنی اُمیہ کے مقابلہ میں ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرے گا[1]۔

ان دونوں سے الگ الگ اجازت لے کر وہ عراق پہنچا اور بڑی ہوشیاری سے اہل بیت کی تحریک کا رُخ آل فاطمہ سے محمد بن حنفیہ کی طرف موڑ دیا اور انہیں حضرت علیؓ کا جانشین اور مہدی موعود مشہور کر کے ان کی دعوت شروع کر دی[2]۔ اور بہت سے گمراہ عقیدے اختراع کئے[3]۔

کوفہ شیعان علیؓ کا مرکز تھا۔ یہیں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے توابین کی تحریک یہاں اُٹھ چکی تھی۔ عراقیوں کے دلوں میں عام طور پر قاتلین حسینؓ سے انتقام لینے کا جذبہ موجود تھا۔ اس لئے مختار کو اپنے مشن میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس وقت ابن زبیرؓ کی جانب سے عبداللہ بن مطیع کوفہ کے عامل تھے۔ انہوں نے مختار کے پاس عوام کی آمد رفت دیکھی تو اس کی طرف سے کھٹک گئے اور مختار سے اس کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا، لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں۔ اس جواب سے وقتی طور پر معاملہ ٹل گیا، لیکن اس قسم کے حیلوں سے اس کی کوششیں زیادہ دنوں تک راز نہ رہ سکتی تھیں اور ابھی اس میں اتنی قوت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ عبداللہ بن مطیع کے مقابلہ میں علی الاعلان آ جاتا۔ اس لئے اس کو کوفہ میں کسی با اثر پشت پناہ کی ضرورت تھی۔

حسن اتفاق سے یہاں کے ایک مقتدر اور با اثر شخص ابراہیم بن اشتر نخعی حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھے۔ مختار کی نظرِ انتخاب ان پر پڑی۔ اس نے محمد بن حنفیہ کی جانب سے انہیں ایک فرضی خط دے کر اپنا حامی بنا لیا اور ابرہیم اس کے پاس آنے جانے لگے۔ کوفہ کے پولیس افسر ایاس بن نضار کو خبر ہوئی، تو انہوں نے روک ٹوک کی۔ مگر ابراہیم نے اپنی قوت اور اپنے اثر کے زعم میں اس کی ایک نہ سنی۔ ایاس نے تنبیہ بھی کی کہ تمہاری آمد و رفت سے میرا شبہ بڑھتا ہے۔ اس لئے آئندہ اس کا سلسلہ بند کر کے خاموشی سے گھر میں بیٹھو۔ ورنہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ لیکن ابراہیم کوفہ کے معزز و مقتدر آدمی تھے۔ وہ اس کی دھمکی کو خاطر میں نہ لائے اور مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دے کر اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ مختار نے اجازت دے دی۔ اجازت ملنے کے بعد ابراہیم نے نہایت جرأت اور دلیری کے ساتھ اس کو قتل کر دیا۔

---

[1] مروج الذہب حوالہ مذکور　[2] فرق الشیعہ نوبختی　[3] تفصیل کے لئے دیکھو الملل والنحل شہرستانی۔ جلد اول۔ ص ۱۹۹

عبداللہ بن مطیع کا اخراج اور عراق پر مختار کا قبضہ :

عبداللہ بن مطیع حاکم کوفہ کو ایاس کے قتل کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے، لیکن اب معاملہ دار و گیر کی حد سے آگے بڑھ چکا تھا اور مختار کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ اس کے آدمی ابرہیم کی مدد کو پہنچ گئے اور ابراہیم نے عبداللہ بن مطیع کے آدمیوں کو بھگا دیا اور مختار نے عبداللہ کو قصر امارت میں گھیر لیا۔

حضرت عبداللہ نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور مختار کے آدمیوں نے محل میں اُترنے کے لئے کمند ڈال دی۔ عبداللہ نے جب دیکھا کہ اس کی جان بچنا مشکل ہے تو امان مانگ لی۔ مختار نے اس کی جان بخشی کی ایک لاکھ نقد دے کر آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے چلا جائے اور کوفہ اور اس کے ساتھ سارے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا اور تمام مقامات پر اس نے اپنے عمال مقرر کر دیئے[1] اور عراق میں صرف بصرہ ابن زبیرؓ کے پاس رہ گیا۔

محمد بن حنفیہ کی قید اور رہائی :

کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد کوفی شیعانِ ابن حنفیہ کو آزادی کے ساتھ ابن زبیرؓ کی مخالفت کا موقع مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے علانیہ ابن حنفیہ کی دعوت شروع کر دی۔ ابن زبیرؓ عرصہ سے ابن عباسؓ اور ابن حنفیہ سے بیعت لینے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن اب تک ان پر جبر نہ کیا تھا عراق پر مختار کے قبضہ کے بعد جب ان پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی اور ابن حنفیہ اور ابن عباسؓ سے اس کا تعلق معلوم ہوا تو انہوں نے محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں پر بیعت کے لئے دباؤ ڈالا اور ان کو اور بعض روایتوں کے مطابق ابن عباسؓ کو بھی زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے ایک مدت مقرر کر دی کہ اگر وہ لوگ اس مدت میں بیعت نہ کر لیں گے تو انہیں جلا دیا جائے گا۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے تھوڑی سے فوج محمد بن حنفیہ کو چھڑانے کے لئے بھیج دی اور ۴ لاکھ درہم ان کے خرچ کے لئے بھیجے۔ اس فوج نے محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو قید سے چھڑایا[2]۔

قاتلین حسینؓ کا قتل :

عراق قبضہ کرنے کے بعد مختار قاتلین حسینؓ کی تلاش میں نکلا اور شمر ذی الجوشن، خولی اصبحی اور عمر بن سعد کو قتل کر کے ان کے سر محمد بن حنفیہ کے پاس بھجوا دیئے اور ایک کرسی بنوا کر اپنے

---

[1] یہ تمام حالات ملخصاً اخبار الطوال۔ ص ۲۹۶۔ ۳۰۰ سے ماخوذ ہیں۔ [2] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۰۶۔ ۲۰۷ ملخصاً

اتباع کو یقین دلایا کہ یہ کرسی حامل اسرار اور بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ کی طرح متبرک ہے، اسی کرسی پر وہ تمام معرکوں میں نکلتا تھا[1]۔

درحقیقت مختار بنی اُمیہ اور ابن زبیرؓ دونوں کو زیر کر کے اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا، خونِ حسینؓ کی دعوت کے ذریعہ بنی اُمیہ کے مقابلہ میں اس کو عوام کی تائید حاصل ہوگئی تھی۔ اسی طرح ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں بھی اسے بہت سے حامی مل گئے، اس لئے اس کو دونوں کے مقابلہ میں آسانی ہوئی۔ مختار کا تبلیغی مرکز عراق چونکہ ابن زبیرؓ کے قبضہ میں تھا، اس لئے پہلا تصادم انہی سے ہوا۔ پھر عراق پر قبضہ کے بعد مختار کی قوت بڑھ گئی، تو بنی اُمیہ کو بھی اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اُموی حاکم عبید اللہ بن زیاد نے مختار کے عامل موصل عبدالرحمن بن سعید پر فوج کشی کردی۔ عبدالرحمن نے اس کو شکست دے کر قتل کردیا، اس طرح چند دنوں کے اندر ہاتھوں ہاتھ تمام قاتلین حسینؓ کا خاتمہ ہوگیا[2]۔

کوفی عربوں اور مختار میں مخالفت :

مختار اپنے خروج سے اس وقت تک اٹھارہ مہینہ مسلسل عجمیوں کے بل پر بنی اُمیہ اور زبیرؓ کا کامیاب مقابلہ کرتا رہا[3]۔ ان تمام معرکوں میں اس کے دست راست و باز و زیادہ تر عجمی تھے۔ اس لئے اس کی توجہ تمام تر ان کی جانب مبذول رہی۔ ان کے مراتب بڑھا دیئے، انہیں بڑے بڑے مناصب پر ممتاز کیا۔ ان کی اولاد کے وظائف مقرر کئے، ان کو اپنا مشیر کار اور ہم جلیس بنایا۔ اس کے مقابلہ میں عربوں کے ساتھ اس کا طرز عمل نہایت غیر منصفانہ اور اہانت آمیز تھا۔ انہیں مال و زر سے بھی محروم رکھا اور تقرب و ہم جلیسی سے بھی دور رکھا۔ عربوں کے لئے یہ اہانت آمیز سلوک سخت اشتعال انگیز تھا۔ چنانچہ وہ سب اس سے بگڑ گئے اور تمام اشراف عرب نے مجتمع ہو کر اس کے خلاف غصہ و نفرت کا اظہار کیا۔ اس نے جواب دیا :

خدا تم کو غارت کرے، میں نے تم کو اعزاز بخشا، تم نے غرور کیا۔ تم کو والی بنایا، تم نے خراج کی رقم گھٹا دی۔ عجمی تم سے زیادہ مطیع و منقاد اور میرے چشم و ابرو کے پابند ہیں۔ یہ جواب سن کر عربوں نے کہا یہ کذاب ہے۔ اور بنی ہاشم کے پردہ میں اپنی دنیا بنانا چاہتا ہے اور سب کے سب اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مختار نے ان کی مخالفت دیکھی تو عجمیوں کو جمع کر کے کہ "عربوں نے

۱؎ اخبار الطوال۔ ص ۲۹۶۔ ۳۰۰ ملخصاً ۲؎ یعقوبی۔ جلد ۳۔ ص ۳۰۸ وابوالفداء۔ جلد ۱۔ ص ۱۹۵
۳؎ چونکہ بنی اُمیہ اور مختار کی معرکہ آرائیاں ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اس لئے ہم نے انہیں قلم انداز کردیا۔

محض تمہاری وجہ سے میری مخالفت کی ہے، اس لئے ان کے مقابلہ میں تم کو اپنی شرافت اور وفاداری کا ثبوت دینا چاہئے''۔ اس کی نفسی دلیل پر چالیس ہزار عجمی عربوں کے مقابلہ میں اس کی حمایت پر آمادہ ہو گئے اور کوفہ میں دونوں میں نہایت زبردست مقابلہ ہوا۔ دینوری کی روایت کے مطابق عمر بن سعد اور شمر بھی اس مقابلہ میں عربوں کی جماعت میں تھے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے قتل کئے جا چکے تھے۔ بہر حال اس معرکہ میں پانچ سو کوفی عرب قتل اور دو سو گرفتار ہوئے۔ اشراف کوفہ نے اپنا پہلو کمزور دیکھا تو کوفہ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ چلے گئے [1]۔

مصعب سے کوفی عربوں کی استمداد :

کوفیوں کو شکست دینے کے بعد مختار نے اشراف کوفہ پر سختی شروع کر دی۔ اس لئے یہ لوگ کوفہ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ چلے گئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ اس کذاب کے مقابلہ میں کیوں نہیں نکلتے۔ اس نے ہمارے اشراف کا قتل کیا، ہمارے گھروں کو ڈھایا، ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیرا۔ عجمیوں کو ہمارے سر چڑھایا، ہمارا مال ومتاع ان کے لئے مباح کر دیا۔ آپ اس کے مقابلہ میں نکلئے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور کوفہ کے کل عرب آپ کا ساتھ دیں گے۔

مصعب اور مختار کا مقابلہ اور مختار کا قتل :

اس درخواست پر مصعب نے اپنے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو خارجیوں کے مقابلہ میں برسر پیکار تھا بلا کر مختار سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختار کو اس کا علم ہوا تو اس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مصعب بھی اپنی فوج لئے ہوئے بڑھے۔ مذار میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مختار کی فوج شکست کھا کر کوفہ کی طرف بھاگ نکلی۔ مصعب نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کیا اور تعاقب کرتے ہوئے کوفہ تک پہنچ گئے۔ اس وقت مختار اپنی فوج لے کر خود آگے بڑھا۔ نہر بصرین کے پاس دونوں میں مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی مختار کو شکست ہوئی اور اس کے بے شمار آدمی مارے گئے اور مختار شکست کھا کر کوفہ میں داخل ہو گیا۔ مصعب بھی تعاقب میں چلے گئے۔

مختار دار الامارۃ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مصعب نے دار الامارۃ کو گھیر لیا اور چالیس دن تک نہایت سختی کے ساتھ محاصرہ قائم رہا۔ مسلسل دو شکستوں سے مختار کی قوت بہت کمزور پڑ چکی تھی، اس لئے محاصرہ کی تاب نہ لا سکا۔

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۳۰۶۔ ۳۰۷

جب اس کے سامنے ہلاکت کے سوا مفر کی صورت باقی نہ رہی اس وقت اس نے حمایت اہلِ بیت کی نقاب اُلٹ دی اور اپنے اصل رنگ میں نمایاں ہو گیا اور اپنے مقرب خاص سائب بن مالک اشعری سے کہا، اب وقت آ گیا ہے کہ ہمارے ساتھ نکلو اور دین کے لئے نہیں بلکہ حسب کے لئے آخری مقابلہ ہو جائے۔

سائب نے یہ غیر متوقع کلمات سن کر انا للہ پڑھا، اور پوچھا، ابواسحٰق! ہم لوگ اب تک یہ سمجھ رہے تھے کہ تم مذہب کے لئے جانبازی دکھا رہے ہو۔ مختار نے نہایت صفائی کے ساتھ جواب دیا نہیں اپنی عمر کی قسم ہرگز نہیں! یہ تمام لڑائیاں صرف دنیا طلبی کے لئے تھیں۔ میں نے دیکھا کہ شام پر عبدالملک کا قبضہ ہے، حجاز پر عبداللہ بن زبیرؓ قابض ہیں۔ بصرہ مصعب کے ہاتھوں میں ہے، عروض پر نجدہ خروری کا تسلط ہے، خراسان عبداللہ بن خازم کے زیر فرمان ہے اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں۔ اس لئے مجھ میں بھی قسمت آزمائی کا جذبہ پیدا ہوا۔ لیکن حسینؓ کے خون کے انتقام کی دعوت کے بغیر مجھ کو کامیابی نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے اس کو آڑ بنایا۔

اس تقریر کے بعد گھوڑا تیار کرایا، ذرہ منگائی اور اپنے خاص حفاظتی دستہ کو لے کر آخری مقابلہ کے لئے نکلا اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑتا رہا، لیکن اس کی قوت کمزور پڑ چکی تھی، ساتھیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے عین میدانِ جنگ میں ساتھ چھوڑ دیا اور مختار کو مجبور ہو کر پھر قصر امارۃ کی جانب پسپا ہو جانا پڑا۔ اس پسپائی میں اس کے چھ ہزار آدمی قصر میں داخل ہو گئے مگر وہ خود تین سو سواروں کی قلیل جماعت کے ساتھ باہر ہی رہ گیا۔

مصعب کے ساتھیوں نے اس کا راستہ روک دیا، لیکن اس وقت بھی مختار قصر کی دیوار کی آڑ لے کے مقابلہ کرتا رہا، اسی مقابلہ میں بنی حنفیہ کے دو آدمیوں نے تلوار سے زخمی کر کے گرا دیا اور سر قلم کر کے مصعب کے سامنے پیش کیا گیا۔ مصعب نے اس صلہ میں تیس ہزار انعام دیا اور مختاری فتنہ کا خاتمہ ہو گیا[1]۔

محمد بن حنفیہ کی جلاوطنی :

مختار کی زندگی تک محمد بن حنفیہ کا بازو قوی تھا۔ اس لئے ابن زبیرؓ نے ان کی رہائی کے بعد ان سے بیعت کے بارے میں اصرار نہیں کیا۔ مختار کے قتل کے بعد جب محمد بن حنفیہ کا کوئی پشت پناہ باقی نہ رہا، تو پھر ابن زبیرؓ نے ان سے بیعت کا مطالبہ شروع کیا اور ان سے کہلا بھیجا کہ اگر تم آسانی سے

[1] اخبار الطوال۔ ص ۳۱۰۔ ۳۱۵ ملخصاً

بیعت نہ کرو گے تو لڑ کر زبردستی بیعت لی جائے گی۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے اس کی بھی پروانہ کی اور پھر بیعت سے انکار کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عبدالملک اور ابن زبیرؓ میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ عبدالملک کو ابن زبیرؓ کی اس دھمکی کی خبر ملی تو اس نے محمد بن حنفیہ سے کہلا بھیجا کہ تم میرے پاس شام چلے آؤ، یہاں اطمینان کے ساتھ رہو گے۔ عبدالملک محمد بن حنفیہ کا ابن زبیرؓ سے زیادہ دشمن تھا۔ مگر محمد اس وقت ابن زبیرؓ کے طرزِ عمل سے بہت زیادہ دل برداشتہ تھے۔ اس لئے عبدالملک کے دعوت قبول کر لی اور شام روانہ ہو گئے۔ مگر مدین پہنچ کر ان کو عبدالملک کی طرف سے فریب کا خطرہ پیدا ہوا۔ اس لئے وہ ایلہ میں اُتر پڑے۔

یہاں ان کے زہد و ورع کا بڑا چرچا ہوا۔ عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو عوام میں ان کی قبولیت اور پذیرائی سے اس کو خطرہ محسوس ہوا اور اس نے ابن حنفیہ کو لکھ بھیجا کہ جو شخص میری بیعت نہیں کرے گا وہ میری حدودِ مملکت میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے محمد حنفیہ پھر مکہ لوٹ گئے اور بیرون شہر شعب ابی طالب میں قیام کیا۔ اس وقت پھر ابن زبیرؓ نے بیعت اور شہر مکہ میں آنے کے لئے اصرار کیا۔ جب محمد بن حنفیہ نے دیکھا کہ یہاں رہ کر ابن زبیرؓ کی بیعت سے مفر مشکل ہے تو طائف چلے گئے۔

حضرت ابن عباسؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ ابن زبیرؓ کے پاس گئے، دونوں میں تلخ گفتگو ہوئی اور ابن عباسؓ بھی مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ محمد بن حنفیہ کے ساتھ ساتھ ابن زبیرؓ نے ابن عباسؓ سے زبردستی بیعت لینے کے لئے اصرار شروع کیا تھا۔ ان کے اصرار سے تنگ آ کر دونوں ساتھ طائف چلے گئے تھے۔

مختار کے قتل کے بعد ابراہیم بن اشتر جو حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے، مصعب کی امان میں آ گئے۔ کیونکہ اب بنی اُمیہ اور مصعب کا مقابلہ تھا اور بنی اُمیہ کے مقابلہ میں وہ ابن زبیرؓ کو مرجع سمجھتے تھے۔ مصعب کے ساتھ ملنے کے بعد ابراہیم ان کے معتمد علیہ بن گئے۔ ابھی تک مختار کی فوج جو آخری پسپائی کے وقت داخل ہو گئی تھی بدستور قلعہ بند تھی۔ جب اس کا سامان رسد ختم ہو گیا تو وہ بھی امان مانگنے پر مجبور ہو گئی۔ مصعب نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم سپر ڈال کر پوری طرح اطمینان نہ دلا دو گے، اس وقت تک امان نہیں دی جا سکتی۔ یہ سب بھوکوں مر رہے تھے اس لئے چار و ناچار سپر ڈال کر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ مصعب نے ان سب کی گردنیں قلم کرا دیں۔

ابن زبیرؓ کا غلبہ اور عبدالملک کی تیاریاں :

مختار کا قتل ابن زبیرؓ کے لئے مختلف حیثیتوں سے نہایت مفید ہوا۔ اس کا کل مقبوضہ علاقہ ان کے قبضہ میں آگیا اور دو حریفوں کے بجائے صرف ایک حریف عبدالملک باقی رہ گیا، جس سے نپٹنا نسبتاً آسان تھا۔ اس لئے بنی اُمیہ کے سامنے پھر ایک مرتبہ موت اور زیست کا سوال پیدا ہو گیا۔ چنانچہ عبدالملک نے اپنے خاندان کے اصحاب رائے کو جمع کر کے کہا، ابن زبیرؓ کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب تمہارے گھر پر ان کی فوج کشی کا خطرہ ہے۔ اس سے بچنے کے لئے تم لوگ کیا رائے دیتے ہو اس سوال پر سب نے بالاتفاق ابن زبیرؓ سے مقابلہ کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق عبدالملک نے کل ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیئے کہ تمام چھاؤنیوں کی فوجیں شام کی سرحد پر جمع ہوں۔ اس حکم پر شامی فوجوں کا انبوہ عظیم جمع ہو گیا۔

مصعب کی مقابلہ کی تیاریاں :

حضرت مصعب کو عبدالملک کے انتظامات کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اپنی فوجیں بڑھائیں۔ مقام دیر حانات پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مصعب کے آدمی اُموی فوجوں کے ٹڈی دل دیکھ کر گھبرا گئے اور اس کے مقابلہ میں اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ مصعب نے اپنے بھائی عروہ بن زبیرؓ سے پوچھا کہ حسینؓ نے دشت کربلا میں ایسے نازک وقت میں کیا کیا تھا؟ انہوں نے پوری تفصیل بیان کر کے کہ ابن زیاد نے ان سے اطاعت قبول کرانی چاہی، لیکن حسینؓ نے انکار کر دیا اور آزادی کی موت کی غلامی کی زندگی پر ترجیح دی، حریت اور آزادی کا یہ درس سن کر مصعب کی رگ و پے میں ایک نئی رُوح دوڑ گئی اور وہ یہ رجز پڑھنے لگے :

فان الا بالطف من ال بنی هاشم　　تاسر فسنو اللكرام الناسيا

''آل ہاشم میں سے ان لوگوں نے مقام طف میں تقلید کی اور شریفوں کے لئے تقلید کی راہ پیدا کر دی''

عبدالملک نے اس مرتبہ ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے بڑے بڑے انتظامات کئے تھے۔ ان کے تمام حامیوں کو طمع دلا کر انہیں توڑنے کی کوشش کی تھی[1]۔ عراق کے تمام مروانی طمع میں آکر اس سے مل گئے تھے[2]۔ زفر بن حارث جو قرقیسا میں ابن زبیرؓ کا رکن تھا، عبدالملک کا مطیع ہو گیا تھا[3]۔

اس سلسلہ میں عبدالملک نے ابراہیم بن اشعر کو بھی جو ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، خط لکھا تھا کہ تم نے محض دشمنی کی بنا پر میری اطاعت نہیں قبول کی، اگر مع اپنے زیر اثر اشخاص کے میری

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۳۱۷　[2] طبری۔ جلد ۸ ص ۸۰۴　[3] مروج الذہب۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۰

اطاعت قبول کر لو تو وہ علاقہ جو فرات سے سیراب ہوتا ہے تم کو عطا کر دیا جائے گا۔

ابراہیم نے یہ خط لاکر مصعب کے سامنے پیش کر دیا۔ اگر مجھ کو مشرق سے لے کر مغرب تک کا علاقہ بھی دیا جائے تو بھی میں صفیہ کی اولاد کے مقابلہ میں بنی اُمیہ کی مدد نہ کروں گا، اور یہ خط تنہا میرے ہی پاس نہیں آیا ہے۔ بلکہ آپ کے تمام بڑے بڑے ممتاز افسروں کو اس قسم کی طمع دلائی گئی ہے۔ جس سے بہتوں کی نیتوں میں فتور اور ارادوں میں تذبذب بھی پیدا ہو گیا ہے، اگر اجازت ہو تو ان سب کی گردنیں اُڑا دوں۔ مصعب نے کہا،

وقت کی نزاکت کے پیش نظر یہ کاروائی مناسب نہیں ہے۔ اس سے مقتولین کے قبائل میں بد دلی پیدا ہو جائے گی۔ جو ہمارے لئے مضر ہے۔ ابراہیم نے کہا، اگر ایسے لوگوں کا قتل نہ کیا جائے تو کم از کم مشتبہ لوگوں کو ہی گرفتار کر لیا جائے، کامیابی کے بعد پھر انہیں چھوڑ دیا جائے گا، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر خدانخواستہ کوئی ناخوشگوار صورت پیش آئی تو یہ کاروائی حفظ ماتقدم کا کام دے گی۔ مصعب نے کہا اگر آج میں لوگوں کو قید کرتا ہوں تو یہ لوگ اس کو امیر المومنین کے سامنے میرے خلاف ثبوت پیش کریں گے۔ ابراہیم نے کہا، اگر آپ اتنا بھی نہیں کر سکتے تو پھر موت کے سوا چارہ نہیں، بسم اللہ چلئے اور شریفانہ جان دیجئے، میں ہمہ تن فداکاری کے لئے تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد دونوں نے فوجیں بڑھا کر دیر جاثلیق میں اُتار دیں۔ صبح اُٹھ کر دیکھا تو ابراہیم کی پیشن گوئی بالکل صحیح نکلی، تمام مشتبہ لوگ عبدالملک سے مل گئے تھے۔ اس وقت ابراہیم نے مصعب سے کہا، آپ نے دیکھا، میری رائے کس قدر صحیح تھی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا ہے[1]۔

ابراہیم کا قتل : غرض دیر جاثلیق میں فریقین کا مقابلہ ہوا اور ابراہیم، محمد بن مروان کے مقابلہ میں نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر میں ابراہیم نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ محمد بن مروان کے پاؤں لغزش میں آگئے مگر عبدالملک کی بروقت کمک نے پھر پیر جما دیئے[2]۔

گو مصعب پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے، لیکن میدان جنگ میں انہی کا پلہ بھاری رہا اور جس قدر جنگ طول کھینچتی جاتی تھی، اسی قدر اُموی فوج کا پہلو کمزور پڑتا جاتا تھا اور قریب تھا کہ وہ سپر ڈال کر میدان چھوڑ دے، عین اسی وقت ابن زبیرؓ کی فوج کے ایک ممتاز آدمی عتاب بن ورقا تمیمی کا ابراہیم کی اس شجاعت پر حسد ہوا اور اس نے کوشش کی کہ اس کامیابی کا سہرا ابراہیم کے سر نہ بندھنے پائے۔ چنانچہ ابراہیم سے کہا، رات ہو چکی ہے سپاہی تھک چکے ہیں اس لئے جنگ روک دینی چاہئے۔

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۳۱۷ [2]

ابراہیم نے کہا، دشمن مقابل میں ہے، اس لئے جنگ کس طرح روکی جاسکتی ہے۔ عتاب نے کہا کم ازکم میمنہ ہی کو آرام لینے دو۔ ابراہیم نے اس سے بھی انکار کیا۔ اس انکار پر عتاب کی آتش حسد اور زیادہ مشتعل ہوگئی اور وہ میمنہ کو جس کی کمان وہ خود کر رہا تھا، میدان سے ہٹا لے گیا۔ اس کے ہٹتے ہی مصعب کی فوج کا ایک بازو کمزور پڑ گیا۔

محمد بن مروان کے میسرہ نے اندازہ کر کے نہایت زور شور کا حملہ کیا، اس کے حملہ کے ساتھ ہی اُموی سوار ہر طرف سے نیزے لے کر ابراہیم پر ٹوٹ پڑے اور وہ زخمی ہو کر گھوڑے کی پشت سے زمین پر گر گئے۔ ان کے گرتے ہی اُمویوں نے بڑھ کر سر تن سے جدا کر لیا۔ ابراہیم کے قتل سے ابن زبیرؓ کا بڑا زبردست بازو ٹوٹ گیا[1]۔

عیسیٰ بن مصعب کا بہادرانہ قتل :

حضرت ابراہیم مصعب کے دستِ راست تھے۔ اس لئے ان کے قتل سے ان کی قوت بہت کمزور ہوگئی اور اس کے بالمقابل عبدالملک کو تازہ دم مدد مل گئی۔ پھر بھی مصعب ہمت نہ ہارے اور دوسرے دن پھر مقابلہ میں نکلے۔ لیکن اب ان کی قوت ختم ہو چکی تھی۔ اس پر مستزاد یہ ہوا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے مفرور ربیعہ کے قبائل نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اور مصعب کے ساتھ کل سات آدمی باقی رہ گئے۔ اس وقت انہوں نے اپنے صاحبزادہ عیسیٰ سے کہا ''اب میرے قتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، تم خواہ مخواہ اپنی قیمتی جان ضائع نہ کرو اور مکہ جا کر اپنے چچا سے عراقیوں کی بے وفائی کا حال سنا دو۔ غیور لڑکے نے جواب دیا ''میں قریش کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ باپ کو چھوڑ کر بھاگ آیا''۔ مصعب نے کہا ''اگر نہیں جاتے تو میرے سامنے میدان میں نکلو، تا کہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے تمہاری حفاظت کرلوں۔ باپ کے اس حکم پر لڑکا آگے بڑھا اور لڑتے لڑتے باپ کے اُوپر سے فدا ہو گیا۔

مصعب کا قتل : عبدالملک اور مصعب کے بہت پرانے تعلقات تھے۔ لیکن سیاست کی بازی نے دونوں کو میدانِ جنگ میں دوسرے کے مقابل حریفانہ کھڑا کر دیا تھا۔ مگر گذشتہ تعلقات کا لحاظ کر کے عبدالملک انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ عیسیٰ کے قتل کے بعد اس نے اپنے مشیروں سے مصعب کی جان بخشی کے بارے میں مشورہ کیا۔ اس میں اتنا اختلاف پیدا ہوا اور اتنا بڑھا کہ نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ مگر عبدالملک کسی قیمت پر بھی مصعب کے خون کا بار اپنے اُوپر لینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اختلاف رائے کے باوجود اس نے مصعب کے بھائی محمد کے ذریعہ امان بھجوادی۔ انہوں نے

---

[1] مروج الذہب مسعودی۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۲

جا کر مصعب سے کہا کہ "امیر المومنین نے تمہاری خطاؤں سے در گذر کر کے تمہاری جان و مال کو امان دے دی ہے، تم جہاں دل چاہے چلے جاؤ"۔ ابھی محمد نے یہ پیام پہنچایا تھا کہ ایک اُموی سپاہی مصعب کے لڑکے عیسیٰ کا سر تن سے جدا کرنے کے لئے بڑھا۔

دل شکستہ باپ سے یہ منظر نہ دیکھا گیا، مصعب اسے ہٹانے کے لئے بڑھے۔ اس وقفہ میں شامیوں نے اپنے آدمی کو ہوشیار کر دیا۔ مصعب کا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا، اس لئے وہ گھوڑے سے اُتر پڑے۔ عبید اللہ بن زیاد بن ظبیان جو انہیں دیکھ رہا تھا، ان کی طرف لپکا، انہوں نے اس کو زخمی کر دیا۔ لیکن خود زخموں سے چور ہو رہے تھے، اس لئے زیادہ دیر تک مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی۔ اس لئے بالآخر عبید اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا اور حضرت زبیرؓ بن عوام کا گوہر آبدار اور ابن زبیرؓ کا دست بازو پیوند خاک ہو گیا اور عراق پر عبد الملک کا قبضہ ہو گیا[1]۔

ابن زبیرؓ سے مقابلہ کی تیاریاں :

مصعب کے قتل سے عبد اللہ بن زبیرؓ کا بازو بالکل ٹوٹ گیا اور ان کا کوئی سچا خیر خواہ اور مخلص و معتمد علیہ باقی نہیں رہا۔ دوسری طرف عراق کا علاقہ نکل جانے سے ابن زبیرؓ کی آمدنی میں بڑی کمی ہو گئی تھی اور عبد الملک کے لئے ان کا زیر کر لینا آسان ہو گیا[2]۔ چنانچہ ۷۲ھ میں اس نے ابن زبیرؓ کا قصہ چکانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ایک دن منبر پر چڑھ کر مجمع سے سوال کیا کہ تم میں سے کون ابن زبیرؓ کے قتل کا بیڑا اُٹھاتا ہے؟ اس سوال پر حجاج نے اپنا نام پیش کیا۔ عبد الملک نے تین مرتبہ یہ سوال دہرایا، اور تینوں مرتبہ حجاج نے یہی جواب دیا، اور کہا "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے ایک ڈھال چھین کر لگالی ہے[3]۔

حرم کا محاصرہ :

چنانچہ عبد الملک نے ذیقعدہ ۷۲ھ میں حجاج کو ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اس وقت حضرت ابن زبیرؓ حرم محترم میں پناہ گزین تھے۔ اس لئے حجاج نے مکہ پہنچ کر حرم کا محاصرہ کر لیا اور مسلسل کئی مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، اس پوری مدت میں ایسی ہولناک آتش زنی اور سنگ باری ہوتی رہی کہ اس کی چمک اور دھماکوں سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان زمین پر آجائے گا[4]۔

---

۱ مروج الذہب مسعودی۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۲۔ ۵۲۳ ۲ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۵۱ ۳ طبری۔ جلد ۸۔ ص ۸۴۳
۴ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۸۶

حضرت ابن زبیر نہایت دلیری اور پامردی سے مقابلہ کرتے رہے اور ان کے اطمینان وسکون میں مطلق فرق نہ آیا۔ عین سنگباری کی حالت میں وہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے، اور بڑے بڑے پتھر آکر ان کے پاس گرتے تھے، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تھے[1]۔

سامانِ رسد کا اختتام اور ابن زبیرؓ کے ساتھیوں کی بے وفائی :

ابتدا میں ابن زبیرؓ کے پاس سامان رسد کافی تھا، لیکن اتنے طویل محاصرہ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس لئے آخر میں رسد کی قلت کی وجہ سے سواری کے گھوڑے ذبح کر کے کھانے کی نوبت آگئی۔ پورے مکہ میں عام قحط پڑ گیا۔ ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی، چنانچہ ایک مرغی دس درہم کو ملتی تھی۔ باجرہ جیسا معمولی غلہ ۱۲ درہم فی رطل بکتا تھا۔ ایسی حالت میں زیادہ دنوں تک استقلال دکھانا مشکل تھا۔ چنانچہ ابن زبیرؓ کے ساتھی محاصرہ کی سختیوں اور بھوک کی تکلیف سے عاجز آکر حجاج کے دامن میں پناہ لینے لگے اور رفتہ رفتہ دس ہزار آدمی ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے مل گئے۔ حتیٰ کہ ابن زبیرؓ کے دو صاحبزادوں حمزہ اور حبیب نے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ البتہ ایک صاحبزادہ آخر دم تک ثابت قدم رہے اور اسی ثابت قدمی میں مارے گئے۔

حضرت اسماءؓ کا مشورہ اور ان کا شجاعانہ جواب :

ماں حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''اماں میرے ساتھیوں نے ایک ایک کر کے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے، حتیٰ کہ میرے لڑکے بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اب صرف چند فداکار باقی رہ گئے ہیں، لیکن ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے اور ہمارا دشمن ہماری منشاء کے مطابق مطالبات پورے کرنے پر آمادہ ہے۔ ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں؟

اس وقت حضرت اسماءؓ کی عمر سو (۱۰۰) برس سے متجاوز ہو چکی تھی۔　جوان بیٹوں اور پوتوں کے داغ اُٹھا چکی تھیں، دل وجگر فگار ہو رہے تھے۔ نامور بیٹوں میں صرف حضرت عبداللہؓ باقی تھے۔ ان حالات، اس پیرانہ سالی اور ایسی خستہ دلی کی حالت میں صدیق اکبرؓ کی اولوالعزم بہادر بیٹی نے آمادہ بہ قتل بیٹے کو جو شریفانہ جواب دیا، اس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

فرمایا : ''بیٹا تم کو اپنی حالت کا خود صحیح اندازہ ہوگا، اگر تم کو اس کا یقین ہے کہ تم حق پر ہو، اور حق کی دعوت دیتے ہو تو جاؤ اس کے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس پر جان دی ہے۔ لیکن اگر تمہارا مقصد دنیا طلبی ہے تو تم سے بڑھ کر بُرا کون خدا کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۸۶

اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا۔ اگر یہ عذر ہے کہ تم حق پر ہو اور اپنے اعوان وانصار کی کمزوری کی وجہ سے لاچار ہو گئے ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا دنیاوی زندگی سے بہتر ہے''۔

ماں کی زبان سے یہ بہادرانہ جواب سن کر کہ ''اماں مجھے یہ خوف ہے کہ اگر بنی اُمیہ میرے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے اور اس کی بے حرمتی کریں گے''۔ بہادر ماں نے جواب دیا ''بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کی کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو''۔

یہ حوصلہ افزا کلمات سن کر ابن زبیرؓ کی ڈھارس بندھی، اماں کے سر کا بوسہ دیکر کہا میری بھی یہی رائے ہے۔ پھر مختصر الفاظ میں اپنی صفائی پیش کر کے کہ ''میں نے یہ صفائی اپنے نفس کو کمزوریوں سے مبرا ظاہر کرنے کے لئے نہیں پیش کی ہے۔ بلکہ اس کا مقصد صرف یہ کہ آپ کو تسکین رہے کہ آپ کے لڑکے نے ناحق بات کے لئے جان نہیں دی''۔

ماں نے جواب دیا ''مجھے امید ہے کہ میں ہر حالت میں صبر وشکر سے کام لوں گی، اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر کروں گی اور اگر کامیاب ہوئے، تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی، اچھا اب جاؤ، دیکھو خدا کیا انجام دکھاتا ہے''۔ ابن زبیرؓ دعا کے طالب ہوئے، ماں نے ان کے حق میں دعا کی اور انہیں خدا کے سپرد کیا، پھر اپنے لئے صبر وشکر کی دعا کی اور حضرت عبداللہؓ سے کہا ''بیٹا جاؤ کہ آخری مرتبہ تم سے رخصت ہولوں''۔ ابن زبیرؓ نے کہا میں بھی آخری رخصتی کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ اب دنیا میں یہ میرے آخری دن ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے گلے سے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا ''جاؤ اپنا کام پورا کرو''۔ اتفاق سے گلے لگانے میں ابن زبیرؓ کی زرہ پر ہاتھ پڑ گیا، پوچھا، بیٹا یہ کیا؟ ''جان دینے والوں کا یہ شیوہ نہیں ہے''۔

شہادت: ماں کے اس فرمان پر انہوں نے جان کی حفاظت کا یہ آخری سہارا بھی اُتار دیا اور کپڑے درست کر کے رجز پڑھتے ہوئے رزمگاہ پہنچے اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے شامی خاک و خون میں تڑپ گئے۔ لیکن شامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے ابن زبیرؓ کے ساتھی ان کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ان کے ریلے سے منتشر ہو گئے۔ ایک خیر خواہ نے ایک محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ فرمایا، ایسی حالت میں مجھ سے بُرا کون ہوگا کہ پہلے اپنے ساتھیوں کو قتل ہونے کے لئے سامنے کر دیا اور ان کے قتل ہونے کے بعد میں ان کی جیسی موت سے بھاگ نکلوں''۔

اب ابن زبیرؓ کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی۔ اس لئے شامی برابر آگے بڑھتے آرہے تھے، یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے تمام پھاٹکوں پر ان کا ہجوم ہو گیا۔ لیکن ابن زبیرؓ اس حالت میں بھی شیر کی طرح چاروں طرف حملہ آور ہوتے اور جدھر رُخ کر دیتے تھے۔ شامی کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔ حجاج نے جب دیکھا کہ کوئی شامی ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتا تو خود سواری سے اُتر پڑا اور اپنی فوج کو للکار کر ابن زبیرؓ کے علمبردار کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن ابن زبیرؓ نے بڑھ کر اس بڑھتے ہوئے ہجوم کو بھی منتشر کر دیا اور نماز پڑھنے کے لئے مقام ابراہیم پر چلے گئے۔ شامیوں نے موقع پا کر ان کے علمبردار کو قتل کر کے علم چھین لیا۔ ابن زبیرؓ نماز پڑھ کر لوٹے تو بڑی دیر تک بغیر علم کے لڑتے رہے۔[۱]

عین اس حالت میں ایک شامی نے ایسا پتھر مارا کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا اور چہرے سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ ڈاڑھی خون سے تر ہو گئی۔ اس خونبانہ فشانی پر ابن زبیرؓ نے یہ شجاعانہ شعر پڑھا،

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا
ولکن علی اقدامنا تقطر الدماء

''یعنی ہم وہ نہیں (پیٹھ پھیرنے کی وجہ سے جن کی ایڑیوں پر خون گرتا ہے، بلکہ سینہ سپر ہونے کی وجہ سے) ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے''۔

یہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور پوری شجاعت و دلیری سے لڑتے جاتے تھے، لیکن زخموں سے چور ہو چکے تھے۔ ساتھیوں کی ہمت پست ہو چکی تھی۔ شامیوں کا انبوہ کثیر مقابل میں تھا۔ اس لئے آخر میں انہوں نے ہر طرف سے یورش کر کے قتل کر دیا اور جمادی الثانی ۷۳ھ کا یہ یگانہ بہادر، حواری رسول ﷺ کا لخت جگر اور ذات النطاقین کا نور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔[۲]

حجاج کی شقاوت، لاش کی بے حرمتی اور حضرت اسماءؓ کی بہادری:

سنگدل اور کینہ توز حجاج کی آتشِ انتقام ابن زبیرؓ کے خون سے بھی نہ بجھی۔ قتل ہونے کے بعد اس نے سر کٹوا کر عبدالملک کے پاس بھجوا دیا اور لاش قریش کی عبرت کے لئے بیرون شہر ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی۔[۳]

۱۔ یہ تمام حالات ملخصاً ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۸۶۔ ۲۸۹ مستدرک حاکم تذکرہ ابن زبیرؓ سے ماخوذ ہیں۔
۲۔ طبری۔ جلد ۸۔ ص ۸۵۰ و مستدرک تذکرہ ابن زبیرؓ ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۰

حضرت اسماءؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ "خدا تجھے غارت کرے تو نے لاش سولی پر کیوں آویزاں کرائی"۔ اس سنگدل نے جواب دیا، "ابھی میں اس منظر کو باقی رکھنا چاہتا ہوں"۔ اس کے بعد تجہیز و تکفین کی اجازت مانگی۔ لیکن حجاج نے اس کی بھی اجازت نہ دی اور اس اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادر کی لاش جس نے زندگی میں سات برس تک بنی اُمیہ کو لرزہ براندام کئے رکھا تھا، شارع عام پر تماشا بنی رہی۔ قریش آتے تھے، دیکھتے تھے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے گزر جاتے تھے۔

اتفاقاً ابن عمرؓ کا گزر ہوا، وہ لاش کے پاس کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ لاش سے خطاب کر کے کہا "ابوحبیب السلام علیک! میں نے تم کو اس میں پڑنے سے منع کیا تھا، تم روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، صلہ رحمی کرتے تھے"۔ حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو لاش سولی سے اُتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوادی اور بالائے ستم یہ کیا کہ ستم رسیدہ اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر اس گستاخ نے کہلا بھیجا کہ سیدھی چلے آؤ، ورنہ چوٹی پکڑ کے گھسٹوا کر بلاؤں گا۔

حضرت صدیق اکبر کی بیٹی نے جواب دیا، "خدا کی قسم اب میں اس وقت تک نہ آؤں گی، جب تک تو چوٹی پکڑ کر نہ گھسٹوائے گا"۔ یہ جواب سن کر حجاج نے سواری منگائی اور حضرت اسماءؓ کے پاس جا کر کہا، "سچ کہنا خدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا۔

دلیر خاتون نے جواب دیا، "ہاں تو نے ان کی دنیا خراب کی۔ لیکن انہوں نے تیری آخرت برباد کر دی"، تو مجھے ذات النطاقین کہہ کر شرم دلاتا ہے، تجھ کو کیا معلوم یہ کتنا معزز لقب ہے اور کس کا دیا ہوا ہے۔

"نادان! یہ لقب رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ ہے۔ میرے پاس دو ٹپکے (نطاق) تھے، ایک ٹپکے سے میں چیونٹیوں سے بچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا کھانا ڈھانکتی تھی اور دوسرا اپنے مصرف میں لاتی تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں کذاب اور مبیر ہوں گے۔ کذاب تو ہم نے دیکھ لیا، مبیر باقی رہ گیا تھا، وہ تو ہے"۔ حضرت اسماءؓ کی یہ بیباکانہ باتیں سن کر حجاج لوٹ گیا[1]۔

تدفین: عبدالملک کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضرت اسماءؓ نے لاش مانگی، مگر حجاج نے لاش دینے سے انکار کیا، تو اس نے اس کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ تم نے لاش اب تک کیوں نہ حوالہ کی۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۶۳

اس ڈانٹ پر اس نے لاش دے دی اور غمزدہ ماں نے غسل دلا کر اپنے نور نظر کو مقام حجون میں سپرد خاک کیا۔ شہادت کے وقت ابن زبیرؓ کی عمر ۷۲ سال تھی۔ مدت خلافت سات برس۔

علامہ شبلیؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور حضرت اسماءؓ کے غیر معمولی صبر و استقلال کو نہایت موثر پیرایہ میں نظم کیا ہے۔ اس مقام پر ان کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں:

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ — سب نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے یکبار
ابن مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ — جس کی تقدیر میں مرغان حرم کا تھا شکار
حرم کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیرؓ — فوج بیدین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار
دامن عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد — بارش سنگ سے اُٹھتا تھا جو رہ رہ کے غبار
تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدو — ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا اک کنج مزار
جب دیکھا کوئی ناصر و یاور نہ رہا — ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیرؓ آخر کار
جا کے کی عرض کہ "اے اخت حریم نبوی ﷺ — نظر آتے نہیں اب حرمت دین کے آثار
آپ فرمایئے اب آپ کا ارشاد ہے کیا — کہ میں ہوں آپ کا ایک بندۂ فرمانبردار
صلح کرلوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر — یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار
بولی وہ پردہ نشین حرم سرّ عفاف — حق پہ گر تو ہے پھر صلح ہے مستوجب عار
یہ زمین ہے وہی قربان گہ اسماعیلؑ — فدیۂ نفس ہے خود دین خلیلی کا شعار
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کر باادب و نیاز — آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہونگا زنہار
پہلے ہی حملہ میں دشمن کی اُلٹ دیں فوجیں — جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹی جاتی تھی قطاع
منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم، — ایک پتھر نے کیا آپ کے سر دُرخ کو فگار
خون ٹپکا جو قدم پر تو کہا ازرہِ فخر — یہ ارادہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار
اس گھرانے نے کبھی پشت پر کھایا نہیں زخم — خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار
زخم کھا کے لڑے تھے لیکن کب تک — آخر الامر گرے خاک پہ مجبور و نزار
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا — اس کو سولی پہ چڑھا کہ یہ تھا قابلِ دار
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن — ان کی ماں نے نہ کیا رنج والم کا اظہار
اتفاقات سے اک دن جو ادھر سے نکلیں — دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں ایک بار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اُترتا نہیں اب بھی یہ سوار

کارنامہ ہائے زندگی:

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ قریش کے ان اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادروں میں تھے، جنہوں نے تن تنہا اس عہد کی سب سے بڑی سلطنت کا برسوں مقابلہ کیا اور آنے والوں کے سبق کے لئے اپنی شجاعت و بہادری کی داستانیں چھوڑ گئے۔

انہوں نے سب سے اول امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ہی ۶۰ھ میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن یزید کی زندگی میں انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد ۶۴ھ میں جب انہوں نے دوبارہ اپنی بیعت کی دعوت دی تو عام مسلمانوں نے انہیں خلیفہ مان لیا اور دولت اسلامیہ کے بیشتر حصوں میں ان کی بیعت ہوگئی۔

اس وقت سے لے کر ۷۳ھ تک وہ برابر بنی اُمیہ کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس لئے شمار کے اعتبار سے ان کی مدت خلافت سات برس ہے۔ لیکن واقعہ کے اعتبار سے ان کو ایک دن بھی اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ دعویٰ خلافت سے قتل ہونے تک برابر مختار ثقفی اور اس کے بعد بنی اُمیہ کا مقابلہ کرتے رہے اور ایک دن کے لئے بھی انہیں جنگ سے مہلت نہ ملی۔

ظاہر ہے کہ ان کو ان حالات میں نظام حکومت اور ملکی نظم و نسق کے قیام کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں سے مل سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انتظامی حیثیت سے ان کے سات سالہ عہد حکومت کی تاریخ کے اوراق بالکل سادہ ہیں۔ تاہم تلاش و تفحص سے جو حالات بھی مل سکے ہیں، وہ پیش کئے جاتے ہیں۔ گو یا بہت ناقص ہیں، تاہم ان سے ان کے عہد حکومت کے حالات کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔

صوبوں کے عمال: گو ابن زبیرؓ کو نظام حکومت کی جانب توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، تاہم وہ موٹے موٹے کاموں سے غافل نہ تھے۔

عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصولی، فوج کی نگرانی اور رعایا کی خبر گیری وغیرہ کے انتظامات برابر جاری تھے۔ چنانچہ آغاز خلافت میں جن جن مقامات پر ان کا اثر قائم ہو گیا تھا۔ وہاں ان کے کارکن پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن جحدم مصر میں، ناتل بن قیس فلسطین میں، ضحاک بن قیس دمشق میں، نعمان بن بشیر حمص میں، زفر بن حارث قنسرین اور عواصم میں عبداللہ بن مطیع کوفہ میں، حارث بن عبداللہ بصرہ میں، اور عبداللہ بن خازم خراساں میں ابن زبیرؓ کا کام کرتے تھے[2]۔

---

[1] علامہ نے خفیف تغیر کے ساتھ یہ واقعہ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۰ سے لیا ہے۔
[2] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۴

عمّال کے مظالم کا تدارک :

عمال کی زیادتیوں کی پوری نگرانی اوراس کی روک تھام کرتے تھے۔ جہاں کسی عامل کے متعلق کسی زیادتی کی شکایت موصول ہوتی، فوراً معزول کردیتے اوراس میں عامل کے قرب واختصاص کا مطلق لحاظ نہ کرتے تھے۔ ۶۷ھ میں اپنے صاحبزادہ حمزہ کو بصرہ کا عامل بنایا۔ انہوں نے شرفائے بصرہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور کچھ زیادتیاں بھی کیں۔ ابن زبیرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً معزول کردیا اوران کے بجائے مصعب کو مقرر کیا[1]۔

رعایا کی خبر گیری :

حضرت ابن زبیرؓ کا زمانہ سراسر شوروفتن تھا۔ اس لئے انہیں بیک وقت بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن یہ اپنے حسن انتظام سے اُن سب پر قابو حاصل کرلیتے تھے۔ مصعب کے قتل کے بعد ان پر بڑا نازک وقت آگیا تھا۔ بصرہ کے سواد پر خارجیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ خاص بصرہ کا بھی محاصرہ کرچکے تھے باشندگان بصرہ ان کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا تھے۔ مہلب بن ابی صفرہ نے جو ابن زبیرؓ کی طرف سے خراساں کے عامل تھے، ادھر توجہ کی اور خوارج کو بصرہ کے علاقہ سے نکال کر اہل بصرہ کو ان کے مظالم سے نجات دلائی[2]۔

فوج : ابن زبیرؓ کا فوجی نظام نہایت مکمل تھا۔ بری اور بحری فوجیں ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ بری فوجی قوت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ بیک وقت بنی اُمیہ، مختار ثقفی اور خوارج کا مقابلہ کرتے تھے۔ ان کی بحری فوجیں بھی ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ چنانچہ جب مروان مصر کی جانب بڑھا تو یہاں کے حاکم ابن جحدم نے اس کے روکنے کے لئے بحری فوجیں روانہ کیں[3]۔

سامان رسد : مورچوں پر سامان رسد کا خاص اہتمام رہتا تھا اور رسد کے بڑے بڑے ذخائر مہیا رہتے تھے۔ چنانچہ حجاج نے جب مکہ کا محاصرہ کیا، اس وقت ابن زبیرؓ کے پاس غلہ پٹا ہوا تھا[4]۔ گو یہ ذخیرہ طویل محاصرہ کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا۔

امارات وقضا : امارات وقضا کے شعبے حسب دستور جدا جدا تھے۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ کی مسند قضا پر ہشام بن ہبیرہ اور عبداللہ بن عتبہ بن مسعود فائز تھے[5]۔ عبداللہ بن عتبہ وہ شخص ہیں، جن کے گھر میں کئی پشتوں سے علم چلا آتا تھا۔ مختلف زمانوں میں مصر کی قضات پر قاضی شرعی اور عابس بھی فائز رہے۔

---

۱ ابن اثیر۔ جلد۴۔ ص ۲۳۱ ۲ یعقوبی۔ جلد۲۔ ص ۳۱۶ ۳ کتاب الولاۃ کندی۔ ص ۴۳
۴ ابن اثیر۔ جلد۴۔ ص ۲۸۶ ۵ کتاب الولاۃ۔ ص ۱۴۷

تعمیر کعبہ: ابن زبیرؓ اس پُر آشوب زمانہ میں بھی مذہبی خدمات سے غافل نہ رہے۔ اس سلسلہ میں خانہ کعبہ و تجدید ان کا بہت اہم کارنامہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعث کے قبل حوادث زمانہ کعبہ کی امارت بہت بوسیدہ ہوگئی تھی اور اس کے گر جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں قریش نے چندہ کر کے اس کو از سر نو تعمیر کرا دیا تھا۔ لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اصل بنیاد ابراہیمی کا تھوڑا حصہ جسے اب حطیم کہتے ہیں، ناتمام چھوڑ دیا گیا تھا۔

عہدِ رسالت میں آنحضرت ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ حطیم کا چھوٹا ہوا حصہ بھی کعبہ میں شامل کر کے اصل بنیاد ابراہیمی پر از سر نو اس کی عمارت بنائی جائے۔ لیکن عرب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ کعبہ کی عمارت گرانے سے ان کے بھڑک جانے کا خطرہ تھا، اس لئے آپ ﷺ اس خیال شریعت کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ بخاری میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ عائشہ صدیقہؓ سے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ اگر تمہاری قوم جاہلیت سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کی عمارت کو گرا کر اس کا چھوٹا ہوا حصہ بھی اس میں شامل کرا دیتا اور اس کا دروازہ زمین سے ملا دیتا اور مشرقی و مغربی دروازے کھول دیتا[1]۔

اس کے بعد ابن زبیرؓ اور بنی اُمیہ کی معرکہ آرائی میں آتش زنی اور سنگباری کی وجہ سے اس عمارت کو اور زیادہ نقصان پہنچا۔ اس لئے ابن زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کے متخیلہ نقشہ کے مطابق از سرِ نو اس کی تعمیر کا ارادہ کیا اور حج کے موقعہ پر جب کہ تمام عالم اسلام کے مسلمان حج بیت اللہ کے لئے جمع ہوتے ہیں، انہوں نے اس کی تعمیر کا مسئلہ پیش کیا۔ ابن عباسؓ نے رائے دی کہ صرف کمزور حصہ کی مرمت کرانی چاہئے، باقی حصہ کو بجنسہ اسی حالت پر رہنے دینا چاہئے، جس حالت میں وہ عہد رسالت میں تھا اور جس حالت پر لوگوں نے اسلام قبول کیا، بلکہ ان پتھروں کو بھی ویسے ہی چھوڑ دینا چاہئے، جیسے وہ ظہور اسلام کے وقت تھے۔

حضرت ابن زبیرؓ نے کہا، اگر تم میں سے کسی کا گھر گر جاتا تو اس کو بنوائے بغیر نہ رہتا۔ میں خدا سے تین مرتبہ استخارہ کے بعد اس کی تعمیر شروع کر دوں۔ چنانچہ تین دن تک انہوں نے اس مسئلہ پر غور کیا اور غور کرنے کے بعد مکمل تعمیر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن دیواروں کے گرانے کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ کیونکہ عوام ان کو کھودنے سے ڈرتے تھے کہ اس کی پاداش میں کوئی بلائے آسمانی نازل نہ ہو جائے۔ ابھی یہ تذبذب جاری تھا کہ ایک شخص ہمت کر کے دیوار پر چڑھ گیا[2]۔ اور ایک پتھر اُکھاڑ کر گرا دیا۔ اس کو دیکھ کر لوگوں کا خوف جاتا رہا اور ان کی ہمت بندھ گئی۔ چنانچہ دیواروں کی کھدائی شروع ہوگئی۔

---

[1] بخاری کتاب المناسک باب فضل مکہ و بنیانہا [2] بعض روایتوں میں ہے کہ خود عبداللہ نے پہلا پتھر کھودا تھا۔

جب دیواریں زمین کے برابر ہوگئیں تو ابن زبیرؓ نے اس کے چاروں طرف قناطیں گھیر دیں کہ جمال حقیقت کی جلوہ گاہ عام نظروں کا تماشہ گاہ نہ بننے پائے اور خانہ کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر شروع کرادی۔ جب بنیادیں بھر چکیں تو ایک مرتبہ پھر لوگوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کا خیال پیش کر کے کہا کہ میرے پاس روپیہ کی کمی ہے اور کوئی مزاحمت کرنے والا بھی نہیں ہے، اس لئے میں آنحضرت ﷺ کے متخیلہ نقشہ مطابق بنواؤں گا، یعنی حطیم بھی خانہ کعبہ کی تعمیر میں شامل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی نقشہ کے مطابق انہوں نے تعمیر کرادیا۔

قریش نے اپنی تعمیر کے زمانہ میں خانہ کعبہ کا طول اٹھارہ گز اور اندر جانے کے لئے صرف ایک دروازہ رکھا تھا۔ وہ بھی بلندی پر تھا، تاکہ ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہ ہو سکے۔ ابن زبیرؓ نے اس میں چھوٹے ہوئے حصہ حطیم کو بھی شامل کر کے پانچ گز اور بڑھایا اور جب یہ بھی ناکافی معلوم ہوا تو پانچ کے بجائے دس ہاتھ کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کے نقشہ کے مطابق دو دروازے شرقی اور غربی زمین سے ملا کر بنائے، تاکہ آنے جانے والوں کو زحمت نہ ہو[1]۔

یہ مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ ممکن ہے کہ عام طور پر یہ کلیہ صحیح نہ ہو، لیکن کم از کم خانہ کعبہ کی اس تعمیر کے سلسلہ میں جس طرح تاریخ نے یہ واقعہ دہرایا ہے وہ اپنے اندر بہت بڑا درس عبرت رکھتا ہے۔ ناظرین میں بہتوں کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پیشتر ابرہہ اشرم شاہ حبش نے اس مقصد سے یمن میں ایک کنیسہ تعمیر کرایا تھا کہ عرب کعبہ کو چھوڑ کر اس کا حج کیا کریں۔ یہ وہی کنیسہ ہے جس کو ایک کنانی نے جوش غضب میں گندگی سے آلودہ کر دیا تھا اور ابرہہ جوش غضب میں ہاتھیوں کا غول لے کر کعبہ ڈھانے کے لئے چڑھ آیا تھا۔ لیکن خدا نے اپنے گھر کو اس سے بچایا۔ سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

خدا کی قدرت اور زمانہ کی نیرنگی دیکھو کہ کم وبیش ڈیڑھ صدی بعد اسی کنیسہ کو جو کعبہ کے مقابلہ میں بنایا گیا تھا، ابن زبیرؓ نے کھدوا کر اس کے ملبہ سے کعبہ کی عمارت تعمیر کرائی۔ ابرہہ نے یہ کنیسہ بڑے ساز و سامان سے بنوایا تھا۔ سنگ رخام کے ستون تھے، رنگ برنگ کے نقشی پتھر اور خوشرنگ پچہ کاری، سنہری پالش اس کی آب و تاب دوبالا کر رہے تھی۔ ابن زبیرؓ نے یہ تمام بیش قیمت سامان کھود کر کعبہ کی عمارت میں لگایا[2]۔

غلاف کعبہ: سیوطی کا بیان ہے کہ ابن زبیرؓ سے پہلے مسوح اور انطاع کا غلاف کعبہ پر چڑھایا جاتا تھا۔

---

[1] مسلم کتاب الحج نقض الکعبہ وبنیانہا [2] مروج الذہب مسعودی۔ جلد ۴ ص ۱۹۲

سب سے اول ابن زبیرؓ نے دیبا کا غلاف چڑھایا[1] لیکن بروایت صحیح اس اولیت کا سہرا حضرت امیر معاویہؓ کے سر ہے۔ سب سے پہلے انہی نے کعبہ کو دیبا سے آراستہ کیا۔ تاہم عبداللہ ابن زبیرؓ کی یہ خدمت بھی کم نہیں کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں دیبا ہی کے غلاف چڑھائے۔

فضل وکمال : گو ابن زبیرؓ کو اپنی صغرسنی کے باعث براہ راست فیضان نبوت سے بہرہ یاب ہونے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ کیونکہ ان کی عمر اس وقت ۸۔۹ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم حضرت زبیر بنؓ عوام جیسے باپ اور عائشہ صدیقہؓ جیسی خالہ کی آغوش میں پرورش پائی تھی، جو مردوں سے زیادہ مذہب کی واقف کار تھیں۔ اس لئے ابن زبیرؓ کا دامن علم مذہبی علوم سے خالی نہ رہا۔

قرأت قرآن : قرآن مجید کے وہ بہت اچھے قاری تھے۔ حضرت ابن عباسؓ جو خود حبر الامۃ تھے ابن زبیرؓ کے دوسرے فضائل وکمالات کے ساتھ ان کی قرأت قرآن کے خاص طور سے معترف تھے[2]۔

حدیث : گو ابن زبیرؓ کو صغرسنی کے باعث آنحضرت ﷺ سے استفادہ کا کم موقع ملا تھا۔ تاہم وہ احادیث نبوی سے تہی دامن نہ تھے۔ چنانچہ ان کی ۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں جن میں دو روایتیں متفق علیہ ہیں اور ۶ میں بخاری اور ۶ میں مسلم منفرد ہیں[3]۔

ان میں کچھ روایات زبان وحی والہام سے اور کچھ حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ سے مروی ہیں۔

ان کے تلامذہ میں عباد، عامر، عروہ، محمد، ہشام، عبداللہ، مصعب اور عبدالوہاب بن یحییٰ، یوسف، مرزوق ثقفی، ثابت بنانی، ابوالشعثاء اور ابوالذبیان قابل ذکر ہیں[4]۔

تعلیم وارشاد : ابن زبیرؓ کے چشمہ فیض سے عام مسلمان بھی سیراب ہوتے تھے، اور وہ عوام کو تقریر کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ کے اقوال اور آپ کے افعال کی تعلیم دیتے تھے[5]۔

علمی افادہ واستفادہ :

ان کا فضل وکمال ان کے معاصرین میں مسلم تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے معاصرین سے نہ علمی استفادہ کرتے تھے اور نہ ان کے کمالات کے اعتراف میں بخیل تھے۔ چنانچہ جب کبھی اس قسم کا مسئلہ پیش آتا، جس سے وہ ناواقف ہوتے تو بغیر کسی تامل کے مستفتی کو دوسرے معاصرین کے پاس بھیج دیتے تھے۔

۱۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۲۱۳ ۲۔ بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب التفسیر باب ثانی اثنین اذ ہما فی الغار
۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۳ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۳
۵۔ مسلم کتاب المساجد ومواقع الصلوٰۃ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ

ایک مرتبہ یہ اور عاصم بن عمر بیٹھے تھے۔ محمد بن ایاس نے آکر سوال کیا کہ ایک دیہاتی نے خلوت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، آپ دونوں کا اس بارہ میں کیا خیال ہے۔ ابن زبیرؓ کو صورت مسئولہ کا علم نہ تھا۔ اس لئے کہہ دیا کہ مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جاؤ وہ بتا دیں گے [۱]۔

جو مسائل ان کو نہ معلوم ہوتے اپنے معاصرین سے بے تکلف پوچھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیر خوار کے وظیفہ، کھڑے ہو کر پانی پینے اور قیدی کو چھڑانے کے بارے میں حضرت حسینؓ سے معلومات حاصل کی تھیں [۲]۔

مختلف زبانوں سے واقفیت :

عہدِ صحابہؓ میں ایسے افراد مشکل سے نکلیں گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہوں۔ یہ امتیاز صرف ابن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ وہ متعدد زبانوں کے ماہر تھے اور اس میں نہایت آسانی سے گفتگو کر سکتے تھے۔ ان کے مختلف اقوام کے بہت سے غلام تھے۔ ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں۔ ابن زبیرؓ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے [۳]۔

خطابت : خطابت اس عہد کا بڑا کمال سمجھی جاتی تھی۔ ابن زبیرؓ کا شمار اپنے عہد کے ممتاز خطباء میں تھا۔ عثمان بن طلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ بلاغت میں ابن زبیرؓ کا کوئی حریف نہ تھا۔ جب وہ خطبہ دیتے تو آواز کی کڑک سے پہاڑیاں گونج اٹھتی تھیں [۴]۔

ان کی ایک تقریر نمونۃً نقل کی جاتی ہے۔ اس سے ان کی خطابت کا اندازہ ہوگا۔ اس تقریر کا شان نزول یہ ہے کہ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعبؓ ان کی جانب سے عراق کے حاکم تھے۔ ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کے پاس عراق سے وفد آیا، انہوں نے اس مصعبؓ کے حالات پوچھے۔ ارکان وفد نے مصعبؓ کے حسن سیرت اور عدل پروری کی بڑی تعریف کی۔ ابن زبیرؓ نے تمام مسلمانوں کی آگاہی کے لئے جمعہ کے بعد مصعبؓ کے حالات کے بارے میں حسب ذیل تقریر کی [۵]۔

"ایها الناس انی سالت الوفد عن مصعب فاحسنو الثناء علیه و ذکر وا ما احبه و ان مصعبا اطبی القلوب حتیٰ ماتعدل به والاهواء حتیٰ ما تحول عنه واستعمال الا لسن بثنائها والقلوب بنصحها والنفوس

---

۱ موطا امام مالک۔ ص ۲۰۸ ۲ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۴۸ ۳ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۴۹
۴ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۱۲۳ ۵ امالی ابو علی قالی۔ جلد اول۔ ص ۲۸۶

بمجلتها ، فهو المحبوب فی خاصته والمحمود فی عامته مما اطلق الله لسانه من الخیر وبسط یده من البذل "۔

''لوگو ! میں نے وفد کے حالات پوچھے ، انہوں نے ان کی بڑی تعریف کی اور جیسا میں چاہتا تھا وہی ان سے سنا۔ مصعب نے لوگوں کے دلوں کو مسحور کرلیا ہے کہ وہ کسی کو ان کے برابر نہیں سمجھتے اور خواہشوں کے ایسا فریفتہ کرلیا ہے کہ ان سے الگ نہیں ہوتیں ۔ انہوں نے اپنے حسن عمل سے زبانوں کو اپنی تعریف میں اور دلوں کو اپنی خیر خواہی اور نفوس کو اپنی محبت کا گرویدہ بنالیا ہے اور وہ اپنے خاص طبقہ کے محبوب اور عام طبقہ کے پسندیدہ انسان ہیں اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ خدا نے ان کی زبان کو بھلائی کے لئے کھول دیا ہے اور ہاتھ کو نجات کے لئے دراز کر دیا ہے''۔

تاریخ کی کتابوں میں ان کی بڑی بڑی لمبی تقریریں ہیں۔ ہم نے اختصار کے خیال سے ایک مختصر نمونہ پیش کیا ہے۔

اخلاق وعادات : ابن زبیرؓ جس گھرانے کے چشم چراغ تھے اور جیسے مقدس بزرگوں کے دامن میں انہوں نے پرورش پائی تھی ، اس کا قدرتی اقتضا یہ تھا کہ وہ تعلیمات اسلام کا عملی نمونہ ہوتے ، اسی لئے ان کی زندگی سرتاپا مذہبی رنگ میں رنگ گئی تھی اور وہ اسوۂ نبوی کا ایک زندہ نمونہ بن گئے تھے۔

عبادت : عبادت الٰہی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اور اس میں بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے تھے۔ نماز اس سکون قلب ، اس اخلاص اور استغراق سے پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے [1]۔ رکوع کا یہ عالم تھا کہ دوسرے لوگ پوری سورۂ بقرہ ختم کر دیتے مگر ان کا رکوع ختم نہ ہوتا [2]۔ سجدہ کی یہ کیفیت تھی کہ طول سجدہ کی وجہ سے ایسے بے حس وحرکت ہو جاتے کہ چڑیاں اڑ اڑ کر پیٹھ پر بیٹھتی تھیں [3]۔ نازک سے نازک مواقع پر بھی نماز کی جانب سے غفلت نہ ہوتی تھی۔

حجاج کے محاصرہ کے زمانہ میں جبکہ چاروں طرف سے پتھروں کی بارش ہوتی تھی ، ابن زبیرؓ حطیم میں نماز ادا کرتے تھے۔ پتھر آ آ کر پاس گرتے تھے۔ مگر یہ مطلق متوجہ نہ ہوتے تھے [4]۔ ان کا معمول تھا کہ ایک رات قیام میں گزارتے ، دوسری رکوع میں اور تیسری سجدہ میں [5]۔ ان کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز کی ہو بہو تصویر ہوتی تھی۔ ابن عباسؓ کہتے تھے ، اگر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی نماز

---

[1] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۷۰ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶۲ [3] ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۲
[4] تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۱۳ [5] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶۲

دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو[1]۔ عمر بن دینار روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی نمازی کو ابن زبیرؓ سے زیادہ اچھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا[2]۔

روزوں سے بھی یہی شغف وانہماک تھا۔ کبھی کبھی مسلسل سات سات دن کا روزہ رکھتے تھے[3]۔ دوشنبہ کا روزہ کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ حج بہت کم ناغہ ہوتا تھا۔ گو دعویٰ خلافت سے لے کر شہادت تک برابر جھگڑوں میں مبتلا رہے۔ لیکن حج اس حالت میں بھی ناغہ نہ ہوا۔ حج کا فرض صرف ایک مرتبہ حج نہ کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن ابن زبیرؓ نے آٹھ حج کئے[4]۔ حرم چونکہ نشیب میں ہے۔ اس لئے جب بارش زیادہ ہوتی تھی، تو کبھی کبھی سیلاب آ جاتا تھا۔ اور پورا حرم تہہ آب ہو جاتا۔ ایسی حالت میں بھی ابن زبیرؓ طواف کا ناغہ نہ کرتے تھے اور پانی میں تیر کر اسے پورا کرتے تھے[5]۔ غرض کوئی ایسی عبادت نہیں ہے، جس میں انہوں نے سخت سے سخت محنت نہ اُٹھائی ہو[6]۔

ان کی مذہبی زندگی کے وہ لوگ معترف تھے، جو خود زہد وورع کا مجسم پیکر تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جو مذہبی حیثیت سے اپنے تمام ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ جب ابن زبیرؓ کی لاش کی طرف سے گزرے تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر کہا، ابو حبیب خدا تمہاری مغفرت کرے، تم بڑے روزہ دار، بڑے نمازی اور بڑے صلہ رحمی کرنے والے تھے[7]۔

دین ودنیا کا اجتماع :

عموماً زہد وورع اور عبادت وریاضت کے ساتھ دنیاوی عقل وفہم کا اجتماع کم ہوتا ہے۔ لیکن ابن زبیرؓ کی ذات میں دونوں اوصاف مجتمع تھے، وہ دنیادار بھی تھے اور عابدِ شب زندہ دار بھی، دنیا میں مشغول بھی تھے اور دنیا سے الگ بھی۔ عمر بن قیس روایت کرتے ہیں کہ جب میں ابن زبیرؓ کو دنیاوی معاملات میں دیکھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی خدا سے تعلق نہیں پیدا کرتا اور جب آخرت کے معاملہ میں دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ شخص ایک لمحہ کے لئے بھی دنیا کی طرف مشغول نہیں ہوتا[8]۔

ازواج مطہراتؓ کی خدمت :

تمام گذشتہ خلفاء اہل بیت نبوی کی خدمت اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ عزیز داری کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ سے آپ کو خاص خصوصیت

۱؎ مسند ابن حنبل۔ جلد اول۔ ص ۲۸۹ ۲؎ تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۲۳ ۳؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۴۹
۴؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۴ ۵؎ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۷۲ وتاریخ الخلفاء۔ ص ۲۱۳
۶؎ کنز العمال فضائل ابن زبیرؓ ۷؎ مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۵۵۲ ۸؎ تاریخ الخلفاء سیوطی

تھی اور آپ ان کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ وہ بڑی فیاض اور کشادہ دست تھیں۔ ابن زبیرؓ انہیں جو کچھ دیتے وہ سب خرچ کر ڈالتیں۔ ان کی اس فیاضی پر ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کی زبان سے نکل گیا کہ اگر انہوں نے اپنا ہاتھ نہ روکا تو آئندہ امداد نہ کروں گا۔ اتفاق سے حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر ہوگئی۔ ان کو بڑا صدمہ ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ ابن زبیرؓ سے کبھی نہ لوں گی۔

جب اس عہد نے زیادہ سنجیدگی اختیار کر لی اور حضرت عائشہؓ کے ترک کلام نے طول پکڑا تو ابن زبیرؓ بہت پریشان ہوئے اور عفو تقصیر کی کوشش شروع کی۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں کسی کی سفارش سن کر اپنی قسم نہیں توڑ سکتی۔ لیکن ابن زبیرؓ کے لئے یہ صورت بہت تکلیف دہ تھی۔ اس لئے کچھ دنوں کے بعد پھر مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود سے سفارش چاہی کہ تم لوگ کسی طرح مجھے خالہ کی خدمت میں پہنچا دو۔ ان کے لئے مجھ سے ترک کلام کی نذر ماننا جائز نہیں۔

یہ دونوں ان کو اپنے ساتھ لے کر حرم نبی ﷺ کے آستانہ پر گئے اور سلام کر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ ان دونوں نے پھر عرض کیا، ہم سب اندر آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کو ابن زبیرؓ کا حال معلوم نہ تھا، اس لئے سب کو اجازت دے دی۔ ان دونوں کے ساتھ ابن زبیرؓ بھی مکان کے اندر داخل ہو گئے اور پردہ کے اندر جا کر خالہ کے گلے مل کر رونے اور قسمیں دلانے لگے۔ مسور اور عبدالرحمٰن نے بھی قسم دلائی۔ مگر حضرت عائشہؓ اس کے باوجود بھی نہ بولیں۔

جب اس میں بھی ناکامی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد دلایا کہ کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں ہے۔ برابر اصرار کرتے رہے۔ حضرت عائشہ بھی دونوں کو نصیحت کرنے لگیں اور رو رو کر فرماتی جاتی تھیں، میں نے نہ بولنے کی نذر مانی ہے اور نذر کا توڑنا بہت سخت ہے۔ لیکن دونوں سفارشی کچھ اس طرح مصر ہو گئے کہ آخر میں حضرت عائشہؓ بولتے بن پڑا اور نذر توڑنے کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے۔ گو آپ نے نذر توڑنے کا کفارہ ادا کر دیا تھا، لیکن اس کا اتنا غم تھا کہ جب اس کو یاد کرتی تھیں تو آنسو پونچھتے پونچھتے دوپٹہ تر ہو جاتا تھا[1]۔

احکام نبوی کی پابندی :

احکام نبوی کی پابندی میں اتنا بڑا اہتمام تھا اور کسی موقع پر بھی اس کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی عمرو کے درمیان کسی معاملہ میں تنازع ہو گیا۔ سعید بن عاص

---

[1] بخاری۔ جلد ۲ کتاب الادب باب الہجرت

حاکم مدینہ تھے۔ابن زبیرؓ ان کے پاس مقدمہ لے کر گئے،تو دیکھا ان کے بھائی سعید بن عاص تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔سعید نے ان کے مرتبہ کے خیال سے انہیں بھی تخت پر بٹھانا چاہا،لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔اور کہا کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فیصلہ کیا ہے اور نہ یہ آپ کی سنت کے مطابق ہے۔مدعی اور مدعا علیہ کو حکم کے سامنے بیٹھنا چاہئے[1]۔

حقوق والدین :

حقوق العباد میں والدین کے حقوق اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا درجہ سب سے بلند ہے۔ ابن زبیرؓ نے حاضر وغائب ہمیشہ والدین کے حقوق کا یکساں خیال رکھا،متمول والدین کی وفات کے بعد ورثہ کو عموماً سب سے پہلے میراث کی فکر ہوتی ہے۔لیکن اس معاملہ میں ابن زبیرؓ کا عمل اس عام روش سے جداگانہ تھا۔انہوں نے باپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنے حق میراث کی جس کی تعداد کروڑوں روپیہ تھی، مطلق پروانہ کی اور حضرت زبیرؓ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ان کا قرض چکایا۔

اس کے بعد دوسرے وارثوں نے تقسیم میراث کے لئے عجلت کی تو ابن زبیرؓ نے جواب دیا کہ میں چار سال برابر حج کے موقعہ پر اعلان کروں گا کہ والدین کے ذمہ جس کا قرض ہو وہ قرض لے لے۔اس اعلان کے بعد پھر ترکہ تقسیم کروں گا۔چنانچہ چار سال مسلسل اعلان کرنے کے بعد پھر ترکہ تقسیم کیا[2]۔ اسی طریقہ سے چار سال تک برابر لوگوں سے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرتے رہے۔

وہ نازک سے نازک مواقع پر ان کی اطاعت سے انحراف نہ کرتے تھے اور اسی اطاعت میں جان تک دے دی۔اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حجاج کے مقابلہ میں آخر میں تمام ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔حتیٰ کہ بیٹے بھی علیحدہ ہو گئے،کوئی ناصر ویاور باقی نہ تھا۔حجاج امان دینے پر آمادہ تھا اور ابن زبیرؓ کے ادنیٰ اشارہ پر ان کی جان بچ سکتی تھی،لیکن ماں کے اس حکم پر کہ ''حق پر جان دے دینا دنیاوی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے''۔انہوں نے تن تنہا حجاج کا مقابلہ کیا اور اسی معرکۂ حق وباطل میں جان نثار کر دی۔

شجاعت وبہادری :

شجاعت وشہامت ابن زبیرؓ کا نمایاں وصف تھا۔اس وصف میں ان کے معاصرین میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن زبیرؓ اپنے زمانہ کے بڑے بہادروں میں تھے،

---

[1] مسند احمد بن حنبل۔جلد ۴۔ص ۴ [2] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ

اوران کے بہت سے مشہور معرکے ہیں[۱]۔ابن زبیرؓ کی پوری تاریخ سامنے ہے،اس پر نظر ڈالی جائے تو اس کا ایک ایک صفحہ صفحہ ان کی داستانِ شجاعت سے معمور نظر آتا ہے۔ یہ وصف انہیں کچھ خلقۃً ملا تھا اور کچھ ان کے پدرِ بزرگوار کی تربیت نے اس پر جلا دی۔ بچپن ہی سے ان کے ناصیۂ اقبال پر عظمت و شجاعت کے آثار نمایاں تھے،اور بچپن کھیل ان کے آئندہ کارناموں کا پتہ دیتے تھے۔ اس قسم کے واقعات شروع میں لکھے جا چکے ہیں،اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت زبیرؓ بن عوام شروع ہی سے انہیں شجاعت و بہادری کی تربیت دی تھی،اور ہولناک مناظر دکھا کر انہیں اس کا خوگر بنایا تھا۔ چنانچہ سب سے اول غزوۂ خندق ۵ھ میں جبکہ ان کی عمر پورے پانچ برس کی بھی نہ تھی،خندق کی معرکہ آرائی کا تماشا دیکھا اور اس ادائے معصومانہ کے ساتھ کہ یہ اور ان کے ہمسن صاحبزادے عمر بن سلمہ دور ایک ٹیلے پر کھڑے تھے اور دونوں ایک دوسرے کو گردن پکڑ پکڑ کے جنگ کا منظر دکھاتے تھے[۲]۔

بچپن کے دور کے بعد شباب کی منزل میں قدم رکھا تو یہ فطری وصفت اور زیادہ چمکا۔ چنانچہ سب سے اول جنگ یرموک میں شریک ہوئے۔ پھر افریقہ کی مہم کو جس کی فتح کا سہرا ابن ابی سرح کے سر باندھا جاتا ہے،اپنی خوش تدبیری سے سر کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی مدافعت میں سینہ سپر ہوئے۔ پھر جنگ جمل میں حریم نبوی ﷺ کی حفاظت میں ۴۰ سے زیادہ زخم کھائے۔ حجاج کا جس شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا اس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔ان کی اس بے نظیر شجاعت کا ان کے حریف بھی لوہا مانتے تھے۔

چنانچہ مشہور اُموی سپہ سالار حصین بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن زبیرؓ نے مسجد حرام میں خیمہ نصب کر رکھا تھا۔اس سے اس طرح نکلتے تھے جس طرح جھاڑی سے شیر نکلتا ہے[۳]۔

اسی طرح عہد کے مشہور سپہ سالار مہلب سے اس کے زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اس نے کہا مصعبؓ،عمر بن عبید اللہؓ اور عبادہ بن حصین۔ سائل نے کہا اور عبداللہ بن زبیرؓ۔ مہلب نے کہا ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں جنوں کا نہیں[۴]۔ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا،زبیرؓ کے دونوں بیٹوں مصعب اور عبداللہ میں سے کون زیادہ بہادر تھا۔فرمایا،دونوں بہادر تھے،دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے[۵]۔عثمانؓ ابن ابی طلحہ کہتے تھے کہ تین چیزوں میں ابن زبیرؓ کا کوئی حریف نہیں۔عبادت،بلاغت اور شجاعت[۶]۔

۱؎ تاریخ الخلفاء ، سیوطی۔ص ۲۱۲ ۲؎ مستدرک حاکم۔جلد ۳۔تذکرۂ ابن زبیرؓ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً
۵؎ تاریخ الخلفاء سیوطی حالات ابن زبیرؓ ۶؎ بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ

جرأت وبے باکی :

جرأت و بیباکی بھی شجاعت ہی کا ایک رخ ہے۔ ابن زبیرؓ اس میں بھی فرو تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو اپنی تدبیروں اور زر پاشیوں سے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کردیں۔ لیکن ابن زبیرؓ کی تیغ زبان ان کے مقابلہ میں بھی بے نیام رہی اور اس شد ومد کے ساتھ ان کی مخالفت کی کہ امیر معاویہؓ جیسے عالی دماغ مدبر کو متحیر کردیا اور آخر دم تک یزید کی ولی عہدی نہیں تسلیم کی۔ امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید تخت نشین ہوا تو وہ بھی ان کو قابو میں نہ کرسکا اور ابن زبیرؓ اس زور کے ساتھ بنی اُمیہ کے خلاف اُٹھے کہ ان کی حکومت کی بنیادیں ہلادیں اور قریب قریب کل عالم اسلامی سے اپنی خلافت تسلیم کرالی اور سات برس تک خلیفہ رہے۔

ذریعۂ معاش : ابن زبیرؓ نے دولت وتمول کے گہوارے میں پرورش پائی تھی۔ آپ کے والد زبیرؓ بن عوام دولت مندترین صحابہ میں تھے، ان کا تجارتی کاروبار بڑا وسیع تھا۔ فتوحات میں متعدد جاگیریں ملی تھیں۔ مختلف شہروں میں مکانات تھے۔ خاص مدینہ میں جائیداد کے علاوہ گیارہ مکانات تھے، ان کے علاوہ بصرہ میں دو، اور بصرہ وکوفہ میں ایک ایک مکان تھا[1]۔ خیبر میں آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک وسیع شاداب قطعہ زمین مرحمت فرمایا تھا[2]۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے اپنے زمانہ میں مقام جرف اور مقام عقیق میں جاگیروزمین دی تھی[3]۔

غرض حضرت زبیرؓ بہت جاگیروں اور مکانات کے مالک تھے۔ تجارتی سلسلہ اس کے علاوہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے عصر کے بہت بڑے صاحب ثروت آدمی تھے۔ ان کی دولت کا اندازہ پانچ کروڑ دولاکھ کیا جاتا ہے۔ اس میں سے ایک تہائی کی وصیت حضرت عبداللہ کے لئے کرگئے تھے۔ انہوں نے والد کی وصیت کے مطابق ان کا ۲۲ لاکھ قرض ادا کیا، اس کے بعد پھر ترکہ تقسیم کیا۔ یہ قرض صرف مدینہ کی جھاڑی بیچ کرادا کیا تھا۔

اس کے بعد اتنی دولت بچ رہی کہ حضرت زبیرؓ بن عوام کی بیویوں کو آٹھویں حصہ کے حساب سے بارہ بارہ لاکھ ملا اور وصیت کے مطابق اس دولت کا تہائی ابن زبیرؓ کے حصہ میں آیا تھا۔ اس سے ان کی دولت مندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ وہ جائداد تھی جو ان کو ترکہ میں ملی تھی۔ اس کے علاوہ جب انہوں نے بن اُمیہ کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کیا تو قریب قریب پورا ملک ان کے زیر اقتدار آگیا تھا۔ اس وقت ان کی حیثیت

---

[1] صحیح بخاری کتاب المساقات باب برکۃ الغازی فی مالہ　[2] ابن سعد۔ قسم اول۔ جلد۲۔ ص۷۳　[3] بخاری کتاب الجہاد

ایک خلیفہ کی ہوگئی تھی اور ملک کی تمام آمدنی ان کے قبضہ میں تھی۔

کفایت شعاری :

لیکن دولت کی فراوانی اور تمول کے باوجود اپنے ہم عصروں اور خاندانی افراد کے مقابلہ میں وہ نہایت کفایت شعار تھے اور موخرین کے قول کے مطابق ان کی کفایت شعاری بخل کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔

ازواج واولاد :

حضرت ابن زبیر نے کئی شادیاں کیں۔ ان سے آٹھ لڑکے اور کئی لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں : عبداللہ، حمزہ، خبیب، ثابت، موسیٰ، عباد، عامر اور عبداللہ[۲]۔

---

[۱] معارف ابن قتیبہ۔ ص ۹۹

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

۱۵۰ اصغار صحابہؓ

حصہ ہفتم

جس میں ایسے ایک سو پچاس صحابہ کرامؓ کے حالات ہیں۔ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا یا اس سے پہلے مشرف باسلام ہوئے لیکن ہجرت نہ کر سکے یا جو عہدِ رسالت میں صغیر السّن تھے۔

تحریر و ترتیب
الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دار المصنفین

دار الاشاعت
اُردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسنِ خاتمہ

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج سے پندرہ سولہ سال پیشتر سیر الصحابہ ؓ کے نام سے جس وسیع سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا اس جلد پر آج بحمد اللہ اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل کتابیں بہ ترتیب ذیل داخل ہیں :

۱۔ سیر الصحابہؓ جلد اوّل بنام خلفائے راشدینؓ مصنفہ مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی

۲۔ سیر الصحابہ ؓ جلد دوم بنام مہاجرینؓ جلد اول مصنفہ مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی

۳۔ سیر الصحابہ ؓ جلد سوم بنام مہاجرینؓ جلد دوم مصنفہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

۴۔ سیر الصحابہ ؓ جلد چہارم بنام انصار ؓ جلد اوّل مصنفہ مولوی سعید صاحب انصاری

۵۔ سیر الصحابہ ؓ جلد پنجم بنام انصار ؓ جلد ثانی مصنفہ مولوی سعید صاحب انصاری

۶۔ سیر الصحابہؓ جلد ششم (مشتمل بر احوال اکابر غیر مہاجر و انصار صحابہؓ) مصنفہ۔ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

۷۔ سیر الصحابہ ؓ جلد ہفتم (مشتمل بر اصاغر صحابہؓ) مصنفہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

۸۔ سیر الصحابہ ؓ جلد ہشتم بنام سیر الصحابیات (خواتین صحابہؓ) مصنفہ مولوی سعید صاحب انصاری

۹۔ سیر الصحابہ ؓ جلد نہم بنام اسوۂ صحابہ ؓ جلد اول (صحابہ کے احوال پر مجموعی تبصرہ) مصنفہ مولانا عبد السلام صاحب ندوی

۱۰۔ سیر الصحابہ ؓ جلد دہم بنام اسوۂ صحابہؓ جلد دوم (صحابہ ؓ کے احوال پر مجموعی تبصرہ) مصنفہ مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اس سلسلہ کی تدوین بھی درحقیقت علامہ شبلی مرحوم اور مخدومۂ علیا ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ سابق فرمانروائے بھوپال کے حکم معنوی کی تعمیل کے طور پر ہوئی ہے دعا ہے کہ اس حسن عمل سے مرحومین کو اپنے حسن نیت کا ثواب ملے۔

وله الحمد اوّلاً وآخراً

سیّد سُلیمان ندوی
ناظم دارالمصنفین
۲۴ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دارالمصنفین سالہا سال سے جس مقدس چمن کی آبیاری میں مصروف تھا، آج اس کا آخری گلدستۂ ہدیۂ ناظرین ہے۔ یعنی سیر الصحابہ ؓ کا جو عظیم الشان سلسلہ برسوں سے چل رہا تھا وہ الحمدللہ! اس جلد پر تمام ہو گیا۔ اس سلسلہ کے سات حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک خلفائے راشدین ؓ کے حالات میں، دو مہاجرین ؓ کے، دو انصار ؓ کے، ایک صحابیات ؓ کے اور ایک ان صحابہ ؓ کے حالات ہیں جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے یا اس سے پہلے ہو چکے تھے لیکن شرفِ ہجرت سے محروم رہے یا ہجرت کے کچھ قبل یا بعد پیدا ہوئے اور عہدِ رسالت میں صغیر السن تھے یہ آخری جلد بھی ایسے ہی صحابہ ؓ سے متعلق ہے۔

اس طبقہ کے صحابہ ؓ کے حالات حدیث کیا عموماً طبقات کی کتابوں میں بھی محض برائے نام ملتے ہیں جن سے نام و نسب ذکر صحابیت کے علاوہ ان کی زندگی کے اور پہلوؤں پر بہت کم روشنی پڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحابہ ؓ ایسے وقت میں مسلمان یا پیدا شدہ ہیں جبکہ عہدِ رسالت اور تبلیغِ اسلام کا نازک اور ابتدائی دور جو آزمائش و امتحان کا حقیقی دور تھا گذر چکا تھا اس لئے ان صحابہ ؓ کی صفِ اول میں جگہ نہ مل سکی۔ اس کے علاوہ تاخیرِ اسلام اور صغر سنی کی وجہ سے انہیں فیضانِ نبوت سے استفادہ کا بھی پورا موقع نہ مل سکا اسی لئے ان میں وہ روح پیدا نہ ہو سکی جو مہاجرین ؓ وانصار ؓ کا خاص طغرائے امتیاز ہے کہ آغازِ بارانِ رحمت اور اختتام کی اگی ہوئی فصل کی روئیدگی، نشو و نما، تر و تازگی اور پیداوار میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

یوں تو حجۃ الوداع میں چالیس ہزار مسلمان آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اس لئے وہ سب صحابی کہے جا سکتے ہیں لیکن ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جو حقیقتاً صحابی کہلانے کے مستحق ہیں کیونکہ ان میں بڑی تعداد ان مسلمانوں کی تھی جنہیں حجۃ الوداع کے علاوہ اور کبھی جمالِ نبوت ﷺ کے مشاہدہ کا بھی موقع نہیں ملا۔ ایک معتد بہ جماعت ایسی تھی جسے صرف چند ساعتیں یا زیادہ سے زیادہ چند روز شرفِ صحبت میسر آ سکا اور ان میں سے ایسے خوش قسمت تو بہت کم تھے جو پورے طور سے سرچشمۂ نبوت ﷺ سے سیراب ہوں اسی لئے یہ لوگ رتبہ میں سابقون الاولون کے برابر نہیں ہیں۔

باایں ہمہ اس طبقہ میں بھی کچھ خوش قسمت نفوس ایسے تھے جنہیں چند مہینوں سے لے کر دو ڈھائی سال تک فیضِ صحبت میسر آیا اور اس کیمیائے سعادت نے انہیں اکسیر بنادیا۔ بعضوں کو محض چند دن ہی میسر آسکے لیکن ذاتی صلاحیت اور پرتو نبوت نے اسی قلیل مدت میں انہیں جلا دے کر چمکا دیا کہ ارضِ صالح میں ابرِ رحمت کے ایک ہی چھینٹے سے سبزہ لہلہا اٹھتا ہے آخر بہار کے کھلے ہوئے پھول بھی رنگ و بو میں پھول ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طبقہ کے صحابہ ؓ کی کتابِ زندگی کے اوراق بھی مسلمانوں کے لئے درسِ عمل سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ اس جلد میں اس طبقہ کے ایسے ایک سو پچاس صحابہ کرام ؓ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں جس کی زندگی میں مسلمانوں کے لئے کوئی نہ کوئی اسوۂ عمل موجود ہے نیز اس لئے بھی ان کے حالات لکھنا ضروری معلوم ہوا کہ سلسلۂ سیر الصحابہ ؓ میں اخلاقی درس کے ساتھ عصر صحابہ کی پوری تاریخ بھی مسلمانوں کے سامنے آجائے لیکن جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ اس طبقہ کے صحابہ ؓ کے حالات بہت کم ملتے ہیں اس لئے چند کے سوا باقی اکثروں کے حالات دو چار صفحوں سے زیادہ نہیں ہیں لیکن نکہت بیزی کے لئے مشک خالص کا ایک ذرہ بھی کافی ہوتا ہے۔ اور متلاشیانِ راہ حقیقت کے لئے تاروں کی روشنی بھی شمعِ ہدایت کا کام دیتی ہے کہ

اصحابی کالنجوم فایّھم اقتدیتم اھتدیتم

فقیر معین الدین احمد ندوی

دار المصنفین۔ اعظم گڑھ

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) حضرت ابن ابی اوفیٰؓ

نام ونسب : علقمہ اور عبداللہ نام۔ ابو معاویہ کنیت۔ ابن ابی اوفیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :
علقمہ بن خالد بن حارث بن ابی اسید بن رفاعہ بن ثعلبہ بن ہوازن بن اسلم بن اقصیٰ۔

اسلام اور غزوات : صلح حدیبیہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ بیعتِ رضوان میں شرفِ جاں نثاری حاصل کیا[1] حدیبیہ کے بعد غزوۂ خیبر ہوا سب سے پہلے اسی میں میدانِ جنگ میں اترے[2] پھر حنین میں دادِ شجاعت دی۔ ہاتھوں میں کاری زخم لگا جس کا نشان مدتوں باقی رہا[3]۔ فتح مکہ کے بعد حنین میں شریک ہوئے[4] اور اسلام کی مدافعت میں سات لڑائیوں میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی[5] اور اس ایثار وقربانی کے ساتھ کہ بعض لڑائیوں میں سدِ رمق کے لئے صرف ٹڈی کھا کر بسر کرنا پڑا[6]۔

کوفہ میں قیام : عہدِ نبوی ﷺ سے حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ تک مدینۃ الرسول میں رہے جب کوفہ آباد ہوا تو یہاں منتقل ہو گئے اور اپنے قبیلہ اسلم کے محلہ میں گھر بنالیا[7]۔

خارجیوں کی سرکوبی : خلافتِ صدیقی سے لے کر خلافتِ مرتضوی تک کہیں ان کا پتہ نہیں چلتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں گوشہ گیر رہے۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جب خارجیوں نے سر اٹھایا تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ان کے مقابلہ کو نکلے[8]۔ اور اپنے ساتھ اور مسلمانوں کو بھی ان کے استیصال پر آمادہ کیا اور ان کو لکھ بھیجا کہ "رسول ﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر فرمایا تھا کہ لوگو! دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کیا کرو اور خدا سے امن وعافیت کی دعا کیا کرو لیکن جب مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور یقین رکھو کہ تلواروں کے سایہ کے نیچے جنت ہے"[9]۔

---

۱ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۴ ۲ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۔ ق ۲
۳ بخاری کتاب المغازی۔ باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین الخ
۴ بخاری کتاب الصوم باب متی یحل فطر الصائم ۵ مسند ابن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۳
۶ ایضاً۔ ومسند دارمی، کتاب الصید، باب اکل الجراۃ ۷ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۷
۸ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۸۲ ۹ ابو داؤد کتاب الجہاد باب کراہیۃ التمنی لقاء

وفات: حضرت ابن ابی اوفیٰؓ نے کافی عمر پائی۔ بنی امیہ کے دور تک زندہ رہے اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے اسی حالت میں ۸۶ھ اور ۸۸ھ کے درمیان وفات پائی۔ یہ اصحابِ نبوی ﷺ میں آخری بزرگ تھے جنہوں نے کوفہ میں انتقال کیا[1]۔

فضل وکمال: چونکہ اسلام کے بعد قیام مدینہ ہی میں رہا اور بیشتر غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرتے رہے اس لئے اکثر احادیثِ نبوی ﷺ سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کی ۹۵ مرویات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں سے دس متفق علیہ ہیں اور ۵ میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ رواۃ میں عمرو بن مرہ، طلحہ بن مطرف، عدی بن ثابت اور اعمش وغیرہ قابلِ ذکر ہیں[2]۔

ان کا علمی پایہ ان کے معاصرین میں مسلم تھا۔ مختلف فیہ مسائل میں لوگ تحقیق کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی شداد اور ابو ہریرہ میں بیع سلم کے بارے میں اختلاف ہوا تو دونوں نے فیصلہ کے لئے ان کے پاس آدمی بھیجا، انہوں نے تفصیلی جواب سے ان کی تشفی کر دی[3]۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں کو خیبر کی پیداوار کا مصرف معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وہ کن مصارف میں صرف ہوتی تھی تو ان کی طرف رجوع کیا، انہوں نے بتایا کہ اس کی کوئی خاص تقسیم نہ تھی، بلکہ ہر شخص بقدر ضرورت اس میں سے لے لیتا تھا[4]۔

دعائے نبوی ﷺ: ایک مرتبہ ان کے والد کچھ صدقہ لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ "خدایا آل ابی اوفیٰ پر رحمت فرما"[5]۔

پاس فرمان رسول ﷺ: ابن ابیؓ اوفیٰ کسی موقع پر بھی فرمانِ رسول سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے تھے، ان کی ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا، عورتوں نے رونا پیٹنا شروع کیا ابن ابیؓ اوفیٰ نے کہا بین نہ کرو رسول اللہ ﷺ نے بین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ آنسو بہا سکتی ہو، اس کے بعد مسنون طریقہ سے نماز جنازہ پڑھا کر فرمایا جنازہ میں رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے[6]۔

(۲) حضرت اسماء بن حارثہ اسلمیؓ

نام ونسب: اسماء نام۔ ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے: اسماء بن حارثہ بن عبداللہ بن غیاث بن سعد بن عمرو بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افصی اسلمی۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ ج ۳۔ ص ۵۵۷، ۵۷۱　[2] تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۱

[3] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۴　[4] ایضاً۔ ص ۳۵۵　[5] ایضاً　[6] ایضاً۔ ص ۳۵۶

اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ان کا قبیلہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر رہتا تھا لیکن یہ خود مدینہ میں رہتے تھے یہ ان تنگ حال اور صاحب احتیاج میں تھے جن کا سہارا رحمۃ للعالمین ﷺ کے سوا کوئی نہ تھا چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اصحاب صفہ کے زمرہ میں داخل فرما کر ان کے معاش کا انتظام فرما دیا تھا[1]۔

اس لئے یہ شب وروز آستانہ نبویؐ پر پڑے رہتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کی خدمت گذاری ان کا مشغلۂ حیات تھا۔حضرت ابو ہریرہ کا شانۂ نبوی ﷺ کے بڑے حاضر باش تھے،فرماتے تھے کہ ہند اور اسماء حارثہ کے لڑکے رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے ہر وقت آپ ﷺ کے آستانہ پر حاضر رہتے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت گذاری میں زندگی بسر کرتے تھے[2]۔

ان کے قبیلہ بنی اسلم میں ان ہی کے ذریعے سے مذہبی احکام بھیجے جاتے تھے چنانچہ عاشورہ کے روزہ کا حکم بھی یہی لے کر گئے تھے[3]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد میں بصرہ میں وفات پائی[4]۔

(۳) حضرت اسیرؓ

ان کے بارے میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے مگر اس گمنامی کے باوجود ان کی زندگی سبق سے خالی نہیں ہے۔امتِ اسلامیہ کے اتحاد واتفاق کو سب سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے اور اختلافات اور تفریق سے بچنے کے لئے ناگوار امور بھی انگیز کر لیتے تھے۔یزید کے زمانہ میں زندہ تھے اور امت کے اتحاد واتفاق کی خاطر یزید کی نااہلیت کو مانتے ہوئے اس کی بیعت میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے اسی زمانہ میں کچھ لوگ ان کے پاس آئے انہوں نے ان سے کہا لوگ کہتے ہیں کہ یزید اس امت کا بہتر شخص نہیں ہے۔عقل وفراست سے بھی خالی ہے شرافت کے لحاظ سے بھی وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا میں ان تمام باتوں کو مانتا ہوں لیکن مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی امت کے تشتت وفراق کے مقابلہ میں اس کا اتحاد واتفاق زیادہ عزیز ہے۔اگر تمام امتِ محمدی ﷺ ایک دروازہ میں داخل ہو جائے تو کیا اس میں ایک شخص کی گنجائش نہیں رہے گی؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں،پھر پوچھا اگر امتِ مسلمہ کا ہر شخص یہ عہد کر لے کہ میں اپنے بھائی کا خون نہ بہاؤں گا اور اس کے مال پر دست درازی نہ کروں گا تو کیا اس کا یہ عہد حق بجانب ہوگا؟ لوگوں نے جواب دیا ضرور ہوگا فرمایا میں بس یہی تو کہتا ہوں۔

---

[1] ابن سعد۔جلد ۴۔ص ۵۔ق ۲ [2] اصابہ۔جلد اول۔ص ۳۸ [3] ابن سعد۔جلد ۴۔ [4] ایضاً

پھر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سنایا کہ "جیسا ہر حالت میں بہتر ہے"۔ ایک شخص نے کہا میں نے لقمان کے قصص میں دیکھا ہے کہ بعض حیا کمزوری ہوتی ہے اور بعض حیا وقار، قولِ رسول کے مقابلہ میں لقمان کا قول سن کو سخت برہم ہو گئے۔ فرطِ غضب میں ہاتھ تھر تھرانے لگا اور اس شخص سے کہا تم میرے گھر سے نکل جاؤ تم کو یہاں کس نے بلایا تھا ایک شخص نے کہہ طرح ان کا غصہ ٹھنڈا کیا[1]۔

(۴) حضرت اسود بن سریعؓ

نام ونسب : اسود نام۔ ابو عبداللہ کنیت، نسب نامہ ہے : اسود بن سریع بن حمیر بن عبادہ بن نزال بن مرہ بن مقاعس بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی۔

اسلام اور غزوات : فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ قبولِ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں آنحضرت ﷺ کا شرف ہمرکابی حاصل کیا چنانچہ حنین میں ساتھ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں چار غزوؤں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کسی غزوہ میں بعض لوگوں نے بچوں کو قتل کرا دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو لڑائی میں بے گناہ بچوں اور جنگجوؤں میں امتیاز نہیں کرتے۔ کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ! کیا بچہ مشرک نہیں ہے، فرمایا اس طرح تو تمہارے بہترین لوگ بھی مشرک بچے ہیں لڑکے دینِ فطرت پر پیدا ہوئے ہیں اور اس وقت تک اس دین پر رہتے ہیں جب تک ان کی بولی نہیں پھوٹتی اس کے بعد ان کے والدین انہیں یہودی یا نصرانی بناتے ہیں[2]۔

بصرہ کا قیام اور وفات : حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بال بچوں کو لے کر بصرہ چلے گئے اور یہیں اقامت اختیار کر لی[3]۔ جامع بصرہ کے قریب مکان تھا جہاں وہ فرائضِ قضاء انجام دیتے تھے یہیں ۴۰ھ میں وفات پائی[4]۔

فضل وکمال : فضل اور کمال کے لئے یہ سند کافی ہے کہ جامع بصرہ میں قاضی تھے۔ آٹھ حدیثیں بھی ان سے مروی ہیں شاعری میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے[5]۔

کبھی کبھی دربارِ رسالت ﷺ میں حمد ونعت کی نذر پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قبولِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حمد ونعت کہہ کر لائے اور عرض کی، یا رسول اللہ ! خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں

---

۱ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۴۷۔ ق اول۔ ۲ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۴۔
۳ تہذیب التہذیب۔ جلد اول تذکرہ اسودؓ۔ ۴ اصابہ۔ جلد اول تذکرہ اسودؓ۔ ۵ تہذیب الکمال۔

کچھ اشعار عرض کئے جائیں، فرمایا میری مدح سنانے کی ضرورت نہیں البتہ خدا کی حمد سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے حمد سنانی شروع کی۔ اس درمیان میں ایک کشیدہ قامت آدمی آگیا اسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا۔ اس کے واپس جانے کے بعد پھر سننے لگے دوبارہ پھر وہ شخص آیا پھر آپ ﷺ نے اسود کو خاموش کر دیا اس کے واپس جانے کے بعد اسود نے پوچھا یارسول اللہ (ﷺ) یہ کون شخص ہے جس کے آنے پر آپ روک دیتے ہیں اور چلے جانے کے بعد پھر سنتے ہیں ؟ فرمایا یہ عمر بن خطاب ؓ ہیں ان کو باطل اشیاء سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں [1]۔

(۵) حضرت اقرع بن حابس ؓ

نام ونسب : فراس نام۔ اقرع لقب، نسب نامہ یہ ہے : اقرع بن حابس بن عبقان بن محمد بن سفیان، ابن مجاشع ابن آدم بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی۔ زمانۂ جاہلیت میں شرفائے بنی تمیم میں تھے اسلام کے بعد بھی یہ اعزاز قائم رہا۔

اسلام سے پہلے : اقرع باضابطہ اسلام قبول کرنے کے بہت پہلے اسلام سے متاثر تھے۔ چنانچہ فتح مکہ حنین اور طائف میں کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے [2]۔

مجلس مفاخرہ : فتح مکہ کے بعد جب روسائے تمیم مدینہ آئے تو اقرع بھی تھے۔ روسائے عرب کی طرح بنی تمیم کے عمائد میں بھی عالی نسبی کا بڑا غرور اور دولت کا بڑا نشہ تھا فخر و تعلّی کی مجلسیں ہوتی تھیں جن میں روساء عمائد اپنے اپنے فخریہ سناتے تھے۔ مدینہ آئے تو یہ تمام لوازم ساتھ تھے کاشانۂ نبوی پر پہنچ کر ارکانِ وفد نے آواز دی "محمد ﷺ باہر نکلو"۔ آپ ﷺ کو ناگوار ہوا تاہم حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے روسائے تمیم نے کہا ہم لوگ فخاری کے لئے آئے ہیں اجازت دو کہ ہمارے شعراء بلغاء اپنی سحر بیانی کے جوہر دکھائیں۔ ابن ہشام کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی لیکن صاحبِ اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں شعر بازی اور فخاری کے لئے نہیں مبعوث ہوا ہوں لیکن اگر تم اس کے لئے آئے ہو تو ہم بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ اجازت ملنے کے بعد عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور نہایت فخر و مباہات کے ساتھ بنی تمیم کے تمول ثروت، اثر و اقتدار، عالی نسبی، شجاعت و بہادری اور مہمان نوازی کی جاہلانہ داستان سنائی۔ ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کی

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۵۔ اس سے مراد شاعری ہے ورنہ حمد اس سے مستثنیٰ ہے۔
[2] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۹

جانب سے جواب کے لئے حضرت ثابت بن قیسؓ کھڑے ہوئے لیکن یہ جواب کیا تھا۔ تمول و ثروت کی فخاری نہ تھی عالی نسبی کا غرور نہ تھا شجاعت اور بہادری کی داستان سرائی نہ تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت قرآن کا نزول، اسلام کی تبلیغ، انصار کی حمایت، اعلائے کلمۃ اللہ کی تاریخ اور اسلام کی دعوت تھی۔ ثابت کے بعد بنی تمیم کے معزز رکن زبرقان بن بدر اٹھے اور اسی جاہلیت کی غرور آمیز داستان کو اشعار میں دہرایا ان کے مقابلہ میں دربارِ رسالت ﷺ کے ملک الشعراء اور طوطیِ اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کو جواب کا حکم دیا انہوں نے جواب دیا۔

اسلام : روسائے بنی تمیم کی فخاری اور مسلمانوں کے تبلیغی جواب کا یہ اثر ہوا کہ بنی تمیم کے معزز رکن اقرع بن حابسؓ نے اُٹھ کر اپنے ارکان سے کہا : ''محمد ﷺ کے خطیب ہمارے خطیبوں اور ان کے شاعر ہمارے شعراء سے زیادہ بہتر ہیں ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ شیریں اور دلآویز ہیں [1] میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں اس کے قبل جو کچھ ہو چکا وہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا [2]۔

قبولِ اسلام کے بعد انہیں کسی غزوہ میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا مگر آنحضرت ﷺ نے بعض سرایا کے مالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے قبل جو سریہ بھیجا تھا اس کے مالِ غنیمت میں سے تھوڑا سا سونا انہیں عطا فرمایا [3]۔

عہدِ خلفاء : عہدِ نبوی ﷺ میں اقرع غزوات میں نہ شریک ہو سکے تھے۔ خلفاء کے زمانہ میں اس کی تلافی کی کوشش کی عہدِ صدیقی میں یمامہ کی مشہور جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تھے پھر عراق کی فوج کشی میں بھی ان کے ساتھ نکلے اور ابنار کی فتوحات میں شریک ہوئے دومۃ الجندل کے معرکہ میں شرحبیلؓ بن حسنہ کے ساتھ تھے [4]۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض معرکہ کے قرع کی امارت میں سرہوئے عبداللہ بن عامرؓ والی خراسان نے انہیں خراسان کے ایک حصہ پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ جوزجان ان ہی کی قیادت میں فتح ہوا [5]۔

شہادت : حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق اسی غزوہ میں شہید ہوئے [6]۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۲۔ ذکر قدوم وفد تمیم ونزول سورۂ حجرات میں یہ واقعات نہایت مفصل ہیں ہم نے صرف ان کا خلاصہ نقل کیا ہے۔
[2] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۰ [3] بخاری کتاب المغازی باب بعث علیؓ بن ابی طالب وخالدؓ بن ولید ابی الیمن
[4] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۵۹ [5] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۴۱۴ [6] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۵۱

(۶) حضرت امرؤالقیسؓ

نام ونسب : امرؤالقیس نام۔ باپ کا نام حابس تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : امرؤالقیس بن حابس بن منذر بن امرؤالقیس بن سمط بن عمرو بن معاویہ بن حارث الاکبر بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ ابن حارث کندی۔

اسلام : ۱۰ھ میں کندہ (حضرموت) کے وفد کے ساتھ مدینہ آکر آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے۔ قبولِ اسلام کے بعد پھر وطن واپس چلے گئے۔

فتنۂ ارتداد کے تدارک میں سعی بلیغ :

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب عرب کے قبائل میں ارتداد کی وباء پھیلی تو امرؤالقیسؓ کا پورا قبیلہ کو دوبارہ دائرہ اسلام میں واپس لانے کی پوری کوشش کی اور اس کے لئے افہام وتفہیم، زجرو توبیخ وغیرہ تمام امکانی ذرائع صرف کردیئے۔ کندہ کے رئیس اشعث بن قیس بھی جو حضرت حسنؓ کے خسر تھے مرتد ہوگئے تھے۔ امرؤالقیس نے انہیں بہت سمجھایا کہ اس فتنہ سے خدا ابوبکرؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مخالفوں کو ناکامی ہوگی اور ان کا سر قلم کردیا جائے گا تم اپنے اوپر رحم کرو اور اس فتنہ سے بچو اگر تم اس کارِ خیر کی طرف قدم بڑھاؤ گے تو سب تمہاری پیروی کریں گے اور پیچھے رہو گے تو ان میں اختلاف پیدا ہوگا۔ اشعث نے جواب دیا عرب اپنے آبائی مذہب پر لوٹ رہا ہے امرؤ القیس نے کہا خیر تو تم کو بہت جلد اس کا تجربہ ہوجائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے عمال تم کو بھی ارتداد کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے[۱]۔

اربابِ سیر لکھتے ہیں : ''کان له عناء وتعب فی الردة'' یعنی فتنہ ارتداد کے فرو کرنے میں انہوں نے بڑی ان تھک کوشش کی ان کی مخلصانہ کوششیں بارآور ہوئیں اور کندہ کے بہت سے گھرانے ارتداد سے بچ گئے اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو ان اشعار میں اس کی اطلاع بھیجی[۲]۔

الا بلغ ابا بکر رسولا
و بلغها جمیع المسلمینا
فلیس مجاوراً بیتی بیوتا
بما قال النبی لکذبینا

۱؎ ابن عساکر۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۲ بحوالہ ابن سعد۔ ۲؎ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۶۴۔

الحبّ فی اللہ و البغض فی اللہ :

امرؤالقیسؓ کا دل جوشِ ایمانی سے اس قدر معمور تھا کہ ارتداد کے سلسلہ میں انہوں نے اپنے خاص اعزہ کی محبت بھی دل سے نکال دی تھی اور ان کی تلوار ان کے مرتد اعزہ کے مقابلہ میں بھی بے نیام ہوئی۔ فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد جو باغی مرتد قتل کرنے کے لئے لائے گئے ان میں امرؤالقیس کے چچا بھی تھے۔ امرؤالقیس خود انہیں قتل کرنے کے لئے بڑھے چچا نے کہا کیا تم چچا کو بھی قتل کرو گے؟ امرؤالقیس نے کہا بے شک آپ میرے چچا ہیں لیکن اللہ عزوجل میرا رب ہے[1]۔

دین کے لئے دنیا سے دست برداری :

انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش مال و دولت ہے۔ امرؤالقیسؓ نے آخرت کے مقابلہ میں کبھی دنیاوی مال ومتاع کی پرواہ نہ کی ایک مرتبہ ان میں اور ربیعہ بن عبدان حضرمی میں ایک زمین کے بارہ میں تنازعہ ہو گیا آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا ربیعہ مدعی تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم ثبوت پیش کرو ورنہ امرؤالقیس سے قسم لے کر ان کے موافق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ربیعہ نے کہا اگر وہ قسم کھائیں گے تو میری زمین مفت میں چلی جائے گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس نیت سے قسم کھائے گا کہ اس سے مالی منفعت حاصل کرے تو وہ خدا سے اس حالت میں ملے گا کہ خدا اس سے ناراض ہوگا۔ امرؤالقیسؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) جو شخص اپنا حق سمجھتے ہوئے اس سے دست بردار ہو جائے اس کو کیا اجر ملے گا۔ فرمایا جنت۔ عرض کی تو میں اس زمین سے ان کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں[2]۔

(۷) حضرت انیسؓ بن ابی مرثد غنوی

نام ونسب : انیس نام۔ ابو یزید کنیت، نسب نامہ یہ ہے : انیس بن ابو مرثد (کناز) بن حصین بن یربوع ابن جھنیہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن سعد بن عوف بن کعب بن حلان بن غنم ابن یحییٰ بن اعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر مضری۔ ان کے والد حضرت ابو مرثد مہاجر تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار کے حلیف تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کے دادا حضرت حمزہؓ کے حلیف تھے[3]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۴۹۔ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۵۔ [3] اسد الغابہ۔ جلد اول تذکرۂ انیسؓ۔

اسلام وغزوات : فتح مکہ کے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ حنین اور اوطاس کے غزووں میں آنحضرتﷺ کے ہمرکاب تھے۔ اوطاس میں جاسوسی کی خدمت سپرد تھی[1] کبھی کبھی آنحضرتﷺ اجرا اجرائے حدود کی خدمت پر مامور فرماتے تھے ایک مرتبہ ایک عورت زنا کے الزام میں ماخوذ ہوئی، آنحضرت ﷺ نے انیس کو حکم دیا کہ جا کر اس سے دریافت کرو اگر اقرار کرے تو حد جاری کرو[2]۔

وفات : ربیع الاول ۲۰ھ میں وفات پائی[3]۔

(۸) حضرت اہبان بن صیفیؓ

نام ونسب : اہبان نام۔ ابومسلم کنیت، قبیلہ عفار سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا۔ قیاس یہ ہے کہ اپنے قبیلہ بنی غفار کے ساتھ فتح مکہ سے کچھ قبل یا بعد مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

خانہ جنگی سے کنارہ کشی : عہد رسالت ﷺ اور اس کے بعد کسی غزوہ اور جنگ وغیرہ میں نظر نہیں آتے۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ خانہ جنگی کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ شر وفتن کے مرکز تھے مگر اہبان اس سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علیؓ نے ان سے اپنی حمایت میں نکلنے کے لئے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے دوست اور تمہارے ابن عم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ "جب دو مسلم فریق میں جنگ ہو تو میں لکڑی کی تلوار بنا لوں"۔ حضرت علیؓ نے یہ جواب سن کر پھر کچھ نہیں فرمایا[4]۔

وفات : بصرہ ہی میں وفات پائی[5]۔

فضل وکمال : ان کی علمی حیثیت قابلِ ذکر نہیں ہے تاہم ان سے زیدم بن حارث وغیرہ نے روایت کی ہے[6]۔

(۹) حضرت ایمن بن حریمؓ

نام ونسب : ایمن نام۔ باپ کا نام خریم تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : ایمن بن خریم بن فلک بن اخرم بن شداد بن عمرو بن قالک بن قلیب بن عمرو بن اسعد بن جزیمہ اسدی۔

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۰۔ [2] ایضاً۔ [3] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۵۔
[4] تاریخ صغیر امام بخاری۔ ص ۴۶ [5] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۸۰ [6] تہذیب الکمال۔ ص ۴۱

اسلام : ایمن کے والد حضرت خریمؓ بدری صحابی تھے لیکن ایمن فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے اس وقت سبزہ آغاز تھا[1]۔

ایمن عہدِ رسالت ﷺ میں کم سن تھے اور اس کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے۔ عبدالملک کے زمانہ تک ان کا پتہ چلتا ہے اس کے دربار میں آمدورفت رہتی تھی۔ اس طویل زمانہ میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ گئیں لیکن ایمن کے ہاتھوں میں کسی مسلمان کے خون کا ایک قطرہ نہیں گرا وہ اس قسم کے موقعوں پر برابر مسلمانوں کو ملامت کرتے رہے حضرت عثمانؓ کی شہادت پر اس شعر میں اپنی بیزاری کا اظہار کیا[2]۔

ان الذین تولوا قتله سفها لقوا اثاما وخسرانا ومار بحوا

جولوگ نادانی کی وجہ سے عثمان کے قتل کے مرتکب ہوئے

انہوں نے گناہ اور خسران کے سوا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا

مروان سے ذاتی مراسم تھے مگر اس کی خواہش کے باوجود ایمن نے اس کے زمانہ کی لڑائیوں میں کوئی حصہ نہ لیا۔ ضحاک بن قیس سے جنگ کے زمانہ میں مروان نے کہلا بھیجا کہ ہماری خواہش ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ شریکِ جنگ ہوا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے باپ اور چچا بدری صحابی تھے۔ انہوں نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں کسی ایسے شخص سے جو لا الہ الا اللہ کہتا ہو نہ لڑوں اگر تم آتشِ دوزخ سے برأت کی سند لا دو تو البتہ میں تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤں گا۔ یہ جواب سن کر مروان نے ان کو برا بھلا کہا اس کے جواب میں ایمن نے یہ اشعار پڑھے[3]۔

ولست مقاتلا رجلا یصلی علی سلطان اخر من قریش

کسی قریشی کے دبدبہ حکومت کے لئے کسی نمازی مسلمان سے جنگ کرنے والا نہیں ہوں

له سلطانه وعلیّ اثمی معاذ الله من سفه وطیش

اسے تو دبدبہ وحکومت حاصل ہوگی اور مجھے گناہ ملے گا، ایسی بے عقلی اور طیش سے خدا کی پناہ ہے

آقتل مسلما نی غیر جرم فلست بنافعی ماعشت عیشی

کیا میں کسی مسلمان کو بے خطا قتل کروں اگر ایسا کروں میری زندگی مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی

عام حالات : اموی خلفاء کے ساتھ ان کے بڑے مراسم تھے اور ان کے دربار میں بہت کثرت سے آیا جایا کرتے تھے اس رسم وراہ کی وجہ سے خلیل الخلفا کہلاتے تھے۔ شاعر بھی تھے مگر وہی شاعری جس کا نمونہ اوپر نقل ہوا[4] ان سے دو حدیثیں مروی ہیں۔

---

[1] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۹۴ [2] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۹۴ [3] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۹۴ [4] تہذیب الکمال۔ ص ۴۲

(۱۰) حضرت بدیل بن ورقاؓ

نام ونسب : بدیل نام۔ باپ کا نام ورقا تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : بدیل بن ورقا بن عمرو بن ربیعہ بن عبد العزیٰ ابن ربیعہ بن جری بن عامر بن مازن خزاعی۔

ان کا قبیلہ بنی خزاعہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا۔ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ عمرہ کے قصد سے مکہ تشریف لے گئے تو حدیبیہ کے مقام پر قریش کی مزاحمت کے ارادہ کی خبر انہی نے دی تھی[1]۔

جن اسباب کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے مکہ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک سبب بدیل کے قبیلہ کی حمایت بھی تھا۔ بنوخزاعہ مسلمانوں کے خلیف تھے اس لئے از روے معاہدۂ حدیبیہ قریش اور ان کے حلیف، بنی خزاعہ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے تھے لیکن اس معاہدہ کے خلاف قریش کے حلیف بنی بکر، بنی خزاعہ پر مظالم کرتے تھے فتح مکہ کے قبل بدیلؓ آنحضرت ﷺ کے پاس ان زیادتیوں کی شکایت لے کر گئے دوسری طرف سے قریش نے ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ سے گفتگو کر کے معاہدہ کی تجدید کرا ئیں اور بنی خزاعہ پر بنی بکر کی زیادتیوں کا کوئی برا نتیجہ نہ نکلے۔ ادھر سے ابوسفیان جا رہے تھے ادھر سے بدیل واپس ہو رہے تھے راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

ابوسفیان کو شبہ ہوا کہ بدیلؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے کر گئے تھے انہوں نے ان سے پوچھا، کہاں سے آ رہے ہو؟ بدیلؓ نے کہا وادی اور ساحل کی طرف سے بنی خزاعہ کی سمت گیا ہوا تھا، پھر تصریح سے پوچھا محمد ﷺ کے پاس سے تو نہیں آ رہے ہو؟ بدیل نے کہا نہیں، اس سوال جواب کے بعد دونوں نے اپنا اپنا راستہ لیا لیکن بدیل کے جواب پر ابوسفیان کا شبہ دور نہیں ہوا۔ ان کو قرائن سے یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو بدیل مدینہ ہی گئے تھے نہایت تیزی سے مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور فاطمہؓ زہرا کو بیچ میں ڈال کر معاملات کا تصفیہ کرنا چاہا لیکن ان بزرگوں نے درمیان میں پڑنے سے انکار کر دیا اور ابوسفیان ناکام لوٹ گئے[2]۔

اسلام : فتح مکہ کے بعد بدیل مشرف باسلام ہوئے۔ بعض اربابِ سیر ان کے اسلام کا زمانہ فتح مکہ سے پہلے بتاتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس بدیل کی آمد و رفت کے واقعات سے التباس ہوا ہے لیکن یہ آمد و رفت اسلام کی وجہ سے نہ تھی بلکہ معاہدہ کی وجہ سے تھی۔

---

[1] بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب   [2] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲، ص ۲۲۷، ۲۲۹ ملخصاً

قبولِ اسلام کے وقت بدیل کی عمر ۹۷ سال کی تھی مگر ڈاڑھی کے سب بال سیاہ تھے آنحضرت ﷺ نے پوچھا عمر کیا ہے؟ عرض کی ۹۷ برس۔ فرمایا خدا تمہارے جمال اور بالوں کی سیاہی میں اور ترقی دے[۱]۔

بدیلؓ کے قبولِ اسلام کے بعد وہی قریش جوان کے قبیلہ کے در پے آزار رہتے تھے ان کے گھر اوران کے غلام رافع کی پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

غزوات: فتح مکہ کے بعد حنین، طائف اور تبوک تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حنین میں مالِ غنیمت اور مشرک قیدیوں کی نگرانی ان کے سپرد تھی[۲]۔

حجۃ الوداع: حجۃ الوداع میں ہمرکاب تھے اور منیٰ میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے آج کے روزہ سے منع فرمایا ہے[۳]۔

وفات: عمر کافی پاچکے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا[۴]۔

آثارِ نبوی ﷺ سے برکت اندوزی:

آثارِ نبوی ﷺ سے نہایت گہری عقیدت رکھتے تھے۔ کسی موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک خط لکھا تھا اس کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور انتقال کے وقت اپنے صاحبزادے کو یہ خط دے کر وصیت کرتے گئے کہ جب تک یہ نوشتۂ رسول ﷺ تمہارے پاس رہے گا تم لوگ خیر و برکت میں رہوگے۔

(۱۱) حضرت بسر بن سفیانؓ

نام و نسب: بسر نام، باپ کا نام سفیان تھا نسب نامہ یہ ہے، بسر بن سفیان بن عمرو بن عویمر ابن صرمہ بن عبداللہ بن ضمیر بن حبشہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیع خزاعی، بسر اپنے قبیلہ کے معزز اور مقتدر شخص تھے۔

اسلام: آنحضرت ﷺ نے جب شرفاء عمائد کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے[۵]۔ تو ایک تحریر لیبر کے نام بھی بھیجی ان کا دل عناد اور سرکشی سے پاک تھا، صرف تحریر کی دیر تھی چنانچہ اسی دعوت پر ۶ھ میں مشرف باسلام ہو گئے[۶]۔

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ عمرہ کے لئے نکلے مکہ کے قریب پہنچنے کے بعد قریش کی جانب سے طرح طرح کی خبریں اُڑ رہی تھیں، ایک خبر یہ بھی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو

---

۱ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۶ ۲ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰ ۳ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۶
۴ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۱ ۵ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۶۷۔ ۶ ایضاً و اصابہ۔ ص ۱۵۴۔

روکیں گے، ان افواہوں کی تحقیقات بسر کے سپرد ہوئی، انہوں نے تحقیقات کر کے مقام عسفان میں آپ کو اطلاع دی کہ قریش آپ کی مدد کی خبر سن کر مقابلہ کے لئے نکلے ہیں[1]۔ اس کے بعد اس سفر کے تمام مراحل بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ وغیرہ میں شریک رہے، اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

(۱۲) حضرت تمیم بن اسدؓ بن عبدالعزیٰ

نام ونسب : تمیم نام، باپ کا نام اسد، نسب نامہ یہ ہے : تمیم بن اسد بن عبدالعزی بن جعونہ بن عمرو بن قین بن رزاح بن عمرو بن سعد بن کعب بن سعد بن عمرو خزاعی۔

اسلام : فتح مکہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے[2]۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ تطہیر حرم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو سے اوپر بت رانگے سے جڑے ہوئے نصب تھے، آپ ﷺ **جاء الحق وزھق الباطل** پڑھ پڑھ کے بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے، اور بت گرتے جاتے تھے[3]۔ اس سلسلہ میں نصاب حرم کی تجدید پر مامور ہوئے تھے[4]۔

(۱۳) حضرت تمیم بن ربیعہؓ

نام ونسب : تمیم نام، باپ کا نام ربیعہ تھا نسب نامہ یہ ہے : تمیم بن ربیع بن عوف بن جراء بن یربوع بن طحبل بن عدی بن ربعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی۔

تمیم ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے اس وقت اسلام کی دعوت پر لبیک کہا جب اس کا جواب زبان کے بجائے نوکِ سنان سے ملتا تھا اسلام کے بعد سب سے اول حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا[5]۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

(۱۴) حضرت ثمامہ بن آثالؓ

نام ونسب : ثمامہ نام، ابوامامہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : ثمامہ بن آثال بن نعمان بن سلمہ بن عتبہ ابن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ دوٴل بن حنفیہ یمامی، ثمامہ کے سرداروں میں تھے۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۴۔ ص ۳۲۔ [2] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۳۲۔
[3] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۱۴۔ [4] ابن سعد حوالہ مذکور۔ [5] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۶۶۔

اسلام: فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے آنحضرت ﷺ نے یمامہ کی طرف سے ایک مختصر سریہ جس میں چند سوار تھے بھیجا تھا، ان لوگوں نے لوٹتے وقت ثمامہ کو گرفتار کرلیا اور وہ لا کر مسجد نبوی ﷺ کے ستون میں باندھ دیئے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس آ کر پوچھا کیوں ثمامہ کیا ہوا کہا محمد ﷺ بہت اچھا ہوا اگر تم مجھ کو قتل کرو گے تو ایک جاندار کو قتل کرو گے، اور اگر احسان کر کے چھوڑ دو گے تو ایک احسان شناس پر احسان کرو گے، دوسرے دن پھر یہی سوال جواب ہوا، تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا تیسری مرتبہ سوال جواب کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں رہا کردیا۔ ثمامہ پر اس رحم وکرم کا یہ اثر ہوا کہ رہائی پانے کے بعد اسلام کے اسیر ہو گئے، مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک نخلستان میں گئے اور نہا دھو کر مسجد میں آئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ خدا کی قسم آپ کی ذات آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ روئے زمین پر مجھے کسی سے بغض نہیں تھا لیکن اب آپ کی ذات، آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی مذہب اور کوئی شہر محبوب نہیں ہے، میں عمرہ کا قصد کر رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑ لیا اب کیا حکم ہوتا ہے؟ آپ نے بشارت دی اور عمرہ پورا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ عمرہ کے لئے مکہ گئے، کسی نے پوچھا تم بے دین ہو گئے، کہا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لایا، یاد رکھو اب بغیر رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے گیہوں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آسکتا[1]۔

عمرہ پورا کر کے بعد یمامہ جا کر غلہ رکوا دیا، مکہ والوں کا دار ومدار یمامہ کے غلہ پر تھا۔ اس لئے وہاں آفت بپا ہوگئی اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس لکھ بھیجا کہ تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو لیکن تمہارا عمل اس کے برعکس ہے تم نے سن رسیدہ لوگوں کو تلواروں سے اور بچوں کو بھوک سے مار ڈالا، ان کی اس تحریر پر آپ نے حکم دیا کہ غلہ نہ روکا جائے[2]۔

فتنہ ارتداد کی روک تھام: مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب ثمامہ کا ہم وطن تھا، اس نے حیاتِ نبوت ﷺ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، لیکن آفتاب حقیقت پر اس کی تاریکی غالب نہ آسکی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسیلمہ بڑے زور وشور کے ساتھ اٹھا اہل یمن کے اس کے دام تزویر میں پھنس کر مرتد ہو گئے اور مسیلمہ نے یمن پر قبضہ کرلیا، اس زمانہ میں ثمامہ وطن ہی میں موجود تھے انہوں نے اہل یمامہ کو ارتداد سے بچانے کی بہت کوشش کی، ہر شخص کے کانوں تک یہ آواز پہنچاتے تھے کہ لوگو! اس تاریکی سے بچو جس میں نوری کوئی کرن نہیں ہے، لیکن مسیلمہ کی آواز کے سامنے ان کی آواز صدا الصحرا ثابت ہوئی، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے پند ونصائح کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور لوگ مسیلمہ کے دام میں پھنس چکے ہیں، تو خود یمامہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

---

۱ بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامہ بن آثالؓ۔ ۲ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۴۳۰۔

اسی دوران میں علاء بن حضرمی جو مرتدین کے استیصال پر مامور ہوئے تھے، یمامہ کی طرف سے گذرے ثمامہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بنی حنیفہ کے ارتداد کے بعد میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا، عنقریب خدا ان پر ایسی مصیبت نازل کرے گا کہ ان سے اٹھتے، بیٹھتے نہ بنے گا، مسلمان اس فتنہ کو فرد کرنے کے لئے آئے ان سے نہ بچھڑنا چاہئے تم میں سے جس کو چلنا ہو وہ فوراً تیار ہو جائے، غرض اپنے ہم خیال اشخاص کو ساتھ لے کر علاء کی مدد کو پہنچے جب مرتدین کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ بنی حنیفہ بھی علاء کی امداد پر آمادہ ہیں تو وہ کمزور پڑ گئے یمامہ کی مہم خالدؓ کے سپرد تھی اور علاء بحرین کے مرتدین پر مامور تھے، چنانچہ ثمامہ بھی علاء کے ساتھ بحرین چلے گئے اور مرتدین کے استیصال میں برابر کے شریک رہے [1]۔

شہادت : مرتدین کے استیصال کے بعد بنی قیس کے مرتد سردار حطیم کا حُلّہ اس کے قاتل سے خریدا اور اسے پہن کر چلے، بنو قیس نے ان کے بدن پر حطیم دیکھ کر سمجھا کہ ان ہی نے حطیم کو قتل کیا ہے اور یہ حلہ انہیں سلب میں ملا ہے، اس شبہ میں ثمامہؓ کو شہید کر دیا [2]۔

فضل وکمال : فضل وکمال میں شاعری کے علاوہ اور کوئی خصوصیت لائق ذکر نہیں ہے مسیلمہ کذاب کے سلسلہ میں یہ اشعار کہے تھے۔

دعانا الی ترک الدیانة والھوی — مسیلمه الکذب از جاء یسجع

فیاعجبا من معشر قد تتا بعدا — له فی سبیل الغی والغی اشنع

(۱۵) حضرت ثوبانؓ

نام ونسب : ثوبان نام، ابوعبداللہ کنیت، خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا۔

آقائے دوعالم ﷺ کی غلامی : ثوبان غلام تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا دل چاہے اپنے خاندان میں چلے جاؤ اور دل چاہے میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو میرے اہل بیعت میں تمہارا شمار ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت گذاری اور اہلِ بیت نبوی ﷺ میں شمار ہونے سے بڑھ کر فخر اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس لئے ثوبانؓ نے اس شرف کو خاندان پر ترجیح دی۔ اور خلوت وجلوت وقت آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ رہنے لگے [3]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۸۰۔ [2] اصابہ جلد اول ص ۲۱۱۔ [3] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۴۹ و مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۸۱

شام کی اقامت وفات : آقاﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد گلشن مدینہ خار نظر آنے لگا اس لئے یہاں سے شام چلے گئے اور رملہ میں سکونت اختیار کر لی۔ عہد فاروقی میں مصر کی فتوحات میں شریک ہوئے پھر رملہ سے منتقل ہو کر حمص میں گھر بنالیا اور یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی[1]۔

فضل وکمال : ثوبانؓ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے اس تقریب سے انہیں استفادہ کے زیادہ مواقع ملتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۷ احادیث ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں[2]۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ثوبانؓ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے حدیثیں محفوظ کیں اور ان کی اشاعت بھی کی[3]۔ ان کے تلامذہ میں معدان بن طلحہ، راشد بن سعد، جبیر بن نفیر، عبدالرحمٰن ابن غنم، ابوادریس خولانی قابل ذکر ہیں[4]۔ آنحضرت ﷺ کے بعد جو جماعت صاحب علم وافتا تھی اس کے ایک رکن ثوبانؓ بھی تھے[5]۔

شائقین حدیث فرمائش کر کے ان سے حدیثیں سنتے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سنانے کی درخواست کی۔ انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ جو مسلمان خدا کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے خدا اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگذر کرتا ہے[6]۔ ان کے معاصرین دوسروں سے سنی ہوئی حدیثوں کی تصدیق ان سے کراتے تھے۔ معدان بن طلحہ نے حضرت ابو درداءؓ سے ایک حدیث سنی تو ثوبانؓ سے اس کی تصدیق کی[7]۔

پاس فرمان رسول ﷺ :

آقائے نامدار ﷺ کی حیات میں اور وفات کے بعد دونوں زمانوں میں یکساں فرمان نبوی ﷺ پیش نظر رہتا تھا۔ ایک مرتبہ زبان مبارک سے جو کچھ سن لیا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا جس چیز میں آقا ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کا ادنیٰ سا پہلو نکلتا تھا اس سے ہمیشہ محترز رہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرنا۔ اس فرمان کے بعد کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ ہوا اور اس شدت سے اس پر عمل رہا کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتا تھا وہ خود اتر کر اٹھاتے تھے اور کسی سے سوال نہ کرتے تھے[8]۔

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۸۱ و مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۴۸۱ ۲۔ تہذیب الکمال
۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۸۲ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۳۱
۵۔ اعلام الموقعین۔ جلد اول۔ ص ۱۵ ۶۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۶
۷۔ ابوداؤد۔ جلد اول۔ ص ۲۳۷ ۸۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۷

احترام نبوت ﷺ : گو نبوت کا احترام ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے لیکن ثوبانؓ اس میں اس قدر سخت تھے۔ ایک مرتبہ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تھے کہ ایک یہودی عالم نے السلام وعلیک یا محمد کہا، خالی محمد سن کر ثوبانؓ برافروختہ ہو گئے اور یہودی کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے اس کا سبب پوچھا کہا تو نے یارسول اللہ (ﷺ) کیوں نہ کہا۔ وہ بولا میں نے اس میں کیا گناہ کی کہ ان کا خاندانی نام لیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں میرا خاندانی نام محمد (ﷺ) ہے[1]۔

غلامی کی نسب کا احترام : نبوت کا احترام تو مذہبی فرض ہے۔ ثوبانؓ اپنی غلامی کی نسبت کا احترام بھی ضروری سمجھتے تھے اور جو شخص اس میں کمی کرتا تھا اس کو متنبہ کرتے تھے۔ حمص کے زمانہ قیام میں بیمار پڑے، عبداللہ بن قرط ازدی والی حمص ان کی عیادت کو نہ آیا اس کی اس غفلت پر اس کو یہ رقعہ لکھوایا، ''اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا غلام تمہارے یہاں ہوتا تو تم اس کی عیادت کرتے''۔ یہ رقعہ جب عبداللہ کو ملا تو اسے اپنی کوتاہی پر ندامت ہوئی اور وہ اس کی تلافی کے لئے اس عجلت اور بدحواسی کے ساتھ نکلا کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ گیا ہے۔ غرض وہ بے تابانہ حضرت ثوبانؓ کے گھر آیا اور دیر تک بیٹھا رہا[2]۔

(۱۶) حضرت جابرؓ بن مسلم

نام ونسب : جابر نام، ابوجری کنیت، تمیم کی شاخ بلہجیم سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام : اپنے اسلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کی رائے کو قبول کرتے جا رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کے پاس جا کر کہا علیک السلام یارسول اللہ (ﷺ) ! یہ سلام سن کر آپ ﷺ نے فرمایا علیک السلام مردوں کا سلام ہے السلام علیک یارسول اللہ (ﷺ) کہا کرو۔ اس تعلیم کے بعد انہوں نے کہا اسلام علیک یارسول اللہ (ﷺ) ! آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا ہاں میں خدا کا رسول ہوں میری دعا قبول ہوتی ہے۔ اگر میں تمہارے لئے دعا کروں تو قبول ہو گی، اگر تمہارے یہاں قحط سالی ہو تو میری دعا سے تم سیراب ہو گے اور تمہارے لئے روئیدگی ہو گی، اگر تم بے آب وگیا میدان میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے تو میری دعا سے تمہارے پاس واپس آ جائے گی۔ یہ سن کر میں نے کہا رسول اللہ (ﷺ) ! خدا نے آپ کو جو کچھ سکھا یا وہ مجھے بھی سکھایئے۔ فرمایا ''نیک کو حقیر نہ سمجھو اگر چہ وہ اسی قدر ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ روئی سے

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۸۱ [2] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۰

گفتگو کرو یا اپنے ڈول سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دو، اگر کوئی شخص تمہارے راز سے واقف ہوا وروہ تم کو کسی بات پر شرم دلائے تم اس کے راز کا حوالہ دیکر اس کو شرم نہ دلاؤ تاکہ اس کا وبال تمہارے اوپر نہ ہو، لٹکتے ہوئے ازار سے پرہیز کرو کیونکہ یہ غرور کی نشانی ہے اور غرور خدا کو ناپسند ہے، کسی کو گالی نہ دو۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے بعد سے انہوں نے کسی انسان بلکہ اونٹ اور بکری تک کو گالی نہیں دی[1]۔

(۱۷) حضرت جارود بن عمروؓ

نام ونسب : بشر نام، ابومنذر کنیت، جارود لقب، نسب نامہ یہ ہے : جارود بن عمرو بن معلی عبدی۔ قبیلہ عبدقیس کے سردار تھے۔ جارود کا لقب اس خاص واقعہ کی یادگار ہے زمانۂ جاہلیت میں انہیں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا۔ ''جرد'' کے معنی بے برگ و بار کے ہیں اس لئے جارودان کا لقب پڑ گیا۔ اسی واقعہ کو بطور مثال کے ایک شاعر کہتا ہے[2]۔

فد سناهم بالخيل من كل جانب　　كما جرد الجارود بكر بن وائل

اسلام : جارودؓ مذہباً عیسائی تھے قبیلہ عبدقیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ھ میں مدینہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا انہوں نے کہا محمد ﷺ میں ایک مذہب پر تھا اب تمہارے مذہب کے لئے اپنا مذہب چھوڑنے والا ہوں۔ کیا میرے تبدیلِ مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟ فرمایا ہاں میں ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی۔ اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی مشرف باسلام ہوئے[3]۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی اور ان کی بڑی عزت وتوقیر کی[4]۔ قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا تو جارودؓ نے اجازت مانگی کہ یارسول اللہ (ﷺ)! راستہ میں ہم کو دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی ان کو کام میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں انہیں آگ سمجھو۔ غرض جارودؓ خلعتِ اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے[5]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۸۸
[2] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۶۱ و استیعاب۔ جلد اول تذکرہ جارود
[3] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۶
[4] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۶۱
[5] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۶

فتنۂ ارتداد: فتنۂ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے لیکن ان کی استقامتِ ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے[1]۔

شہادت: حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ باختلافِ روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے[2]۔

فضل وکمال: ابو مسلم نجدی، ابو القموص، زید بن علی اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے[3]۔ جارودؓ شاعر بھی تھے، اشعارِ ذیل بارگاہِ نبوی ﷺ میں بطور نذرِ عقیدت پیش کئے تھے[4]۔

شهدت بان الله حق و سامحت نبات فوادی بالشهادة و النهض

فابلغ رسول الله عنی رسالة بانی حنیف حیف کنت من الارض

و اجعل نفسی دون کل ملمة لکم جنة من عرضکم عرضی

اخلاق: جارودؓ کے صحیفۂ اخلاق میں حریت، آزادی، جرات اور اظہارِ حق میں بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا۔ جس بات کو وہ حق سمجھ لیتے تھے، اس کے اظہار میں وہ کسی کی پرواہ نہ کرتے۔

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا، جارودؓ کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کہا، امیر المومنین، قدامہ نے شراب پی ہے ان پر شرعی حد جاری کیجئے، آپ نے شہادت طلب کی، جارودؓ نے ابو ہریرہؓ کو پیش کیا، ابو ہریرہؓ نے شہادت دی کہ میں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمرؓ نے قدامہ کو طلب کیا، وہ آئے ان کے آنے کے بعد جارودؓ نے پھر کہا کہ امیر المومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو اتنا اصرار کیوں ہے، تم گواہ ہو مدعی نہیں ہو تمہارا کام شہادت دینا تھا اسے تم پورا کر چکے، اس وقت جارودؓ خاموش ہو گئے لیکن دوسرے دن پھر اصرار شروع کیا، شہادت ناکافی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ کو جارودؓ کا بیجا اصرار ناگوار ہوا، فرمایا تم تو مدعی بنے جاتے ہو، حالانکہ صرف ایک شہادت ہے، جو ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے اس اعتراض پر جارودؓ نے کہا عمرؓ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو، آخر میں جارودؓ کی بیجا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ تم خاموش رہو، ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا، اس تنبیہ پر جارودؓ نے غضب آلود ہو کر کہا عمرؓ حق اس کا نام نہیں ہے کہ تمہارا ابن عم شراب پیئے اور تم الٹے مجھ کو برے سلوک کی دھمکی دو، آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد کرائی[5]۔

---

[1] ایضاً [2] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۲۶ [3] تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۵۴

[4] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۳۶ [5] اس واقعہ کو تمام اربابِ سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے۔

(۸) حضرت جبیرؓ بن مطعم

نام ونسب: جبیر نام، ابومحمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے۔ جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدالمناف قریشی نوفلی۔

حضرت جبیر کے والد مطعم قریشی کے نرم دل وخدا ترس بزرگوں میں تھے، ان کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مکہ کی ابتدائی زندگی میں جبکہ آپ پر چاروں طرف سے مصائب وآلام کا ہجوم تھا، بڑی امداد ملی غالباً ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مکہ میں جب آنحضرت ﷺ کی تبلیغی کوشش بارآور ہونے لگیں اور قریش کو آنحضرت ﷺ کو فریضہ تبلیغ سے روکنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو آپس میں معاہدہ کر کے بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا جس کی رو سے بنی ہاشم میں شادی بیاہ اور خرید وفروخت جملہ معاشرتی تعلقات ناجائز قرار پائے اور یہ عہد نامہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا اس معاہدہ کی رو سے چونکہ قریش کی دوسری شاخوں کا میل جول بنی ہاشم کے ساتھ ممنوع ہو گیا تھا اس لئے بنی ہاشم شعب ابی طالب میں چلے گئے اور تین سال تک اس قید میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس طویل مدت میں شعب ابی طالب پر برابر قریش کا پہرہ قائم رہا اور از قسم خورد ونوش کی کوئی چیز شعب ابی طالب میں نہ جانے پاتی تھی لیکن اس گروہ اشقیا میں کچھ نرم دل بھی تھے جو کھانے پینے کی چیزیں چھپا کر پہنچا دیا کرتے تھے۔ آخر میں بعض ضعف مزاجوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف صدا بلند کی اور کوشش کر کے اسے چاک کر دیا۔ ان احتجاج کرنے والوں میں ایک جبیر بن مطعم بھی تھے[1]۔

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کے بعد جب مکہ میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ظاہری سہارا باقی نہ رہا اور تبلیغ کے لئے آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے ناکام لوٹے تو اس وقت مکہ کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کا دشمن ہو رہا تھا اور بظاہر کوئی جائے پناہ باقی نہ تھی۔ مطعم کی نرم دلی سے آپ ﷺ واقف تھے اس لئے مکہ کے پاس پہنچ کر ان سے پناہ طلب کی مطعم گو اس وقت کافر تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی درخواست پر آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ مطعم کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی حمایت میں لینا تمام مشرکینِ مکہ کو مقابلہ کی دعوت دینا ہے اسی لئے حمایت میں لینے کے بعد ہی اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں آئیں اور خود حرم میں جا کر بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ میں نے محمد ﷺ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے[2]۔ جبیر اسی منصف مزاج اور نرم دل باپ کے فرزند تھے لیکن قومی عصبیت قبولِ حق

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۲۰۴ ملخصاً [2] ابن سعد ۔ص ۴۳

سے مانع آتی تھی۔ مشرکینِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان سب سے پہلا معرکہ بدر ہوا اس میں جبیر شریک نہ ہو سکے تھے لیکن اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے آئے تھے۔ جس وقت پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف تھے اور سورۂ طور کی آیات تلاوت فرمارہے تھے۔ جبیر مسجد میں داخل ہوئے تو کلام اللہ کی سحر انگیز آیتیں کانوں میں پڑیں انہیں سن کر جبیر اس درجہ متاثر ہوئے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ جائے گا[1]۔

آنحضرت ﷺ کے نماز تمام کرنے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ سے اسرائے بدر کے بارے میں گفتگو کی آپ ﷺ نے ان کے باپ کے احسانات کو یاد کر کے فرمایا کہ اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے اور وہ سفارش کرتے تو میں چھوڑ دیتا[2]۔

بدر کے مقتولین کا انتقام احد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس میں تمام مشرکین نے بقدر استطاعت حصہ لیا جبیر نے اپنے غلام وحشی کو بھیجا اور کہا اگر تم حمزہ کو قتل کر دو گے تو تم کو آزاد کر دیا جائے گا[3]۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ اسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

اسلام : جبیر میں اثر پذیری کا مادہ پہلے سے موجود تھا۔ حالتِ کفر میں آیاتِ قرآنی سے تاثر اس کا بین ثبوت ہے لیکن قومی عصبیت مانع آتی تھی لیکن بالآخر قبولِ حق کا مادہ جذبۂ عصبیت پر غالب آ گیا اور بروایت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں وہ مسلمان ہو گئے[4]۔

غزاوت : قبولِ اسلام کے بعد صرف حنین میں شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ حنین کی واپسی کے وقت یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے[5]۔

وفات : جبیر آنحضرت ﷺ کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے لیکن کہیں نظر نہیں آتے۔ ۵۷ھ میں مدینہ میں وفات پائی[6]۔ دولڑکے محمد اور نافع یادگار چھوڑے۔

فضل وکمال : گو جبیر کو آنحضرت ﷺ سے فیض یاب ہونے کا بہت کم موقع ملا تاہم احادیث نبوی ﷺ کی متعدبہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی ان کی مرویات کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں۔ ان کے تلامذہ میں محمد، نافع سلیمان بن صرد اور ابن مسیب قابل ذکر ہیں[7]۔

علم الانساب کے بڑے حافظ تھے اور اس کو اس فن کے سب سے بڑے ماہر حضرت ابوبکر صدیق سے حاصل کیا تھا اس لئے ان کا شمار قریش کے ممتاز نسابوں میں تھا[8]۔ حضرت عمرؓ کو جب

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۸۸ ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۹۰ ۳۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۴
۴۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۳۶ ۵۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۸۴ ۶۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۹۰
۷۔ تہذیب الکمال۔ ص ۶۱ ۸۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۳

نسب کی تحقیقات کی ضرورت پیش آتی تھی تو جبیر ہی سے تحقیقات کرتے تھے۔

اخلاق : ان کے میزانِ اخلاق میں حلم و بردباری کا پلہ بہت بھاری ہے گو وہ قریش کی ایک مقتدر شاخ کے رکن اور روسائے قریش میں تھے لیکن اس کے باوجود انہیں تکبر و نخوت نام کو نہ تھا اور قریش کے حلیم ترین اشخاص میں ان کا شمار تھا [۱]۔

(۱۹) حضرت جرہدؓ بن رزاح

نام ونسب : جرہد نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، نسب نامہ یہ ہے : جرہد بن رزاح بن عدی بن سہم ابن مازن بن حارث بن سلامان بن اسلم بن افصی اسلمی۔

اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جرہد ان بے کس اور لاچار مسلمانوں میں تھے جن کی معاش کا دارومدار مسلمانوں کی فیاضی پر تھا۔ اس لئے وہ اصحابِ صفہ کے زمرہ میں شامل ہو گئے تھے [۲]۔

دعائے نبوی ﷺ : ایک مرتبہ جرہد بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھایا کرو۔ عرض کی یارسول اللہ (ﷺ) اس میں آزار ہے، آپ ﷺ نے دم کر دیا اس کے بعد پھر اس ہاتھ میں کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی [۳]۔

وفات : امیر معاویہ کے آخر عہدِ خلافت میں مدینہ میں وفات پائی [۴]۔

(۲۰) حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی

نام ونسب : جریر نام، ابوعمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے : جریر بن عبداللہ بن جابر بن مالک بن نضر بن ثعلبہ جشم بن عوف بن خزیمہ بن حرب بن علی بن مالک بن سعد بن نذیر بن قسر بن عبقر بن انمار بن اراش بن عمرو بن غوث بجلی۔ جریر یمن کے شاہی خاندان کے رکن اور قبیلۂ بجیلہ کے سردار تھے۔

اسلام : بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جریر وفاتِ نبوی ﷺ کے کل چالیس روز پیشتر مشرف باسلام ہوئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بروایت صحیح وہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے [۵]۔ اس لئے وفات سے کم از کم چار پانچ ماہ پیشتر ان کا اسلام ماننا پڑے گا۔ اور واقدی کے بیان

۱؎ ایضا ۲؎ ابن سعد۔ جلد۴۔ ص۳۴۔ ق۲ ۳؎ اصابہ۔ جلد اول۔ ص۲۴۲
۴؎ ابن سعد۔ جلد۴۔ ص۳۴۔ ق۲ ۵؎ مسند احمد۔ جلد۴۔ ص۳۵۸

کے مطابق رمضان ۱۰ھ میں اسلام لائے۔ اس روایت کی رو سے آنحضرت ﷺ کی وفات کے سات مہینہ پیشتر ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال اس قدر یقینی ہے کہ وہ وفاتِ نبوی ﷺ سے کئی مہینے پیشتر اسلام لاچکے تھے

جب یہ قبولِ اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا اسلام قبول کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور مسلمانوں سے فرمایا، جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو[1]۔ اس کے بعد جریر نے اسلام کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا، پھر فرمایا جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا رحم نہیں کرتا اور بلاشرکت غیرے خدائے واحد کی پرستش، فرض نمازوں کی پابندی، مفروضہ زکوٰۃ کی ادائیگی مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی اور کافروں سے برأت پر بیعت لی[2]۔

حجۃ الوداع : قبولِ اسلام کے بعد سب سے اول آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اس میں مجمع کو خاموش کرنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

سریہ ذی الخلیفہ : فتح مکہ کے بعد قریب قریب عرب کے تمام قبائل اسلام کے حلقۂ اثر میں آگئے تھے لیکن بعضوں میں صدیوں کے اعتقاد کی وجہ سے توہم پرستی باقی تھی۔ اور صنم کدوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے اس وہم کو دور کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے کئی صنم کدے گروائے۔ یمن کے صنم کدہ ذی الخلیفہ کو جو کعبہ یمان کے نام سے مشہور تھا ڈھانے کی خدمت جریرؓ کے سپرد ہوئی۔ ایک دن آپ ﷺ نے جریر سے فرمایا کیا تم ذی الخلیفہ کو ڈھا کر مجھے مطمئن نہ کرو گے؟ عرض کیا بسر و چشم حاضر ہوں لیکن گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ عذر سن کر آپ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ خدایا ان کو (گھوڑے کی پیٹھ پر) جمادے اور ہادی و مہدی بنا۔ جریرؓ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کو لے کر ۱۵۰ سواروں کے دستہ کے ساتھ یمن پہنچے اور ذی الخلیفہ کے صنم کدہ کو جلا کر خاکستر کر دیا ور ابوار طاۃ کو اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا۔ انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ کو مژدہ سنایا کہ یارسول اللہ (ﷺ) ہم نے ذی الخلیفہ کو جلا کر خارشتی اونٹ بنا دیا۔ یہ خبر سن کر آپ ﷺ نے اس سریہ کے سوار اور پیدل کے لئے برکت کی دعا فرمائی[3]۔

---

[1] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۴۲ [2] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۸
[3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ ذی الخلیفہ

ابھی جریرؓ یمن ہی میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوگیا لیکن انہیں اس کی خبر نہ ہوئی، ایک دن یہ یمن کے دو آدمیوں ذوکلاع اور ذو عمر کو حدیث نبوی ﷺ سنا رہے تھے کہ انہوں نے کہا تم اپنے جس ساتھی کا حال سنا رہے ہو وہ تین دن ہوئے ختم ہوگیا، یہ وحشت ناک خبر سن کر جریر روانہ ہوگئے، راستے میں مدینہ کے سوار ملے، ان سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوگیا اور ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے[1]۔

عہد فاروقی: عہد صدیقی میں غالباً انہوں نے خاموشی کی زندگی بسر کی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق کی فوج کشی میں شریک ہوئے، عراق پر عہد صدیقی ہی میں فوج کشی ہو چکی تھی، اس سلسلہ کی مشہور جنگ واقعہ جسر میں جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو نہایت سخت شکست ہوئی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے، اس لیے حضرت عمرؓ نے عراقی افواج کی امداد کے لیے تمام قبائل عرب کو جمع کیا، اور ہر قبیلہ کے سردار کو اس کے قبیلہ کا افسر بنا کر عراق روانہ کیا، جریر کو بجیلہ کی سرداری ملی، چنانچہ یہ اپنے قبیلہ کے ساتھ عراق پہنچے اور مقام ثعلبہ میں مثنیٰ ابن حارث سے جو ایرانیوں کے مقابلہ میں تھے ملے۔ مقام حیرہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کا مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں جریرؓ میمنہ کے افسر تھے میمنہ میسرہ اور قلب کو لے کر ایرانیوں پر حملہ کیا، ایرانیوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور مسلمان پھٹ کر الگ ہوگئے مثنیٰ نے للکارا ان کی للکار پر وہ پھر سنبھل کر حملہ آور ہوئے، اس حملہ میں عرب کے مشہور بہادر مسعود بن حارثہ مارے گئے، مثنیٰ نے پھر جوش دلایا کہ شرفایوں ہی جان دیتے ہیں، جریرؓ نے بھی اپنے قبیلہ کو للکارا کہ برادران بجیلہ تم کو دشمنوں پر سب سے پہلے حملہ آور ہونا چاہیے، اگر خدا نے کامیاب کیا تو تم اس زمین کے سب سے زیادہ حق دار ہوگے، ان دونوں کی للکار پر مسلمانوں نے تیسرا حملہ کیا اس حملہ میں ایرانی افسر مہران مارا گیا، اور ایرانیوں نے میدان خالی کر دیا[2]۔

جنگِ یرموک: اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں جریرؓ نے بڑے کارنامے دکھائے، اس جنگ کے آغاز ہی میں مسلمانوں کے دو افسر مارے گئے یہ صورت دیکھ کر جریر نے اپنے قبیلہ بجیلہ کو لے کر حملہ کیا، ان کے ساتھ قبیلہ ازد نے بھی حملہ کر دیا، بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، عجمی پیچھے ہٹتے ہٹتے رستم کے پاس پہنچ گئے رستم سواری سے اتر پڑا اور پیدل بڑھ کر پُر زور حملہ کیا اس کے ساتھ اور افسرانِ فوج بھی آگے بڑھے اور مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس موقع پر مشہور بہادر ابو محجن ثقفی نے بڑی بہادری دکھائی جریرؓ نے مسلمانوں کی پسپائی دیکھی تو دوسرے افسروں سے کہلا بھیجا کہ میمنہ کی جانب سے

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب ذہاب جریر الی الیمن [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۱۹، ۱۲۰

ایرانیوں کے قلب پر متفقہ حملہ کرنا چاہئے۔ ان کے مشورہ پر مسلمانوں نے ہر طرف سے سمٹ کر اس زور کا حملہ کیا ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہوگئی اور وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹے۔ اس پسپائی میں رستم مارا گیا اور ایرانی دیر کعب تک بچھڑتے چلے گئے اس درمیان میں ان کا امدادی دستہ پہنچ گیا اور وہ از سر نو منظم ہو کر صف آرا ہو گئے۔ اور نخارستان مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا۔ حضرت زبیرؓ نے اس کا کام تمام کر دیا دوسری طرف قیس بن ہبیرہ نے ایک دوسرے افسر کو مارا اور مسلمان ہر چہار جانب سے ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے ان کے افسر مارے جا چکے تھے اس لئے وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہ ٹھہر سکے اور پسپا ہو کر پیچھے ہٹنے لگے جریرؓ تعاقب کرتے ہوئے بہت آگے نکل گئے۔ ایرانیوں نے تنہا پا کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور اس درمیان میں ان کے ساتھی پہنچ گئے اس لئے ایرانی چھوڑ کر بھاگ گئے[1]۔

یرموک کے بعد کسریٰ کا پایۂ تخت مدائن فتح ہوا۔ اس کے بعد عمرو بن مالک نے جلولاء کی مہم سر کی اور جریرؓ کو چار ہزار مسلح فوج کے ساتھ جلولاء کی حفاظت پر متعین کر کے اپنے مستقر پر چلے گئے۔

جلولا کے پاس ہی حلوان ایرانیوں کا ایک بڑا مرکز تھا حضرت سعد بن ابیؓ وقاص نے جریرؓ کے پاس ۳ ہزار فوج بھیجی کہ وہ حلوان پر حملہ کر کے اس خطرہ کو دور کریں۔ چنانچہ وہ چار ہزار پہلی اور ۳ ہزار یہ جدید فوج لے کر حلوان پہنچے اور بلا کسی خون ریزی کے اس پر قبضہ کر لیا[2]۔

اس کے بعد اہواز کی باری آئی یہاں اسلامی فوجیں بہت پہلے سے پڑی ہوئی تھیں۔ یزدگرد نے ہرمزان کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا اس نے تستر میں قیام کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جو تستر میں تھے، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی آپ نے عمار بن یاسرؓ کے پاس نعمان میں مقرن کو ابو موسیٰ کی مدد کے لئے بھیجنے کا حکم بھیجا۔ انہوں نے جریرؓ کو جو اس وقت جلولا میں مقیم تھے یہ مہم سپرد کی۔ جریرؓ جلولاء میں عروہ بن قیس کو اپنا قائم مقام چھوڑ کر ابو موسیٰ کی مدد کے لئے پہنچے دونوں نے مل کر ہرمزان کا مقابلہ کیا ایرانی پسپا ہو کر تستر کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے تستر کا محاصرہ کر لیا مدتوں کے محاصرہ کے بعد ایک ایرانی کی امداد سے قبضہ ہوا[3]۔

---

[1] تاریخوں میں جنگ یرموک کے واقعات نہایت مفصل ہیں ہم نے اخبار الطوال سے صرف اسی قدر نقل کیا ہے۔
[2] بلاذری۔ ص ۳۰۹ [3] اخبار الطوال۔ ص ۱۳۶، ۱۳۷

تستر کی شکست کے بعد یزدگرد شاہِ ایران نے اپنے ملک کے مشہور بہادر مردان شاہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر معمور کیا۔ عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کو اہتمام کی اطلاع دی۔ پہلے آپ نے خود اس جنگ میں شرکت کا ارادہ کیا پھر حضرت علیؓ کی رائے سے رک گئے اور تمام فوجی چھاؤنیوں میں احکام بھیجے کہ ہر جگہ کی فوجیں میدان میں پہنچ جائیں اور نعمان بن مقرن کے علاوہ اور چار آدمیوں کو بھی سپہ سالاری کے لئے نامزد کر دیا تھا ان میں ایک جریرؓ بھی تھے۔ مسلمانوں اور ایرانیوں کا یہ معرکہ تاریخی شمار کیا جاتا ہے اس میں حضرت نعمانؓ نے شہادت پائی مگر کامیابی مسلمانوں کو ہوئی[1]۔ ان لڑائیوں کے علاوہ جریرؓ اس سلسلہ کی اور لڑائیوں میں بھی شریک تھے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہمدان کے گورنر تھے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت کر لی اور اپنے رقبۂ حکومت میں ان کی بیعت لے کر ان کے پاس کوفہ چلے آئے۔ جنگِ جمل کے بعد جب حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو اپنی بیعت کے لئے خط لکھا تو اس کو معاویہؓ کے پاس جریرؓ ہی لیکر گئے تھے اس کو پیش کر کے زبانی اپنی طرف سے یہ کہا کہ حجاز، یمن، بحرین، عمان، مصر، فارس، خراسان اور علاقہ جبل وغیرہ سارے ملکوں نے امیر المومنین کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے صرف شام باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے اس کو بھی ان کے حلقۂ اطاعت میں آجانا چاہئے ورنہ اگر ان ملکوں میں سے ایک ملک بھی شام پر بہا دیا جائے گا تو اس کو غرق کرنے کے لئے کافی ہے[2]۔

حضرت علیؓ کے خط پر امیر معاویہؓ نے اپنے مشیروں سے رائے لی سب نے خلاف مشورہ دیا اس لئے انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اہلِ شام بیعت نہیں کر سکتے۔ جریرؓ نے واپس جا کر یہ جواب حضرت علیؓ کو سنا دیا اور امیر معاویہ کی قوت اور ان کے انتظامات سے بھی آگاہ کر دیا۔ ان کی زبان سے یہ باتیں سن کر شیعیان علیؓ جریرؓ پر طرح طرح کی تہمتیں رکھنے لگے، اشتر بہت برہم ہوئے اور حضرت علیؓ سے کہا امیر المومنین اگر جریرؓ کے بجائے آپ مجھے بھیجتے تو معاویہ کے گلے کی گرفت نہ ڈھیلی ہونے دیتا اور کوئی راستہ ایسا باقی نہ چھوڑتا جسے کھول کر وہ کامیاب ہو سکیں اور قبل اس کے کہ وہ کوئی کاروائی کریں ان سے بیعت لے لیتا۔ یہ باتیں سن کر جریرؓ نے کہا اگر پہلے نہیں جا سکے تو اب جا کر کرلو۔ اشتر نے کہا اب جا کر میں کیا کر سکتا ہوں جبکہ تم نے معاملہ بگاڑ دیا۔ تم نے قطعاً ان سے کوئی عہد و پیمان لیا ہے ورنہ ان کی کوششوں اور فوج کی کثرت سے ہم لوگوں کو نہ ڈراتے اگر مجھ کو امیر المومنین اجازت مرحمت فرمائیں تو تم کو اور تمہارے جیسے لوگوں کو معاملات کے فیصلہ تک قید کر دوں۔ جریرؓ کو یہ اندازِ گفتگو

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۱۰، ۳۱۱ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۶۶

اور ناروا غصہ بہت نا گوار ہوا اور راتوں رات اپنے اہل وعیال کو لے کر کوفہ چلے گئے اور قرقیسیا میں اقامت اختیار کر لی[1]۔ اور جنگِ صفین میں کوئی حصہ نہ لیا[2] اور بقیہ زندگی قرقیسیا کے گوشۂ عافیت میں بسر کی۔

وفات : ۵۴ھ میں قرقیسیا میں وفات پائی[3]۔

حلیہ : قد دراز چھ فٹ تھا اور اس قدر حسین وجمیل تھے کہ حضرت عمرؓ ان کو امتِ اسلامیہ کا یوسف کہا کرتے تھے۔ ہاتھوں میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے[4]۔

اولاد : وفات کے بعد پانچ لڑکے عمر، منذر، عبیداللہ، ایوب اور ابراہیم یادگار چھوڑے[5]۔

فضل وکمال : گو جریرؓ آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور فیضانِ نبوی ﷺ سے استفادہ کا کم موقع ملا تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا اس لئے اس کمی صحبت کے باوجود ان سے سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے آٹھ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور سات میں امام مسلم منفرد ہیں[6]۔ ان سے روایت کرنے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے۔ چنانچہ ان کے لڑکوں میں منذر، عبیداللہ، ایوب، ابراہیم اور لڑکوں کے علاوہ ابوذرعہ بن عمر، انس، ابووائل، زید بن وہب، زیاد بن علاقہ شعبی، قیس بن ابی حازم، ہمام بن حارث اور ابوظبیان حصین بن جندب نے ان سے روایتیں کی ہیں[7]۔

بارگاہِ نبوی ﷺ میں پذیرائی : بارگاہِ نبوی ﷺ میں جریرؓ کی بڑی پذیرائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ انہیں بہت مانتے تھے اور بڑے احترام سے ان کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کے بیٹھنے کے لئے ردائے مبارک بچھا دیتے تھے[8]۔ جب بھی درِ دولت پر حاضر ہوتے کبھی شرفِ باریابی سے محروم نہ رہتے جب آپ ﷺ انہیں دیکھتے تھے تو مسکرا دیتے تھے[9]۔ غائبانہ ان کا ذکرِ خیر فرماتے تھے ان کا بیان ہے کہ جب میں مدینہ پہنچا تو مدینہ کے باہر سوار بٹھا کر کپڑا رکھنے کا تھیلا کھولا اور حلہ پہن کر داخل ہوا اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سلام کیا لوگوں نے آنکھوں سے میری طرف اشارہ کیا میں نے اپنے پاس کے آدمی سے پوچھا، عبداللہ کیا رسول اللہ ﷺ میرا تذکرہ فرماتے تھے انہوں نے کہا ہاں، ابھی ابھی نہایت اچھے الفاظ میں تمہارا تذکرہ فرمایا۔ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے دورانِ خطبہ میں فرمایا کہ اس دروازہ یا اس کھڑکی سے تمہارے پاس یمن کا ایک بہترین شخص داخل ہوگا

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۱۷۱ [2] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۴۲ [3] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۹۱ [4] ایضاً
[5] تہذیب التہذیب جلد ۲۔ ص ۷۳ [6] تہذیب الکمال۔ ص ۶۱ [7] تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۷۳
[8] تہذیب الکمال۔ ص ۶۱ [9] مسلم کتاب الفضائل، فضائل جریرؓ بن عبداللہ

اس کے چہرہ پر بادشاہی کی علامت ہوگی میں نے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا[1]۔

حضرت جریرؓ کی خوبیوں اور رسول اللہ ﷺ کے ان کی توقیر کرنے کی وجہ سے خلفاء بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خدا تم پر رحمت نازل فرمائے تم جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہو[2]۔

پاسِ فرمانِ رسول ﷺ : آنحضرت ﷺ کا ہر ارشاد ہمیشہ زندگی کا دستور العمل رہا ایک مرتبہ چند اعراب نے آکر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ یا نبی اللہ ! آپ کے بعض صدقہ وصول کرنے والے ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ فرمایا، ان کو راضی رکھو۔ اعراب نے کہا اگر وہ ظلم کریں تب بھی آپ ﷺ نے فرمایا اپنے صدقہ وصول کرنے والوں کو راضی رکھو۔ اس ارشاد کے بعد سے کسی صدقہ وصول کرنے والے کو جریرؓ نے ناخوش نہیں کیا[3]۔

(۲۱) حضرت جعال بن سراقہؓ

نام ونسب : ان کے نام ونسب دونوں میں اختلاف ہے۔ بعض جعال کہتے ہیں، بعض جعیل، نسب کچھ لوگ غفار سے بتاتے ہیں اور کچھ حمیری اور کچھ ثعلبی کہتے ہیں۔

اسلام وغزوات : دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ احد اور بنی قریظہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے آخر الذکر غزوہ میں ایک آنکھ کام آئی[4]۔

غزوۂ بنو ہوازن میں شریک تھے اس کے مالِ غنیمت میں سے عیینہ اور اقرع کو سو سو اونٹ ملے۔ کسی نے آنحضرت ﷺ سے کہا، آپ ﷺ نے عیینہ اور اقرع کو سو سو اونٹ مرحمت فرمائے اور جعال کو کچھ نہ ملا۔ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جعال بن سراقہ، اقرع اور عیینہ جیسے روئے زمین بھر کے آدمیوں سے بہتر ہیں ان دونوں کو میں نے تالیف قلب کے لئے دیا ہے اور جعال کو ان کے اسلام کے سپرد کیا[5]۔

۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ غزوۂ بنی مصطلق کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ جعالؓ کے سپرد کر گئے[6]۔

وفات : وفات کے بارے میں اربابِ سیر خاموش ہیں۔

۱؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۹، ۳۶۰ ۲؎ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۳ ۳؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۲ ۴؎ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۸۴ ۵؎ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۰۶ ۶؎ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۴۶۔

(۲۲) حضرت جعشم الخیرؓ

نام ونسب : جعشم نام، خیر لقب، نسب نامہ یہ ہے : جعشم بن خلیبہ بن شاہی بن موہب بن اسد بن جعشم بن خریم بن صدف صدفی حریمی۔

اسلام اور غزوات : ۶ھ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت کے ساتھ تھے اور بیعتِ رضوان میں شرفِ جاں نثاری حاصل کیا۔ آنحضرت نے اپنا پیراہن، نعلین اور موئے مبارک عطا فرمائے [۱]۔

وفات : زمانۂ وفات میں اختلاف ہے واقدی، کا بیان ہے، کہ فتنہ روہ میں شہید ہوئے اور ابن یوسف تاریخ مصر میں لکھتے ہیں کہ مصر کی فتح میں شریک تھے۔ اگر آخر الذکر بیان صحیح مان لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے زیادہ زندہ رہے۔

(۲۳) حضرت جمیلؓ بن معمر

نام ونسب : جمیل نام، باپ کا نام معمر تھا نسب نامہ یہ ہے۔ جمیل بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذاذ بن جمح قرشی جمحی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام کا اعلان :

جمیلؓ پیٹ کے ہلکے تھے کوئی بات چھپا نہ سکتے تھے ادھر سنا اور اُدھر مشہور کر دیا، حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو بانگِ ہل اس کا اعلان کرنا چاہا چنانچہ لوگوں سے پوچھا کہ مکہ میں سب سے زیادہ اشتہاری کون ہے معلوم ہوا جمیل۔ آپ سیدھے ان کے پاس پہنچے اور کہا جمیل! تم کو معلوم ہے، میں مسلمان ہو گیا، جمیل یہ سنتے ہی بغیر مزید استفسار کے مسجد کعبہ کے دروازہ پر پہنچے اور بآواز بلند اعلان کیا کہ معشرِ قریش عمر بے دین ہو گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو۔ میں بے دین نہیں ہوا بلکہ اسلام قبول کیا [۲]۔

اسلام وغزوات : لیکن یہی مسلمانوں کو بے دین کہنے والا فتح مکہ میں خود "بے دین" ہو گیا [۳]۔ قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوۂ حنین میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی اور زہیر بن الجبر کا کام تمام کیا، [۴] بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہی مشرف باسلام

۱؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲۔ ۲؎ اسد الغابہ۔ جلد ۴ ص ۵۷۔ ۳؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۹۲۔
۴؎ اسد الغابہ۔ جلد اول ۲۹۶۔

ہو چکے تھے جن رواۃ کے نزدیک فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے کے وہ زہیر کے قتل کو فتح مکہ میں بتاتے ہیں[۱]۔

مصر کی فوج کشی میں شرکت :

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مصر کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے[۲]۔

وفات : خلافتِ فاروقی میں عمر کی سو۱۰۰ منزلوں سے زیادہ طے کرنے کے بعد انتقال کیا، حضرت عمرؓ کو ان کی موت کا سخت صدمہ ہوا[۳]۔

(۲۴) حضرت جندب بن کعبؓ

نام ونسب : جندب نام، باپ کا نام کعب تھا، نسب نامہ یہ ہے، جندب بن کعب بن عبداللہ ابن غنم بن جزر بن عامر بن مالک بن ذہل بن ثعلبہ بن ظبیان بن غامد ازدی۔

اسلام : ابن سعد کی روایت کے مطابق فتحِ مکہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے اسلام لانے کے بعد مدتوں زندہ رہے، لیکن عہد رسالت اور خلفاء کے زمانہ میں کسی جنگ میں نظر نہیں آتے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کوفہ میں رہتے تھے، ایک قانونی جرم میں جس کی تفصیل آگے آتی ہے ماخوذ ہو کر قید ہوئے پھر رہا کر دیئے گئے رہائی پانے کے بعد روم چلے گئے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں جہاد کرتے رہے اور یہیں کہیں امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی[۴]۔

سحر وساحری سے نفرت : سحر وساحری شرک کی ایک قسم ہے اسی لئے اسلام نے اس کی شدید ممانعت کی ہے جندب اس باب میں نہایت سخت اور متشدد تھے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کوفہ میں ایک شعبدہ باز آیا ایک دن وہ ولید بن عقبہ حاکم کوفہ کو تماشہ دکھارہا تھا اور آدمی کو قتل کر کے زندہ کر دیتا تھا، عوام اس شعبدہ کو دیکھتے اور متحیر ہو کر کہتے، سبحان اللہ یہ شخص مردہ کو زندہ کر دیتا ہے[۵]۔

حضرت جندب بھی تماشہ دیکھ رہے تھے عوام کے عقائد میں تزلزل دیکھ کر ایک ہی وار میں شعبدہ باز کا کام تمام کر دیا، اور کہا اب اپنے آپ کو زندہ کرو، پھر یہ آیت تلاوت کی۔

افتاتون السحر وانتم تبصرون۔ کیا تم دیدہ ودانستہ جادو کی باتیں سننے کو آتے ہو۔

---

۱ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۵۵۔ ۲ ایضاً۔ ۳ ایضاً۔ ۴ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۰۶۔
۵ اصابہ جلد۔ اول۔ ص ۲۶۱۔

پھر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جادو کی سزا تلوار کی ایک ضرب ہے، چونکہ انہوں نے خلافِ قانون قتل کیا تھا اس لئے ولید نے گرفتار کر کے قید کر دیا قید میں بھی ان کا قدیم مشغلہ صوم وصلوٰۃ جاری رہا، جیلر نے ان کی عبادت سے متاثر ہو کر انہیں رہا کر دیا اور وہ چھوٹ کر روم چلے گئے [1]۔

(۲۵) حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی

نام ونسب : حارث نام، باپ کا نام عمیر تھا، قبیلۂ ازد سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام : فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

سفارت اور شہادت : آنحضرت ﷺ نے جب سلاطین اور امرا کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط شرحبیل بن عمر فرمانروائے بصری کے نام بھی لکھا، حضرت حارث کو اس کے پہنچانے کی خدمت سپرد ہوئی، یہ خط لے کر موتہ پہنچے تھے، کہ شرحبیل سے ملاقات ہوگئی اس نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ حارث نے کہا شام، شرحبیل نے کہا تم کسی کے قاصد معلوم ہوتے ہو، انہوں نے کہا، ہاں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں، یہ سن کر اس نے حارثؓ کی مشکیں کسوا کے قتل کر دیا، حارثؓ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے قاصد ہیں جس نے خدا کی راہ میں جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور حارث کے خون کا انتقام کے لئے زید بنؓ حارثہ کی سرکردگی میں ایک سریہ موتہ روانہ کیا اسی میں حضرت زیدؓ اور جعفر طیارؓ وغیرہ شہید ہوئے تھے [2]۔

(۲۶) حضرت حارث بن نوفلؓ

نام ونسب : حارث نام، باپ کا نام نوفل تھا سلسلۂ نسب یہ ہے حارث بن نوفل بن حارث ابن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی ان کے والد نوفل آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھتیجے تھے اس رشتہ سے حارث آپ کے پوتے ہوئے۔

اسلام : حضرت نوفلؓ غزوہ خندق سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے، حارث بھی باپ کے ساتھ اسلام لائے [3]۔ نوفل شرف ہجرت سے بھی سرفراز ہوئے لیکن حارث اس سے محروم رہے۔

---

[1] ایضاً۔　[2] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ۱۶۵۔ ق ۲۔ ابن سعد حصۂ مغازی میں اس کے تفصیلی واقعات ہیں۔

[3] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۹۔ ق ۱۔

امارتِ جدہ : آنحضرت ﷺ نے حارث کو جدہ کی امارت پر سرفراز فرمایا تھا۔ اس لئے وہ جنگ حنین میں شریک نہ ہو سکے۔ واقدی کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مکہ کی امارت پر مقرر فرمایا تھا، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، عہد صدیقی میں بروایت صحیح مکہ کی امارت پر عتاب بن اسید مامور تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ میں پھر انہیں ان کے سابق عہدہ پر بحال کر دیا[1]۔

وفات : ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کے آخر عہد خلافت میں وفات پا گئے تھے، لیکن ابن سعد صاحب طبقات کے بیان کے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں انہوں نے وفات پائی بصرہ میں گھر بنالیا تھا، یہیں پیوندِ خاک ہوئے، انتقال کے وقت ستر سال کی عمر تھی[2]۔

ازواج واولاد : وفات کے وقت حسب ذیل بیویاں اور اولادیں چھوڑیں، بیویوں میں رملہ، اُم زبیر، ریطہ اور اُم حارث تھیں لڑکوں میں سعید، محمد الاکبر، ربیعہ عبدالرحمٰن، عیینہ، محمد الاصغر، حارث ابن حارث تھے۔

(۲۷) حضرت حارث بن ہشامؓ

نام ونسب : حارث نام ابوعبدالرحمٰن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، حارث بن ہشام بن مغیرہ ابن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی مخزومی حارث مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے۔

قبل از اسلام : حارث مکہ کے رئیس اور بڑے مخیّر اور فیاض آدمی تھے، صدہا غریبوں کی روٹی ان کی ذات سے چلتی تھی، آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام کی بڑی خواہش تھی، ایک مرتبہ ان کا ذکر آیا تو فرمایا حارث سردار ہیں، کیوں نہ ہو ان کے باپ بھی سردار تھے، کاش خدا انہیں اسلام کی ہدایت دیتا،[3] بدر میں ابوجہل کے ساتھ تھے، لیکن میدان جنگ سے بھاگ نکلے، اور ابوجہل مارا گیا، ان کی اس بزدلی پر حسانؓ ثابت نے اشعار میں غیرت دلائی، انہوں نے اشعار ہی میں اس کی توجیہ آمیز وقدرت کی، احد میں بھی مشرکین کے ہمراہ تھے[4]۔

اسلام اور غزوات : فتح مکہ میں دوسرے سرداران قریش کی طرح مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد سب سے پہلے غزوہ حنین میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے اس کے مالِ غنیمت میں سے سو اونٹ مرحمت فرمائے[5]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ا۔ ۳۵۱۔ [2] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۔ ق ا۔ عمر کی تعیین اسد الغابہ میں ہے۔ [3] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷۔ [4] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷۔ [5] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۵۱۔

سقیفۂ بنی ساعدہ : حنین کے بعد مکہ لوٹ گئے، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت مدینہ ہی میں موجود تھے چنانچہ جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار میں خلافت کے بارہ میں اختلاف ہوا تو حارث نے یہ صائب رائے ظاہر کی کہ خدا کی قسم اگر رسول اللہ نے الائمۃ من قریش نہ فرمایا ہوتا تو ہم انصار کو بے تعلق نہ کرتے، کیونکہ وہ اس کے اہل ہیں، لیکن رسول اللہ کے فرمان میں کوئی شک وشبہ نہیں اگر قریش میں صرف ایک شخص باقی ہوتا تو بھی خدا اس کو خلیفہ بناتا[1]۔

شام کی فوج کشی کے لیے تیاری اور اہل مکہ کا ماتم :

حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر فوج کشی کا عزم کیا اور تمام بڑے بڑے رؤسا کو اس میں شرکت کی دعوت دی تو حارث کو بھی ایک خط لکھا حارث حصول سعادت کے بہت سے مواقع کھو چکے تھے، اس لیے تلافی مافات کے لیے فوراً آمادہ ہو گئے لیکن ان کی ذات تنہا نہ تھی، وہ صدہا غریبوں کا سہارا تھے، اس لیے مکہ ماتم کدہ بن گیا، پروردگار کی نعمت زار زار روتے تھے، سب بادیدہ پرنم رخصت کرنے کو نکلے، جب بطحا کے بلند حصے پر پہنچے تو رونے والوں کی گریہ وزاری پر ان کا دل بھر آیا، اور ان الفاظ میں ان کی تشفی کی کوشش کی، لوگو، خدا کی قسم میں اس لیے تم لوگوں سے نہیں جدا ہو رہا ہوں کہ مجھ کو تمہارے مقابلہ میں کوئی ذاتی منفعت مقصود ہے یا تمہارے شہر کے مقابلہ میں دوسرا شہر پسند ہے، بلکہ ایک اہم معاملہ پیش آ گیا ہے، اس میں قریش کے بہت سے اشخاص شریک ہو چکے ہیں جو تجربہ اور خاندانی اعزاز کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، اگر ہم نے اس زریں موقع کو چھوڑ دیا تو اگر مکہ کے تمام پہاڑ سونے کے ہو جائیں اور ان سب کو ہم خدا کی راہ میں لٹادیں تب بھی اس کے ایک دن کے برابر اجر نہیں پا سکتے ان لوگوں کے مقابلہ میں اگر ہم کو دنیا نہ ملی تو کم از کم آخرت کے اجر میں تو شریک ہو جائیں، ہمارا یہ نقل مکان خدا کے لیے اور شام کی طرف ہے[2]۔

جہاد اور شہادت : غرض اس ولولہ اور جوش کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے اور فحل اور اجنادین کے معرکوں میں داد شجاعت دی[3]۔ اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں جب ابتدا میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ حارث بھی سخت زخمی ہو گئے دم واپسین پیاس کا غلبہ ہوا، پانی مانگا فوراً پانی لایا گیا، پاس ہی ایک دوسرے زخمی مجاہد تشنہ لب پڑے تھے، فطری فیاضی نے گوارا نہ کیا کہ ان کو پیاسا چھوڑ کر خود سیراب ہوں، چنانچہ پانی اُن کی طرف بڑھا دیا۔

---

[1] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۰۷۔ [2] ابن سعد۔ جلد۔ ص ۲۲۔ [3] اسد الغابہ جلد اول۔ ص ۳۵۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۔

ان کے پاس ایک تیسرے زخمی اسی حالت میں تھے، اس لئے انہوں نے ان کی طرف بڑھادیا، ان کے پاس پانی پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ دم توڑ دیا، غرض تینوں تشنہ کامانِ حق تشنہ حوض کوثر پر پہنچ گئے[1]۔

اولاد : شہادت کے وقت ایک لڑکا عبدالرحمٰن یادگار چھوڑا، خدا نے اس کی نسل میں بڑے ترقی دی اور خوب پھلی پھولی[2]۔

عام حالات : فیاضی سیر چشمی اور غربا پروری کے مناظر اوپر دیکھ چکے، دوسرے فضائل ابن عبدالبر کی زبان سے سینئے وہ لکھتے ہیں کہ حارث فضلا اور خیار صحابہ میں تھے، عموماً مولفۃ القلوب مسلمانوں کے دلوں میں اسلام راسخ نہ تھا لیکن حضرت حارثؓ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ ان مؤلفۃ القلوب میں تھے جو سچے مسلمان تھے، اور قبولِ اسلام کے بعد ان میں کوئی قابل اعتراض بات نہ دیکھی گئی[3]۔

(۲۸) حضرت حجر بن عدیؓ

نام ونسب : حجر نام، خیر لقب، کندہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، نسب نامہ یہ ہے، حجر بن عدی بن معاویہ بن حارث بن عدی بن ربیعہ بن معاویہ الاکبر بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ بن کندہ کندی۔

اسلام : ان کے زمانۂ اسلام کی تعین میں ارباب سیر خاموش ہیں، لیکن اغلب یہ ہے کہ ۹ھ میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوگئے ہوں گے، کیونکہ اسی سنہ میں کندہ کا وفد مدینہ آیا تھا[4]۔ اس میں حجر بھی تھے[5]۔

عہد فاروقی : حجر بہت آخر میں اسلام لائے اس لئے عہد نبوی میں شرف جہاد سے محروم رہے سب سے اول فاروقی عہد میں میدان جہاد میں قدم رکھا اور ایران کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، قادسیہ کے مشہور معرکہ میں موجود تھے[6]۔ قادسیہ کے بعد مدائن کی فتح میں بھی تھے، مدائن کی تسخیر کے بعد جب یزدگرد نے جلولاء میں فوجیں جمع کیں تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کے مقابلہ کے لئے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی حجر اس فوج کے میمنہ کے افسر تھے[7]۔ ان مجاہدوں نے یزدگرد کا نہایت کامیاب مقابلہ کیا، اور اسے جلولاء سے بھی بھاگنا پڑا۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۵۱ و۔ [2] اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۰۷ [3] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷۔
[4] زاد المعاد۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۔ [5] اسد الغابہ۔ جلد ۱ ص ۳۸۵۔ [6] ایضاً۔ [7] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۲۷۳۔

عہد مرتضوی : جنگِ جمل وصفین میں حضرت علیؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے، شروع سے آخر تک ان کے ساتھ رہے، جنگِ جمل سے پہلے جب حضرت علیؓ نے حضرت حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسر کو کوفیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا تو حجر ہی کی تحریک پر ۱۹۶۵۰ اہل کوفہ حضرت علیؓ کی حمایت پر آمادہ ہوئے تھے، اس کے بعد جنگِ جمل میں حضرت علیؓ نے حجر کو کندہ، حضر موت، قضاعہ اور مہرہ کے قبائل کا افسر بنایا[1]۔

جنگِ جمل کے بعد صفین کا معرکہ پیش آیا اوس میں بھی حجر نے بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، امیر معاویہ کے سخت دشمن تھے، اور ان پر علانیہ سب وشتم کرتے تھے، میدانِ جنگ میں ایک شامی جوان حجر الشر کے مقابلہ میں آئے اور زخمی ہو کر گھوڑے کی پیٹھ سے گرے[2]۔

جنگِ صفین کے بعد جب نہروان میں خارجیوں پر فوج کشی ہوئی تو میمنہ کی قیادت پر حجر مقرر ہوئے[3]۔ غرض شروع سے آخر تک برابر حضرت علیؓ کے دست و بازو رہے، آپ کی شہادت کے بعد بھی حجر کی فدویت اور جان نثاری میں فرق نہ آیا، اور وہ اسی طرح جناب امیر کے خلاف الصدق حضرت امام حسنؓ کے حامی اور خیر خواہ رہے چونکہ حجر معاویہ کو برسر حق نہیں سمجھتے تھے، اس لئے حضرت حسن کے دست برادری کے بعد وفورِ خیر خواہی میں ان کی زبان سے ایسے نازیبا کلمات نکل گئے۔ جس سے حضرت حسن کو تکلیف پہنچی انہوں نے کہا یا ابن رسول اللہ! کاش میں یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہتا، آپ نے ہم کو عدل سے ہٹا کر جور کے راستہ پر ڈال دیا اور ہم راہ حق کو چھوڑ کے باطل کے راستہ پر آ گئے جس سے بھاگے تھے حضرت حسنؓ نے انہیں سمجھا بجھا کر خاموش کیا[4]۔

گرفتاری : پھر حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد خاموش ہو گئے تھے، مگر امیر معاویہ نے جب زیاد کو عراق کا والی بنایا تو اس کی تند خوئی اور بدخوئی اور بداخلاقی کی وجہ سے اس میں اور حجر میں مخالفت شروع ہو گئی ایک دن زیاد جامع کوفہ میں تقریر کر رہا تھا، اور نماز کا وقت آخر ہو رہا تھا حجر اور ان کے ساتھیوں نے زیاد کو متنبہ کرنے کے لئے اس پر کنکریاں پھینکیں زیاد نے بڑی حاشیہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر ان کی شکایت لکھ بھیجی کہ یہ لوگ عنقریب ایسا رخنہ ڈالیں گے کہ اس سے پیوند نہ لگ سکے گا، اور بہت سے لوگوں نے ان کے خلاف شہادت دی اس لئے امیر معاویہ نے ان کو بلا بھیجا چنانچہ حجر اور دوسرے گیارہ آدمی پا بجولان شام روانہ کئے گئے امیر معاویہ نے ان میں سے چھ آدمیوں کو رہا کر دیا اور چھ کو جن میں ایک حجر تھے قتل کا حکم دیا[5]۔

---

[1] اخبار الطوال۔ ص ۱۵۴، ۱۵۵۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ ص ۲۲۳۔ [4] ابن اثیر۔
[5] استیعاب۔ جلد اول ص ۱۳۷۔

نماز کی مہلت : جب جلاد مقتل کی طرف لے چلے تو حجرؓ نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی۔ مہلت دی گئی، نماز پڑھنے کے بعد کہا کہ اگر لمبی لمبی رکعتیں پڑھنے کا خطرہ نہ ہوتا کہ تم لوگ گمان کرو گے کہ میں نے خوف سے نماز کو طول دیا ہے، تو لمبی رکعتیں پڑھتا اگر میری گذشتہ نمازیں اس قابل نہیں ہیں۔ کہ مجھے فائدہ پہنچا سکیں تو یہ دونوں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں پھر یہ وصیت کی کہ میری بیڑیاں نہ اُتارنا اور خون نہ دھونا کہ میں اسی حالت میں معاویہ سے پل صراط پر ملوں گا[1]۔

قتل : وصیت وغیرہ کے بعد جلاد نے وار کیا اور ایک کشتۂ ستم خاک وخون میں تڑپنے لگا یہ واقعہ ۵۱ ھ میں پیش آیا۔

حضرت حجرؓ کا قتل معمول واقعہ نہ تھا، اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علیؓ کی حمایت کی وجہ سے کوفہ میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لئے اہل کوفہ میں بڑی برہمی پیدا ہوگئی، معززین کوفہ حضرت حسنؓ کے پاس فریاد لے کر پہنچے آپ بے حد متاثر ہوئے لیکن امیر معاویہ کی بیعت کر چکے تھے اس لئے مجبور تھے۔

اہل بیت نبوی میں بھی حجر کی بڑی وقعت تھی چنانچہ حضرت عائشہؓ نے جس وقت ان کی گرفتاری کی خبر سنی اسی وقت انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کو امیر معاویہؓ کے پاس دوڑایا کہ وہ حجر اور ان کے رفقاء کے معاملہ میں خدا کا خوف کریں لیکن یہ اس وقت پہنچے جب حجر قتل ہو چکے تھے پھر بھی انہوں نے امیر معاویہ کو بڑی ملامت کی۔ امیر معاویہ نے جواب دیا میں کیا کرتا ان کی بڑی شکایات کی تھیں اور لکھا تھا کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ پیدا کریں گے جس میں پیوند نہ لگ سکے گا[2]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو خبر ہوئی تو زار زار رونے لگے، خود امیر معاویہ کے آدمیوں نے اس قتل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ ربیع بن زیاد حارثی گورنر خراسان نے سنا تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ دعا کی کہ ”خدایا اگر تیرے یہاں ربیع کے لئے بھلائی ہو تو اس کو جلد بلا لے معلوم نہیں یہ دعا کس دل سے نکلی تھی کہ سیدھی باب اجابت پر پہنچی اور ربیع کو خدا نے بہت جلد بلا لیا[3]۔

حضرت عائشہؓ کو بڑا صدمہ تھا، چنانچہ اسی سال جب امیر معاویہ حج کو گئے اور زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوئے اور حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گئے، تو انہوں نے کہا معاویہ تم کو میرے پاس

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۷۔ واسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۸۶۔ [2] ایضاً۔
[3] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۸۶۔

آتے وقت اس کا خوف نہیں ہوا کہ میں نے کسی شخص کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے خون کا بدلہ لینے کے لئے چھپا دیا ہو، عرض کی میں بیت الامان میں آیا ہوں فرمایا تم کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بارہ میں خدا کا خوف نہیں معلوم ہوا، عرض کیا ان کو ان لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی[1]۔

اولاد : حجر کے دو لڑکے تھے، عبدالرحمٰن اور عبداللہ لیکن یہ دونوں عبداللہ بن زبیرؓ اور امویوں کی ہنگامہ آرائیوں میں مصعب کے ہاتھوں قتل ہو گئے[2]۔

فضل وکمال : حجرؓ اپنے خاندانی اعزاز و مرتبہ کے علاوہ صحابۂ کرام کی جماعت میں بھی ممتاز اور بلند پایہ شخصیت رکھتے تھے علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں۔

كان من فضلاء الصحابة و صغر سنه عن كبارهم ۔

یعنی حجر فضلائے صحابہ میں تھے اور اپنی صغر سنی کے باوجود بڑوں میں شمار ہوتے تھے[3]۔

مشہور تابعی محمد بن سیرین سے جب قتل سے پہلے کی نفل پڑھنے کے بارہ میں پوچھا جاتا تو کہتے یہ دو رکعتیں حبیب اور حجر نے پڑھی ہیں اور یہ دونوں فاضل تھے[4]۔

(۲۹) حضرت حسیل بن جابرؓ

نام ونسب : حسیل نام، باپ کا نام جابر تھا، نام ونسب یہ ہے۔ حسیل بن جابر بن یمان بن حارث قطیعہ بن عبس بن بغیض عبسی، حسیل اپنے دادا یمان کے نام سے مشہور ہیں، یمان ان کے دادا کا عرفی نام تھا۔ اصل نام جروہ تھا یمان کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے قبیلہ میں ایک خون کیا تھا اور بھاگ کر مدینہ آ گئے تھے اور بنی عبدالاشہل کے حلیف ہو گئے تھے، چونکہ یمنی تھے، اس لئے ان کے حلیف انہیں یمانی کہنے لگے[5]۔

اسلام وغزوات : آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد ہی شرف اسلام سے مشرف ہوئے، بدر کے موقعہ پر حسیل اور ان کے صاحبزادے حذیفہ اس میں شرکت کے لئے آ رہے تھے سوئے اتفاق سے کفار قریش کے ہاتھوں پڑ گئے، ان لوگوں نے کہا کہ تم دونوں محمد کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ہم مدینہ جا رہے ہیں قریشیوں نے کہا اچھا خدا کو درمیان میں دے کر عہد کرو کہ جنگ میں شریک نہ ہو گے، اور مدینہ جا کر لوٹ آؤ گے۔ اور عہد پورا کرو[6]۔

۱؎ استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۱۱۸۔ ۲؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۶۸۔ ۳؎ استیعاب۔ جلد اول ص ۱۳۷۔
۴؎ ایضاً۔ ۵؎ استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۱۱۷۔ ۶؎ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الوفاء بالعہد۔

شہادت : بدر کے بعد احد کا معرکہ ہوا حسیل اس میں شریک ہوئے، لیکن بہت ضعیف ہو چکے تھے، لڑنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے یہ اور ایک دوسرے ضعیف العمر بزرگ حضرت ثابت بن ؓ وقش عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے، لیکن اس ضعیف پیری میں بھی جوش جہاد نے گوشہ میں نہ بیٹھنے دیا، اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب ہم کو کس چیز کا انتظار ہے خدا کی قسم ہماری عمر ہی کتنی باقی ہے، آج نہ مرے تو کل مرنا ہے چلو تلوار سنبھال کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں شاید خدا خلعت شہادت سے سرفراز فرمائے، چنانچہ دونوں بزرگ تلواریں لے کے میدان کارزار میں پہنچے ثابت بن وقش کو مشرکین نے شہید کر دیا، حسیل کو مسلمانوں نے نہ پہچانا اور غلطی سے تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے، ان کے لڑکے نے پہنچان کر میرے والد میرے والد کی صدا لگائی لیکن حسیل ؒ کا کام تمام ہو چکا تھا، اس طرح شہادت کی تمنا پوری ہوگئی، ان کے بیٹے حذیفہ نے دعا کی کہ خدا غلطی سے قتل کرنے والوں کو معاف کرے، وہ بڑا رحمت والا ہے آنحضرت ﷺ نے دیت دینی چاہی لیکن حذیفہؓ کی حمیت نے اسے لینا گوارا نہ کیا اور مسلمانوں پر صدقہ کر دیا[1]۔

(۳۰) حضرت حکم بن ؓ حارث

نام ونسب : حکم نام، باپ کا نام حارث، نسباً سلمی تھے۔

اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے قبول اسلام کے بعد کئی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جہاد ہوئے غزوہ حنین میں مقدمۃ الجیش میں تھے راستہ میں ایک مقام پر ان کی اونٹنی بیٹھ گئی اس کو مار مار کر اٹھانا چاہتے تھے آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے تو روکا اور جھڑک کر اونٹنی کو اٹھا دیا[2]۔

وفات : بصرہ آباد ہونے کے بعد مدینہ سے یہاں منتقل ہو گئے وفات کا زمانہ متعین نہیں ہے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی، کہ میری قبر پر پانی چھڑک کر قبلہ رو میرے لئے دعا کرنا[3]۔

سرمایہ داری کی مخالفت : اسلام نے ناجائز سرمایہ داری کی سخت مخالفت کی ہے حکم اس بارہ میں اتنے سخت تھے کہ کبھی روپیہ نہیں جمع کیا، ان کے بھتیجے کا بیان ہے کہ میرے چچا کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا، جب وہ ملتا تو اپنے لڑکے کو حکم دیتے کہ جا کر اسے خرچ کر دو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے ایک دینار چھوڑا، اس پر ایک داغ ہوگا اور جس نے دو چھوڑے، اس پر دو داغ ہوں گے[4]۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۲۶۳، ۴۔ حاکم نے مناقب یمان میں یہ واقعہ تغیر کے ساتھ لکھا ہے۔
[2] ابن سعد۔ جلد ۷۔ حصہ ۲، ۵۴۔ [3] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۔ [4] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۔

(۳۱) حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ

نام ونسب: حکم نام، باپ کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، حکم بن عمرو بن مجدع بن حذیم بن حارث ابن ثعلبہ بن ملیک بن ضمرہ بن بکر بن مناۃ بن کنانہ۔

اسلام: ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں کسی وقت آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے، اور اسلام لانے کے بعد آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے، پھر بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں بود و باش اختیار کر لی[۱]۔

جنگ صفین سے کنارہ کشی: شیخین کے بعد مسلمانوں میں بڑی خانہ جنگیاں ہوئیں لیکن حکم نے کسی میں حصہ نہ لیا جنگ صفین میں حضرت علیؓ نے کہلا بھیجا کہ اس جنگ میں تم پر ہماری امداد کا زیادہ دخل ہے حکم نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دوست اور آپ کے ابن عم سے سنا ہے کہ جب ایسا اور اس قسم کا کوئی معاملہ پیش آئے تو لکڑی کی تلوار بنا لینا[۲]۔

حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے ان کو خراسان کا گورنر بنانا چاہا، انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے لگے لیکن جب کبھی اسلامی اصول اور حکمت کے اصول میں تعارض ہو جاتا تو حکم حکومت کے اصول کو ٹھکرا دیتے۔ خراسان کی گورنری کے زمانہ میں کسی جنگ میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا، زید نے لکھ بھیجا کہ امیر المومنین کا فرمان آیا ہے کہ سونا چاندی ان کے لئے محفوظ کر لیا جائے اس لئے سونا چاندی لوگوں میں تقسیم نہ کرنا، چونکہ یہ حکم اسلامی اصول کے خلاف تھا اس لئے انہوں نے نہایت صاف جواب لکھا،

السلام علیک، اما بعد تمہارا خط جس میں تم نے امیر المومنین کے حکم کا حوالہ دیا ہے ملا، لیکن امیر المومنین کے مکتوب کے قبل مجھ کو اللہ کی کتاب مل چکی ہے (یعنی مال غنیمت میں عام مجاہدین کا بھی حصہ ہے) خدا کی قسم اگر کسی بندہ کو آسمان و زمین گھیر لیں اور وہ خدا سے ڈرتا ہو تو وہ اس کی رہائی کا ضرور کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا (یعنی اس عدول حکمی پر جو عین حکم خدا کے مطابق ہے کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ جواب لکھ کر مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنا اپنا حصہ لے لو[۳]۔

گو انہوں نے خراسان کی گورنری قبول کر لی تھی، لیکن اس زمانہ کے محدثات سے کبھی متاثر نہ ہوئے بلکہ نالاں رہے خدا سے دعا کرتے رہتے کہ "خدایا اگر تیرے یہاں میرے بعد بھلائی ہے تو تو مجھ کو بلا لے"۔

۱؎ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۔ ق اول۔　۲؎ مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۴۴۲۔　۳؎ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۔ ق اول۔

ایک مرتبہ کہہ رہے تھے کہ اے طاعون مجھ کو اُٹھا لے کسی نے کہا ایسی دعا کیوں کرتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہوا ہے کہ ہم لوگوں کو کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرنی چاہئے فرمایا جو کچھ تم نے سنا ہے وہ میں نے بھی سنا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ چھ چیزوں کے دیکھنے سے پہلے دنیا سے اُٹھ جاؤں۔ (۱) حکم (فیصلہ) کی تجارت (۲) پولیس کی کثرت (۳) نوعمر لڑکوں کی حکومت، (۴) خون ریزی (۵) قطع رحم، اور (۶) ایسی نسل جو قرآن کو مزامیر بنائے گی [۱]۔

وفات : خدا نے ان کی دعا قبول کی اور ایسے وقت آنے سے پہلے ہی امیر معاویہ کے عہد خلافت ۵۰ھ میں خراسان میں وفات پا گئے [۲] آخر عمر میں بال پک گئے تھے مہندی کا خضاب لگاتے تھے [۳]۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے کوئی لائق ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم ان کی وفات سے حدیث کی کتابیں بالکل خالی نہیں ہیں، ابوالشعثاء اور حسن نے ان میں روایت کی ہے [۴]۔

(۳۲) حضرت حکم بن کیسانؓ

نام و نسب : حکم نام، باپ کا نام کیسان تھا، ابوجہل کے والد مغیرہ کے غلام تھے۔

گرفتاری : بدر سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کے کاروان تجارت کے نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے عبداللہ بنؓ جحش کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا تھا، کھجور کے ایک باغ کے پاس دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی، حکم قریش کے قافلہ کے ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے، قریش نے ان کے چھڑانے کے لئے فدیہ بھیجا، لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ قریش کے ہاتھوں میں اسیر تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور حکم سے فرمایا، جب تک سعد ابن ابی وقاصؓ واپس نہ آئیں گے، اس وقت تک تم نہیں چھوٹ سکتے۔

اسلام : اس گفتگو کے دوسرے دن سعد بن ابی وقاصؓ آ گئے، اب حکمؓ کی رہائی میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی، لیکن جب آزادی کا موقع آیا تو اسلام کی غلامی کا طوق گردن میں ڈال کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔

شہادت : قبول اسلام کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہو گئے، اور بیر معونہ کے معرکہ میں جام شہادت پیا [۵]۔

۱؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ صد ۴۴۳ ۲؎ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول ۱۸ ۳؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۶۷

۴؎ تہذیب الکمال۔ ص ۸۹ ۵؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۱۔ ق اول

(۳۳) حضرت حمزہ بن عمروؓ

نام ونسب : حمزہ نام، ابو صالح کنیت، نسب نامہ یہ ہے، حمزہ بن عمرو بن حارث الاعرج ابن سعد بن زرج بن عدی بن سہل بن مازن بن حارث بن سلامان بن اسلم بن افصی بن حارثہ اسلمی۔

اسلام : فتح مکہ یا اس کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد سب سے اول غزوہ تبوک میں شریک ہوئے[1]۔

آنحضرت ﷺ کی رضا جوئی صحابہ کرامؓ کے لیے سب سے بڑی دولت تھی، وہ نہ صرف اپنے لیے اس دولت کے حصول پر بلکہ دوسروں کے حصول سعادت پر بھی وفور مسرت سے معمور ہو جاتے تھے، ایک صحابی حضرت کعبؓ بن مالک انصاری غزوہ تبوک میں نہ شریک ہو سکے تھے، بہت سے منافق بھی جو ہمیشہ ایسے موقع پر پہلوتہی کر جاتے تھے، تبوک میں شریک نہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے تبوک سے واپس تشریف لانے کے بعد آپ سے جھوٹی معذرت کر لی، آپ نے ان کی معذرت قبول کر لی، کعبؓ ایک راسخ العقیدہ اور سچے مسلمان تھے اس لیے وہ اپنی کوتاہی پر حقیقۃً بہت نادم اور شرمسار تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا، آپ نے ان کی معذرت بھی قبول فرمائی لیکن وحی الٰہی کی شہادت تک عام مسلمانوں کو ان کے ساتھ ملنے جلنے سے منع کر دیا، حتی کہ ان کی بیوی کو بھی ممانعت ہوگئی، اور کعب چند دنوں تک نہایت حزن وملال کی زندگی بسر کرتے رہے، جب ان کی صفائی میں وحی نازل ہوئی تو صحابہ کی جماعت میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ کعب کو یہ مژدہ سنانے کے لئے چاروں طرف سے دوڑ پڑے، حمزہ اس قدر مسرور تھے کہ سب سے پہلے اپنی زبان سے برأت کا مژدہ سنانا چاہتے تھے۔ اس لیے اس پہاڑی پر چڑھ گئے، اور وہیں سے چلا کر کعب کو مژدہ سنایا، اور سب سے پہلے ان ہی کی زبان نے کعب کے کانوں تک برأت کی خوشخبری پہنچائی تھی، پھر پہاڑی سے اتر کر اطمینان سے کعب کے پاس گئے، کعب اس مژدہ پر اس قدر مسرور ہوئے کہ اپنا لباس اتار کر حمزہ کو پہنا دیا[2]۔

فتوحاتِ شام : عہدِ فاروقیؓ میں شام کی فوج کشی میں شریک ہوئے اجنادین کی فتح کا مژدہ یہی لائے تھے[3]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۵۔ ق ۲۔ [2] فتح الباری کتاب المغازی غزوۂ تبوک حدیث کعب بن مالکؓ۔
[3] تہذیب الکمال۔ ص ۱۳۔

وفات : ۱۱۶ھ میں ۷۱ سال کی عمر میں وفات پائی [۱]۔

فضل وکمال : گو علمی حیثیت سے حمزہ کا کوئی خاص درجہ نہیں ہے، تاہم ان سے ۹ حدیثیں مروی ہیں، اُن سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے محمد اور سلیمان بن یسار قابل ذکر ہیں [۲]۔

روزوں سے شغف : حضرت حمزہ کو روزوں سے غیر معمولی شغف تھا، سفر میں بھی افطار کرنا ان کے لیے شاق تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ سے سفر کے روزہ کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا تم کو اختیار ہے رکھو چاہے افطار کرو [۳]۔

(۳۴) حضرت حنظلہ بن ربیعؓ

نام ونسب : حنظلہ نام۔ ابوربعی کنیت۔ نسب نامہ ہے، حنظلہ بن ربیع بن صیفی بن رباح بن حارث ابن مخاشن بن معاویہ بن شریف بن جروہ بن اسید بن عمرو بن تمیم تمیمی۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جا سکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ آغاز دعوت اسلام میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہونگے، اس لئے کہ اسی زمانہ میں ان کے گھرانے میں اسلام کا اثر ہوا تھا، ان کے چچا اکثم بن صیفی عرب کے مشہور حکیم تھے، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ آپ کے ظہور کی خبر دیتے تھے، بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر ۱۹۰ سال کی تھی، جب انہیں بعثت کی اطلاع ہوئی، تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک خط لکھا، آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، اکثم اس جواب سے بہت مسرور ہوئے اور اپنے قبیلہ کو جمع کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ پر ایمان لانے کی ترغیب دی، لیکن مالک بن نویرہ نے درمیان میں پڑ کر سب کو منتشر کر دیا، اکثم نے اپنے لڑکے اور جن جن لوگوں نے ان کا کہنا مانا سب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، لیکن سوئے اتفاق سے آپ تک کوئی نہ پہنچ سکا [۴] قیاس یہ ہے کہ اسی زمانہ میں حنظلہ بھی ایمان لائے ہوں گے۔ اسلام کے بعد مراسلات نبوی کی کتابت کا عہدہ سپرد ہوا [۵]۔

غزوات : کسی خاص غزوہ میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے شرف سے محروم نہ رہے تھے چنانچہ بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ بعض غزوات میں شریک ہوئے تھے، اس میں ایک مقتولہ عورت کی طرف سے گزر ہوا لوگ جمع ہو کر اسے دیکھنے لگے،

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۵۔ ۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۶۴۔ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۰۔
۴۔ استیعاب۔ جلد اول ۷۔ ص ۱۰۶۔ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۶۔

اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ،لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا آپ نے لاش دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو لڑتی نہ تھی، پھر ایک شخص کو خالد بن ولید کے پاس بھیجا کہ جا کر کہہ دو کہ رسول اللہ ﷺ بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع کرتے ہیں[۱]۔

غزوۂ طائف سے قبل آنحضرت ﷺ نے انہیں بنی ثقیف کے پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ لوگ صلح پر آمادہ ہیں یا نہیں[۲]۔

قادسیہ کی جنگ میں شرکت کوفہ کا توطن اور وفات :

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قادسیہ کی مشہور جنگ میں شریک ہوئے[۳]۔کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں بود و باش اختیار کر لی، پھر جنگِ جمل کے بعد قرقیسیا میں منتقل ہو گئے ،اور یہیں امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی[۴]۔

فضل وکمال: آنحضرت ﷺ کے منشی تھے،آپ کے مراسلات وغیرہ لکھا کرتے تھے،اس لئے کاتب ان کے نام کا جزو ہو گیا تھا، ان کی ۱۸ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان رواۃ میں یزید بن شِخیر اور ابو عثمان نہدی قابل ذکر ہیں[۵]۔

صفا قلب اور قوتِ ایمانی : حنظلہ کی قوتِ ایمانی اور صفائے قلب کا اس واقعہ ہے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا،اور اس طرح جنت ودوزخ کا ذکر فرمایا کہ اس کے مناظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے ،حنظلہ بھی اس خطبہ میں تھے۔ یہاں سے اٹھ کر گئے تو فطرت انسانی کے مطابق تھوڑی دیر میں سب مناظر بھول گئے ،اور بال بچوں میں پڑ کر ہنسنے بولنے لگے۔لیکن فوراً تنبہ ہوا عبرت پذیر دل نے ٹوکا کہ اتنی جلد یہ سبق فراموش ہو گیا۔اسی وقت روتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے، پوچھا خیر ہے، کہا ابوبکر !حنظلہ منافق ہو گیا،ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ کے خطبہ میں جنت دوزخ کا منظر دیکھ کر گھر آیا،اور آتے ہی سب کو بھلا کر بیوی بچوں اور مال ودولت کی دلچسپیوں میں مشغول ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے، چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں، چنانچہ دونوں خدمت نبوی میں پہنچے آپ نے دیکھ کر پوچھا حنظلہ کیا ہے عرض کیا یا رسول اللہ ! حنظلہ منافق ہو گیا آپ نے جس وقت جنت ودوزخ کا ذکر فرمایا اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ دونوں نگاہوں کے سامنے ہیں خطبہ سن کر گھر گیا تو سب بھلا کر بیوی اور مال وجائداد میں مصروف ہو گیا یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا

---

۱ مسند احمد بن حنبل ۔جلد ۵ ۔ص ۱۷۸۔ ۲ اسد الغابہ ۔جلد ۲ ۔ص ۶۶۔ ۳ اصابہ ۔جلد ۲ ۔ص ۴۳۔
۴ ایضاً۔ ۵ تہذیب الکمال ص ۹۶۔

حظلہ اگر تم لوگ اسی حالت پر ہمیشہ قائم رہتے جس حالت میں میرے پاس سے اٹھ کر گئے تھے تو ملائکہ آسمانی تمہارے جلسہ گاہوں تمہارے راستوں اور تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کرتے، لیکن حظلہ ان چیزوں کا اثر گھڑی دو گھڑی رہتا ہے[1]۔

(۳۵) حضرت حویطبؓ بن عبدالعزیٰ

نام ونسب: حویطب نام ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، حویطب بن عبدالعزیٰ بن ابوقیس بن عبدود ابن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قریشی۔

قبل از اسلام: ظہور اسلام کے وقت ۶۰ سال کی عمر تھی دعوت اسلام کے آغاز ہی سے حویطب اسلام کی طرف مائل تھے، کئی مرتبہ قبول اسلام کا قصد کیا، مگر ہر مرتبہ مشہور دشمن اسلام ابوالحکم ابن امیہ نے غیرت دلا کر روکا کہ نیا مذہب قبول کر کے اپنے قومی وقار اور آبائی مذہب سے دستبردار ہو جاؤ گے[2]۔

بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، صلح حدیبیہ کی کاروائی میں شروع سے آخر تک شریک رہے، معاہدۂ حدیبیہ میں شاہد تھے، یہ سب کچھ تھا لیکن حویطب کو اس کا پورا یقین تھا کہ قریش کبھی آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونگے، صلح حدیبیہ میں اس کا اظہار بھی کیا کہ قریش کو محمد ﷺ سے برا ہی دیکھنا نصیب ہوگا۔ عمرۃ القضاء کے موقع پر جب قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ۳ دن کے لئے مکہ خالی کر دیا اس وقت حویطب اور سہیل بن عمرو مکہ ہی میں رہ گئے تھے تاکہ تین دن کے بعد مسلمانوں سے مکہ خالی کرالیں چنانچہ تین دن کے بعد رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ از روئے معاہدہ تمہارے قیام کی مدت ختم ہو چلی اس لئے اب تم کو مکہ خالی کر دینا چاہیے، ان کے کہنے پر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ غروب آفتاب تک کوئی مسلمان مکہ میں باقی نہ رہے۔

فتح مکہ کے بعد جب مشرکین کی قوتیں ٹوٹ گئیں۔ تو حویطب بہت گھبرائے اوا پنے اہل وعیال کو محفوظ مقامات میں پہنچا دیا۔ انہیں پہنچا کر واپس ہو رہے تھے کہ عوف کے باغ کے پاس ان کے پرانے رفیق اور یار غار مسیح الاسلام حضرت ابوذرؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے، حویطب انہیں دیکھ کر خوف سے بھاگے۔ حضرت ابوذرؓ نے آواز دی حویطب نے کہا تمہارے نبی آگئے، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو کیا ہوا؟ حویطب نے کہا خوف وہراس، حضرت ابوذرؓ نے کہا خوف دل سے نکال دو تم خدا کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۱۷۸۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۶۔ دونوں بیان میں خفیف سا اختلاف ہے۔
[2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۔

امان میں مامون ہو، ان تشفی آمیز کلمات سے حویطب کو اطمینان ہوا اور ابوذرؓ کے پاس جا کر اطمینان کے ساتھ سلام کیا، ابوذر نے کہا اپنے گھر چلو، حویطب نے کہا گھر تک پہنچ بھی سکتا ہوں، مجھ کو ڈر ہے کہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی کوئی مسلمان میرا کام تمام کردے گا، گھر میں گھس کر مار ڈالے گا۔ اس وقت میرے اہل وعیال مختلف مقاموں پر ہیں، ابوذر نے کہا انہیں اکٹھا کرلو میں تم کو گھر تک پہنچا دوں گا چنانچہ حویطب حضرت ابوذرؓ کے ساتھ ہو گئے، حضرت ابوذرؓ اعلان کرتے جاتے تھے کہ حویطب مامون ہیں، انہیں کوئی شخص ستانے کا ارادہ نہ کرے۔

اس طرح اعلان کرتے ہوئے حویطب کو بحفاظت تمام ان کے گھر پہنچا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور پورا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ نہیں معلوم کہ ان چند اشتہاری مجرموں کو چھوڑ کر جن کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے باقی سب مامون ہیں، اس ارشاد کے بعد حویطب کو پورا اطمینان ہو گیا، اور اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کر کے گھر پہنچا دیا۔

حویطب کے اطمینان کے بعد حضرت ابوذرؓ نے ان سے کہا ابو محمد یہ لیت ولعل کب تک تم تمام معاملات میں پیش پیش رہے، بھلائی کے بہت سے مواقع کھو چکے ہیں اب بھی وقت نہیں گیا ہے، بہت کچھ باقی ہے چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلو، آپ بڑے نیک بڑے صلہ رحمی کرنے والے اور بڑے حلیم ہیں ان کا شرف واعزاز عین تمہارا اعزاز ہے، ابوذرؓ کے اس وعظ وپند سے متاثر ہو کر حویطبؓ ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطحاء آئے۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی موجود تھے حویطبؓ نے ابوذرؓ سے اسلامی سلام کا طریقہ پوچھا انہوں نے بتایا کہ "**السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**"۔ حویطب نے اسی طرح سلام کیا آنحضرت ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا، سلام وجواب کے بعد حویطب نے کہا، **اشھد ان لاالٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ** آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی۔ آپ ان کے اسلام سے بہت مسرور ہوئے، حویطبؓ مکہ کے رؤساء میں تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے قرض مانگا انہوں نے ۴۰ ہزار درہم قرض دیئے[1]۔

غزوات: قبول اسلام کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے آپ ﷺ نے حنین کے مالِ غنیمت میں سے سو اونٹ ان کو مرحمت فرمائے[2]۔

عہد خلفاء: حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں نصابِ حرم کی تجدید کے لئے جو جماعت مقرر کی تھی اس کے رکن حویطب بھی تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن حرم رسول ﷺ میں قیامت

۱؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۵۳ ۲؎ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۶

بپا تھی مدینہ باغیوں کے قبضہ میں تھا، مظلوم خلیفہ کی لاش بے گوروکفن پڑی تھی، کسی کو باغیوں کے خوف سے دفن کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، دوسرے دن چند مسلمانوں نے جان پر کھیل کر لاش دفن کی، ان بہادروں میں ایک حویطب بھی تھے[1]۔

وفات : امیر معاویہ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی وفات کے وقت ۱۲۰ سال کی عمر تھی[2]۔

معاشی حالت : حویطب مکہ کے رئیس تھے، مدینہ میں بھی اس کے مظاہر نظر آتے تھے اور یہاں ان کے عالیشان محلات تھے، ایک مکان امیر معاویہ کے ہاتھ ہزار میں فروخت کیا تھا[3]۔

فضل وکمال :

فضل وکمال کے لحاظ سے حویطب کا کوئی مرتبہ نہ تھا، تو کتب حدیث میں ان کی روایتیں ملتی ہیں لیکن ان میں سے کسی کا سماع آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے البتہ دوسرے کبار صحابہ سے روایتیں کی ہیں اور ان سے ان کے لڑکے ابوسفیان اور عبداللہ بن بریدہ نے روایت کی ہے[4]۔

جرأت وبے باکی : حویطب نہایت جری وبے باک تھے واقعات کے اظہار میں بڑے سے بڑے شخص کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں مروان مدینہ کا گورنر تھا، اوس کی تندخوئی مشہور ہے، ایک مرتبہ حویطب اوس کے پاس گئے، اس نے طنزاً پوچھا بڑے میاں تم نے اسلام قبول کرنے میں کیوں اتنی تاخیر کی، اس شرف میں نوجوان تم سے بازی لے گئے انہوں نے جواب دیا میں نے بارہا ارادہ کیا لیکن تمہارے باپ (ابوالحکم بن امیہ) نے ہر مرتبہ مجھ کو غیرت دلا کر روکا، یہ سچا جواب سن کر مروان چپ ہو گیا اور بہت نادم ہوا لیکن حویطب نے اسی جواب پر بس نہیں کیا بلکہ کہا تم کو بتاؤں تمہارے باپ نے عثمان پر اسلام کے جرم میں کیا کیا سختیاں کیں، اس اظہار حقیقت پر مروان اور زیادہ شرمسار اور رنجیدہ ہوا[5]۔

(۳۶) حضرت خارجہؓ بن حذافہ سہمی

نام ونسب : خارجہ نام، باپ کا نام حذافہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے، خارجہ بن حذافہ بن غانم بن عامر ابن عبداللہ بن عویج بن عدی بن کعب بن لوئی قرشی عدوی، خارجہ زمانۂ جاہلیت کے مشہور شہسواروں میں تھے، اور تنہا ہزار پر بھاری تھے[6]۔

۱؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۴۸ ۲؎ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۷۵ ۳؎ ایضاً ۴؎ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۶۲
۵؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۹۲ ۶؎ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۷۹

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے[1]۔

فتح مصر : عہد فاروقی میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور اوس کی تسخیر میں زیادہ عرصہ لگا، تو عمرو بن العاص نے دار الخلافہ سے مزید امداد طلب کی، حضرت عمرؓ نے خارجہ، زبیر بن عوام اور مقداد بنؓ اسود کو فوج دے کر روانہ کیا[2]۔ ان میں سے ہر ایک ہزار پر بھاری تھا، ان لوگوں کے پہنچنے کے بعد نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گیا، فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ حذیفہ کو مصر کا حاکم بنا کر خود اسکندریہ کی طرف بڑھے[3]۔ سکندریہ لینے کے بعد لوٹے تو حذیفہ کو مصر کے عہدہ قضا پر مامور کیا[4]۔

شہادت : جنگ صفین وغیرہ کے بعد جب خارجیوں نے حضرت علیؓ، امیر معاویہ اور عمرو بن العاصؓ کا خاتمہ کرنا چاہا تو تین خارجیوں نے تینوں کے قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ عمرو بن العاصؓ کا قاتل مصر پہنچا اور پچھلے پہر مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا تا کہ جب عمرو بنؓ العاص نماز پڑھنے کے لئے نکلے تو ان کا کام تمام کر دے مگر اس دن عمرو بن العاصؓ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اس لئے ان کے بجائے حذافہ نماز پڑھانے کے لئے آئے قاتل کو اندھیرے میں شناخت نہ ہو سکی اور اس نے حذافہ کو عمرو بن العاص سمجھ کر قتل کر دیا[5]۔ یہ واقعہ رمضان ۴۰ھ کا ہے۔

فضل وکمال : فضل وکمال کے لیے مصر کے عہدہ قضا کی سند کافی ہے، عبداللہ بن ابی مرہ اور عبداللہ بن جبیر نے ان سے روایت کی ہے[6]۔

(۴۷) حضرت خالدؓ بن عرفطہ

نام ونسب : خالد نام، باپ کا عرفہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے، خالد بن عرفہ بن ابرہہ بن سنان بن صیفی بن ہائلہ بن عبداللہ بن عیلان بن اسلم بن حزاز بن کاہل بن عذرہ، خالد بنی زہرہ بن کلاب کے حلیف تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا لیکن اس قدر معلوم ہے کہ قبول اسلام کے بعد صحبت نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوئے ، **صحب النبی وروی عنہ**[7]۔

۱؎ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۸۴ ۲؎ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۹۷ ۳؎ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۲
۴؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۸۔ ق اول ۵؎ تہذیب التہذیب ۶؎ تہذیب الکمال۔ ص ۹۹
۷؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص ۴۷

ایران کی فتوحات : ایران کی فوج کشی میں شریک تھے، قادسیہ کی مشہور جنگ میں سعد بن ابی وقاص نے ان کو امیر بنایا تھا[1] قادسیہ کی کامیابی کے بعد خالد کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، انہوں نے آگے بڑھ کر سعد کے آنے سے پہلے ساباط فتح کر لیا[2]۔

عہد معاویہ : ۴۱ھ میں جب حضرت حسنؓ امیر معاویہ کے مقابلہ میں خلافت سے دستبردار ہو گئے اس وقت بہت سے لوگوں نے امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی، ان میں ایک ابن ابی حوساء تھے، چنانچہ امیر معاویہ جب کوفہ آئے تو ابن ابی حوساء ان کے مقابلہ کو نکلے، امیر معاویہ نے خالد کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، انہوں نے ابن ابی حوساء کو قتل کر کے ان کی بغاوت فرو کی[3]۔

وفات : کوفہ میں رہتے تھے۔ باختلاف روایت ۶۰ھ یا ۶۱ھ میں وفات پائی[4]۔

فضل وکمال : فضل وکمال کے لحاظ سے کوئی رتبہ نہ تھا تاہم ابوعثمان نہدی مسلم اور عبداللہ ابن یسار وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں[5]۔

(۳۸) حضرت خریمؓ بن مالک

نام ونسب : خریم نام، ابو یحییٰ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : خریم بن فاتک بن اخرم بن عمرو بن فاتک ابن قلیب بن عمرو بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

اسلام : خریم آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد ہی مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے اسلام کا دلچسپ واقعہ خود ان کی زبان سے سنو وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے اونٹوں کو لے کر نکلا ان پر عراقہ کی دہشت طاری ہوگئی میں نے ان کے چھندان ڈال دیا اور ایک کے بازو سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے آغاز ظہور (مدینہ میں) کا واقعہ ہے پھر میں نے کہا اس وادی کے آسیب سے پناہ مانگتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت میں ایسے مواقع پر ایسا ہی کہا کرتے تھے اتنے میں ایک آواز نے مجھے آنحضرت ﷺ کے ظہور اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی اطلاع دی۔ میں نے یہ آواز سن کر پوچھا خدا تم پر رحمت نازل فرمائے تم کون ہو؟ جواب ملا، مالک بن مالک مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے نجد بھیجا تھا۔ میں نے کہا اگر میرے اونٹوں کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری لے لیتا تو میں اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے پاس جا کر اس پر ایمان لاتا۔ مالک نے کہا میں ذمہ دار ہوں ان کو بحفاظت

---

[1] ایضا [2] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۲۷۲ [3] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۶۰
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۹۶ [5] تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۶

تمہارے گھر پہنچادوں گا۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک اونٹ کھولا اور مدینہ آیا اور ایسے وقت مدینہ پہنچا جب لوگ نمازِ جمعہ میں مشغول تھے۔ میں نے خیال کیا کہ لوگ نہانے سے فارغ ہو جائیں تب میں مسجد میں جاؤں یہ خیال کر کے اپنا اونٹ باندھنے جا رہا تھا کہ ابوذرؓ آئے اور کہا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا مجھ کو دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کو معلوم ہے اس شیخ نے جس نے تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی، کیا کیا؟ اوس نے بحفاظت اونٹوں کو پہنچا دیا میں نے کہا خدا اس پر رحمت نازل فرمائے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ان پر خدا رحمت نازل فرمائے۔ اس کے بعد خریم کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے[1]۔

غزوات : غزوات میں بدر و احد کی شرکت کا پتہ چلتا ہے[2]۔

فتوحاتِ شام میں شرکت : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی فتوحات میں شریک ہوئے[3]۔

وفات : کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں رہنے لگے۔ پھر شام منتقل ہو گئے اور یہیں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی[4]۔

خریم نہایت لطیف مزاج اور نفاست پسند تھے لباس اور وضع قطع میں خوب صورتی اور نفاست کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ اسلام سے پہلے نیچا ازار پہنتے تھے اور لمبے لمبے گیسو دوش پر لہرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : خریم کیا اچھے آدمی تھے اگر اتنی کاکلیں نہ رکھتے اور اتنا نیچا ازار نہیں پہنتے۔ یہ ارشاد خریم کے کانوں تک پہنچا تو خمدار اور لمبے گیسو کٹ کر صاف ہو گئے اور نیچا ازار نصف ساق تک آگیا[5]۔

(۳۹) حضرت خفاف بن ایما

نام ونسب : خفاف نام، باپ کا نام ایماء تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : خفاف بن ایماء بن رحضہ بن حربہ ابن خفاف بن حارثہ بن غفار غفاری۔ ان کے والد ایماء بنی غفار کے سرداروں میں تھے۔

اسلام : خفا کے گھر میں بہت ابتدا میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ چنانچہ ہجرت سے بہت پہلے حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعوت پر خفاف اور ان کے والد ایماء مشرف باسلام ہوئے اور وہ غفار کے مسلمانوں کی امامت کرتے تھے[6]۔ مشہور دشمن اسلام ابوسفیان کو خفاف کے اسلام کی خبر ہوئی

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۲۱ [2] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۹ [3] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۹
[4] ایضاً [5] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار [6] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۹۲

تو بولا رات بنی کنانہ کا سردار بے دین ہو گیا[1]۔

خفاف اور ان کے والد ایماء مقامِ عیقہ میں رہتے تھے اور قربت کی وجہ سے بکثرت مدینہ آیا جایا کرتے تھے اس لئے خفاف کا شمار مدنی صحابہ میں ہے[2]۔

۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ عمرۃ القضا کے لئے نکلے اور مقام ابواء میں قیام فرمایا تو ایماءؓ نے خفاف کے ہاتھ سو بکریاں اور دو بار شتر دودھ نذر بھیجا۔ آپ ﷺ نے شکریہ کے ساتھ قبول فرمایا اور برکت کی دعا دی[3]۔

بیعتِ رضوان : اس کے بعد اس سلسلہ کے تمام واقعات میں ساتھ رہے۔ اور بیعتِ رضوان کے شرف سے مشرف ہوئے[4]۔

غزوات : کسی متعین غزوہ میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی لیکن اس شرف سے محروم نہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر خفاف کی لڑکی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ اس عورت کے بھائی اور باپ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تھا اور مدت کے بعد اس کو فتح کیا[5]۔

وفات : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وفات پائی[6]۔

اولاد : موت کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ حضرت عمرؓ خفاف کے خدمات اسلام کی وجہ سے ان کی اولاد کو بہت مانتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خفاف کے داماد کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کی لڑکی سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئی ایک دن حضرت عمرؓ بازار جا رہے تھے راستہ میں ایک جوان عورت نے ان سے کہا امیر المومنین! میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کھیتی اور مویشی کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے مجھ کو ڈر ہے کہ قحط ان بچوں کو ختم کر دیگا۔ میں خفاف بن ایماء کی لڑکی ہوں میرے باپ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے حضرت عمرؓ اس کی داستانِ غم سن کر ٹھہر گئے اور مرحبا بنسب کہہ کر اس کی دلدہی کی۔ اس کے بعد گھر لیجا کر ایک مضبوط اونٹ لیا اور اس پر دو گونہ بھر کے کپڑا اور سامانِ خورد و نوش بار کر کے اونٹ کی مہار اس عورت کے ہاتھ میں دی اور فرمایا اس کو لے جاؤ جب تک خدا فارغ البالی نہ عطا کرے گا اس وقت تک یہ ذخیرہ چلے گا۔ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ امیر المومنین! آپ نے ایک عورت کو اتنا دے دیا؟ فرمایا ثکلت امک کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اس کے بھائی اور باپ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تھا اور ایک مدت کے بعد اس کو فتح کیا[7]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۱۸ [2] ایضاً [3] فتح الباری [4] اسد الغابہ۔ ص ۱۸۱
[5] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ [6] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۸ [7] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ

فضل وکمال : فضل وکمال کے لئے یہ سند کافی ہے کہ اپنے قبیلے کے خطیب اور امام تھے[1]۔ ان سے پانچ حدیثیں بھی مروی ہیں ان میں سے ایک مسلم میں ہے[2]۔

(۴۰) حضرت ذویبؓ بن حلحلہ

نام ونسب : ذویب نام، باپ کا نام حلحلہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : ذویب بن حلحلہ بن عمرو بن کلیب بن احرم بن عبداللہ بن قمیر بن حبیشہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر خزاعی کعبی۔ ذویب قدید میں رہتے تھے لیکن مدینہ میں بھی ایک گھر تھا۔

اسلام وغزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے[3]۔ آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو مکہ کے جانے کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی اور یہ ہدایت تھی کہ اگر کوئی جانور راستہ میں تھک کر بیٹھ جائے اور آگے جانے کے قابل نہ رہے تو اسے ذبح کر کے لوگوں کے لئے چھوڑ دیں۔ اس خدمت کی وجہ سے وہ ''صاحب بدن رسول اللہ ﷺ'' یعنی رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے جانور والے کہے جاتے تھے[4]۔

وفات : امیر معاویہ کے آخری یا یزید کے ابتدائی عہد حکومت میں وفات پائی[5]۔

(۴۱) حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ

نام ونسب : ربیعہ نام، ابوفراس کنیت، نسب نامہ یہ ہے : ربیعہ بن کعب بن مالک بن یعمیر اسلمی۔

اسلام : ربیعہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مفلس ونادار تھے اس لئے اصحابِ صفہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہو گئے گو یہ مدینہ کے باشندہ نہ تھے لیکن یہاں مستقل گھر بنالیا تھا اور ان کا شمار اہلِ مدینہ میں ہونے لگا تھا[6]۔

خدمتِ نبوی ﷺ : بیوی بچوں کی فکر سے بالکل آزاد تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا شادی نہ کرو گے؟ عرض کی شادی کا مطلق ارادہ نہیں[7]۔ اس آزادی کی وجہ سے انہیں خدمتِ نبوی ﷺ کی سعادت کا بہت موقع ملتا تھا چنانچہ ہر وقت آستانِ نبوی ﷺ پر پڑے رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے لئے

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۶۸ [2] تہذیب الکمال۔ ۱۰۸
[3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۷ [4] ایضاً وابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۵۱۔ ق ۲
[5] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۷ [6] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۰ [7] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۱

وضو کا پانی رکھنا مخصوص خدمت تھی۔ غزوات میں ہمرکاب رہتے تھے[1]۔

عطیہ رسول ﷺ : ان کی تنگ دستی کی وجہ سے رسول اللہ نے وجہ معاش کے لئے تھوڑی سی زمین عطا فرمائی تھی اس کے پاس کچھ کھجور کے درخت تھے ان کے بارے میں ایک مرتبہ ان میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں کچھ اختلاف ہو گیا ربیعہ کے تمام اہل قبیلہ جمع ہو گئے مگر انہوں نے ان کو روکا اور سمجھایا کہ کسی کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلنے پائے جس سے صدیقؓ کو صدمہ پہنچے اور ان کی ناراضی خدا اور رسول کی ناراضی کا موجب ہو۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ربیعہ کے موافق فیصلہ فرمایا[2]۔

نقل مکان : آقا کی زندگی بھر مدینہ میں رہے، آپ کی وفات کے بعد برداشتہ خاطر ہو کر اپنے قبیلہ میں چلے گئے[3]۔

وفات : ایام حرہ کے بعد ۳۶ھ میں وفات پائی[4]۔

(۴۲) حضرت رفاعہ بن زیدؓ

نام و نسب : رفاعہ نام، باپ کا نام زید تھا، نسباً قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے۔

اسلام : خیبر سے کچھ دنوں پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آکر مشرف باسلام ہوئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک غلام مدعم پیش کیا، خیبر کے موقع پر شہید ہوئے[5]۔

وطن کی واپسی اور تبلیغ اسلام : قبول اسلام کے بعد کچھ دنوں تک قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے[6]۔ حصول تعلیم کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک نامۂ مبارک دے کر انہیں ان کے قبیلہ میں تبلیغ کے لئے بھیجا نامۂ مبارک کا مضمون یہ تھا ،

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یہ خط محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے رفاعہ بن زید کو دیا جاتا ہے میں ان کو ان کے قبیلہ میں اور جو اس میں داخل ہوں ان کی طرف بھیجتا ہوں تا کہ وہ انہیں خدا اور رسول کی طرف بلائیں جو پیش قدمی کرے گا، وہ حزب اللہ کا ایک فرد ہوگا، اور جو لوگ پیچھے ہٹیں گے ان کے لئے دو مہینہ کی مہلت ہے"۔ رفاعہ یہ خط لے کر وطن پہنچے اور چند دنوں میں ان کی کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا[7]۔

---

۱ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۴۔ ق ۲۔ ۲ ایضاً۔ ۳ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۱۔ ۴ ایضاً۔
۵ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۱۔ ۶ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۸۔ ق ۷۔ ۷ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۱۔

ابھی ان کا قبیلہ مسلمان ہوا تھا کہ دوسری طرف سے زید بنؓ حارثہ نے جو دوسری مہم پر بھیجے گئے تھے پہنچ کر اس پر غلطی سے حملہ کر دیا، کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار، رفاعہ اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فریاد لے کر آئے اور وہ خط پیش کیا، آپ نے فرمایا جو ہونا تھا ہو چکا، اب مقتولین کے بارے میں کیا کیا جائے، اس وفد کے ایک رکن ابوزید نے کہا قیدیوں کو رہائی کا حکم صادر فرمایا جائے، باقی جو لوگ قتل ہوئے، ان کا خون معاف کرتے ہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابوزید کی رائے صائب ہے، اور حضرت علیؓ کو زید بنؓ حارثہ کے پاس بھیجا کہ وہ سب قیدیوں کو رہا کر دیں، چنانچہ تمام قیدی رہا کر دیئے گئے اور جس قدر مال لوٹا گیا تھا، سب واپس کر دیا گیا[1]۔

(۴۳) حضرت زاہر بنؓ حرام

نام ونسب : زاہر نام، باپ کا نام حرام تھا، قبیلۂ بنی اشجع سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام وغزوات : ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے قبول اسلام کے بعد بدرِ عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا[2]۔

آنحضرت ﷺ سے صحبت ورسم وارہ :

زاہر اور رسول اکرم ﷺ میں خاص رسم وارہ تھی، یہ مدینہ کے قریب بادیہ میں رہتے تھے، جب مدینہ آتے تو آنحضرت ﷺ کے لئے کوئی نہ کوئی دیہاتی تحفہ ساتھ لاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہر شہری کا کوئی نہ کوئی دیہاتی ہوتا ہے آل محمد ﷺ کے دیہاتی زاہر ہیں[3]۔ جب زاہر مدینہ سے گھر واپس جانے لگتے تو آنحضرت ﷺ بھی کچھ نہ کچھ ساتھ کرتے تھے[4]۔

آپ کو حضرت زاہرؓ کے ساتھ خاص اُنس ومحبت تھی، کان نبی ﷺ یحبہ، کبھی کبھی ان سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ زاہر بازار میں کچھ بیچ رہے تھے، آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے تو زاہر کی پشت سے آکر دونوں ہاتھوں سے ان کی آنکھیں بند کر کے فرمایا اس غلام کو کون خریدتا ہے، زاہر نے پہچان کر عرض کیا یارسول اللہ ! اس تجارت میں آپ مجھ کو کھوٹا مال پائیں گے، فرمایا نہیں خدا کے نزدیک تم سودمند ہو[5]۔

حلیہ: زاہر کو حسن ظاہری سے کوئی حصہ نہ ملا تھا بہت کم رو اور حقیر صورت تھے لیکن اس روئے زیبا کے لئے ظاہری خط وخال اور آب ورنگ کی کیا ضرورت تھی، جو رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھا[6]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۴۸۔ ق ۲۔ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۳۔ [3] استیعاب۔ جلد اول صفحہ ص ۲۰۴۔
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۵۳۔ [5] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۰۴۔ [6] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۔

(۴۴) حضرت زبرقانؓ بن بدر

نام ونسب : حسین نام، ابوعیاش کنیت، زبرقان لقب، نسب نامہ یہ ہے، زبرقان بن بدر ابن امرؤالقیس بن خلف بن بہدلہ بن عوف بن کعب بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی سعدی زبرقان تمیم کے شاہی خاندان کے رکن اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے، اسلام کے بعد بھی ان کا یہ اعزاز اور مرتبہ برقرار رہا۔

اسلام : ۹ھ میں وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آگئے، وفد کے تمام ارکان شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے مدینہ بھی جاہلی ٹھاٹھ کے ساتھ تعلّی اور فخاری کے لئے آتش بیان خطیب اور سحر بیان شعراء ساتھ تھے، آستان نبوی پر پہنچ کر رسول ﷺ سے اجازت مانگی، **محمد جئناک نفاخرک فاذن لشاعر نا محمد**، ہم تم سے مفاخرہ کے لئے آئے ہیں، ہمارے شاعروں کو اجازت دو، آپ سے اجازت لے کر مجلس مفاخرہ منعقد کی، اور بنی تمیم کے شعراء اور خطباء نے اُن کی عالی نسبی بادشاہی اور اثر واقتدار کے ترانے گائے زبرقان بن بدر نے بھی ایک پرزور قصیدہ جو تمام ترنخوت، تعلّی، فخاری اور خودستائی پر مشتمل تھا، سنایا طوطی اسلام حضرت حسانؓ ابنؓ ثابت نے اس کا جواب دیا، ان کی فصاحت وبلاغت اور شاعرانہ عظمت کو دیکھ کر ارکان وفد دنگ رہ گئے، اور اقراعؓ بن حابس کی تحریک سے سب نے سلام قبول کرلیا، اقرعؓ بن حابس کے حالات میں اس مجلس مفاخرہ کے تفصیلی حالات لکھے جاچکے ہیں[1]۔

امارت بنی سعد اور فتنہ ردہ : قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے زبرقان کو بنی سعد کا امیر مقرر فرمایا، آپ کی وفات کے وقت وہ اس عہدہ پر تھے[2]۔ حضرت ابوبکر کی مسند نشینی کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اُٹھا اور بنی تمیم کی بہت سی شاخیں مرتد ہوگئیں اور زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اس وقت زبرقان نے اپنی کوششوں سے اپنے قبیلہ بنی سعد کو اس وبا سے بچائے رکھا، اور حسب دستور زکوٰۃ وصول کر کے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجی[3]۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس خدمت کے صلہ میں انہیں ان کے عہدہ پر برقرار رکھا[4]۔

عہدِ فاروقی : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی زبرقان اپنی مفوضہ خدمت انجام دیتے رہے ایک مرتبہ زکوٰۃ کی رقم لئے ہوئے مدینہ آرہے تھے، راستہ میں مشہور شاعر حطیہ سے ملاقات ہوئی یہ وہ زمانہ تھا کہ عراق فتح ہوچکا تھا اور عرب بھی دنیاوی تکلفات سے آشنا ہوچلے تھے، اور یہاں کے جوش باش

---

۱ سیرۃ ابن ہشام نے نہایت تفصیل سے اس مفاخرہ کو لکھا ہے ہم نے صرف بقدر ضرورت نقل کیا ہے۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۵ تا ۳۶۰۔ ۲ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۲۴۔ ق اول۔ ۳ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۹۴۔ ۴ ایضاً۔

عیش پرست عرب کے خشک اور بنجر علاقہ میں تبدیل آب وہوا اور عیش پرستی کے لئے عراق پہنچتے تھے، خطیہ بھی اس مقصد سے عراق جارہا تھا، زبرقان عہد رسالت کی سادگی کی جگہ اس قسم کے تعیش کو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے حطیہ کو اس راہ سے روک کر اپنے گھر واپس کردیا، اور کہا کہ وہ ان کی واپسی تک ان کا مہمان رہے، خطیہ اس وقت تو لوٹ گیا لیکن زبرقان نے اس کے شاعرانہ جذبات کو ٹھیس لگائی تھی، اس لئے زبرقان کی ایک ہجو کہہ ڈالی، انہوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی، آپ نے استادِ فن حضرت حسان بنؓ ثابت سے رائے طلب کی حطیہ کے اشعار ہجو میں آتے ہیں یا نہیں، انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہجو ہے اثباتِ جرم کے بعد حضرت عمرؓ نے حطیہ کو قید کردیا لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور زبیر بن عوامؓ کی سفارش پر آئندہ کے لئے توبہ کرا کے رہا کردیا[1]۔

اظہارِ حق میں جرأت : زبرقان اظہار حق میں بڑے جری اور بے باک تھے حق پر ٹوکنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے، زیاد کا جور وستم مشہور ہے، اس کے پاس جا کر کہا کہ خلقِ خدا تمہارے جور وظلم پر خندہ زن ہے[2]۔

وفات : ان کی وفات کا صحیح زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا، امیر معاویہ کے عہد تک اُن کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔

حلیہ : باپ کا نام بدر تھا، زبرقان اسی بدر کے لڑکے تھے اور اپنے غیر معمولی حسن وجمال کی وجہ سے ''ماہ نجد'' کہے جاتے تھے، مکہ جاتے تھے تو فتنہ کے خیال سے چہرہ پر ڈھاٹا باندھ لیتے تھے تاکہ صورت پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے[3]۔

(۳۵) حضرت زیدؓ بن خالد جہنی

نام ونسب : زید نام ابوعبدالرحمٰن کنیت، باپ کا نام خالد تھا، قبیلہ جہنیہ سے نسبی تعلق تھا،

اسلام : حدیبیہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ ہی میں مستقل بود وباش اختیار کرلی[4]۔

غزوات : سب سے اول غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ فتح مکہ میں اور مسلمان قبائل کی طرح ان کا قبیلہ بھی پرچم لہراتا ہوا داخل ہوا تھا[5]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۱۱۔ [2] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۔ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ صہ ۱۹۴۔
[4] ایضاً۔ ص ۲۲۸۔ [5] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۶۔

وفات : زید کا سنہ وفات اور جائے وفات دونوں میں سخت اختلاف ہے، لیکن بروایت صحیح ۸۷ھ میں دیار محبوب میں وفات پائی وفات کے وقت پچیاسی ۸۵ برس کی عمر تھی۔[1]

(۳۵) حضرت زید بن مہلہلؓ

نام ونسب : زید نام، خیر لقب، نسب نامہ یہ ہے۔ زید بن مہلہل بن زید بن منہب بن عبد رضا بن مخلس ابن ثوب بن کنانہ بن مالک بن نائل بن نبہان بن عمرو بن غوث الطائی نبہانی۔

اسلام : ۹ھ میں طے کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) میں نو دن کی دشوار گزار مسافت سے آیا ہوں اس سفر میں میری سواری تھک گئی میری راتیں آنکھوں میں کٹیں میرے دن تشنہ لبی میں بسر ہوئے اور یہ ساری مشقت صرف دو باتیں پوچھنے کے لیے اٹھائی ہے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کی زید الخیل، فرمایا نہیں تم زید الخیر ہو، پوچھا کیا پوچھنا چاہتے ہو، عرض کی جو شخص خدا کو چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے دونوں میں کیا علامت ہوتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کیسے زندگی بسر کرتے تھے، عرض کی خیر اور عمل خیر کو دوست رکھتا تھا اگر میں اس پر عمل کرتا تھا، تو اس کا ثواب ملتا تھا اور جب یہ عمل چھوٹ جاتا تھا تو رنجیدہ ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو خدا کو چاہتا ہے، اور جو نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے اگر خدا اس کے خلاف تمہارے لئے کچھ چاہتا تم کو اس کے لیے تیار کرتا اور پھر اس کو اس کی پرواہ نہ ہوتی کہ تم کس وادی میں ہلاک ہو گے۔[2]

وفات : مشرف باسلام ہونے کے بعد وطن لوٹے، راستہ میں بخار آیا اور گھر پہنچ کر واصل بحق ہو گئے۔ اس طرح سے بالکل پاک وصاف اٹھے، اور اسلام کے بعد دنیا میں آلودہ ہونے کا موقع ہی نہ ملا بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔[3]

وفات کے بعد دولڑکے مکنف اور حریث یادگار چھوڑے، یہ دونوں خالد بن ولیدؓ کے ساتھ فتنہ ردہ کو فرو کرنے میں شریک تھے۔[4]

فضل وکمال : زید کا مذہبی علوم میں کوئی پایہ نہ تھا لیکن اس عہد کے مروجہ علوم میں وہ کمال رکھتے تھے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ زید خوش گو شاعر اور زبان آور خطیب تھے۔[5]

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۲۶۔ ق ۲ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۲ [3] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۹۹
[4] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۹۹ [5] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۱

(۴۷) حضرت سراقہ بنؓ مالک

نام ونسب: سراقہ نام، ابوسفیان کنیت، نسب نامہ یہ ہے: سراقہ بن مالک بن جعشم بن مالک بن عمرو بن تیم بن مدلج ابن مرہ بن عبد مناۃ بن علی بن کنانہ مدلجی کنانی۔

قبل از اسلام: ہجرت میں مدینہ سے نکلنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا تعاقب انہیں نے کیا تھا۔ شب ہجرت میں جب آنحضرت ﷺ مشرکین کو غافل پا کر مدینہ سے نکل گئے اور مشرکین کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد اور ابوبکرؓ کو قتل کر دے گا یا انہیں زندہ پکڑ کر لائے گا اس کو گرانقدر انعام دیا جائیگا، سراقہ اپنے قبیلہ بنی مدلج کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر ان سے کہا کہ میں نے ابھی ساحل کی طرف کچھ سیاہی دیکھی ہے میرا خیال ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تھے، سراقہ کو یقین ہو گیا لیکن انعام کی طمع میں انہوں نے تردید کی کہ نہیں وہ لوگ نہیں ہیں، تم نے فلاں فلاں شخص کو دیکھا ہوگا جو ابھی ہمارے سامنے گئے ہیں تھوڑی دیر کے بعد سراقہ اٹھ کر گھر گئے اور لونڈی سے کہا کہ وہ گھوڑا تیار کر کے انہیں آکے ایک مقام پر دے۔ اور نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے اور لونڈی سے گھوڑا لیا اور لوگوں کی نظر بچا کر نکل گئے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے جیسے ہی قریب پہنچے گھوڑے نے ٹھوکر لی اور یہ نیچے گر گئے اور اسے انہوں نے بدشگونی پر محمول کیا۔ استخارہ کے تیر ساتھ تھے فوراً انہوں نے ترکش سے نکال کر استخارہ دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گزند پہنچا سکتے ہیں یا نہیں۔ استخارہ خلاف نکلا لیکن انعام کی طمع میں انہوں نے استخارہ کی پروانہ کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر پھر آگے بڑھے اب اتنے قریب پہنچ گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کی آواز انہیں سنائی دینے لگی، رسول اللہ ﷺ ہمہ تن تلاوت میں مصروف تھے لیکن ابوبکرؓ بار بار مڑ کر دیکھتے جاتے تھے اتنے میں سراقہ کے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور وہ گر پڑے پھر گھوڑے کو ڈانٹ کر اٹھایا جب اس نے اپنے پاؤں زمین سے نکالے تو بڑا غبار بلند ہوا اس دوسری بدشگونی پر انہوں نے پھر تیروں سے استخارہ کیا اس مرتبہ بھی مخالف جواب ملا۔ اب انہیں اپنی ناکامی کا پورا یقین ہو گیا اور ان کے دل میں بیٹھ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرور کامیابی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے آواز دے کر روکا آپ رک گئے اور سراقہ کے پاس جا کر کہا کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری پر انعام مقرر کیا ہے اور ان کے ارادوں سے آپ کو خبردار کیا اور جو کچھ زاد راہ ساتھ تھا اسے آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ البتہ یہ خواہش کی کہ وہ کسی کو آپ کی

اطلاع نہ دیں۔ اس کے بعد سراقہ نے درخواست کی کہ انہیں ایک امان نامہ مرحمت فرمایا جائے آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر امان نامہ لکھ کر دیا اور سراقہ لوٹ گئے[1]۔

انتظام: اس واقعہ کے آٹھ سال بعد جب مکہ فتح ہو چکا اور مشرکین کی قوتیں ٹوٹ چلیں اور حنین و طائف کی لڑائیاں ختم ہوگئیں اس وقت سراقہ رسول اللہ ﷺ سے جب کہ آپ ﷺ حنین اور طائف کے معرکوں سے واپس آرہے تھے راستہ میں مقام جعرانہ میں ملے اور رسول اللہ ﷺ کا عطا کیا ہوا امان نامہ پیش کر کے اپنا تعارف کرایا کہ یہ تحریر آپ نے مجھے دی تھی اور میں سراقہ بن جعشم ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا آج ایفائے عہد اور نیکی کا دن ہے۔ سراقہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ میں اس شرف سے مشرف ہوئے لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے۔

وفاتِ نبوی ﷺ سے استفادہ:

سراقہ بہت آخر میں اسلام لائے۔ اس لئے انہیں صحبتِ نبوی ﷺ سے استفادہ کا بہت کم موقع ملا لیکن قبولِ اسلام کے بعد زیادہ تر مدینہ میں رہے۔ اس لئے تلافی مافات کا کچھ نہ کچھ موقع مل گیا تھا اس موقع سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا آنحضرت ﷺ خود انہیں تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا، سراقہ میں تمہیں جنتیوں اور دوزخیوں کی پہچان بتاؤں؟ عرض کی ہاں، ارشاد فرمایا تندخو، اترا کر چلنے والا، اور متکبر دوزخی ہے اور زیردست، ضعیف اور ناتواں جنتی ہے[2]۔

سراقہ خود بھی پوچھ پوچھ کر استفادہ کیا کرتے تھے آخری سوال انہوں نے آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں کیا پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) اگر کوئی بھٹکا ہوا اونٹ میرے اونٹ کے حوض پر آئے جسے میں نے خاص اپنے اونٹ کے لئے بھرا ہو اور میں اس میں بھٹکے ہوئے اونٹ کو پانی پلا دوں تو کیا مجھ کو اس کا کوئی اجر ملے گا؟ فرمایا کیوں نہیں ہر جاندار کو پانی پلانے میں ثواب ہے[3]۔

حجۃ الوداع: حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مقام عسفان میں پہنچے تو سراقہ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو اس نومولود کی طرح تعلیم دیجئے جو گویا ابھی ظہور میں آئی ہے۔ ہمارا یہ عمرہ اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے۔ فرمایا نہیں ہمیشہ کے لئے[4]۔

ایک پیشن گوئی کی تصدیق: آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا تھا کہ سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب مدائن

---

[1] بخاری۔ جلد اول۔ باب بنیان الکعبۃ، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ ملخصاً

[2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۵ [3] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۱۷۵ [4] ایضاً

فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ کے ملبوسات حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے سراقہ کو بلا کر کسریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھا اور اس کے کنگن پہنا کر اس کے پٹکا ان کی کمر میں باندھا [1]۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ۲۴ھ میں وفات پائی [2]۔

فضل وکمال : گو سراقہ کو ذاتِ نبوی ﷺ سے استفادہ کا بہت کم موقع ملا تاہم ان سے انیس حدیثیں مروی ہیں۔ جابر، ابن عمر، ابن مسیب، مجاہد اور محمد بن سراقہ نے ان سے روایت کی ہے [3]۔

شاعر بھی تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں جو واقعات پیش آئے ان کی داستان ابوجہل کو نظم میں سنائی تھی۔

(۴۸) حضرت سبرہؓ بن معبد

نام ونسب : سبرہ نام، ابوربیع یا ابوثریہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : سبرہ بن معبد بن عوسجہ بن حرملہ ابن عوسجہ جہنی۔

اسلام وغزوات : ان کے زمانہ اسلام کی صحیح تعین نہیں کی جا سکتی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ھ میں مشرف باسلام ہو چکے تھے چنانچہ غزوۂ خندق میں شریک تھے اور فتح مکہ میں بھی ہمرکاب تھے چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال جب ہم مکہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی اجازت دے دی لیکن پھر مکہ سے نکلنے کے بعد اس کی ممانعت فرما دی [4]، حجۃ الوداع میں ساتھ تھے چنانچہ اس کا ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں [5]۔

وفات : ان کا مکان مدینہ میں جہینہ کے محلّہ میں تھا آخر عمر میں ذی المروہ میں منتقل ہو گئے تھے اور یہیں امیر معاویہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی [6]۔ وفات کے بعد ایک لڑکا ربیع یادگار چھوڑا۔

فضل وکمال : مدینہ میں گھر تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کے اقوال سننے کا موقع ملتا تھا۔ حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے خالی نہیں ہیں۔ مسلم میں بھی ان کی ایک روایت موجود ہے [7]۔

۱؎ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۹ ۲؎ ایضاً ۳؎ تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۱
۴؎ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۴ ۵؎ مسلم۔ جلد اول۔ ص ۳۰۶ ۶؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۵
۷؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۹۹۔ ق ۲

(۴۹) حضرت سعدؓ بن خولی

نام ونسب : سعد نام، باپ کا نام خولی تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : سعد بن خولی بن سبرہ بن رہم بن مالک ابن عمیرہ بن عامر بن بکر بن عامر الاکبر بن عذرہ بن رفیدہ بن ثور بن کلب۔

حضرت سبرہ کسی طرح گرفتار ہوکر مشہور بدری صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی غلامی میں آگئے تھے۔ حضرت حاطبؓ ان کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔

اسلام : ان کے زمانہ اسلام کی تصریح نہیں ملتی۔ اغلب یہ ہے کہ اپنے آقا حضرت حاطبؓ کے ساتھ آغاز دعوتِ اسلام میں مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

غزوات وشہادت :

قبولِ اسلام کے بعد سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوکر بدری ہونے کا شرف حاصل کیا اس کے بعد احد میں شریک ہوئے اور اسی میں شہادت پائی۔

اولاد : شہادت کے بعد ایک لڑکا عبداللہ یادگار چھوڑا۔ حضرت عمرؓ نے باپ کے خدمات کے صلہ میں انصار کے ساتھ ان کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

(۵۰) حضرت سعدؓ الاسود

نام ونسب : سعد نام تھا۔ بہت سیاہ اور کم رو تھے اس لئے ''اسود'' کہلاتے تھے لیکن نسباً بنی سہم کے ممتاز رکن تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں۔ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کیا میری سیاہ روئی اور بدصورتی مجھ کو جنت کے داخلہ سے روکے گی؟ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نہیں روکے گی بشرطیکہ خدا سے ڈرو اور اس چیز پر جسے رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ایمان لاؤ۔ یہ خوشخبری سن کر انہوں نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ کلمہ شہادت پڑھ کر پوچھا میرے کیا حقوق ہیں؟ فرمایا تمہارے وہی حقوق ہیں جو اور مسلمانوں کے ہیں اور تم پر وہی فرائض ہیں جو دوسرے مسلمانوں پر ہیں اور تم ان کے بھائی ہو۔

شادی : ظاہری شکل وصورت سے محروم تھے اس لئے کوئی شخص ان کے ساتھ عقدِ مناکحت پر تیار نہ ہوتا تھا قبولِ اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جو نہیں ہیں میں نے

سب کو شادی کا پیام دیا لیکن میری سیاہی اور بدروئی کی وجہ سے کوئی اس رشتہ پر آمادہ نہیں ہوتا۔ گوسعد ظاہر آب و رنگ سے محروم تھے لیکن دل نور ایمان سے منور ہو چکا تھا اس کے بعد ظاہری حسن و جمال کی ضرورت نہ تھی اس لئے ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر یا عمر بن وہب (عمر بن وہب قبیلہ ثقف کے ایک درشت مزاج نو مسلم تھے) کے پاس جا کر ان کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، اور اسلام کے بعد ان سے کہو کہ اللہ کے نبی (ﷺ) نے تمہاری لڑکی میرے ساتھ بیاہ دی۔ عمرو بن وہب کے نوخیز حسین و جمیل اور ذکی و ذہین لڑکی تھی۔ سعد نے ان کے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، گھر والوں نے دروازہ کھولا تو سعد نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا۔ ان لوگوں نے سعد کی صورت دیکھ کر انہیں سختی سے واپس کر دیا۔ اتنے میں لڑکی آواز سن کر خود نکل آئی اور سعد کو آواز دی کہ بندۂ خدا لوٹ آ۔

جو اگر رسول اللہ ﷺ نے تمہارے ساتھ میری شادی کر دی ہے تو میں اسے منظور کرتی ہوں اور اس چیز پر رضامند ہوں جس سے خدا اور اس کا رسول راضی ہے۔ پھر اپنے باپ سے کہا کہ قبل اس کے کہ وحی الٰہی آپ کو رسوا کرے آپ اپنی نجات کی کوشش کیجئے۔ یہ فوراً دوڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے آپ ﷺ نے پوچھا تم ہی نے میرے فرستادہ کو لوٹایا تھا؟ عرض کی ہاں لیکن یہ غلطی لاعلمی میں ہوئی ہم کو اس شخص کی بات کا اعتبار نہ تھا اب آپ سے مغفرت چاہتے ہیں ہم نے لڑکی بیاہ دی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سعد سے فرمایا اب اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔ وہ یہاں سے اُٹھ کر بیوی کے واسطے تحائف خریدنے کے لئے بازار گئے، یہاں انہوں نے ایک منادی کی آواز سنی، " یا خلیل اللہ ارکبی و با لجنۃ ابشری "۔ خدا کے شہ سوار و جہاد کے لئے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو۔ اس آواز کا سننا تھا کہ سارے ولولے اور جذبات سرد پڑ گئے اور جہاد فی سبیل اللہ کا خون رگوں میں دوڑنے لگا نوعروس کے لئے تحائف کا خیال چھوڑ دیا اور جہاد کے لئے تلوار، نیزہ اور گھوڑا خریدا اور عمامہ باندھ کر مہاجرین کی جماعت میں پہنچے کسی نے ان کو نہ پہچانا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی دیکھا مگر نہ پہچان سکے۔

میدانِ جنگ میں انتہائی جوش و خروش سے لڑے۔ گھوڑا اڑا تو پیدل آستین چڑھا کر لڑنے لگے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ہاتھوں کی سیاہی سے پہچان کر آواز دی، سعد! مگر یہ وارفتگی کے عالم میں تھے کوئی خبر نہ ہوئی۔ اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور نوعروس کے آغوش کے بجائے تیغ عروس کے گلے مل کر ابدی و سرمدی زندگی حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو ان کے لاش کے پاس تشریف لا کر ان کا سر گود میں رکھ لیا اور ان کے اسلحہ اور گھوڑا ان کی بیوہ نوعروس کے پاس بھجوا دیا

اوران کی سسرال والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ خدا نے تمہاری لڑکیوں سے بہتر لڑکی کے ساتھ ان کی شادی کردی[1]۔

(۵۱) حضرت سعدؓ بن عامر

نام ونسب : سعد نام، قرظ لقب، باپ کا نام عائذ تھا۔ مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ کے غلام تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ قیاس یہ ہے کہ اپنے آقا کے ساتھ دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

مسجدِ قبا کی موذنی : حضرت سعدؓ ان صحابہ میں ہیں جن کے سر پر رسول اللہ ﷺ نے دست شفقت پھیر کر برکت کی دعا دی۔ اور مسجدِ قبا کا موذن اور مسجدِ نبوی ﷺ میں حضرت بلالؓ کا نائب مقرر کیا۔ چنانچہ مسجدِ قبا میں مستقل اور مسجدِ نبوی ﷺ میں حضرت بلال کی غیر حاضری میں اذان دیتے تھے[2]۔

مسجد نبوی ﷺ کی موذنی : آقائے مدینہ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت بلالؓ نے شکستہ دل ہوکر اذان دینا چھوڑ دی تو حضرت ابوبکرؓ نے سعد کو مسجدِ نبوی ﷺ کا مستقل موذن بنادیا اور وہ اس خدمتِ جلیلہ کو زندگی بھر انجام دیتے رہے[3]۔

وفات : حجاج کے زمانہ تک زندہ رہے۔ ۷۴ھ میں وفات پائی[4]۔ وفات کے بعد دولڑکے عمار و عمر یادگار چھوڑے[5]۔ امام مالک کے زمانہ بلکہ ان کے بعد تک مسجدِ نبوی ﷺ کی موذنی کا عہدہ سعد کی اولاد میں رہا[6]۔

ذریعۂ معاش : سعد ابتدا میں تنگ دست تھے۔ آنحضرت ﷺ سے تنگ دستی کی شکایت کی آپ ﷺ نے تجارت کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک خاص پتے کی جسے عرب میں قرظ کہتے تھے اور کھال پکانے میں کام آتا تھا تجارت شروع کی۔ اس تجارت میں بڑی برکت ہوئی سعد اس کے مستقل تاجر ہوگئے اور اسی سبب سے قرظ کہلانے لگے[7]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۶۸ [2] ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۲۸۳ [3] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۰
[4] تہذیب الکمال۔ ص ۱۳۴ [5] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۸۰ [6] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۰
[7] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۸۳

فضل وکمال : فضل وکمال کی سند کے لئے مسجد نبوی ﷺ کی مؤذنی کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں[1]۔

(۵۲) حضرت سعیدؓ بن العاص

نام ونسب : ۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سعید نام رکھا گیا۔ نسب نامہ یہ ہے : سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی۔ اماں کا نام اُم کلثوم تھا۔ نانہالی شجرہ یہ ہے : اُم کلثوم بنت عمر بن عبداللہ بن ابوقیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔ بنی امیہ کے گھرانے میں سعید کے آباؤ اجداد بڑے دبدبہ وشکوہ کے رئیس تھے ان کے والد عاص بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ان کے دادا سعید ابواحیحہ ذوالتاج تاج والے کہلاتے تھے۔ یہ جس رنگ کا عمامہ باندھتے تھے اس رنگ کا مکہ میں دوسرا نہ باندھ سکتا تھا[2]۔

فتح مکہ کے بعد قریش کا کوئی گھرانہ اسلام سے خالی نہ رہ گیا تھا۔ اس وقت سعید کی عمر ۸، ۹ سال کی ہوگی اس لئے ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے اپنے گردوپیش اسلام کو پرتوفگن دیکھا۔ عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں بالکل بچہ تھے عہدِ فاروقی کے آخر میں عنفوانِ شباب تھا اس لئے ان تینوں زمانوں کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔

جرجان اور طبرستان کی فتح : حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پورے جوان ہو چکے تھے چنانچہ اسی عہد سے ان کے کارناموں کا آغاز ہوتا ہے۔ ان کا گھرانہ ریاست حکومت میں ممتاز تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے انہیں اس کام کے لئے منتخب کیا۔ اور ۲۹ھ میں ولید ابن عقبہ کی جگہ کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ شجاعت و بہادری ورثہ میں ملی تھی اس لئے کوفہ پر تقرر کے ساتھ ہی ۲۹ھ میں جرجان اور طبرستان پر فوج کشی کر دی اور دوسری طرف سے عبداللہ ابن عامر والی بصرہ بڑھا۔ سعید کے ساتھ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ وغیرہ تمام نوجوانانِ قریش تھے[3]۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن عامر کے پہنچنے سے قبل طبرستان پر حملہ کر کے طمیمہ، نامند، رویان اور دب دند فتح کر لیا اور جرجان کے فرمانروا نے دو لاکھ پر صلح کر لی۔ کوہستانی علاقہ والوں نے بھی صلح کر لی[4]۔ طبرستان اور جرجان کے بعد آذربائیجان کی بغاوت فرو کی۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد۲۔ ص۲۸۳۔ [2] تہذیب الکمال۔ ص۸۰۔ [3] اسد الغابہ۔ جلد۲۔ ص۳۰۹۔

معزولی اور عہد معاویہؓ : ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی شکایت پر حضرت عثمان نے معزول کر دیا، ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس کے نتائج میں جمل اور صفین کی خون ریز لڑائیاں ہوئیں لیکن سعید ان میں خانہ نشین رہے، اور حضرت علیؓ اور معاویہ کسی کا ساتھ نہ دیا، استقرار حکومت کے بعد امیر معاویہؓ نے اُن کو مدینہ کا عامل بنایا لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد معزول کر کے ان کی جگہ مروان کو مقرر کیا [۱]۔

وفات : ۵۹ھ میں وفات پائی وفات کے بعد سات لڑکے یادگار چھوڑے، عمر، محمد، عبداللہ، یحییٰ عثمان عتبہ اور آبان، سعید کے بھائی تھے، لیکن عاص کی نسل ان ہی کی اولاد سے چلی [۲]۔

فضل وکمال : حضرت عثمانؓ نے مصاحف کی کتابت کے لئے جو جماعت منتخب کی تھی ان میں ایک سعید بھی تھے [۳]۔ اور قرآن مجید کی کتابت میں صرف ونحو اور زبان کی صحت کی نگرانی ان ہی کے متعلق تھی [۴]۔ ان سے حدیثیں بھی مروی ہیں لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ پر بچہ تھے، اس لئے براہ راست مرفوع حدیثیں نہیں ہیں، بلکہ حضرت عمرؓ و عثمانؓ اور عائشہ سے روایتیں کی ہیں [۵]۔

حضرت سعید نہایت عاقل وفرزانہ تھے، اور ان کے بہت سے حکیمانہ مقولے ضرب المثل ہو گئے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ''شریف سے مذاق نہ کرو کہ تم سے جلنے لگے گا، اور کمینہ سے مذاق نہ کرو کہ وہ جری ہو جائے گا'' رائے ظاہر کرنے میں بہت محتاط تھے، کسی چیز کے متعلق پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار نہ ہونے دیتے تھے، کہا کرتے تھے کہ دل بدلتا رہتا ہے کہ اس لئے انسان کو اظہار رائے سے احتیاط کرنی چاہئے۔ اور ایسا کرنا چاہیے کہ آج ایک چیز کی تعریف توصیف میں رطب اللسان ہو اور کل اس کی مذمت شروع کر دے [۶]۔

فیاضی : شجاعت وشہامت کے ساتھ فیاضی اور دریادلی بھی خمیر میں داخل تھی، ہفتہ میں ایک دن اپنے بھائی بھتیجوں کو ساتھ کھلاتے تھے اس کے علاوہ سب کو کپڑے دیتے نقدی سلوک کرتے تھے اور ان کے گھروں پر ساز وسامان بھجواتے تھے [۷]۔ یہ فیاضی محض اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ کار خیر میں بھی بہت فیاضی سے صَرف کرتے تھے، ہر شب جمعہ کو کوفہ کی مسجد میں غلام کے ہاتھ دینار سے بھری ہوئی تھیلیاں نمازیوں میں تقسیم کراتے تھے، اس معمول کی وجہ سے شب جمعہ کو مسجد میں نمازیوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا [۸]۔

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۶ ۲۔ ایضاً استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۶ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۱
۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۱ ۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۳۵ ۷۔ ایضاً ۸۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۹۱

کبھی کوئی سائل دروازہ سے ناکام واپس نہ ہوتا تھا۔ اگر روپیہ پاس نہ ہوتا تو ایک تحریری یاداشت بطور ہنڈی کے دے دیتے کہ جب روپیہ آجائے سائل وصول کرلے[1]۔ اس فیاضی کی وجہ سے لوگ ان کے ساتھ لگے رہتے تھے اور کوئی نہ کوئی ہر وقت ساتھ رہتا تھا، مدینہ کی معزولی کے زمانہ میں ایک دن مسجد میں آرہے تھے، ایک آدمی ساتھ ہولیا، سعید نے پوچھا کوئی کام ہے، اس نے کہا نہیں آپ کو تنہا دیکھ کر ساتھ ہوگیا کہا کاغذ دوات اور میرے فلاں غلام کو لیتے آؤ، اس آدمی نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ سعید نے بیس ہزار کا سرخط لکھ دیا، اور کہا جب ہمارا وظیفہ ملے گا، تو یہ رقم تم کو مل جائے گی، لیکن ادائیگی کے پہلے ان کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد وہ سرخط اس شخص نے ان کے لڑکے عمرو کو دیا انہوں نے اس کی رقم ادا کی[2]۔

شریف اہل حاجت کو بلا سوال دیتے تھے اور شرفا پروری کی وجہ سے بہت مقروض ہو گئے تھے۔ وفات کے وقت اسی ہزار قرض تھا۔ وفات سے پہلے لڑکوں کو بلا کر پوچھا، تم میں سے کون میری وصیت قبول کرتا ہے۔ بڑے لڑکے نے اپنے کو پیش کیا سعید نے کہا اگر میری وصیت قبول کرتے ہو تو میرا قرض بھی چکانا ہوگا۔ لڑکے نے پوچھا کتنا ہے کہا اسی ہزار دینار۔ لڑکے نے کہا اتنا قرض کس طرح ہوگیا۔ کہا بیٹا ان شریفوں اور غیرت مند لوگوں کی حاجت پوری کرنے میں جو میرے پاس حاجت لے کر آتے تھے اور فرطِ خجالت سے ان کے چہرہ کا خون خشک ہوا جاتا تھا میں سوال کے قبل ہی ایسے لوگوں کی حاجت پوری کر دیتا تھا[3]۔

حق پسندی : بنی امیہ میں خاندانی عصبیت بہت زیادہ تھی اور ان میں بہتیرے ایسے تھے یہ مدتیں گذر جانے کے بعد بھی ان کے دلوں سے اموی مقتولین بدر واحد کے قاتلوں کی نفرت نہ مٹی تھی لیکن سعید کی ذات اس کینہ پروری سے مستثنیٰ تھی۔ اور ان کے دل میں خلافِ حق کبھی کوئی عصبیت کا جذبہ پیدا نہ ہوا ان کے والد عاص جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عاص کے ہم نام اپنے ماموں کو قتل کیا تھا اس لئے اشتراک نام کی وجہ سے دھوکہ ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے سعید کے والد کو قتل کیا۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ میں نے تمہارے والد کو نہیں بلکہ اپنے ماموں عاص کو قتل کیا تھا۔ یہ سن کر سعید نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے باپ کو بھی قتل کئے ہوتے تو کیا برا کیا تھا آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر۔ حضرت عمرؓ کو اس حق پسندی پر بڑی حیرت ہوئی[4]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۶ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۶

[3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۱ [4] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۱

خود پسندی : لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ خاندانی اثر کی وجہ سے نخوت اور خود پسندی کی بو تھی۔

(۵۳) حضرت سعید بن یربوعؓ

نام و نسب : جاہلی نام حرم تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر سعید رکھا۔ ابو ہود کنیت، نسب نامہ یہ ہے: سعید بن یربوع بن عنکثہ بن عامر بن مخزوم قرشی عامری۔

اسلام و غزوات : باختلاف روایت فتح مکہ سے کچھ پہلے یا فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ پہلی روایت کی رو سے غزوۂ فتح میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے[1]۔ فتح مکہ کے بعد جنگ حنین میں شریک ہوئے آنحضرت ﷺ نے حنین کے مالِ غنیمت سے پچاس اونٹ مرحمت فرمائے[2]۔

عہدِ فاروقی : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آنکھوں کی بصارت جاتی رہی۔ حضرت عمرؓ اظہارِ ہمدردی کے لئے آئے اور کہا کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں جمعہ اور نمازِ جماعت نہ چھوڑنا۔ سعید نے کہا میرے پاس کوئی رہنما نہیں ہے اس عذر پر انہیں حضرت عمرؓ نے ایک رہنما دیا[3]۔ چنانچہ نابینا ہونے کے بعد بھی اس آدمی کی مدد سے مسجد آتے تھے اور جماعت اور جمعہ ناغہ نہ ہوتا تھا۔

وفات : امیر معاویہ کے زمانہ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ۱۲۴ سال کی عمر تھی[4]۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے کوئی قابلِ ذکر شخصیت نہیں رکھتے ہیں تاہم ان کی روایت سے حدیث کی کتابیں خالی نہیں ہیں[5]۔

احترامِ رسول ﷺ : سعید آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی بڑائی کو اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ عمر میں سعید رسول اللہ ﷺ سے بہت بڑے تھے لیکن اس تفاوت کا اظہار بھی وہ بڑائی کے لفظ سے پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا ہم میں تم میں کون بڑا ہے؟ گو سعید عمر میں بڑے تھے لیکن پاسِ ادب سے اس کا اظہار اس طرح کیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بلند اور بہتر ہیں۔ البتہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا ہوں[6]۔

(۵۴) حضرت سفینہؓ

نام و نسب : سفینہ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض مہران، بعض رومان اور بعض عبس بتاتے

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۷ [2] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۹۰ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۴
[4] ایضاً [5] تہذیب الکمال۔ ص ۱۲۴ [6] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۷

ہیں۔ ابو عبد الرحمٰن کنیت اور سفینہ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ لقب ہے۔ نسب کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے غلام تھے۔

اسلام : سفینہ کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا لیکن قیاس یہ ہے کہ بہت ابتداء میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے اس لئے کہ باختلافِ روایت حضرت ام سلمہؓ یا آنحضرت ﷺ کے غلام تھے اور خود حضور ﷺ نے بلا شرف یا حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کی شرط پر آزاد کر دیا تھا [1]۔

چنانچہ آزادی کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری میں رہتے تھے۔ اس لئے سفر میں بھی مشایعت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سفر میں ہمرکاب تھے راستہ میں جو جو ہمراہی تھکتے جاتے تھے وہ اپنے اسلحہ، ڈھال، تلوار اور نیزہ وغیرہ ان پر لادتے جاتے تھے اس لئے ان پر بڑا بار لد گیا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا، تم "سفینہ" کشتی ہو اس وقت سے سفینہ ان کا لقب ہو گیا۔ یہ بھی اس لقب کو اس قدر محبوب رکھتے تھے کہ اس کے مقابلہ میں اپنا نام چھوڑ دیا تھا اسی لئے ان کا صحیح نام متعین نہیں۔ اگر کوئی نام پوچھتا تو کہتے نہ بتاؤں گا۔ حضور ﷺ نے سفینہ نام رکھا ہے اور یہی میرے لئے بس ہے [2]۔

حدیث : " الخلافة فی ثلثون سنة ثم ملک بعد ذٰلک"

" خلافت میری امت میں تیس برس رہے گی، اس کے بعد بادشاہ ہوں گے"۔

ان ہی سے مروی ہے کہ یہ بنی امیہ کے زمانہ تک زندہ تھے۔ مذکورہ بالا روایت کو پیشِ نظر رکھ کر حساب لگاتے جاتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے اختتام پر یہ مدت پوری ہو جاتی ہے لیکن بنی امیہ بھی اپنے کو خلیفہ ہی کہتے تھے۔ سعید بن جمہان نے سفینہ سے کہا کہ بنی امیہ بھی اپنے کو خلیفہ کہتے ہیں انہوں نے کہا زرقاء کی اولاد جھوٹ کہتی ہے یہ لوگ بادشاہ اور برے بادشاہ ہیں [3]۔

وفات : حجاج کے زمانہ میں وفات پائی [4]۔

فضل و کمال : سفینہ حضور ﷺ کے غلام تھے۔ خدمت کی تقریب سے بیشتر حضوری کا شرف اور آپ ﷺ کے ارشادات سننے کا موقع ملتا تھا چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ، آپ کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت علیؓ سے روایتیں کی ہیں۔ ان کی راویات کی مجموعی تعداد ۱۴ ہے ان میں سے ایک مسلم میں بھی ہے [5]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۴　[2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۴۔ و استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۰۱
[3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۴　[4] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۰۱　[5] تہذیب الکمال۔ ص ۱۶۲

(۵۵) حضرت سلیمان بن صرورضؓ

نام ونسب : سلیمان نام، ابومطرف کنیت، نسب نامہ یہ ہے : سلیمان بن صرو بن جون بن ابی الجون بن منقذ بن ربیعہ بن اصرم بن ضبیس بن حرام بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے جاہلی نام یسار تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر سلیمان رکھا۔ قبولِ اسلام کے بعد صحبتِ نبوی ﷺ سے بھی مستفید ہوئے۔ **اسلم و صحب النبی ﷺ**[1]۔

جنگِ صفین : حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں تھے۔ جنگِ صفین میں انہوں نے بڑے کارنامے دکھائے۔ شامی فوج کے مشہور بہادر حوشب ذی ظلیم کوان ہی نے مارا تھا[2]۔ اس جنگ میں سلیمان بہت زخمی ہوئے لیکن کوئی زخم پشت پر نہ تھا سب وارر رخ پر تھے۔ صلح نامہ کی کتابت کے بعد حضرت علیؓ سے کہا امیر المومنین اگر اس وقت کوئی مددگار ہوتا تو ہم ہرگز یہ معاہدہ منظور نہ کرتے[3]۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کی اولاد امجاد کے بھی اسی طرح ہوا خواہ رہے۔ حضرت حسنؓ نے صرف چند مہینہ خلافت کر کے چھوڑ دی آپ کی وفات کے بعد جب کوفہ میں حضرت حسینؓ کے حامیوں کی جماعت بنی تو اس کے ایک سرگرم ممبر سلیمان تھے ان کا گھر حامیانِ حسینؓ کا مرکز تھا یہیں سے حضرت حسینؓ کے پاس بلانے کے خطوط جاتے تھے[4]۔

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب حضرت حسینؓ تشریف لائے تو سلیمان ان کی کوئی مدد نہ کر سکے اور کربلا کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس واقعہ پر ان لوگوں کو سخت قلق ہوا جو آپ کی مدد نہ کر سکے تھے چنانچہ سلیمان بن صرو اور ان کے دوسرے ساتھی مسیّب بن نخبہ بہت نادم اور شرمسار ہوئے اورانہوں نے طے کیا کہ حضرت حسینؓ کے خون کا انتقام لے کر گذشتہ فرو گذاشت کی تلافی کرنی چاہئے۔ چنانچہ سلیمان چار ہزار آدمیوں کو لے کر خونِ حسینؓ کے انتقام کے لئے نکلے یہ جماعت ''توابین'' کہلاتی تھی اس جماعت نے پہلا پڑاؤ ربیع الاول ۶۰ھ میں مقامِ نخیلہ میں کیا۔ یہاں سے قرقیسیا کے قریب عین الوردہ پہنچے عین الوردہ میں شامی لشکر کا مقابلہ ہوا سلیمان نہایت بہادری سے لڑے اور حصین بن نمیر تمامی کے ہاتھوں مارے گئے۔ فرشِ زمین پر گرتے وقت یہ الفاظ زبان پر تھے۔ " فزت برب الکعبۃ فزت برب الکعبۃ " ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا''۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۔ ق ۲ [2] اخبار الطوال۔ ۱۹۸ [3] ایضاً [4] اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸

اسی طرح ابن رسول اللہ ﷺ کے خون کے انتقام میں جان دے کر گذشتہ غلطی کی تلافی کی اور حسینؓ کی محبت کے جرم میں ان کا سر کاٹ کر مروان بن حکم کے پاس بھیجا گیا[1] مقتول ہونے کے وقت ۹۳ سال کی عمر تھی[2]۔

عام حالات : سلیمان بن صرد کوفہ میں رہتے تھے۔ خزیمہ کے محلّہ میں مکان تھا۔ اعزاز اور شرف میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ''کان لہ سن عالیہ و شرف و قدرو کلمتہ فی قومہ'' یعنی ''وہ سن رسیدہ صاحب مرتبہ و شرف اور اپنے قوم میں با اثر تھے'' ۔ نیکی، فضل و کمال اور عبادت و ریاضت میں بھی بلند مرتبہ تھے[3]۔

(۵۶) حضرت سواد بن قاربؓ

نام و نسب : سواد نام، باپ کا نام قارب تھا۔ یمن کے مشہور قبیلہ درس سے نسبی تعلق تھا، زمانہ جاہلیت میں کہانت کا پیشہ کرتے تھے۔

اسلام : ہجرت مدینہ کے زمانہ میں خواب میں ظہور نبوی ﷺ کی بشارت ملی، رویائے صادقہ دل میں اثر کر گیا فوراً وطن سے مکہ روانہ ہو گے، راستہ میں خبر ملی کہ جس گوہر مقصود کی تلاش میں نکلے ہیں وہ مدینہ جا چکا، یعنی آنحضرت ﷺ ہجرت فرما چکے یہ خبر سنکر راستہ ہی سے مدینہ لوٹ پڑے وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو پوچھا معلوم ہوا مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اونٹ بٹھا کر مسجد پہنچے آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) کچھ میری داستان بھی سنی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا قریب آکر بیان کرو، چنانچہ پاس جا کر انہوں نے پوری سرگذشت سنائی اور اسی وقت خلعت اسلام سے سرفراز ہو گئے، ان کے اسلام سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو اتنی مسرت ہوئی کہ ان کے چہروں پر خوشی کا رنگ دوڑ گیا[4]۔ اس غیر معمولی مسرت کا سبب یہ تھا کہ عربوں میں کاہنوں کی بڑی وقعت تھی اور انہیں ایک طرح کی مذہبی سیادت حاصل تھی اس لیے عوام پر ان کے اسلام کا اثر بہت اچھا پڑتا تھا۔

حضرت عمرؓ ان کا خواب بڑے ذوق شوق سے سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے، آپ نے پوچھا اب بھی تم کو کہانت میں کچھ دخل ہے، چونکہ اسلام کہانت کا مخالف تھا اور سواد کے زنگ کہانت کو اسلام کے صیقل نے بالکل صاف کر دیا تھا اس لیے اس سوال سے قدرۃً

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۔ ق ۲ [2] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۵۷۴ [3] ایضاً
[4] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۰۹، ۶۱۰ میں یہ واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے۔

سواد کو تکلیف ہوئی، برہم ہو کر جواب دیا، سبحان اللہ خدا کی قسم اس وقت جس طرح آپ نے میرا استقبال کیا ویسا میرے کسی ساتھی نے نہ کیا تھا، حضرت عمرؓ نے اس برہمی پر فرمایا سبحان اللہ جس کفر و شرک میں، ہم مبتلا تھے، وہ تمہاری کہانت سے کہیں بڑھکر تھا (یعنی ہماری اسلام کے قبل کی حالت تم سے بھی بدتر تھی، اس لئے تم کو اس سوال پر بگڑنا نہ چاہئے) میں نے تمہارا واقعہ سنا ہے، وہ مجھ کو بہت عجیب و غریب معلوم ہوا، اس لئے میں اس کو خود تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں، حضرت عمرؓ کی خواہش پر انہوں نے پورا واقعہ سنایا[1]۔

وفات : وفات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

حلیہ : صورۃً نہایت حسین و جمیل تھے۔

فضل و کمال : مذہبی حیثیت سے ان کا کوئی پایہ نہ تھا لیکن زمانۂ جاہلیت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، کہانت میں جو زمانہ جاہلیت کا بڑا معزز علم تھا، ید طولی رکھتے تھے، شاعر بھی تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کو خواب کی داستان نظم ہی میں سنائی تھی[2]۔

(۵۷) حضرت سہیلؓ بن عمرو

نام و نسب : سہیل نام، ابو یزید یہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر ابن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی عامری۔

اسلام سے پہلے : سہیل رؤسائے قریش میں سے تھے اس لئے دوسرے رؤساء کی طرح اسلام اور پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے بڑے دشمن تھے لیکن قدرت کی کرشمہ سازی دیکھو کہ اسی دشمنِ اسلام کے گھر میں عبد اللہ بن سہیل اور ابو جندل بن سہیل جیسے اسلام کے فدائی پیدا ہوئے۔ یہ دونوں دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مشرف باسلام ہوئے اور اسلام کے جرم میں باپ کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے۔ عبد اللہ موقع پا کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے لیکن وہاں سے واپسی کے بعد پھر ظالم باپ کے پنجہ میں اسیر ہو گئے اور جنگِ بدر کے موقع پر رہائی پائی۔ دوسرے بھائی ابو جندل حدیبیہ کے زمانہ تک مشقِ ستم رہے۔

حضرت سہیل اسلام کے ان دشمنوں میں تھے جو دوسروں کا اسلام گوارا نہ کر سکتے تھے تو گھر میں یہ

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۵ [2] حاکم نے مستدرک میں یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

بدعت کس طرح دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ اشاعتِ اسلام نے انہیں اسلام کا اور زیادہ دشمن بنادیا اور وہ اس کی بیخ کنی میں ہر امکانی کوشش کرنے لگے۔ عام مجمعوں میں اسلام کے خلاف تقریریں کرتے اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف زہر اگلتے۔ شیدانِ اسلام یہ معاندانہ رویہ برداشت نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ ارشاد ہو تو سہیل کے دو اگلے دانت توڑ ڈالوں۔ تاکہ آپ ﷺ کے خلاف تقریر نہ کر سکے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے جواب دیا جانے دو ممکن ہے کبھی وہ خوش بھی کر دیں[1]۔

اسلام کی ہر مخالفت میں سہیل پیش پیش رہتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں بھی آگے آگے تھے لیکن جب شکست ہوئی تو مالک بن دخشم نے گرفتار کر لیا لیکن پھر فدیہ دے کر آزاد ہو گئے[2]۔

صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے معاہدہ لکھوانے کی خدمت انہی کے سپرد ہوئی تھی چنانچہ معاہدہ کی کتابت کے وقت جب آنحضرت ﷺ نے اسلامی طرزِ تحریر کے مطابق "بسم اللہ" لکھنا چاہا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم اسے نہیں جانتے ہمارے دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھو۔ مسلمانوں نے کہا ہم یہ نہیں لکھ سکتے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا کہنا مان لیا اور معاہدہ کا مضمون شروع ہوا جب "ھذا ما قاضی علیه محمد رسول اللہ ﷺ" لکھا گیا تو سہیل نے اعتراض کیا اگر ہم محمد کو رسول مانتے تو یہ جھگڑا ہی کاہے کو ہوتا۔ اور ان کو خانہ کعبہ سے روکتے اور ان سے لڑنے کی نوبت کیوں آتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا گو تم مجھے جھٹلا رہے ہو لیکن میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مٹا کر میرا نام لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا میں اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا اس عذر پر آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے مٹا کر "محمد بن عبداللہ" لکھ دیا۔ اس مرحلے کے بعد پھر کتابت شروع ہوئی کہ "قریش مسلمانوں سے خانہ کعبہ کے طواف میں تعرض نہ کریں گے، اور مسلمان اطمینان کے ساتھ طواف کریں گے"۔

سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ یہ معاہدہ اس سال کے لئے نہیں ہے ورنہ عرب کہیں گے کہ ہم کو ہماری مرضی کے خلاف مجبور کیا گیا البتہ آئندہ سال طواف کی اجازت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی مان لیا۔ سہیل نے ایک یہ شرط پیش کی کہ قریش کا کوئی شخص خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اگر مسلمانوں کے پاس بھاگ جائے گا تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا پڑے گا، مسلمانوں نے کہا ہم یہ شرط ہرگز نہیں مان سکتے کہ ایک مسلمان مشرک کے حوالہ کر دیا جائے۔ ابھی یہ دفعہ زیرِ بحث تھی کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل جو

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۸۲ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۲

سہیل کے ہاتھوں میں گرفتار تھے کسی طرح بھاگ کر آ گئے ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں انہیں دیکھ کر سہیل نے کہا محمد شرط پوری کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، مگر ابھی یہ دفعہ تسلیم نہیں ہوئی ہے۔ سہیل نے کہا اگر تم ابو جندل کو حوالہ نہ کرو گے تو ہم کسی شرط پر صلح نہ کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت اصرار کیا مگر سہیل کسی طرح نہ مانے۔ صحابہ نے ابو جندل کو حوالہ کرنے کی بہت مخالفت کی لیکن درحقیقت یہ صلح آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے سہیل کی شرط مان لی اور ابو جندل اسی طرح پابجولاں واپس کر دیئے گئے اور عہد نامہ مکمل ہو گیا[1]۔

۸ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی تو کسی خونریزی کی نوبت نہیں آئی لیکن چند متعصب قریشیوں نے خالد بن ولید کی مزاحمت کی ان مزاحمت کرنے والوں میں سہیل بھی تھے[2]۔ اس مزاحمت میں کچھ آدمی مارے گئے اور مکہ فتح ہو گیا۔

فتح مکہ کے بعد صنادید قریش کی قوتیں پارہ پارہ ہو گئیں اور ان کے لئے دامنِ رحمت ﷺ کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی۔ اس وقت وہی سہیل جنہوں نے دو سال پیشتر حدیبیہ میں من مانی اور فاتحانہ شرائط پر صلح کی تھی بے بس اور لاچار ہو کر گھر کے اندر کنواڑے بند کر کے چھپ رہے اور اپنے لڑکے ابو جندل کے پاس جس پر اسلام کے جرم میں طرح طرح کی سختیاں کی تھیں پیام کہلا بھیجا کہ ''مارے جانے سے پہلے میری جان بخشی کراؤ''۔ ابو جندل لاکھ مشقِ ستم رہ چکے تھے پھر بھی بیٹے تھے اور اسلام نے اس مقدس رشتے کی اہمیت اور زیادہ کر دی اس لئے بلا تامل اس حکم کی تعمیل کے لئے سرخم کر دیا اور خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) ! والد کو امان مرحمت فرمایئے ان کی سفارش پر رحمتِ عالم ﷺ نے سہیل کی تمام خطاؤں سے درگذر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ وہ خدا کی امان میں مامون ہیں بلاخوف وخطر گھر سے نکلیں اور گرد و پیش کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ جو شخص سہیل سے ملے خبردار وہ ان کی طرف نہ لپکے۔ میری عمر کی قسم سہیل صاحبِ عقل و شرف ہیں ان کے جیسا شخص اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ بیٹے نے جا کر باپ کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا۔ یہ شانِ کرم دیکھ کر سہیل کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکل گئے، ''واللہ وہ بچپن میں بھی نیک تھے اور بڑی عمر میں بھی نیک ہیں[3]۔

---

[1] یہ تمام تفصیلات بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل عرب سے ماخوذ ہیں۔ ''رسول اللہ'' مٹانے کا واقعہ بخاری باب عمرۃ القضاء سے لیا گیا ہے۔ [2] ابن سعد حصہ مغازی۔ غزوۂ فتح و سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۸

[3] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۸۱

اسلام : بالآخر آنحضرت ﷺ کے اس عفو وکرم نے یہ معجزہ دکھایا کہ سہیل حنین کی واپسی کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے اور مقامِ جعرانہ پہنچ کر خلعتِ اسلام سے سرفراز ہوئے[1]۔ آنحضرت ﷺ نے ازراہ مرحمت حنین کے مالِ غنیمت میں سے سو اونٹ عطا فرمائے۔ گو فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہے لیکن سہیل اس زمرہ میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ اسلام کے بعد ان سے کوئی بات اسلام کے خلاف ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ "**کان محمودا الاسلام من حین اسلم**"[2]۔

فتنۂ ردہ کی مساعی : چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے مؤلفۃ القلوب ڈگمگا گئے لیکن سہیل کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تذبذب نہ پیدا ہوا اور انہوں نے قبائل مکہ کو اسلام پر قائم رکھنے کی بڑی کوشش کی۔ چنانچہ جب انہوں نے قبائل مکہ میں اسلام سے برگشتگی کے آثار دیکھے تو تمام قبیلہ والوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ :

"برادرانِ اسلام! اگر تم لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے تو وہ دوسرے عالم کو سدھار گئے اور اگر محمد ﷺ کے خدا کی پرستش کرتے تھے تو وہ حی وقیوم اور موت کی گرفت سے بالا ہے۔ برادرانِ قریش! تم سب اخیر میں اسلام لائے ہو اس لئے سب سے پہلے اس کو چھوڑنے والے نہ بنو۔ محمد ﷺ کی موت سے اسلام کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ وہ اور زیادہ قوی ہوگا مجھ کو یقینِ کامل ہے کہ اسلام آفتاب وماہتاب کی طرح ساری دنیا میں پھیلے گا اور سارے عالم کو منور کرے گا یاد رکھو جس شخص نے دائرۂ اسلام سے باہر قدم رکھنے کا ارادہ کیا اس کی گردن اڑا دوں گا"[3]۔

حضرت سہیل کی اس موثر، دل پذیر اور پرجوش تقریر نے مذبذبین کے دلوں کو پھر اسلام پر راسخ کر دیا اور مرکزِ اسلام (مکہ) فتنۂ ارتداد کی وبا سے بچ گیا اس طرح آنحضرت ﷺ کی اس پیشن گوئی کی تصدیق ہوگئی کہ ممکن ہے کہ سہیل سے کبھی پسندیدہ فعل کا ظہور ہو۔

فتنۂ ارتداد کے فرو کرنے میں ان کے گھر بھر نے بلیغ کوشش کی۔ چنانچہ یمامہ کی مشہور جنگ میں سہیل کے بڑے صاحبزادے عبداللہ شہید ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو سہیل کے پاس تعزیت کے لئے ان کے گھر گئے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ شہید اپنے ستر اہلِ خاندان کی شفاعت کرے گا مجھ کو امید ہے کہ میری سب سے پہلے شفاعت کی جائے گی[4]۔

---

[1] ایضاً [2] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۷
[3] یہ تقریر سیرت کی کتابوں میں کسی قدر طویل ہے ہم نے محض خلاصہ نقل کیا ہے۔ [4] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۲

شام کی فوج کشی : شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں جب حضرت عمرؓ نے تمام ممتاز افراد کو جمع کیا تو شیوخِ قریش بھی آئے۔ حضرت عمرؓ سب کو درجہ بدرجہ بلاتے تھے اور گفتگو کرتے تھے۔ چنانچہ سب سے اول متقدمین فی الاسلام مہاجرین اولین کو بلایا اور صہیبؓ، بلالؓ، عمارؓ بن یاسر کو اور دوسرے بدری صحابہ کو شرفِ باریابی بخشا۔ ابوسفیان کی رعونت پر یہ تقدم بہت گراں گزرا انہوں نے کہا آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا ان غلاموں کو اندر بلایا جاتا ہے اور ہم لوگ دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہماری طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ ابوسفیان کی اس بے جانخوت پر سہیل کی حق پسند زبان نے طنزاً کہا، تم لوگ بھی کسی قدر عقل مند ہو تمہارے چہروں پر یہ برہمی کے آثار کیوں ہیں؟ اگر تم کو غصہ کرنا ہے تو خود اپنے اوپر کرو ان کو اور ہماری قوم کو اسلام کی یکساں دعوت دی گئی۔ ان لوگوں نے اس کے قبول کرنے میں سبقت کی اور تم نے تاخیر کی خدا کی قسم جس فضل میں وہ تم سے بازی لے گئے وہ باریابی میں تقدم ہے جس کے لئے تم بگڑ رہے ہو کہیں زیادہ تمہارے لئے سخت اور تکلیف دہ ہونا چاہئے تم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ تم پر سبقت لے گئے اور اب اس کی تلافی کی تمہارے لئے کوئی سبیل باقی نہیں ہے اس لئے اب تم کو جہاد کا یہ موقعہ نہ کھونا چاہیے اس میں شریک ہو شاید خدا تم کو جہاد کی شرکت اور شہادت کا شرف عطا فرمائے۔ یہ سچی اور حقیقت آمیز باتیں کہہ کر دامن جھاڑا اور جہاد میں شریک ہو گئے[1]۔ اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں فوج کے ایک دستہ کے افسر تھے[2]۔

وفات : سعد بن فضالہ جو کہ شام کے جہاد میں سہیل کے ساتھ تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سہیل نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ خدا کی راہ میں ایک گھڑی صرف کرنا گھر کے تمام عمر کے اعمال سے بہتر ہے اس لئے اب میں شام کا جہاد چھوڑ کر گھر نہ جاؤں گا اور یہیں جان دوں گا۔ اس عہد پر اس سختی سے قائم رہے کہ طاعون عمواس میں بھی نہ ہٹے اور ۱۸ھ میں اسی وباء میں شام کے غربت کدہ میں جان دی[3]۔

تلافی مافات : جیسا کہ ناظرین کو سہیل کے ابتدائی حالات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ان کی قبولِ اسلام سے پہلے کی زندگی کا پورا صفحہ سوادِ معصیت سے سیاہ تھا۔ اسلام کی مخالفت، آنحضرت ﷺ پر ناپاک حملے، مسلمانوں کی ایذاءرسانی وغیرہ کوئی ایسا عناد نہ تھا جو انہوں نے اسلام کے خلاف نہ ظاہر کیا ہو۔ اس لئے قبولِ اسلام کے بعد ہمہ تن تلافی مافات میں منہمک ہو گئے۔ چنانچہ جس قدر مال و دولت وہ مشرکین کی حمایت اور اسلام کی مخالفت میں صرف کر چکے تھے اسی قدر اسلام کی راہ میں صرف کیا اور

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۱ [2] طبری۔ ص ۲۰۹۳ [3] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۴۷

جس قدر لڑائیاں کفر کی حمایت میں لڑیں تھیں اتنے ہی جہاد خدا کی راہ میں کئے[1]۔ پھر اپنے پورے گھر کو لے کر شام کے جہاد میں شریک ہوئے اور لڑکی اور ایک پوتی کے علاوہ تمام اولادوں کو اسلام پر فدا کر دیا[2]۔

یہ حسن تلافی کا ایک منظر جہاد فی سبیل اللہ ہے اسی طرح سہیل کی پیشانی مدتوں اصنام مکہ کے سامنے سجدہ ریز رہ چکی تھی اس کی تلافی کے لئے خدائے قدوس کے آستانہ پر اسی قدر جبین سائی کرنی تھی۔ چنانچہ قبولِ اسلام کے بعد وہ ہمہ تن عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ ہوئے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ سہیل بن عمروؓ اسلام کے بعد بکثرت نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور صدقات دیتے تھے۔ صاحب اسد الغابہ کا بیان ہے ''ان روسائے قریش میں جو بالکل آخر یعنی فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، سہیل بن عمروؓ سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا، روزہ رکھنے والا، صدقہ دینے والا اور آخرت میں دوسرے کے اعمال میں تندہی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ شدتِ ریاضت سے سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے، رنگ و روپ بدل گیا تھا، اکثر رویا کرتے تھے، بالخصوص قرآن کی تلاوت کے وقت بہت گریہ طاری رہتا تھا۔ مشہور فاضل صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہتا رہتا تھا[3]۔

جاہلی عصبیت سے نفرت : جاہلیت کے تمام جذبات بالکل فنا ہوگئے تھے ان کے دورانِ تعلیم میں حضرت معاذ بن جبلؓ مکہ سے چلے گئے لیکن انہوں نے تعلیم کا سلسلہ ترک نہ کیا۔ اور معاذؓ کے پاس جا کر پڑھتے تھے۔ ایک دن ضرار بن ازور نے کہا تم اس خزرجی کے پاس کیوں قرآن پڑھنے جاتے ہو! اپنے خاندان کے کسی آدمی سے کیوں نہیں پڑھتے۔ یہ متعصبانہ اعتراض سن کر سہیلؓ نے جواب دیا، ضرار اسی تعصب نے ہماری یہ گت بنائی ہے اور دوسرے ہم سے کتنا بڑھ گئے خدا کی قسم میں ضرور معاذؓ کے پاس جایا کروں گا۔ اسلام نے جاہلیت کے تمام تعصبات اور امتیازات مٹا دیئے اور اسلام کے شرف کی وجہ سے خدا نے ان قبائل کو جو جاہلیت میں بالکل ہیچ تھے بلند مرتبہ کر دیا۔ کاش ہم نے ان کا ساتھ دیا ہوتا تو آج ہم بھی آگے ہوتے میں تو اپنے گھرانے کے مردوں عورتوں بلکہ اپنے غلام عمیر بن عوفؓ تک کے تقدم فی الاسلام کے شرف پر خوش ہوتا ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان ہی لوگوں کی دعاؤں نے مجھے فائدہ پہنچایا ورنہ میں بھی اپنے دوسرے ہمعصروں کی طرح اسلام کے خلاف لڑائیوں میں مارے گئے، ہلاک ہوگیا ہوتا۔ میں بدر، احد اور خندق میں معاندانہ شریک ہوا۔ معاہدۂ حدیبیہ میں نے ہی لکھوایا تھا۔ ضرار جب میں حدیبیہ کے معاہدہ میں

---

[1] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۴۶ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۳ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۴

رسول اللہ ﷺ کی بات کو بار بار رد کرنے اور باطل پر اڑنے کو یاد کرتا ہوں تو مجھے رسول اللہ ﷺ سے شرم معلوم ہوتی ہے[۱]۔

(۵۸) حضرت شیبہ بن عتبہؓ

نام ونسب: شیبہ نام، ابو ہاشم کنیت، نسب نامہ یہ ہے: شیبہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی عبشمی۔ شیبہ کے والد عتبہ اور بہنوئی ابوسفیان اسلام کے بڑے دشمن تھے۔ عتبہ جنگ بدر میں قریشی فوج کے سپہ سالار تھے۔

اسلام: گو شیبہ کا گھرانا اسلام کی دشمنی سے تیرہ و تار ہو رہا تھا لیکن فتح مکہ کے بعد جب روسائے قریش کے لئے کوئی پناہ باقی نہ رہی و شیبہ بھی مسلمان ہو گئے[۲]۔

جنگِ یرموک: عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صدیقی میں کہیں ان کا پتہ نہیں چلتا۔ عہدِ فاروقی میں میدانِ جہاد میں قدم رکھا اور شام کی مشہور جنگِ قادسیہ میں ایک آنکھ شہید ہوئی[۳]۔

وفات: شام کی فتح کے بعد یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں عہدِ عثمانی میں وفات پائی[۴]۔ بعض روایتوں سے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات کا پتہ چلتا ہے۔

فضل وکمال: فضل وکمال کے اعتبار سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ ارباب سیر انہیں فاضل صحابہ میں شمار کرتے تھے[۵]۔ ابووائل اور ابو ہاشم اوسی نے ان سے روایت کی ہے[۶]۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہت بے باک تھے اور کبار صحابہ انہیں ''رجل صالح'' بھلے آدمی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ کہیل بن حرملہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ دمشق آئے اور ابو کلثوم سروی کے مہمان ہوئے ہم لوگ ان سے ملنے کے لئے گئے باتوں باتوں میں ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کا ذکر آیا۔ اس کی تعین میں اختلاف پیدا ہوا۔ ابو ہریرہؓ نے کہا اس مسئلہ میں تم میں بھی اختلاف ہے جس میں ہم لوگوں میں مقام قبا میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے پاس اختلاف ہوا تھا ہم میں ایک رجل صالح ابو ہاشم بن عتبہ بن ربیعہؓ تھے یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت بے باک تھے وہ فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں گئے اور دریافت کر کے واپس آ کر بتایا کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر ہے[۷]۔

دنیاوی ابتلاء پر تأسف: عہدِ نبوی ﷺ کے بعد مسلمانوں کی زندگیاں بہت بدل گئی تھیں۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۲ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۲۸۔ ق اول ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۸
۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۷ ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۲ ۷۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۸

شیبہؓ اسے دیکھ کر روتے تھے۔ایک مرتبہ شیبہؓ بیمار ہوئے ان کے بھانجے امیر معاویہؓ عیادت کے لئے آئے۔ شیبہؓ رونے لگے معاویہؓ نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں ، مرض کی تکلیف ہے یا دنیا چھوڑنے کا غم ہے ؟ کہا یہ کچھ نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ عہد کیا تھا کہ ''ابو ہاشم ممکن ہے تم اس زمانہ تک زندہ رہو جب مسلمانوں میں مال کی کثرت ہوگی ایسے وقت میں تمہارے لئے ایک خادم اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک سواری کافی ہے۔اس ارشاد کے مقابلہ میں اتنا کچھ جمع کر رکھا ہے[1]۔

(۵۹) حضرت شیبہ بن عثمانؓ

نام ونسب : شیبہ نام ، ابوعثمان کنیت ، نسب نامہ یہ ہے : شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبدالعزیٰ ابن عثمان بن عبدالدار بن قصی قرشی عبدری حجبی ۔ خانہ کعبہ کی کلید برداری ان ہی کے گھر میں تھی۔ان کے والد عثمان جنگِ احد میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے گئے۔

اسلام : ان کے اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ فتح مکہ میں مشرف با سلام ہوئے۔دوسری یہ کہ غزوۂ حنین میں ۔لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کی تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کی کنجی عثمان بن طلحہؓ اور شیبہؓ کو واپس کی اور فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قیامت تک تمہارے پاس رہے گی جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا[2]۔

غزوۂ حنین میں اسلام والی روایت کا واقعہ یہ ہے کہ شیبہؓ بھی اپنے اہلِ خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن تھے۔حنین کے دن یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدنیتی سے نکلے اور آپ ﷺ کو غافل پاکر قتل کرنا چاہا آپؐ ہوشیار ہو گئے اور انہیں قریب بلایا۔اس واقعہ سے شیبہؓ بہت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے۔آنحضرت ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا اب تم سے شیطان دور ہو گیا۔اسلام کی صداقت کے لئے یہ واقعہ کافی تھا کہ ایک شخص جان لینے کے لئے بڑھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کی نیت جان جاتے ہیں اور نرم الفاظ میں مخاطب فرماتے ہیں۔چنانچہ شیبہؓ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے[3]۔

غزوۂ حنین : بہر حال حنین میں شیبہؓ اسلام کی حالت میں شریک ہوئے اور بڑے ثبات واستقلال

---

[1] استیعاب ۔جلد ۲ ۔ص ۶۱۷ [2] استیعاب ۔جلد اول ۔ص ۲۰۹ [3] اسد الغابہ ۔جلد ۲ ۔ص ۷

سے لڑے۔ جب مسلمانوں کی عارضی شکست میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت بھی شیبہؓ کے پاؤں ثبات میں لغزش نہ آئی[1]۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ وہ اور شیبہؓ خانہ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس گھر میں جس قدر سونا اور چاندی ہے سب کو مسلمانوں میں تقسیم کردوں گا انہوں نے کہا تم کو اس کا کیا حق ہے جب کہ تمہارے دو ساتھیوں (آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ) نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے استدلال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں ان ہی دونوں کی اقتدا کرتا ہوں[2]۔

امارتِ حج: شیبہؓ بہت دنوں تک زندہ رہے، لیکن کسی سلسلہ میں نظر نہیں آتے، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے زمانہ کا واقعہ ملتا ہے کہ ۳۹ھ میں جب ان دونوں میں کشمکش جاری تھی تو حضرت علیؓ نے قثم بن عباس کو اپنی جانب سے امیر الحج بنا کر بھیجا اور امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ کو، مکہ میں دونوں میں امارت کے بارہ میں اختلاف ہوا اس وقت شیبہؓ موجود تھے حضرت ابوسعیدؓ خدری نے جھگڑا چکانے کے لیے ان کو امیر بنایا، ان کی امارت پر فریقین متفق ہو گئے، چنانچہ ۳۹ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ہوا[3]۔

وفات: امیر معاویہؓ کے آخر عہدِ خلافت ۵۹ھ میں وفات پائی، دو لڑکے مصعب اور عبداللہ یادگار چھوڑے[4]۔

فضل وکمال: فضل وکمال کے لحاظ سے شیبہؓ کا کوئی خاص پایہ نہیں ہے، تاہم حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے خالی نہیں ہیں، ان سے مصعب بن شیبہ نافع بن مصعب، ابووائل عکرمہ اور عبدالرحمٰن بن زجاج وغیرہ نے روایتیں کی ہیں، علامہ ابن عبدالبرؒ انہیں فضلائے مؤلفۃ القلوب میں لکھتے ہیں[5]۔

(۶۰) حضرت صعصعہؓ بن ناجیہ

نام ونسب: صعصعہ نام، باپ کا نام ناجیہ تھا، نسب نامہ یہ ہے: صعصعہ بن عقال ابن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم بن مالک بن حنظلہ بن تمیم تمیمی۔

---

[1] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۹ [2] بخاری باب الاقتداء السنن رسول اللہ [3] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۶
[4] تہذیب الکمال۔ ص ۱۶۸ [5] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۹۷

اسلام سے پہلے ،صعصعہؓ کی فطرت ابتدا سے سلیم تھی،چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں جبکہ سارے عرب میں دختر کشی عام تھی اور لوگ لڑکیوں کو ننگ قرابت سے بچنے کے لیے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے،صعصعہؓ کی آغوش محبت لڑکیوں کی پرورش کے لیے کھلی تھی اور دوسروں کی لڑکیوں کو خرید خرید کر پالتے تھے۔

اسلام : وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آئے۔آنحضرت ﷺ نے اسلام پیش کیا،صعصعہؓ سلیم الفطرت تھے اس لیے بلا تامل قبول کرلیا قبول اسلام کے بعد آپ سے کچھ آیات قرآنی حاصل کیں۔ پھر پوچھا یارسول اللہ(ﷺ)میں نے جاہلیت میں جو اچھے کام کئے ہیں وہ قبول ہوں گئے اور مجھ کوان کا اجر ملے گا؟ فرمایا کون سے اعمال کئے ہیں؟عرض کیا ایک مرتبہ میری دس ماہ کی دو حاملہ اونٹنیاں گم ہوئیں میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر ان کی تلاش میں نکلا راستہ میں دو مکان دکھائی دیئے میں ان میں گیا ایک مکان میں ایک پیر مرد نظر آیا اس کی مجھ سے باتیں ہونے لگیں اتنے میں گھر سے آواز آئی کہ اس کے گھر میں ولادت ہوئی۔اس نے پوچھا کون بچہ ہوا،معلوم ہوا لڑکی۔اس نے کہا اس کو دفن کردو میں نے کہا دفن نہ کرو میں اس کو خریدتا ہوں،چنانچہ میں نے اس کو دو اونٹنیاں،بچوں سمیت اور اپنی سواری کا اونٹ دیکر لڑکی لے لی۔اس طریقہ سے ظہور اسلام تک میں نے تین سو ساٹھ ۳۶۰ دفن ہونے والی لڑکیوں کو فی لڑکی دس۱۰دس۱۰ مہینہ کی دو دو حاملہ اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ دیکر خریدا ہے اس کا مجھے کوئی اجر ملے گا؟آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کو خدا نے اسلام کے شرف سے سرفراز کیا ہے اس لیے ان تمام نیکیوں کا اجر ملے گا[1]۔

حضرت صعصعہؓ کے اعمال حسنہ محض لڑکیوں کو بچانے تک محدود نہ تھے بلکہ وہ غرباء پرور بھی تھے اور غریبوں اور محتاجوں کے لیے ان کا دست کرم ہمیشہ دراز رہتا تھا ضرورت سے جو کچھ بچتا تھا اس کو پڑوسیوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے تھے،ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ(ﷺ) میرے پاس ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے اس کو میں پڑوسیوں اور مسافروں کے لیے رکھ چھوڑتا ہوں۔ فرمایا پہلے ماں،باپ بھائی،،بہن اور قریبی رشتہ داروں کو دیا کرو[2]۔

وفات : وفات کے زمانہ کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

اولاد : مشہور شاعر فرزدق ان کا پوتا تھا چنانچہ اس نے اس فخریہ شعر

و جدّی الذی منع الوائدات فاحیا الوئید فلم توار

میں صعصعہؓ ہی کے کارنامہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

[1] اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۲۱ [2] مستدرک حاکم۔جلد ۳۔ص ۶۲۰

(۶۱) حضرت صفوان بن اُمیہؓ

نام ونسب : صفوان نام، ابووہب کنیت، نسب نامہ یہ ہے، صفوان بن امیہ بن خلف بن وہب ابن جمح قرشی۔ زمانہ جاہلیت میں صفوان کا خاندان نہایت معزز اور مفتخر تھا، ایسا یعنی تیروں سے پانسہ ڈالنے کا عہدہ ان ہی کے گھر میں تھا کوئی پبلک کام اس وقت تک نہ ہوسکتا تھا جب تک پانسہ سے اس کا فیصلہ نہ ہوجائے۔

قریش کے دوسرے معززین کی طرح صفوانؓ کا باپ امیہ بھی اسلام کا سخت مخالف تھا۔ حضرت بلالؓ اسی کی غلامی میں تھے جن کو وہ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے بڑی عبرت انگیز سزائیں دیتا تھا۔ بدر میں اس کا سارا کنبہ مسلمانوں کے استیصال کے ارادہ سے نکلا۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے اُمیہ کی حفاظت کا ذمّہ لیا تھا لیکن میدانِ جنگ میں حضرت بلالؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ یہ چلائے کہ دشمنِ اسلام اُمیہ کو لینا ان کی آواز پر مسلمان چاروں طرف سے اُمیہ پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بچانے کے لئے اُمیہ کے اُوپر لیٹ گئے لیکن بلالؓ کی فریاد کے سامنے ان کی کسی نے نہ سنی اور تیروں سے چھید چھید کر اُمیہ کا کام تمام کردیا۔ اس کی مدافعت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی زخمی ہوئے[1]۔

بدر میں مشرکین کی شکست اور باپ کے قتل نے صفوانؓ کو بہت زیادہ مشتعل کردیا۔ ایک دن یہ اور عمیر بن وہب بیٹھے ہوئے۔ بدر کے واقعات کا تذکرہ کررہے تھے صفوانؓ نے کہا مقتولین بدر کے بعد زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ عمیرؓ نے جواب دیا سچ کہتے ہو کیا کہیں اگر قرض کا بار نہ ہوتا اور بال بچوں کے مستقبل کی فکر نہ ہوتی تو محمد ﷺ کو قتل کرکے یہ قصہ ہی ختم کردیتا۔

صفوانؓ باپ کے خون کے انتقام کے لئے بیتاب تھے، بولے یہ کون سی بڑی بات ہے میں ابھی تمہارا قرض چکائے دیتا ہوں رہا اہل وعیال کا معاملہ تو ان کے متعلق بھی یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے بعد اپنے بال بچوں کی طرح ان کی کفالت اور خبر گیری کروں گا۔ چنانچہ عمیر کو آمادہ کرکے انہیں ایک زہر میں بجھی ہوئی تلوار دے کر آنحضرت ﷺ کا قصہ چکانے کے لئے مدینہ بھیجا مگر مدینہ پہنچنے کے بعد جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے تو یہ راز فاش ہوگیا اور عمیر مسلمان ہوگئے[2]۔

---

[1] بخاری کتاب الوکالہ [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ عمیر بن وہب

اس سازش کی ناکامی کے بعد صفوانؓ نے جن جن کے اعزہ بدر میں مارے گئے تھے انہیں ساتھ لے کر ابوسفیان کو بدلہ لینے پر آمادہ کیا۔ اس کا نتیجہ احد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ابوسفیان مسلمانوں کی عارضی شکست کے بعد مکہ واپس ہورہا تھا مگر پھر یہ خیال کر کے کہ اس وقت مسلمان کمزور ہیں ان سے پورا بدلہ لینا چاہا لیکن صفوانؓ نے کہا کہ اس مرتبہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے آئندہ خلاف نتیجہ نکلے اس لئے لوٹنا مناسب نہیں ہے ان کے سمجھانے پر ابوسفیان لوٹ آیا[1]۔

۳ھ میں بعض نومسلم قبائل کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لئے قاری صحابہ کی ایک جماعت بھیجی تھی۔ راستہ میں بنی لحیان نے ان پر حملہ کر دیا اس حملہ میں چند صحابہ شہید ہوئے اور چند زندہ گرفتار کئے گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں ایک صحابی زید بن دثنہؓ تھے انہیں بیچنے کے لئے مکہ لایا گیا صفوان نے خرید کر اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کیا[2]۔

اس کے بعد صفوان کو اسلام سے پہلی سی پرخاش باقی نہ رہی بلکہ اندرونی طور پر وہ متاثر ہونے لگے چنانچہ ۷ھ میں جب غزوۂ خیبر پیش آیا تو دوسرے آلاتِ حرب تو مسلمانوں کو مہیا ہو گئے لیکن زرہیں نہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے صفوانؓ سے مانگ بھیجیں انہوں نے کہا عاریۃً یا غصباً، فرمایا عاریۃً۔ چنانچہ صفوانؓ نے چند زرہیں عاریۃً دیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے جیسے دشمنِ اسلام کی جانب سے اس کی امداد کا کوئی کام ہوا ان زرہوں میں سے غزوۂ خیبر میں چند ضائع ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے تاوان دینا چاہا لیکن صفوانؓ نے قبول نہ کیا اور کہا یا رسول اللہ (ﷺ) آج اسلام کی جانب میرا میلان ہو رہا ہے[3] لیکن قومی عصبیت نے اس میلان کو دبا دیا اور فتح مکہ میں مسلمانوں سے مزاحم ہوئے[4]۔

فتح مکہ کے بعد جب روسائے قریش کا شیرازہ بکھر گیا اور ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئیں تو ان میں سے اکثر آنحضرت ﷺ کے لطف و کرم اور عفو و درگزر کو دیکھ کر مشرف باسلام ہو گئے اور بعضوں نے اپنی گذشتہ کرتوتوں کے خوف اور بعضوں نے تعصب کی وجہ سے راہ فرار اختیار کی۔ صفوانؓ نے بھی جدہ کا راستہ لیا ان کے عزیز اور قدیم رفیق عمیر بن وہبؓ نے جو بدر کے بعد ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ سردارِ قوم صفوان بن امیہ آپؐ کے خوف سے بھاگ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ مامون ہیں۔ عمیر نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) جان بخشی کی کوئی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۲۔ص ۱۱۷ [2] سیرت ابن ہشام۔ جلد۲۔ص ۶۱
[3] مسند احمد بن حنبل۔ جلد۳۔ص ۴۰۱ [4] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۲۔ص ۳۳۸

نشانی مرحمت ہو آپ ﷺ نے ردائے مبارک دی کہ وہ اسے دکھا کر صفوان کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس بلا لائیں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو فبہا ورنہ انہیں غور کرنے کے لئے دو مہینہ کی مہلت دی جائے۔ عمیر ردائے مبارک لے کر صفوانؓ کی تلاش میں نکلے اور انہیں رداد دکھا کر مدینہ واپس لے آئے اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجمع عام میں بلند آواز سے پوچھا محمد ﷺ، عمیر بن وہبؓ نے مجھ سے تمہاری چادر دکھا کر کہا ہے کہ تم نے مجھ کو بلایا ہے اور مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر میں پسند کروں تو اسلام قبول کر لوں ورنہ دو مہینہ کی مہلت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو وہب سواری سے اترو۔ انہوں نے کہا جب تک صاف نہ بتاؤ گے نہ اتروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو کے بجائے تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے[1]۔

اس عفو و درگذر اور نرمی و ملاطفت کے بعد بھی صفوان اپنے مذہب پر قائم رہے لیکن اسلام کے ساتھ کوئی پرخاش باقی نہیں رہی چنانچہ اس کے بعد ہی جنگِ حنین اور طائف ہوئی۔ اس میں بھی انہوں نے اسلحہ سے مسلمانوں کی مدد کی اور خود بھی دونوں لڑائیوں میں شریک ہوئے[2]۔ آنحضرت ﷺ نے حنین کے مالِ غنیمت میں سے سو اونٹ انہیں مرحمت فرمائے[3]۔ یہ لطف و مرحمت دیکھ کر صفوانؓ نے کہا ایسی فیاضی نبی ہی کر سکتا ہے[4] ان کی بیوی ان سے پہلے مشرف باسلام ہو چکی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے دونوں میں تفریق نہیں کی[5]۔

اسلام : آنحضرت ﷺ کے اس طرزِ عمل سے متاثر ہو کر غزوۂ طائف کے چند دنوں بعد مشرف باسلام ہو گئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی[6]۔

مدینہ کی ہجرت اور واپسی : صفوانؓ تاخیرِ اسلام کی وجہ سے ہجرت کا شرف حاصل نہ کر سکے تھے کسی نے ان سے کہا جو ہجرت کے شرف سے محروم رہا وہ ہلاک ہو گیا۔ صفوانؓ یہ سن کر ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے[7] اور حضرت عباسؓ کے یہاں اترے آنحضرت ﷺ کو ان کی ہجرت کی خبر ہوئی تو فرمایا فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے اور صفوانؓ سے پوچھا کس کے یہاں اترے ہو؟ عرض کی عباس کے یہاں۔ فرمایا ایسے قریش کے ہاں جو قریش کو بہت زیادہ محبوب رکھتا ہے پھر انہیں مکہ واپس جانے کا حکم دیا اس حکم پر صفوانؓ مکہ واپس آ گئے اور بقیہ زندگی مکہ ہی میں بسر کی[8]۔

---

1. سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۴۷ او موطا امام مالک۔ ص ۱۱۷
2. موطا امام مالک۔ ص ۱۱۷
3. سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۰ و استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۲۸
4. موطا امام مالک۔ ص ۱۱۷
5. ایضاً
6. ایضاً ۳۵۳
7. استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۲۸
8. ایضاً

جنگِ یرموک : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سلسلہ کی مشہور جنگِ یرموک میں ایک دستہ کے افسر تھے[1]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی[2]۔ وفات کے بعد دولڑکے امیہ اور عبداللہ یادگار چھوڑے۔

فضل وکمال : فضل وکمال کے لحاظ سے کوئی خاص مرتبہ نہ تھا تاہم احادیث سے ان کا دامنِ علم یکسر خالی نہیں ہے۔ امیہ، عبداللہ، صفوان بن عبداللہ، حمید بن عبداللہ، حمید بن حجیر، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، عکرمہ اور طارق بن مرقع وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں[3]۔ البتہ اس عہد کے دوسرے ممتاز علوم میں کمال رکھتے تھے چنانچہ خطابت، فصاحت وبلاغت میں جو اس عہد کے کمالات تھے۔ صفوانؓ کا شمار بلغائے عرب میں تھا[4]۔

عام حالات : فیاضی اور سیر چشمی ان کی فطرت میں تھی۔ زمانۂ جاہلیت ہی سے وہ قریش کے فیاض اور عالی حوصلہ لوگوں میں تھے اور ان کا دسترخوان لوگوں کے لئے صلائے عام تھا[5]۔

(۶۲) حضرت صفوانؓ بن معطل

نام ونسب : صفوان نام، ابوعمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے : صفوان بن معطل بن رحضہ بن خزاعی بن خارب بن مرہ بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بھثہ بن سلیم بن منصور سلمی۔

اسلام : ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے[6]۔

غزوات : قبولِ اسلام کے بعد سب سے اول غزوۂ مریسیع میں شریک ہوئے۔ خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ سریۂ عرنیین میں پیش پیش تھے[7]۔ غزوات میں عموماً ''ساقہ'' یعنی فوج کے اس حصہ پر مامور ہوتے تھے جو فوج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے تاکہ فوج کے بھولے بھٹکے ہوئے آدمیوں اور گری پڑی ہوئی چیزوں کو ساتھ لیتا چلے۔ غزوۂ بنی مصطلق میں بھی صفوان اس خدمت پر مامور تھے اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ چھوٹ گئیں تھیں چنانچہ صفوان انہیں ساتھ لیتے آئے۔ منافقین نے اس کو بہت مکروہ صورت میں مشتہر کیا۔ لیکن کلامِ پاک نے اس افتراء پردازی کا پردہ چاک کردیا۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے صفوان کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی تھی۔ "ما علمت منه الا خیرًا" میں ان کی بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا[7]۔

---

[1] طبری۔ ص ۳۰۹۳ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۹ [3] تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۴
[4] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۷ [5] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۹ [6] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۱۸
[7] بخاری کتاب التفسیر باب قوله عز وجل ان الذین جاؤ ابا لافک عصبة منکم الخ

بعض صحابہ جن میں حسان بن ثابتؓ بھی تھے منافقوں کے فریب میں آ گئے۔ صفوانؓ نہایت باحمیت تھے اور پھر ام المومنین کا معاملہ تھا اس لئے قدرۃً انہیں تکلیف پہنچی اور جوشِ حمیت میں انہوں نے حسانؓ پر تلوار چلا دی۔ حسانؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ ﷺ نے اس کے معاوضہ میں حسان کو کھجور کا ایک باغ دلوا دیا[1]۔

عہد خلفاء: حضرتؓ کے عہد خلافت ۱۷ھ میں آرمینیہ کی فوج کشی میں شریک ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی معرکہ میں جام شہادت پیا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے امیر معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ تھے، اور روم کی معرکہ آرائیوں میں شریک ہوئے، ان ہی میں سے کسی معرکہ میں ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی[2]۔

وفات: غرض باختلاف روایت ۱۷ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال: صفوانؓ کو مذہبی معلومات کی بڑی تلاش وجستجو رہتی تھی۔ جن چیزوں سے ناواقف ہوتے تھے اسے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ سے ایسے مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، جن سے آپ واقف ہیں مگر میں ناواقف ہوں فرمایا پوچھو، عرض کی شب وروز میں کوئی وقت ایسا بھی ہے، جس میں نماز مکروہ ہو اس استفسار پر آپ ﷺ نے تینوں مکروہ اوقات مفصل بتائے[3]۔

گو صفوان سے بہت کم روایتیں ہیں تاہم وہ فضل وکمال کے لحاظ سے صحابہ کی جماعت میں ممتاز شمار کئے جاتے تھے، علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کَانَ خیرا فاضلاً[4]، شاعر بھی تھے مگر عام طور سے شاعری نہیں کرتے تھے جب کوئی خاص موقع آتا تھا تو اشعار موزوں ہو جاتے تھے۔ حسان بن ثابتؓ پر وار کرتے وقت بھی دو شعر کہے تھے[5]۔

شجاعت: شجاعت وبہادری میں بہت ممتاز تھے اور اس زمانہ کے مشہور بہادروں میں شمار تھا[6]۔

(۶۳) حضرت ضحاکؓ بن سفیان

نام ونسب: ضحاک نام، ابو سعد کنیت، ''سیافِ رسول ﷺ'' لقب، نسب نامہ یہ ہے: ضحاک بن سفیان ابن عوف کعب بن ابی بکر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ عامر کلابی مدینہ کے قریب بادیہ میں رہتے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد۳۔ ص۲۶ [2] ایضاً استیعاب۔ جلد اول۔ ص۳۲۹ [3] مستدرک حاکم۔ جلد۳۔ ص۵۸۱
[4] استیعاب۔ جلد اول۔ ص۳۲۹ [5] اسد الغابہ۔ جلد۳۔ ص۲۶ [6] استیعاب۔ جلد ا۔ ص۳۲۹

اسلام وغزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے قبیلہ کے نومسلموں کا امیر بنایا۔فتح مکہ میں جب تمام مسلم قبائل جمع ہوئے تو ان کا قبیلہ بھی نوسو کی جمعیت کے ساتھ آیا آنحضرت ﷺ نے قبیلہ والوں سے مخاطب ہوکر فرمایا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو تمہاری جماعت کو ہزار کے برابر کردے۔یہ کہہ کر ضحاکؓ کو شرفِ امارت عطا فرمایا[1]۔

سریۂ بنی کلاب : ضحاکؓ نہایت شجاع وبہادر تھے۔اس لئے اہم امور کے لئے ان کا انتخاب ہوتا تھا۔چنانچہ ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں ان کے قبیلہ بنی کلاب کی طرف جو سریہ روانہ فرمایا تھا وہ ضحاک ہی کی ماتحتی میں گیا تھا[2]۔

غزوات کے علاوہ بھی وہ ذاتِ نبوی ﷺ کی حفاظت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے اور بعض مواقع پر وہ شمشیر برہنہ آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے ہوتے تھے۔اس صلہ میں بارگاہِ رسالت ﷺ سے ''سیافِ رسول ﷺ'' کا لقب ملا تھا[3]۔

فضل وکمال : فضل وکمال میں کوئی خاص پایہ نہ تھا۔ان سے صرف چار حدیثیں مروی ہیں۔ابن مسیبؒ اور حسن بصریؒ نے ان سے روایت کی ہے[4]۔حضرت عمرؓ ان کے معلومات پر فیصلہ دیا کرتے تھے۔حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقتول کی دیت میں اس کی بیوی کا کوئی حصہ نہیں لیکن ضحاکؓ کی شہادت پر یہ رائے بدل دی[5]۔

(۶۴) حضرت ضرار بن ازورؓ

نام ونسب : ضرار نام،ابوازور کنیت،نسب نامہ یہ ہے : ضرار بن مالک (ازور) بن اوس بن خذیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

اسلام : ضرارؓ اپنے قبیلے کے اصحابِ ثروت میں تھے۔عرب میں سب سے بڑی دولت اونٹ کے گلے تھے ضرار کے پاس ہزار اونٹوں کا گلہ تھا۔اسلام کے جذب وولولے میں تمام مال ودولت چھوڑ کر خالی ہاتھ آستانِ نبوی ﷺ پر پہنچے اور عرض کی[6]۔

ترکت الخمور وضرب القداح ۔۔۔ واللهو تعلله ابتهالا

فیارب لا تقبنن صفقتی ۔۔۔ فقد بعت اھلی ومالی مرالا

---

[1] اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۳۶ [2] ابن سعد حصہ مغازی۔ص ۱۱۷ [3] استیعاب۔جلد اول۔ص ۳۳۶
[4] تہذیب الکمال۔ص ۱۷۶ [5] استیعاب واسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۳۶ [6] اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۳۹

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہاری تجارت گھاٹے میں نہیں رہی[1]۔ قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی صید اور بنی ہذیل کی طرف بھیجا[2]۔

فتنۂ ارتداد : عہدِ صدیقی میں فتنۂ ارتداد کے فرو کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ بنی تمیم کا مشہور مرتد سرغنہ مالک بن نویرہ ان ہی کے ہاتھوں مارا گیا[3]۔ اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں بڑی شجاعت سے لڑی۔ واقدیؒ کے بیان کے مطابق اس بے جگری سے لڑے کہ دونوں پاؤں پنڈلیوں سے کٹ گئے مگر تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔ گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر لڑتے رہے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے مسل کر شہید ہوئے[4]۔

شہادت : مگر یہ بیان بہت مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے اس حد تک یہ واقعہ صحیح ہے کہ ضرارؓ یمامہ کی جنگ میں نہایت سخت زخمی ہوئے تھے مگر شہادت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض یمامہ میں بتاتے ہیں، بعض اجنادین میں اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک زندہ تھے اور شام کی فتوحات میں شرکت کی لیکن موسیٰ بن عقبہ کی روایت کی رو سے اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی۔ یہ روایت زیادہ مستند ہے[5]۔

(۶۵) حضرت ضماد بن ثعلبہؓ

نام ونسب : ضماد نام، باپ کا نام ثعلبہ تھا۔ قبیلہ ازدشنو سے خاندانی تعلق تھا۔ طبابت اور جھاڑ پھونک پیشہ تھا زمانۂ جاہلیت کے آنحضرت کے دوست تھے[6]۔

اسلام : جب مکہ میں اول اول آنحضرت نے توحید الٰہی کی صدا بلند کی تو اس کے جواب میں ہر طرف سے جنون اور دیوانگی کا فتویٰ صادر ہوا۔ اتفاق سے ان ہی دنوں ضمادؓ کسی کام سے مکہ آئے انہوں نے بھی سنا کہ (نعوذ باللہ) محمد جنونی ہو گئے۔ طبابت اور جھاڑ پھونک پیشہ تھا اس لئے گذشتہ تعلقات اور مراسم نے تقاضہ کیا کہ محمد کو ضرور دیکھنا چاہئے ممکن ہے میرے ہاتھوں سے شفا مقدر ہو۔ چنانچہ خدمتِ نبوی میں جا کر کہا محمد میں آسیب کا علاج کرتا ہوں، خدا نے میرے ہاتھوں سے بہتوں کو شفا بخشی ہے اس لئے میں تمہارا علاج کرنا چاہتا ہوں اس ہمدرد کے جواب میں آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں :

---

[1] استیعاب۔ جلد اول، صد ۳۳۸۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۔
[5] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۶۹۔ [6] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۲۔

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينه من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له ، و اشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لا شريک له و اشهد ان محمداً عبده و رسو له"

''تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے استعانت چاہتے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں''۔

یہ آیتیں تلاوت کر کے آنحضرت ﷺ کچھ اور فرمانا چاہتے تھے کہ ضماد نے دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ آپ نے تین مرتبہ پڑھ کر سنایا۔ ضماد نہایت غور و تامل کے ساتھ سنتے جاتے تھے اور ہر مرتبہ دل متاثر ہوتا جاتا تھا۔ جب سن چکے تو کہا میں نے کاہنوں کا سجع سنا ہے، ساحروں کی سحر بیانی سنی ہے، شعراء کا کلام سنا ہے لیکن یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے جو بات اس میں ہے وہ کسی میں نہیں پائی۔ اس کا عمق تو سمندر کی گہرائیوں کی تھاہ لاتا ہے ہاتھ بڑھاؤ اور مجھے اسلام کی غلامی میں داخل کرو۔ اس طریقہ سے عرب کا وہ مشہور طبیب جو جنوں کا علاج کرنے آیا تھا خود اسلام کا دیوانہ بن گیا[1]۔

حضرت ضمادؓ گو بہت ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے تھے لیکن اسلام کے بعد پھر کہیں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ صرف ایک موقع پر ان کا نام آتا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کسی سمت روانہ فرمایا تھا وہ ضماد کے قبیلہ کی طرف سے گذرا تو یہاں سے ایک مطہرہ ملا امیر سریہ نے پوچھا کہ اس قبیلہ سے کچھ ہاتھ لگا ایک شخص نے کہا ایک مطہرہ ملا ہے۔ امیر نے کہا اسے واپس کر دو، یہ ضمادؓ کا قبیلہ ہے[2]۔ اس کے بعد پھر کہیں ان کا پتہ نہیں چلتا۔

(۶۶) حضرت ضمام بن ثعلبہؓ

نام ونسب : باپ کا نام ثعلبہ تھا، قبیلہ بنی سعد سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام سے پہلے : ضمامؓ فطرۃً سلیم الطبع تھے، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی جب سارا عرب طرح طرح کے فواحش میں مبتلا تھا، ضمامؓ کا دامن اخلاق ان سے محفوظ رہا[3]۔

اسلام : ۹ھ میں جب اسلام کا چرچا سارے عرب میں پھیل گیا، اور دور دور سے قبائل مدینہ آنے لگے تو ضمامؓ کے قبیلہ نے انہیں تحقیق حال کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ جس

۱؎ مسلم کتاب الجمعہ قولہ ناعوس۔　۲؎ ایضاً۔　۳؎ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱۔

وقت یہ پہنچے اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، ضمامؓ مسجد کے دروازہ پر اونٹ باندھ کر اندر داخل ہوئے، آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، ضمامؓ سیدھے آپ کے پاس پہنچے اور پوچھا تم میں عبدالمطلب کا پوتا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ہوں، ضمامؓ نے کہا محمد! فرمایا، ہاں اس کے بعد ضمامؓ نے کہا اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے سختی کے ساتھ چند سوالات کروں گا، تم آزردہ نہ ہونا، فرمایا نہیں آزردہ نہ ہوں گا۔ جو پوچھنا چاہتے ہو، پوچھو کہا میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو ہمارا رسول بنا کر بھیجا ہے، فرمایا خدا کی قسم ہاں، کہا میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود تمہارے اگلوں کا معبود اور رتمہارے پچھلوں کا معبود ہے۔ کیا خدا نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ بلا کسی کو شریک کئے ہوئے صرف اس کی پرستش کریں، اور اس کے علاوہ ان بتوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہمارے آباواجداد پرستش کرتے چلے آئے ہیں، فرمایا خدا کی قسم ہاں، پوچھا میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارے اگلوں کا اور تمہارے پچھلوں کا معبود ہے کیا تم کو خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں، آنحضرت ﷺ نے اس کا جواب بھی اثبات میں دیا، ضمامؓ نے اسی طرح روزہ، حج، اور زکوٰۃ اسلام کے تمام ارکان کے متعلق قسم دلا دلا کر سوالات کئے اور آپ ﷺ اثبات میں جواب دیتے رہے، یہ سوالات کرنے کے بعد ضمامؓ نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، اور میں عنقریب ان تمام فرائض کو پورا کروں گا، اور جن جن چیزوں سے آپ نے منع کیا ہے انہیں چھوڑ دوں گا، اور اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہ کروں گا، اس اقرار کے بعد یہ لوٹ گئے، آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر اس گیسوؤں والے نے سچ کہا ہے تو جنت میں جائے گا[1]۔

اپنے قبیلے میں تبلیغ : ضمامؓ بدء فطرت سے طبع سلیم رکھتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی ان کا دامن آلودگیوں سے پاک رہا، اسلام نے اس میں اور جلا دے دی، چنانچہ مدینہ سے واپسی کے بعد انہیں اپنے گمراہ قبیلہ کے اسلام کی فکر ہوئی، اور وہ سیدھے بنی سعد پہنچے اہل قبیلہ ان کی آمد کی خبر سن کر جوق در جوق حالات سننے کے لئے جمع ہوئے یہ لوگ اس خیال میں تھے کہ ضمامؓ کوئی اچھا اثر لے کر نہ آئے ہوں گے، مگر اپنی امیدوں کے برخلاف ضمام کی زبان سے پہلا جملہ یہ سنا، ''لات وعزیٰ کا برا ہو'' محترم دیوتاؤں کی شان میں اس گستاخی پر ہر طرف سے ''ضمام خاموش'' ''ضمام خاموش'' تم کو خوف

---

[1] مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ باب فرض الوضوء والصلوٰۃ۔

نہیں معلوم ہوتا کہ اس گستاخی کی پاداش میں تم کو جنوں، ابرص یا جزام ہوجائے، کی صدائیں اٹھیں، ضمامؓ نے ان تمام کا یہ جواب دیا، تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے، لات عزیٰ کی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے، خدا نے محمد کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور ان پر ایسی کتاب اتاری ہے، جو اس (گمراہی) سے نجات دلائے گی، جس میں اب تک تم گھرے ہوئے ہو میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں محمد کے پاس سے تمہارے لئے ایسا پیام لایا ہوں جس میں انہوں نے بعض چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض چیزوں سے منع کیا ہے"۔ ان کی اس پر جوش تقریر کا یہ اثر ہوا کہ شام تک پورا قبیلہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا[1]۔

فضل وکمال : مذہبی علوم میں ضمامؓ کو کوئی خاص کمال نہ تھا، لیکن فہم وفراست انداز گفتگو اور نمائندگی میں بڑا ملکہ تھا، خود زبانِ وحی والہام نے انہیں سمجھداری کی سند عطا فرمائی تھی، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، کہ ضمام سمجھدار آدمی ہیں، حضرت عمرؓ فرماتے تھے، کہ میں نے ضمامؓ سے بہتر اور مختصر الفاظ میں سوال کرنے والا نہیں دیکھا[2]۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میں نے کسی قوم میں ضمامؓ سے بہتر کوئی فرد نہیں پایا[3]۔

(۶۷) حضرت عامر بن اکوعؓ

نام ونسب : عامر نام، باپ کا نام سنان ہے، دادا کی نسبت سے عامر بن اکوع مشہور ہوئے نسب نامہ یہ ہے، عامر بن سنان بن اکوع بن عبداللہ بن قشیر بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم اسلمی۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ مگر اس قدر معلوم ہے کہ خیبر سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے، اور اس میں وہ آنحضرت ﷺ کا ہم رکاب تھے عامر خوش گلو تھے کسی نے حُدی سنانے کی فرمائش کی، یہ سواری سے اتر کر سنانے لگے۔

اللھم لولا انت مآ اھتدینا　　لاتصدقنا و لا صلینا
فاغفر فدًالک مابقینا　　وثبت الاقدام ان لاقینا
والقین سکینة علینا　　انااذاصیح بنا اتینا
وبالصیاح عولوا علینا

---

[1] مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ باب فرض الوضوء والصلوٰۃ وسیرت ابن ہشام۔ جلد۲۔ ص ۳۶۴، ۳۶۵۔
[2] اصابہ۔ جلد۳۔ ص ۲۷۱۔　　[3] اصابہ۔ جلد۱۔ ص ۳۴۰۔

''اے خدا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے ، نہ ہم صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے ۔ جب تک زندہ ہیں تجھ پر فدا ہوں ، ہماری مغفرت فرما اور ہم دشمنوں کے مقابلہ میں اٹھیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور ہم پر تسلی نازل کر جب ہم فریاد میں پکارے جاتے میں تو ہم پہنچ جاتے ہیں۔ لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر پوچھا یہ سایق کون ہے، لوگوں نے کہا عامر بن اکوع فرمایا خدا ان پر رحم کرے یہ دعا سن کر کسی نے کہا اب ان پر جنت واجب ہوگئی، یا نبی اللہ ابھی ان کی بہادری سے فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ دیا گیا[1]۔

شہادت : خیبر پہنچ کر جب لڑائی کا آغاز ہوا تو عامرؓ نے ایک یہودی کی پنڈلی پر تلوار کا وار کیا، تلوار چھوٹی تھی، یہودی کے نہ لگی اور زور میں گھوم کر اس کا سرا خود ان کے گھٹنے پر لگ گیا، اس کے صدمہ سے وہ شہید ہو گئے، اس طرح کی موت پر لوگوں نے یہ غلط رائے قائم کی کہ یہ خودکشی ہے اس لئے عامرؓ کے تمام افعال برباد ہو گئے، غزوۂ خیبر سے واپسی کے بعد ایک دن آنحضرتؐ عامر کے بھتیجے سلمہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، سلمہؓ اس عام شہرت سے بہت متاثر تھے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا خیر ہے، عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، لوگوں کا خیال ہے کہ عامر کے تمام اعمال باطل ہو گئے، فرمایا جو شخص ایسا کہتا ہے وہ جھوٹا ہے ان کو دوہرا اجر ملے گا[2]۔

(۶۸) حضرت عائذ بن عمروؓ

نام ونسب : عائذ نام، ابوہبیرہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عائذ بن عمرو بن بلال بن عبید بن یزید بن رواحہ بن ربیعہ بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن اد بن طانجہ بن الیاس بن مضر مزنی۔

اسلام : ہجرت کے ابتدائی سنون میں مشرف باسلام ہوئے، صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے، رضوان کے شرف سے بھی مشرف ہوئے[3] لیکن اس کے بعد کسی غزوہ میں ان کا پتہ نہیں چلتا۔

بصرہ کا قیام : بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں گھر بنالیا، اور گوشۂ عزلت میں زندگی بسر کرنے

---

[1] آنحضرت ﷺ جسے رحمت کی دعا دیتے تھے وہ بہت جلد خلعت شہادت سے سرفراز ہو جاتا تھا، اس لئے کہنے والے (بروایت مسلم یہ حضرت عمرؓ تھے) کو اس کا یقین ہو گیا کہ علمبردار اسی لڑائی میں شہید ہو جائیں گے، اس لئے اس نے کہا ہم کو ان کی بہادری سے استفادہ کا موقع کیوں نہ دیا گیا۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔

[3] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۹۸ و بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ۔

لگے کہیں آتے جاتے نہ تھے[۱]۔اور بغیر کسی مجبوری اور خاص ضرورت کے کسی سے ملتے جلتے نہ تھے جب عبید اللہ ابن زیاد کی سخت گیریوں سے اہلِ بصرہ گھبرا گئے، تو عائذؓ کو مجبوراً اسے یہ فرمان رسول سنانے کے لئے نکلنا پڑا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا بدترین گلہ بان وہ ہے جو گلہ کے لئے بیدرد اور درشت ہو اس لئے تم کو ان میں سے نہ ہونا چاہئے[۲]۔

وفات : یزید کے عہد حکومت میں بصرہ میں وفات پائی، ان کی وفات کے زمانہ میں عبید اللہ بصرہ کا گورنر تھا، دستور تھا کہ ممتاز اشخاص کی نمازِ جنازہ والی پڑھایا کرتے تھے۔ عائذؓ کو اس کا نماز جنازہ پڑھانا منظور نہ تھا اس لیے وہ ایک صحابی حضرت ابو برزہؓ کو نماز پڑھانے کی وصیت کرتے گئے تھے۔ اس کی وفات کے بعد عبید اللہ حسب دستور نماز پڑھانے کے لیے نکلا تو راستہ میں اس کو عائذؓ کی وصیت معلوم ہوئی اس لیے کچھ دور جنازہ کی مشایعت کر کے لوٹ گیا[۳]۔

فضل وکمال : عائذؓ آنحضرت ﷺ کے ممتاز صحابہ میں تھے، علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں، **کان من صا لحی الصحابہ**[۴] ان سے سات حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے ایک متفق علیہ ہے[۵]۔ ان کے رواۃ میں معاویہ ابن قرہ، ابو عمران جونی، عامر الاحول، ابو جمرہ ضبعی، حشرج وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے معاصرین ان کے مذہبی معلومات سے استفادہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو جمرہ کو وتر کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، تو انہوں نے عائذ سے سوال کیا، عائذ نے ان کے سوال کا تشفی بخش جواب دیا[۶]۔

(۶۹) حضرت عباسؓ بن مرداس

نام ونسب : عباس نام، ابو الفضل کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عباس بن مرداس بن ابی عامر ابن حارثہ بن عبد بن عبس بن رفاعہ بن حارث بن حی بن حارث بن بہثہ بن منصور اسلمی، عباس اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

اسلام سے پہلے : عباسؓ کی فطرت ابتدا ہی سے سلیم واقع ہوئی تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ سارے عرب میں بادہ وساغر کا دور چلتا تھا، ان کی زبان بادہ ناب کے ذائقہ سے آشنا نہ ہوئی۔

---

۱ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۴۱ ۲ مسلم کتاب الا مارۃ باب فضیلۃ الا مام العا دل وعقوبۃ الجائر الخ

۳ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۔ ق اول ۴ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۰

۵ تہذیب الکمال۔ ص ۱۸۶ ۶ بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ

لوگوں نے پوچھا شراب کیوں نہیں پیتے اس سے جرات وقوت پیدا ہوتی ہے کہا میں قوم کا سردار ہوکر بےعقل بننا نہیں پسند کرتا۔ خدا کی قسم میرے پیٹ میں کبھی وہ چیز نہیں جاسکتی جو عقل وخرد سے بیگانہ بنادے[1]۔

اسلام : عباسؓ کے اسلام کا واقعہ غیبی تلقین کا ایک نمونہ ہے ان کے والد ضماد نام ایک بت کی پرستش کرتے تھے۔ ان سے کہا تم بھی اسے پوجا کرو یہ تمہارے نفع ونقصان کا مالک ہے چنانچہ باپ کے حکم کے مطابق یہ بھی ضماد کو پوجنے لگے۔ ایک دن دورانِ پرستش میں ایک منادی کی آواز سنی جو ضماد کی بربادی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی منادی کررہی تھی۔ عباسؓ سلیم الفطرت تھے اتنا واقعہ تنبیہ کے لئے کافی تھا چنانچہ فوراً پتھر کو آگ میں جھونک دیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگئے[2]۔

غزوات : اسلام لانے کے کچھ دنوں بعد اپنے قبیلے کے نوسو مسلح آدمیوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی امداد کے لئے آگئے۔ پھر فتح مکہ کی مسرت میں انہوں نے ایک پرزور قصیدہ کہا[3]۔

فتح مکہ کے بعد حنین میں شریک ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حنین کے غنیمت میں سے سو اونٹ مرحمت فرمائے[4]۔ حنین کے بعد طائف اور اوطاس کے غزوات میں بھی ساتھ تھے۔ ہر جنگ کے خاتمہ پر پُرزور قصائد کہتے تھے ابن ہشامؒ نے سیرۃ میں یہ قصائد نقل کئے ہیں ان لڑائیوں کے علاوہ غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ جنگ کے زمانہ میں آتے تھے اور اختتامِ جنگ کے بعد پھر لوٹ جاتے تھے[5]۔

وفات : ان کے زمانۂ جاہلیت کی تعیین میں اربابِ سیر خاموش ہیں بصرہ کے صحرا میں قیام تھا اکثر شہر آیا جایا کرتے تھے۔

فضل وکمال :

فضل وکمال کے اعتبار سے کوئی لائقِ ذکر شخصیت نہیں رکھتے تھے تاہم ان کی روایات سے حدیث کی کتابیں بالکل خالی نہیں ہیں ان کے لڑکے کنانہ نے ان سے روایت کی ہے[6]۔

شاعری میں البتہ ممتاز مقام رکھتے تھے۔ غزوات کے سلسلہ میں بڑے پرزور قصائد لکھتے تھے۔ ان کی شاعری میں جوشِ شجاعت کے ساتھ نورِ ہدایت کی بھی جھلک ہوتی تھی۔ اشعارِ ذیل اس کا ثبوت ہیں :

۱؎ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۳ ۲؎ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۳ ۳؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۱۵۔ ق ۲

۴؎ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۳ ۵؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۱۷ ۶؎ تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۰

یا خاتم النباء انک مرسل بالحق کل ھدی السبیل ھداک

اے خاتم المخبرین تم حق کے ساتھ بھیجے گئے ہو اور خدا نے تم کو ہدایت کے تمام راستوں کی راہ دکھادی ہے

ان الا لہ بنی علیک محبۃ فی خلقہ و محمداً اسما کا

خدا نے تم کو اپنی مخلوق کی محبت کی بنیاد قرار دیا ہے اور تمہارا نام محمد رکھا ہے

(۷۰) حضرت عبداللہؓ بن ارقم

نام ونسب : عبداللہ نام، باپ کا نام ارقم تھا۔نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث ابن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ قریشی۔ امام النبی حضرت آمنہؓ ان کے والد ارقم کی پھوپھی تھیں۔

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کا خط آیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا۔ عبداللہ بن ارقم نے اس خدمت کیلئے اپنے کو پیش کیا ان کا لکھا ہوا آنحضرت ﷺ کو بہت پسند آیا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے انہوں نے بھی پسندیدگی ظاہر کی۔اس دن سے عبداللہ مراسلات کی کتاب کی خدمت پر مامور ہو گئے [۱]۔ چنانچہ سلاطین اور امراء کے نام یہی خطوط لکھتے تھے اور جواب بھی یہی دیتے تھے اور اس دیانت کے ساتھ اس فرض کو انجام دیتے تھے کہ پوشیدہ سے پوشیدہ مراسلات ان کی تحویل میں رہتے تھے مگر یہ کبھی کھول کر نہ دیکھتے تھے [۲]۔

عہدِ خلفاء : حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی اس خدمت پر رہے [۳]۔حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اس عہدہ کے علاوہ متعدد خدمتیں عبداللہ بن ارقم کے سپرد کیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے خاص مشیروں میں تھے [۴]۔ بیت المال کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی [۵]۔حضرت عمرؓ ان کا بہت لحاظ کرتے تھے ایک مرتبہ بطور اظہارِ خوشنودی فرمایا اگر تم کو تقدم فی الاسلام کا شرف حاصل ہوتا تو میں کسی کو تمہارے اوپر ترجیح نہ دیتا [۶]۔حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد میں بھی وہ اپنے قدیم عہدہ پر مامور رہے لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد مستعفی ہو گئے [۷]۔

وفات : ۳۵ھ میں وفات پائی۔ آخر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے [۸]۔

---

۱ استیعاب۔جلد اول۔ص ۳۴۸ ۲ مستدرک حاکم۔جلد ۳۔ص ۳۳۵ ۳ ایضاً ۴ ایضاً
۵ اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۱۱۵ ۶ ایضاً۔ص ۱۱۶ ۷ ایضاً ۸ مستدرک حاکم۔جلد ۳۔ص ۳۳۴

فضل وکمال : ان سے چند حدیثیں مروی ہیں۔اسلم عدوی اور عروہ نے ان سے روایت کی ہے[1]۔

خشیتِ الٰہی : خشیتِ الٰہی مذہب کی روح ہے۔عبداللہ میں جس حد تک یہ روح ساری تھی اس کا اندزاہ حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔آپ فرماتے تھے کہ میں نے عبداللہ سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا نہیں دیکھا[2]۔

قومی کام حسبۃً للہ اور بلا معاوضہ انجام دیتے تھے اور اس پر کسی قسم کا صلہ اور انعام لینا نہیں پسند کرتے تھے۔حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب خزانچی کے عہدہ سے استعفیٰ دیا تو حضرت عثمانؓ نے تیس ہزار اور ایک روایت کی رو سے ۳ لاکھ درہم کی رقم بطور معاوضہ پیش کی۔عبداللہؓ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں نے یہ کام حسبۃً للہ کیا ہے وہی مجھ کو اس کا اجر دے گا[3]۔

(۷۱) حضرت عبداللہؓ بن ابی اُمیہ

نام ونسب : عبداللہ نام، باپ کا نام حذیفہ تھا۔نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن ابی امیہ (حذیفہ) ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔ماں کا نام عاتکہ تھا۔عاتکہ عبدالمطلب کی لڑکی تھیں اس رشتہ سے عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھیرے بھائی ہوئے۔اس کے علاوہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے ماں جائے بھائی تھے۔غرض عبداللہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قرابتوں کا شرف حاصل تھا۔

اسلام سے پہلے : عبداللہؓ کا گھرانہ زمانۂ جاہلیت میں بہت معزز مانا جاتا تھا ان کے والد ابوامیہ قریش کے مقتدر رئیس تھے۔فیاضی اور سیر چشمی ان کا خاندانی شعار تھا سفر میں اپنے تمام ہمرائیوں کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے تھے اسی لئے "زاد الراکب" مسافر کا توشہ ان کا لقب ہو گیا[4] آنحضرت ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ مخالفت روسائے قریش کی جانب سے ہوئی ابوامیہ بھی روسائے قریش میں تھے اس لئے وہ اور ان کے لڑکے عبداللہ نے بھی آنحضرت ﷺ کی بڑی مخالفت کی۔عبداللہ رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں سے سخت عناد رکھتے تھے۔

"کان عبد اللہ بن ابی امیہ شدیدًا علی المسلمین مخالفا مبغضًا و کان شدید العداوۃ لرسول اللہ ﷺ"[5]۔

---

[1] تہذیب الکمال۔ص ۱۹۱ [2] اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۱۱۶ [3] اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۱۱۸
[4] اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۱۱۸ [5] استیعاب۔جلد اول۔ص ۳۴۸

آنحضرت ﷺ نے جب اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے وقت ان سے کلمۂ شہادت پڑھنے کی درخواست کی تو عبداللہ ہی نے یہ کہہ کر روکا کہ کیا آخر وقت عبدالمطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے [۱]۔

آنحضرت ﷺ سے بطور استہزاء اور استحالہ کہا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لا سکتا جب تک تمہارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے یا تمہارے لئے کوئی زرنگار محل نہ تیار ہو جائے [۲]۔ سعید روایت کرتے ہیں کہ کلام اللہ کی یہ آیت " لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا "، "ہم اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لا سکتے جب تک ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے"۔ عبداللہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی [۳]۔

اسلام : لیکن بالآخر اسلام کی قوتِ تاثیر نے انہیں بھی کھینچ لیا یا وہ بغض و عناد تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے یا فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے خود بخود بلا کسی تحریک کے آستانِ نبوی ﷺ کی طرف چلے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقامِ ثنیۃ العقاب میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ عبداللہ کے جرائم ان کی نگاہوں کے سامنے تھے اس لئے بلاواسطہ سامنے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اپنی بہن حضرت ام سلمہؓ کو درمیان میں ڈال کر باریابی کی اجازت چاہی ان کی فردعصیاں کا ایک ایک جرم آنحضرت ﷺ کی نگاہوں کے سامنے آ گیا اس لئے آپ ﷺ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے سفارش کی کہ کچھ بھی ہو بہرحال وہ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور سسرالی عزیز بھی ہیں۔ فرمایا، انہوں نے مکہ میں میرے لئے کیا اُٹھا رکھا۔ اس مایوس کن جواب کے بعد عبداللہ نے عالمِ ناامیدی میں کہا اگر عفو و درگذر کا دروازہ قطعی بند ہو چکا ہے تو در بدر پھر کر بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو اس عزم کی خبر ہوئی تو رحم و کرم کی موجوں کے غیظ و غضب کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا اور عبداللہ کو باریابی کی اجازت مل گئی اور وہ خلعتِ اسلام سے سرفراز ہو گئے [۴]۔

غزوات وشہادت : قبولِ اسلام کے بعد تلافی مافات کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں قدم رکھا اور فتح مکہ، حنین اور طائف میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ غزوۂ طائف میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے ایک تیر لگا۔ یہ تیر تیرِ قضا ثابت ہوا اور عبداللہؓ شہادت سے سرفراز ہو گئے [۵]۔

---

۱ بخاری باب الجنائز ۲ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۴۸ ۳ تفسیر ابن جریر طبری۔ جلد ۱۵۔ ص ۱۰۴
۴ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۳ ۵ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۸

(۷۲) حضرت عبداللہ بن بحینہؓ

نام ونسب : عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن مالک قشب بن نضلہ بن عبداللہ بن رافع بن محضب بن مبشر بن صعب بن دھمان بن نصر بن زہراں بن کعب بن حارث بن عبداللہ بن نصر بن ازد واز دی۔

حضرت عبداللہؓ کے والد مالک کسی بات پر ناراض ہو کر اپنا قبیلہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے تھے اور مطلب بن عبد مناف کے حلیف بن کر یہیں بود و باش اختیار کرلی تھی، اور مطلب کی پوتی بحینہ سے شادی کر لی تھی، اسی کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے اور ماں کی نسبت سے عبداللہ بن بحینہ مشہور ہوئے[۱]۔

اسلام : ابن سعد نے مسلمین قبل الفتح کے زمرہ میں لکھا ہے، قبول اسلام کے بعد کسی وقت مکہ سے ترک سکونت کر کے مدینہ سے تیس میل کی مسافت پر، مقام بطن ریم میں متوطن ہو گئے[۲]۔

وفات : یہیں مروان بن حکم کے آخری زمانہ میں وفات پائی[۳]۔

فضائل وکمالات : عبداللہ فضلائے صحابہ میں تھے، زہد و عبادت ان کا مشغلۂ زندگی تھا ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ **کان ناسکا فاضلا یصوم الدھر**[۴]۔

(۷۳) حضرت عبداللہ بن بدرؓ

نام ونسب : عبداللہ نام، ابو بعجہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن بدر بن زید بن معاویہ ابن حسان بن اسعد بن ودیعہ بن مبذول بن عدی بن غنم بن ربعہ بن رشدان بن قیس ابن جھینہ جھنی۔

اسلام : ابن سعد نے مسلمین قبل الفتح کے زمرہ میں لکھا ہے۔ آبائی نام عبدالعزیٰ مشرکانہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبداللہ رکھا[۵]۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک ہجرت کے ابتدائی سنون میں مشرف باسلام ہوئے۔ ان کی روایت کی رو سے ان کا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد عبداللہؓ اور ان کے ماں جائے بھائی ابو مروعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے نام پوچھا۔ عرض کیا ''عبدالعزیٰ'' عزیٰ بت کا بندہ۔ فرمایا نہیں تم عبداللہ خدا کے بندے ہو۔ خاندان پوچھا عرض کیا ''بنی غیان'' گمراہ کی اولاد۔ فرمایا نہیں تم بنی رشدان، ہدایت یاب کی اولاد ہو۔

۱؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۵۔ ق ۲ ۲؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۱ ۳؎ ایضاً
۴؎ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۴۴ ۵؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲

عبداللہ جس وادی میں رہتے تھے اس کا نام "غویاء" تھا، آنحضرت ﷺ نے اسے بھی راشد سے بدل دیا۔ اس طرح عبداللہ کی تمام لغو نسبتوں کو برکت نسبتوں سے بدل دیا۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ احد میں شریک ہوئے[1]۔ پھر حضرت کرز بن جابرؓ فہری کے ساتھ عرنین کا جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا تھا، تعاقب کیا[2]۔ فتح مکہ میں تمام مسلمان قبائل شریک ہوئے ہر قبیلہ کا پرچم علیحدہ علیحدہ تھا، عبداللہؓ کے قبیلہ میں چار پرچم بردار تھے۔ جن میں عبداللہؓ ایک تھے[3]۔

تعمیر مسجد : عبداللہؓ کا ایک گھر مدینہ میں تھا اور دوسرا جہینہ کے کوہستانی بادیہ میں، لیکن عبداللہؓ کا شمار مدنی صحابہ میں تھا۔ مدینہ میں انہوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی یہ مسجد نبوی ﷺ کے بعد دوسری مسجد تھی جو مدینہ میں تعمیر ہوئی[4]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی[5]۔ وفات کے بعد ایک لڑکا معاویہ نامی یادگار چھوڑا۔

(۷۴) حضرت عبداللہ بن بدیلؓ

نام ونسب : عبداللہ نام، باپ کا نام بدیل تھا، نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن ورقاء ابن عبدالعزیٰ خزاعی، عبداللہ کے والد بدیل قبیلہ خزاعہ کے سردار تھے۔

اسلام وغزوات : فتح مکہ سے پہلے اپنے والد بدیل کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ ،حنین طائف اور تبوک وغیرہ غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے[6]۔

عہد فاروقی : عبداللہؓ نہایت حوصلہ مند بہادر تھے، حضرت عمرؓ کے عہد میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے کئے۔ ۲۳ھ میں جب حضرت ابوموسی اشعریؓ قم وقاشان کی مہموں میں مصروف تھے تو حضرت عمرؓ نے عبداللہ کو ان کی مدد کے لے روانہ کیا کہ وہ اصفہان کی مہم اپنے ہاتھ میں لے کر ابوموسی اشعریؓ کا بار ہلکا کریں چنانچہ اسی سنہ میں عبداللہ نے اصفہان کے علاقہ میں پیش قدمی کی اور "جی" نامی قریہ پر حملہ کر کے یہاں کے باشندوں کو مطیع بنا کر ان سے جزیہ وصول کیا "جی" کے بعد اصفہان کا رخ کیا۔ یہاں کے حکمران فادوسفان نے شہر چھوڑ کر نکل جانا چاہا مگر عبداللہ نے اس کا موقع نہ دیا اور

۱۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۹ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲ ۳۔ ایضاً و اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۳
۴۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۹ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۴

آگے بڑھ کر اسے روک لیا، فادوسفان کے ساتھ تیس منتخب بہادر تھے اس نے عبداللہؓ سے کہا بیکار جانوں کو ضائع کرنے سے کیا فائدہ آؤ تنہا ہم تم نپٹ لیں۔ عبداللہ نے منظور کر لیا دونوں کا مقابلہ ہوا، عبداللہ نے نہایت پھرتی سے وار کیا۔ فادوسفان نے خالی دیا اور اس کے گھوڑے کی زین کو کاٹتا ہوا نکل گیا، فادوسفان نے ان کی شجاعت کا اعتراف کیا کہ تم ایسے عقلمند بہادر کو قتل کرنے کو دل نہیں چاہتا میں اس شرط پر شہر حوالہ کرنے کو تیار ہوں کہ یہاں کے باشندوں کو اس امر کی آزادی دیجائے کہ ان میں جس کا دل چاہے، وہ جزیہ دیکر رہے اور جس کا دل چاہے شہر چھوڑ کر چلا جائے۔ عبداللہ نے یہ درخواست منظور کر لی اور فادوسفان نے شہر حوالہ کر دیا۔ اصفہان پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے قرب وجوار کے علاقوں کی طرف بڑھے اور چند دنوں میں پورا علاقہ بہ شمول کوہستان وزرعی اضلاع زیرنگین کر لیا[1]۔

عہدِ عثمانی : ۲۸ھ میں حضرت ابوموسی اشعریؓ نے کرمان کی مہم پر مامور کیا۔ عبداللہ نے طبس اور کرین دو قلعے فتح کئے، ان قلعوں کی تسخیر سے خراسان کا راستہ صاف ہو گیا[2] جسے بعد میں عبداللہ بن عامر نے فتح کیا۔

عہدِ مرتضوی : حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے اختلاف میں حضرت عبداللہ معاویہؓ کے شدید مخالف اور حضرت علیؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے، جب دونوں میں اختلاف شروع ہوا تو عبداللہ نے حضرت علیؓ کے حامیوں کے سامنے یہ تقریر کی۔

> ''امابعد لوگو! معاویہ نے ایک ایسا دعویٰ کیا ہے جس کے وہ ہرگز مستحق نہیں ہیں وہ اس دعویٰ میں ایسے شخص سے جھگڑا کر رہے ہیں جو یقیناً اس کا زیادہ مستحق ہے۔ امیر معاویہ اور اس شخص کا کوئی مقابلہ نہیں۔ معاویہ باطل کو لے کر اٹھے ہیں تا کہ حق کو ڈگمگا دیں۔ لوگو! انہوں نے قبائل اور اعراب کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کے دلوں میں فتنہ وفساد کا بیج بو کر ان سے حق و باطل کی تمیز اٹھا دی ہے۔ خدا کی قسم! تم لوگ یقیناً حق پر ہو، خدا کا نور اور برہان تمہارے ساتھ ہے۔ سرکشوں اور ظالموں کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ اور ان سے جنگ کرو خدا تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کا مزہ چکھائے گا''۔

" قاتلو الفئة الباغية الذين نازعو ا لامر اهله "

''لوگو باغی گروہ سے لڑو جنہوں نے ایک امر کے اہل ومستحق سے جھگڑا کیا ہے''۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۲۰ [2] ایضاً۔ ۴۱۰

تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسے لوگوں سے جہاد کیا ہے خدا کی قسم اس بارے میں ان کی نیت پاک اور اچھی نہیں ہے اس۔ لئے اپنے اور خدا کے دشمنوں کے مقابلے میں اٹھو، خدا تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے گا[1]۔

جنگِ صفیں کے درمیانی التواء کے بعد محرم الحرام کے اختتام کے بعد جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت علیؓ نے عبداللہ کو پیدل فوج کا کمانڈر بنایا۔

شہادت : جنگِ صفین کا سلسلہ مدتوں جاری رہا پوری فوجین میدان میں بہت کم اترتی تھیں۔ عموماً چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے کے مقابلے میں آتے تھے ایک دن عبداللہ بن بدیلؓ اپنا دستہ لیکر اترے۔ شامیوں کی طرف سے ابواعور سلمی ان کے مقابلہ میں آیا۔ صبح سے شام تک نہایت پر زور مقابلہ ہوتا رہا۔ عبداللہ اس بہادری سے لڑتے تھے کہ جدھر رخ کر دیتے تھے شامی کائی کی طرح چھٹ جاتے تھے، ایک حملہ میں زور میں بڑھتے ہوئے امیر معاویہؓ کے علم تک پہنچ گئے امیر نے حکم دیا کہ ان پر پتھر برساؤ اس حکم پر چاروں طرف سے پتھر برسنے لگے اور علیؓ کا یہ جاں نثار پتھروں کی بارش سے شہید ہو گیا[2]۔

(۷۵) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ

نام ونسب : عبداللہ نام، ابوجعفر کنیت، عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی اور حضرت جعفرؓ طیار کے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف قرشی ہاشمی مطلبی۔ ماں کا نام اسماء تھا۔ نہالی شجرہ یہ ہے، اسماء بنت عمیس بن معبد بن تمیم بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن معاویہ بن زید بن مالک بن نسر۔

پیدائش : عبداللہ کے والد حضرت جعفرؓ مہاجرین کے اس زمرۂ اول میں ہیں جنہوں نے مشرکینِ مکہ کے جور وستم سے تنگ آکر سب سے پہلے وطن چھوڑا اور مع بال بچوں کے حبشہ کی غریب الوطنی اختیار کی۔ عبداللہ اسی غربت کدے میں پیدا ہوئے۔ اس وقت تک اور کسی حبشی مہاجر کے بچہ نہ پیدا ہوا تھا اس لحاظ سے عبداللہ حبشی مہاجرین کی جماعت میں پہلے بچہ ہیں جو ارض حبشہ میں پیدا ہوئے۔

۷ھ میں خیبر کے زمانہ میں جعفر حبشہ سے مدینہ آئے اس وقت عبداللہ کی عمر سات برس کی تھی۔ عبداللہ بن زبیر بھی ان ہی کے ہم وصف (یہ مدنی مہاجر کے پہلے بچے ہیں) اور ہم سن تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کمسن صحابیوں سے مسکرا کر بیعت لی[3]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۱ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۸۸ [3] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۴۸

حضرت جعفرؓ کی شہادت اور رسول اللہ ﷺ کی تولیت:

حبشہ کی واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت جعفرؓ نے غزوۂ موتہ میں جام شہادت پیا۔ آنحضرت ﷺ کو سخت قلق ہوا اور عبداللہ کی صغر سنی اور یتیمی کی وجہ سے ان پر غیر معمولی شفقت فرمانے لگے۔ اسی زمانہ میں فرمایا کہ عبداللہ خلقاً اور خلقاً مجھ سے مشابہ ہیں اور ان کا ہاتھ پکڑ کر دعا کی کہ ''خدایا ان کو جعفر کے گھر کا صحیح جانشین بنا اور ان کی بیعت میں برکت عطا فرما، اور میں دنیا اور آخرت دونوں میں آلِ جعفر کا ولی ہوں''۔[1]

آنحضرت ﷺ ہر طرح سے یتیم عبداللہؓ کی دلدہی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے آنحضرت ﷺ اِدھر سے گذرے تو ان کو اٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا[2]۔ اسی شفقت کے ساتھ عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے دامنِ عاطفت میں پرورش پاتے رہے ان کا دسواں سال تھا کہ شفیق بابا کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا۔

عہدِ مرتضوی: خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں عبداللہؓ کمسن تھے۔ اس لئے کہیں نظر نہیں آتے۔ جنگِ صفین میں اپنے دوسرے اہلِ خاندان کے ساتھ اپنے چچا حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور ان کی حمایت میں شامی فوج سے لڑے[3]۔ التوائے جنگ کے عہد نامہ پر حضرت علیؓ کی جانب سے شاہد تھے۔ ابن ملجم نے جب حضرت علیؓ کو شہید کیا تو ان کے قصاص میں عبداللہ ہی نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بدلہ لیا تھا[4]۔

حضرت عبداللہ اور معاویہؓ:

گو عبداللہؓ امیر معاویہؓ کے مخالف تھے اور حضرت علیؓ کی حمایت میں ان سے لڑے تھے لیکن امیر نے اس کا کوئی ناگوار اثر نہیں لیا تھا اور عبداللہ کو بہت مانتے تھے اور ہمیشہ ان کے ساتھ سلوک کرتے رہتے تھے۔ عبداللہؓ اکثر ان کے پاس جایا کرتے تھے امیر معاویہؓ ان کی بڑی خاطر و تواضع کرتے تھے اور نقد و جنس دے کر واپس کرتے تھے بعض بعض مرتبہ ایک ایک مشت لاکھوں کی رقم ان کو دے دی[5]۔

امیر معاویہؓ کی بیوی فاختہ کو عبداللہؓ پر امیر کی یہ نوازشیں سخت ناپسند تھیں اور وہ انہیں عبداللہؓ سے برگشتہ کرنے کے لئے عبداللہ کی عیب جوئی میں لگی رہتی تھیں۔ عبداللہؓ کبھی کبھی گانا سن لیا کرتے تھے۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۹۱
[3] ایضاً۔ ص ۲۲۸ [4] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷ [5] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷

ایک مرتبہ جبکہ عبداللہؓ امیر معاویہؓ کے یہاں تھے رات کو گانا سن رہے تھے، فاختہ نے گانے کی آواز سنی تو انہیں امیر معاویہؓ کو عبداللہؓ کے خلاف بھڑکانے کا موقع مل گیا چنانچہ انہوں نے جا کر امیر سے کہا جسے تم اتنا عزیز رکھتے ہو چل کر دیکھو اس کے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ امیر گئے تو گانا ہو رہا تھا سن کر لوٹ گئے۔ یہ شروع رات کا واقعہ تھا پچھلے پہر کو عبداللہ قرآن کی تلاوت میں مصروف ہو گئے امیر معاویہ کے کانوں میں آواز پہنچی تو بیوی سے جا کر کہا تم نے ہمیں جو سنوایا تھا اب وہ چل کر اس کا جوب سن لو[1]۔

وفات : ۸۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ اموی گورنر آبان بن عثمان نے اپنے ہاتھوں سے غسل دے کر کفن پہنایا اور جنازہ کو کندھا دیا جب جنازہ جنت البقیع کی طرف چلا تو سارے مدینہ میں کہرام مچ گیا غلام گریبانوں کے ٹکڑے اڑا رہے تھے اور عوام ہر طرف سے جنازہ پر ٹوٹ پڑے تھے آبان کو پہلے سے اس ہجوم کا علم تھا اس لئے اس نے جنازہ کے تخت میں اٹھانے کے لئے دو لکڑیاں لگوا دی تھیں اور خود کندھا دیئے ہوئے تھا اس ہجوم میں کسی نہ کسی طرح جنازہ جنت البقیع پہنچا کر خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور جعفر طیارؓ کی آخری یادگار کو پیوندِ خاک کیا آبان عبداللہؓ کے اوصاف سے اس قدر متاثر تھے کہ مٹی دیتے وقت روتے تھے اور کہتے جاتے تھے خدا کی قسم تم بہترین آدمی تھے، تم میں مطلق شر نہ تھا، تم شریف تھے، تم صلہ رحمی کرتے تھے، تم نیک تھے ان کی قبر کا یہ کتبہ مدتوں ان کی یاد دلاتا رہا[2]۔

مقیم الیٰ ان یبعث اللہ خلقه لقاء ک لا یرجی وانت قریب

جب تک خدا اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے آرام سے قبر میں مقیم رہو اگرچہ تم بہت قریب ہو لیکن تم سے ملاقات کی کوئی امید نہیں

تزید بلی فی کل یوم ولیلة وتنسی کما تبلی وانت حبیب

تم شبانہ یوم مٹتے جاتے ہو اور جس قدر مٹتے جاتے ہو بھولتے جاتے ہو حالانکہ تم محبوب ہو

فضل و کمال : آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت عبداللہؓ بہت کمسن تھے ان کی عمر دس سال سے زیادہ نہ تھی تاہم ہر وقت کے ساتھ کی وجہ سے آپ ﷺ کی چند احادیث ان کے حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں جو حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ اسمٰعیل، اسحاق، معاویہ، عروہ بن زبیر، ابن ابی ملیکہ اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے روایت کی ہے[3]۔

اخلاق : اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ "عبداللہ صورۃً اور سیرۃً میرے مشابہ ہیں"۔ عبداللہ کی زندگی اس ارشاد گرامی کی عملی تصدیق تھی۔ آبان ان کی تدفین کے وقت

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۴ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۳۴ [3] تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۳

ان کے یہ اوصاف گنا تا تھا۔ خدا کی قسم تم بہترین آدمی تھے۔ تم میں کسی قسم کا شر نہ تھا، تم شریف تھے تم صلہ رحمی کرتے تھے، تم نیک تھے[1]۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ عبداللہؓ کریم النفس، فیاض، خوش طبع، خوش خلق، عفیف، پاک دامن اور سخی تھے[2]۔

فیاضی: ان تمام اوصاف میں فیاضی اور سخاوت کا وصف بہت غالب تھا۔ سیر چشمی اور دریا دلی ان کے خمیر میں داخل تھی۔ زمانۂ اسلام میں جزیرۃ العرب میں دس فیاض مشہور تھے۔ عبداللہؓ ان میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے اور ان کی فیاضی کو کوئی نہ پہنچ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کی غیر معتدل فیاضی پر کسی نے ٹوکا تو جواب دیا خدا نے میری ایک عادت ڈال دی ہے میں نے اس عادت کے مطابق دوسروں کو بھی عادی بنادیا ہے، مجھ کو ڈر رہے کہ اگر میں یہ عادت چھوڑ دوں تو خدا مجھے دینا چھوڑ دے گا[3]۔

ایک مرتبہ ایک حبشی نے ان کی مدح میں اشعار کہے اس کے صلہ میں انہوں نے اس کو بہت سے اونٹ، گھوڑے، کپڑے اور درہم دینار دیئے۔ کسی نے کہا یہ حبشی اتنے انعام واکرام کا مستحق نہ تھا۔ جواب دیا اگر وہ سیاہ ہے تو اس کے بال سپید ہو چکے ہیں اس نے جو کچھ کہا ہے اس کے لحاظ سے وہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق ہے، جو کچھ میں نے اسے دیا ہے وہ کچھ دن میں ختم ہو جائے گا اور اس نے جو مدح کی ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گی[4]۔

ایک مرتبہ تاجر شکر لے کر مدینہ آئے۔ اس وقت بازار سرد تھا تاجروں کو گھاٹا آیا، عبداللہؓ نے حکم دیا کہ سب شکر خرید کر لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے[5]۔

یزید نے اپنے عہدِ حکومت میں ان کو بہت بڑی رقم بھیجی انہوں نے اسی وقت کھڑے کھڑے کل رقم مدینہ والوں میں تقسیم کر دی اور ایک حبہ بھی گھر نہ آنے دیا۔ عبداللہ ابن قیس نے اس شعر میں

وما كنت الا كالا غرا بن جعفر رای المال لایبقیٰ فا بقیٰ له ذكرا

تم اس معزز ابن جعفر کی طرح ہو جس نے سمجھا کہ مال فنا ہو جائے گا اور اس کا ذکر خیر باقی رہ جائے گا

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے[6]۔

زیاد بن اعجم پانچ مرتبہ ان کے پاس دیتوں میں امداد کے لئے آیا انہوں نے پانچوں مرتبہ ان کی طرف سے دیت ادا کی اس نے ان اشعار میں اپنی منت پذیری کا اظہار کیا[7]۔

۱؎ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۴ ۲؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۴ ۳؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۴
۴؎ ایضاً ۵؎ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۴۹ ۶؎ ایضاً ۷؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷

مالناہ الجزیل فما تدکا واعطی فوق منیتنا دزادا

ہم نے اس سے بہت سا مال مانگا اس نے تامل نہیں کیا اور ہماری امید سے زیادہ دیا

واحسن ثم احسن ثم عدنا فاحسن ثم عدت لہ فعارا

اور اس نے بار بار بھلائی کی اور جب جب ہم اس کے پاس گئے، اس نے بھلائی کا اعادہ کیا

یہ چند واقعات بطور نمونہ لکھ دیئے گئے ورنہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، واخبارہ فی جودہ وحلم وکرمہ کثیرۃ لاتحصی[1]۔

ان غلط بخشیوں کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے چنانچہ حضرت زبیر بنؓ عوام کے دس لاکھ کے مقروض تھے، حضرت زبیرؓ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ بنؓ زبیر نے عبداللہ ابن جعفر سے کہا کہ والد کی یادداشتوں میں دس لاکھ کا قرض تمہارے ذمہ ہے، انہوں نے کہا ہاں بالکل صحیح ہے، میں ہر وقت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں جب چاہے لے لو[2]۔

ناجائز آمدنی سے پرہیز: لیکن ان کثیر اخراجات اور غیر محدود فیاضیوں کے باوجود کبھی ناجائز مال کا ایک حبہ بھی نہ لیتے تھے اور رشوت کی بڑی بڑی رقموں کو ٹھکرا دیتے تھے، ایک مرتبہ دیہی علاقہ کے زمینداروں نے اپنے کسی معاملہ میں انہیں حضرت علیؓ کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، ان کی وساطت سے زمینداروں کے موافق فیصلہ ہوگیا۔ اس صلہ میں انہوں نے چالیس ہزار کی رقم پیش کی عبداللہؓ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا، اور کہا میں بھلائی کو فروخت نہیں کرتا[3]۔

(۷۶) حضرت عبداللہ بنؓ ابی حدرد

نام ونسب: عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن ابی حدرد بن عمیر بن ابی سلامہ ابن سعد بن حساب بن حارث بن عبس بن ہواز بن اسلم اسلمی۔

اسلام وغزوات: ۶ھ کے پہلے کسی وقت مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے، خیبر اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے[4]۔ مالک بن عوف نصری کے حالات کا پتہ لگانے کے لئے جاسوسی کی خدمت ان ہی کے سپرد ہوئی تھی[5]۔ رمضان ۸ھ میں

---

[1] اصابہ۔ جلد۴۔ ص۴۹ [2] اسد الغابہ۔ جلد۳۔ ص۱۳۴ [3] اصابہ۔ جلد۴۔ ص۴۹
[4] ابن سعد۔ جلد۴۔ ص۲۲۔ ق۲ [5] اسد الغابہ۔ جلد۳۔ ص۱۴۱

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوقتادہؓ انصاری کے زیر امارت جو سریہ بطن اضم روانہ کیا تھا[1] اس میں عبداللہؓ بھی تھے[2]۔

وفات: ۷۱ھ میں ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی[3]۔

معاش کی تنگی: حضرت عبداللہؓ معاش کی جانب سے بہت غیر مطمئن تھے، بڑی حسرت اور تنگدستی سے زندگی بسر ہوتی تھی، ایک یہودی کے چار ۴ درہم کے قرض دار تھے، یہ حقیر رقم بھی ادا نہ کر سکتے تھے، یہودی نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے عبداللہ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کرو لیکن ان کے امکان میں کچھ نہ تھا اس لئے معذرت کی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ تاکید کی، پھر عبداللہ نے تنگدستی کا عذر کیا، کہا میں نے اس سے کہہ دیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ مجھے خیبر کی طرف بھیجنے والے ہیں وہاں مال غنیمت ملے گا تو قرض ادا کردوں گا لیکن رسول اللہ ﷺ مکرر تاکید فرما چکے تھے اس لیے عبداللہؓ نے اپنی چادر بیچ کر قرض ادا کیا[4]۔

(۷۷) حضرت عبداللہؓ بن زبعری

نام ونسب: عبداللہ نام، باپ کا نام زبعری تھا، نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن زبعری بن قیس بن عدی بن سہم، بن عمرو بن مصیص قرشی سہمی۔

اسلام سے پہلے: قبول اسلام سے پہلے عبداللہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ ان کا زرومال، ان کی قوت وطاقت، ان کی شاعری اور زبان آوری سب مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے وقف تھی۔ قریش کے بڑے آتش بیان شاعر تھے، اس کا مصرف آنحضرت ﷺ کی ہجو تھی[5]۔ احد کے مشرک مقتولین کا نہایت زبردست مرثیہ کہا تھا، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کا جواب دیا[6]۔

اسلام: فتح مکہ کے بعد جب معاندین اسلام کا جتھا ٹوٹا تو عبداللہ اور ہبیر بن وہب نجران بھاگ گئے۔ عبداللہ حسان بن ثابتؓ پر بہت سے وار کر چکے تھے، عبداللہؓ کے فرار پر انہیں بدلہ لینے کا موقع ملا چنانچہ انہوں نے یہ شعر کہا:

لا تعدمن رجلا احلک بغضہ　　نجران فی عیش احذ لئیم

ایسا شخص معدوم نہ ہو، جس کے بغض نے تم کو نجران کی ناپسندیدہ
اور مکروہ زندگی میں مبتلا کردیا ہے

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۹۶　[2] ایضاً۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۔ ق ۲　[3] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۲
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۵　[5] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۷　[6] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۴۳

حضرت عبداللہؓ نے سنا تو نجران سے لوٹ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے گذشتہ خطاؤں پر سخت نادم وشرمسار تھے۔ آنحضرت ﷺ سے ان کی معافی چاہی آپ ﷺ نے معاف کر دیا اور اب وہی زبان جو کلمۂ شہادت پڑھنے کے قبل تیر ونشتر کی طرح مسلمانوں کے دلوں پر ہجو کے چرکے لگائی تھی، نعت رسول ﷺ کے پھول برسانے لگی تمام ارباب سیر نے ان کے نعتیہ اشعار لکھے ہیں، ہم طوالت کے خیال سے انہیں قلم انداز کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق آنحضرت ﷺ نے نعت کے صلہ میں انہیں ایک حلہ بھی مرحمت فرمایا تھا[1]۔

غزوات: قبول اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے، اور جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا[2]۔

وفات: وفات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

(۷۸) حضرت عبداللہ بن زمعہؓ

نام ونسب: عبداللہ نام، باپ کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن زمعہ بن اسود ابن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قرشی اسدی۔ ان کی ماں قریبہ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن تھیں۔ عبداللہؓ کا گھرانا رؤسائے قریش میں تھا اس لیے دوسرے رؤسائے قریش کی طرح ان کے والد زمعہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے بدر میں مشرکین کے جتھے میں تھے مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے[3]۔

اسلام: عبداللہؓ کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں غالباً فتح کے کچھ دنوں قبل یا اس کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ عبداللہؓ اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ کے بھانجے تھے، اس رشتہ سے کاشانۂ نبوی ﷺ میں بہت آیا جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ ہی میں تھے آپ کے مرض الموت میں حضرت ابوبکرؓ کی غیر حاضری میں انہوں نے حضرت عمرؓ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی تھی[4]۔

وفات: ۶۳ھ میں جنگ دار یا یزید کے عہد حکومت میں حرہ کے واقعہ میں مارے گئے[5] کئی اولادیں تھیں۔ ان میں سے کثیر بن عبداللہ اور یزید بن عبداللہ حرہ کے واقعہ میں کام آئے۔

۱؎ اصابہ تذکرۂ عبداللہ بن زبعری واستیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۷ ۲؎ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۷
۳؎ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶۴ ۴؎ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ص ۷۱ بحوالہ ابوداؤد ۵؎ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۷۱

فضل وکمال: فضل وکمال کے لحاظ سے کوئی لائق ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے لیکن کاشانۂ نبوی ﷺ کی آمدورفت کی وجہ سے چند حدیثیں ان کے کانوں میں پڑی رہ گئی تھیں اس لیے ان کی مرویات سے حدیث کی کتابیں یکسر خالی نہیں ہیں، ان میں ایک حدیث متفق علیہ ہے۔ عروہ بن زبیرؓ، اور ابوبکر بن عبدالرحمٰنؓ نے ان سے روایت کی ہے[1]۔

(۷۹) حضرت عبداللہ بن عامرؓ

نام ونسب: عبداللہ نام، باپ کا نام عامر تھا، نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی عبشمی۔ عبداللہ حضرت عثمانؓ کے قریبی بھائی تھے۔

پیدائش: ان کی پیدائش کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اپنے والد عامر کے اسلام کے بعد جو فتح مکہ کے زمانہ میں، ہوا تولد ہوئے[2]۔ اس صورت میں اُن کی پیدائش ۸ھ یا ۹ھ میں ہوئی لیکن عبداللہ کی آئندہ زندگی کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت کے ابتدائی برسوں میں پیدا ہو چکے تھے، تمام ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ عبداللہ عہد عثمانؓ ۲۹ھ میں ۲۵ سال کی عمر میں بصرہ کے عامل مقرر ہوئے تھے۔ اس حساب سے ان کی پیدائش ۴ھ یا ۵ھ میں ماننی پڑتی ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

بہرحال مدینہ وہ بچپن میں آئے اور حصول برکت کے لے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے، آپ ﷺ نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ یہ اس آب حیوان کو گھوٹ گئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا "یہ مسقی" سیراب کرنے والا ہوگا[3]۔

عہد عثمانی: شیخین کے پورے عہد اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں کم سن تھے اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے انہیں بصرہ کا عامل بنایا گو اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن بڑے حوصلہ مند اور بہادر تھے اس لئے بصرہ کی زمامِ حکومت ان کے ہاتھ میں آتے ہی عجم میں فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ اسی سنہ میں انہوں نے ایران کے غیر مقبوضہ علاقوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور سب سے پہلے اصطخر کو تسخیر کیا اس کے بعد جور کی طرف بڑھے۔ انہیں جور کی طرف متوجہ دیکھ کر اصطخر کے باشندے باغی ہو گئے اور یہاں کے مسلمان حاکم کو قتل کر دیا جور کی واپسی

---

[1] تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۸ و استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۶

[2] تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ تذکرۂ عبداللہ بن عامرؓ [3] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۳۹

کے بعد عبداللہ نے اصطخر کو مطیع بنایا۔ اصطخر کے بعد کاربان اور قیشجان فتح کیا[1]۔ کرمان کا علاقہ ان ہی کے زیر امارت تسخیر ہوا۔ ۲۲ھ میں ابن عامر نے خراسان پر فوج کشی کی اور مختلف حصوں پر علیحدہ علیحدہ آدمی مقرر کئے چنانچہ احنف بن قیس کو قہستان پر مامور کیا۔ انہوں نے ترکوں سے مقابلہ کر کے باختلاف روایت بزور شمشیر فتح کیا یا ترکوں نے ابن عامر کے پاس آ کر صلح کر لی۔ یزید جرشی کو نیشاپور کے علاقہ رستاق زام پر بھیجا انہوں نے ستاق زام، باخرز اور جوبن پر قبضہ کیا سود بن کلثوم کو نیشاپور کے ایک اور رستاق بہق پر مامور کیا تھا۔ یہ اس معرکہ میں شہید ہوئے اور ان کے قائم مقام ادھم بن کلثوم نے بہق فتح کر لیا۔

ایک طرف ابن عامر نے ان لوگوں کو متعین کیا تھا دوسری طرف خود برسر پیکار تھے چنانچہ وہ بست، اشبند، روخ، زادہ، خواف، اسبرائن اور ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے نیشاپور کے پایۂ تخت ابرشہر تک پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کئی مہینہ محاصرہ قائم رہا آخر میں ابرشہر کے ایک حصہ کے محافظوں نے امان لے کر راتوں رات مسلمانوں کو شہر میں داخل کر دیا لیکن شہر کا مرزبان ایک جماعت کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا مگر یہ بھی زیادہ دنوں تک استقلال نہ دکھا سکا اور جان بخشی کرا کے باختلافِ روایت دس لاکھ یا سات لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔

پایۂ تخت کو تسخیر کرنے کے بعد ابن عامر نے عبداللہ بن خازم کو نساء کے علاقہ حمراندز روانہ کیا۔ انہوں نے اس کو فتح کر لیا اور نساء کے فرمان روا نے تین لاکھ درہم پر صلح کر لی۔ ان فتوحات نے قرب و جوار کے رؤساء کو مرعوب کر دیا چنانچہ ابیورد کے حاکم بہمنہ نے خود آ کر یا عبداللہ بن خازم کی کوشش سے چار لاکھ پر صلح کر لی، اس سے ابن عامر کا حوصلہ اور بڑھا اور انہوں نے عبداللہ بن خازم کو سرخس روانہ کیا انہوں نے جا کر اہلِ سرخس کا مقابلہ کیا۔ یہاں کے مرزبان زادویہ نے بھی صلح کر لی اور پورا سرخس کا علاقہ زیرِ نگین ہو گیا۔ سرخس کی تسخیر کے بعد ابن خازم نے یزید بن سالم کو کیف اور بینہ روانہ کیا، یزید نے یہ دونوں مقامات فتح کئے اور طوس کے مرزبان کناز تک نے ابن عامر کے پاس آ کر ۶ لاکھ درہم پر صلح کر لی۔

اس سلسلہ کی تکمیل کے بعد ابن عامر نے اوس بن ثعلبہ کی سرکردگی میں ایک فوج ہراۃ روانہ کی۔ ہراۃ کے فرمان روا کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خود ابن عامر کے پاس پہنچا اور ہراۃ بادغیس اور بوشنج کے لئے جزیہ دے کر صلح کر لی البتہ اس علاقہ کے دو مقام طاغون اور باغون اس صلح نامہ میں داخل نہ تھے

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۱ و فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۴۱۰

کیونکہ یہ دونوں بزور شمشیر فتح ہو چکے تھے۔ایک روایت یہ ہے کہ ابن عامر نے بہ نفس نفیس ہراۃ پر حملہ کیا تھا لیکن اس روایت کی رو سے بھی آخر میں مرزبان سے صلح کر لی تھی۔

ان بڑے بڑے فرمانرواؤں کی مصالحت کو دیکھ کر مرد شاہجہان کے مرزبان نے بھی ابن عامر سے صلح کی درخواست کی۔انہوں نے حاتم بن نعمان کو عقد مصالحت کے لئے بھیجا اور ۲۲ لاکھ پر صلح ہوگئی ایک قریہ سنج کے علاوہ مرد کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہوا۔صرف سنج پر زبردستی قبضہ کیا گیا تھا۔

مرو کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان روانہ کیا انہوں نے مروالروز کے ایک قلعہ کو جو بعد میں قصرِ احنف کے نام سے مشہور ہوا، محاصرہ کیا۔اس کے متعلق ایک بہت بڑا پرگنہ شق الجرذ تھا یہاں کے باشندوں نے بھی پورے پرگنہ پر ۳ لاکھ دے کر صلح کر لی۔اس صلح کے بعد احنف نے اصل شہر مروالروز کا محاصرہ کیا یہاں کے باشندوں نے شروع میں نہایت سخت مقابلہ کیا لیکن انجام کار شکست کھا کر مروالروز کے قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔یہ صورت دیکھ کر یہاں کے مرزبان نے ۶۰ ہزار پر صلح کر لی مروالروز کی فتح کی تفصیلات میں بہت اختلاف ہیں لیکن نتیجہ سب کا احنف کی کامیابی ہے۔مروالروز کو لینے کے بعد احنف لوٹے تو معلوم ہوا کہ مخالفین جوزجان میں جمع ہیں انہوں نے اقرع بن حابس تمیمی کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔اقرع نے جوزجان کو فتح کیا اس کے بعد احنف، طالقان اور فاریاب کو فتح کر کے بلخ پہنچے، اہلِ بلخ نے ۷ لاکھ پر صلح کر لی۔

جب ابن عامر نیشاپور کو فتح کرتے ہوئے نہر جیحون کے اس پار تک پہنچ گئے اور ماوراء النہر کے باشندوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے پیش قدمی کر کے صلح کر لی۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر نے ماوراء النہر کے علاقہ کو عبور کر کے خود ہر ہر مقام پر جا کر عقدِ مصالحت منعقد کیا اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماوراء النہر والوں نے خود آ کر مصالحت کی۔اس مصالحت میں بیشمار مویشی، لونڈی، غلام اور کپڑے ملے۔ماوراء النہر کے علاقہ کو مطیع بنانے کے بعد قیس بن ہثیم کو اپنا قائم مقام بنا کر دارالخلافہ لوٹ آئے[1]۔

حضرت عبداللہ بن عامر کی فتوحات کا رقبہ نہایت وسیع ہے۔ایران کے غیر مفتوحہ علاقوں سے لے کر خراسان اور ماوراء النہر تک کا علاقہ سب ان ہی کی زیرِ قیادت زیرِ نگین ہوا۔علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ عبداللہ نے اطراف فارس خراسان کا پورا علاقہ، اصفہان، حلوان اور کرمان فتح کیا[2]۔ان مذکورہ مقامات کے علاوہ سجستان اور غزنہ بھی ان ہی کے

---

[1] یہ تمام حالات فتوح البلدان بلاذری ص ۴۱۰ تا ۴۱۵ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] استیعاب۔جلد اول۔ص ۳۸۷

زیر امارات فتح ہوئے[1] غرض عہدِ عثمانی میں مشرقی مفتوحات کا بیشتر حصہ ان ہی نے زیرِ نگین کیا۔

حج شکرانہ : ان فتوحات کے بعد حجِ شکرانہ ادا کیا پھر مکہ سے مدینہ آئے اور مالِ غنیمت کا بڑا حصہ مہاجرین وانصار میں تقسیم کیا۔ اس کا اہلِ مدینہ پر بڑا اثر پڑا ان فرائض سے سبکدوش ہو کر پھر اپنے دار الحکومت بصرہ آئے[2]۔

جنگِ جمل : حضرت عثمانؓ کی شہادت تک اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ ایسا الم انگیز تھا کہ غیر متعلق اشخاص تک اس سے سخت متاثر تھے اور عبداللہؓ تو ان کے عزیز قریب تھے اس لئے وہ اس حادثہ کی خبر اور بدامنی کے حالات سن کر بیت المال کا روپیہ لے کر مکہ چلے گئے۔ یہاں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قصاص کی نیت سے شام جانے کا قصد کر رہے تھے۔ ابن عامر نے کہا آپ لوگ میرے ساتھ بصرہ چلئے وہ دولت مند شہر ہے وہاں مددگار بھی ملیں گے اور میرے اثرات بھی ہیں۔ ان کی دعوت پر یہ بزرگوار بصرہ آئے[3]۔ جنگِ جمل میں شروع سے آخر تک ساتھ رہے اس جنگ میں بنی قیس، بنی ثقیف اور انصار کی کمان ہی کے ہاتھوں میں تھی[4]۔

جنگِ صفین : جنگِ صفین میں البتہ کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے تاہم بالکل غیر جانب دار بھی نہ تھے چنانچہ التوائے جنگ پر جو معاہدہ ہوا تھا اس میں بحیثیت شاہد کے ان کے دستخط بھی تھے۔

امام حسنؓ کے مقابلہ میں معاویہ کی حمایت : چونکہ عبداللہ بن عامر حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے اس لئے وہ شروع سے آخر تک حضرت علیؓ کے مخالف رہے۔ چنانچہ آپ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی مسند نشینی کے بعد جب امیر معاویہ نے حضرت حسنؓ پر فوج کشی کی تو مقدمۃ الجیش میں ابن عامر کو بھیجا۔ یہ حضرت حسنؓ کے مقابلہ کے لئے مدائن پہنچے۔ حضرت حسنؓ کو ان کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلہ کو نکلے لیکن مقام ساباط میں پہنچ کر ان کی فوج نے کمزوری دکھائی اور بعض خارجیوں نے حملہ کر کے زخمی کر دیا اس لئے حضرت حسنؓ پھر مدائن لوٹ گئے اور زخم بھرنے تک قصر ابیض میں مقیم رہے۔ شفایاب ہونے کے بعد پھر مقابلہ کے لئے نکلے اور اس دوران میں امیر معاویہؓ بھی انبار پہنچ چکے تھے جب حضرت حسنؓ اور عبداللہ بن عامر بالمقابل ہو گئے تو ابن عامر اس موقع پر ایک چال چلے۔ حضرت حسنؓ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ میں خود لڑنا نہیں چاہتا میری حیثیت محض معاویہ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ خود انبار تک پہنچ چکے ہیں اس لئے حسنؓ کو سلام

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۹۱ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۹۱ [4] اخبار الطوال۔ ص ۱۹۶

کے بعد میرا یہ پیام پہنچادو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم کہ وہ جنگ ملتوی کر دیں۔ان کا یہ افسوں کارگر ہوگیا۔حضرت حسنؓ کے ساتھی یہ پیام سن کر جنگ سے پیچھے ہٹنے لگے۔حضرت حسنؓ نے محسوس کیا تو وہ پھر مدائن لوٹ آئے۔اس کے بعد عبداللہ نے مدائن کا محاصرہ کرلیا حضرت حسنؓ پہلے ہی سے کشت وخون سے برداشتہ خاطر تھے اپنے ساتھیوں کی کمزوری دیکھ کر چند شرائط پر امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔ابن عامر نے یہ شرطیں امیر معاویہؓ کے پاس بھجوادیں انہوں نے تمام شرطیں منظور کرلیں[1]۔

بصرہ کی ولایت : حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد جب عراق بھی امیر معاویہؓ کے قبضہ میں آ گیا اور انہوں نے جدید انتظامات کے سلسلہ میں کسی کو یہاں کا گورنر بنانا چاہا تو عبداللہ بن عامرؓ نے کہا بصرہ میں میرا بہت مال ومتاع ہے اگر میرے علاوہ کوئی دوسرا عامل بنایا جائے گا تو وہ سب ضائع ہوجائے گا چنانچہ معاویہؓ نے ان ہی کو عامل بنایا اور یہ دوبارہ تین سال تک یہاں کے عامل رہے پھر معزول کردیئے گئے[2]۔

وفات : معزولی کے بعد مدینہ چلے آئے۔باختلافِ روایت ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں یہیں وفات پائی[3]

تمول : عبداللہ بن عامرؓ قریش کے بڑے صاحبِ ثروت اشخاص میں تھے۔سینکڑوں فتوحات حاصل کیں ان میں مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ملتا رہا۔دومرتبہ بصرہ کے گورنر ہوئے۔اس میں کافی دولت پیدا کی ان کا لاکھوں روپیہ مختلف کاموں میں لگا ہوا تھا اس کے علاوہ مکہ کے قرب وجوار میں باغات اور زمینیں تھیں[4]۔

فیاضی : خدا نے جس طرح انہیں صاحبِ ثروت بنایا تھا ویسے ہی وہ فیاض بھی تھے۔ **کان احد الا جواد الممدوحین** ۔یعنی وہ عرب کے مشہور ممدوح فیاضوں میں سے ایک فیاض تھے[5]۔حج سے واپسی کے بعد جب مدینہ گئے تو مالِ غنیمت کے حصہ میں سے ہزاروں روپیہ مہاجرین وانصار میں تقسیم کیا[6]۔ان کی وفات پر زیاد اعجم نے ان کی فیاضی کا نہایت پرزور مرثیہ لکھا تھا[7]۔بڑے بڑے صحابہ ان کی فیاضی کے معترف تھے۔حضرت عثمانؓ نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ سے معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ کو مقرر کیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جاتے وقت اہلِ بصرہ کو ان

۱۔ اخبار الطوال ۲۳۰، ۲۳۱۔　۲۔ اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۱۹۲۔　۳۔ تہذیب التہذیب۔جلد ۵۔ص ۲۷۳۔
۴۔ اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۱۹۲۔　۵۔ اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۱۹۲۔　۶۔ ایضاً۔　۷۔ استیعاب۔جلد ۱۔ص ۳۸۸

الفاظ میں عبداللہؓ کی آمد کی اطلاع دی کہ تمہارے پاس قریش کا ایک معزز نوجوان آرہا ہے جو تم میں اس طرح (ہاتھوں سے بتاکر) روپیہ پیسہ برسائے گا[1]۔

انتظامی قابلیت : گو عبداللہ بن عامر مذہبی علوم میں کوئی پایہ نہیں رکھتے تھے، لیکن انتظامی امور میں بڑا ملکہ تھا، وہ جہاں گیری کے ساتھ جہاندار بھی تھے انہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں رعایا کے آرام وآسائش کے لئے بصرہ میں نہر کھدوائی اور بہت سے مکانات خرید کر بازار بنوایا[2]۔ اس کے علاوہ اور بہت سے رفاہ عام کے کام کئے خصوصاً عرب کی خشک سرزمین میں بکثرت پانی روان کیا، عرفات میں حجاج کو پانی کی تکلیف ہوتی تھی، عبداللہ نے بڑے بڑے حوض اور تالاب بنوا کر ان میں نہروں سے پانی اتارا[3]۔ عرفات کے علاوہ مختلف مقامات پر بکثرت کنویں کھدوائے ولہ ابارنی الارض کثیرۃ یہ غالباً آنحضرت ﷺ اس پیش گوئی کا اثر تھا کہ یہ ''مسقی'' سیراب کرنے والا ہوگا[4]۔

(۸۰) حضرت عبداللہ بن عبدنہمؓ

نام ونسب : عبداللہ نام، ذوالبجادین لقب، نسب نامہ یہ ہے عبداللہ بن عبدنہم بن عفیف بن سحیم بن عدی بن ثعلبہ بن سعد بن عدی بن عثمان بن عمرو۔

اسلام : باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا، چچا نے بڑے لطف ومحبت سے پرورش کی، ٹوٹے ہوئے، دلوں میں قبولِ حق کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے عبداللہ کا دل جس میں یتیمی نے بہت گداز پیدا کر دیا تھا، ہوش سنبھالتے ہی اسلام سے متاثر ہوگیا، چچا کافر تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ بھتیجے نے محمد کا مذہب اختیار کر لیا، تو ساری شفقت ومحبت سرد مہری سے بدل گئی اور عبداللہ سے کہا اگر تم نے محمد کا دین قبول کر لیا تو جو کچھ دیا لیا ہے سب چھین لونگا مگر جس دل میں ایمان کی دولت بھر چکی تھی، وہ دینوی مزخرفات کو کیا، دھیان میں لا سکتا تھا عبداللہ نے کہا اگر ایسا ہے تو میں مسلمان ہوں یہ بے باکانہ جواب سن کر چچا نے جو کچھ دیا تھا، سب واپس لے لیا، حتی کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لیے، عبداللہ اسی حالت میں ماں کے پاس پہنچے، ماں کی مامتا سے اس حالت میں نہ دیکھا گیا ایک چادر تھی، اس کے دو ٹکڑے کر کے عبداللہؓ کے حوالے کی، انہوں نے ایک کا تہ بند بنایا اور ایک کی چادر اعزہ اقربا سے ناتہ ٹوٹ چکا تھا، نماز فجر کے وقت مسجد نبوی میں پہنچے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد حسبِ معمول رسول اللہ سے سب مصافحہ کرنے اور آنے والوں پر نظریں دوڑانے لگے، عبداللہؓ پر نظر

---

[1] طبری ولایت عبداللہ بن عامر۔ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۹۲۔ [3] ایضاً۔ [4] مستدرک حاکم۔ جلد

پڑی پوچھا تم کون ہو؟ عرض کی عبدالعزیٰ فرمایا تم عبداللہ ذوالبجادین (دو چادروں والے) ہو، تم میرے دروازہ پر رہا کرو آستانہ نبوی ﷺ کی دربانی سے بڑھ کر کیا شرف ہوسکتا ہے چنانچہ عبداللہ باب نبوی ﷺ پر رہنے لگے، اور جب تک زندہ رہے در کی دربانی نہ چھوٹی[1]۔

وفات : ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے وقت آخر ہو چکا تھا، معمولی بیمار پڑ کر تبوک کے لشکر گاہ میں وفات پا گئے، خود آقائے نامدار ﷺ نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم کے ساتھ مل کر رات کی تاریکی میں مشعل جلا کر قبر کھودی اور اپنے دستِ مبارک سے عبداللہ کی لاش قبر میں اتار کر دعا فرمائی "خدایا میں اس سے راضی تھا تو بھی رضامندی ظاہر فرما، غرض آستان نبوی کا یہ دربان اس قابلِ رشک طریقہ پر سرکارِ دوعالم ﷺ کے ہاتھوں پیوند خاک ہوا، اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں، کہ مجھے عبداللہؓ کی موت پر اتنا رشک آیا کہ دل نے کہا کاش ان کے بجائے میں مرا ہوتا[2]۔

عبادت : عبداللہؒ کا دل سوزِ ایمان اور گدازِ قلب پھکا جاتا تھا، اور آستان نبوی ﷺ ان کی پرسوز تہلیل و تسبیح اور تلاوتِ قرآن سے گونجا کرتا تھا ایک دن حضرت عمرؓ نے کہا کہ یارسول اللہ! یہ ریا کار معلوم ہوتا ہے فرمایا نہیں وہ سوزِ قلب رکھنے والوں میں ہیں[3]۔

(۸۱) حضرت عبداللہ بنؓ مغفل مزنی

نام ونسب : عبداللہ نام، ابوسعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے عبداللہ بن مغفل بن عبد بن عفیف بن سہم بن ربیعہ بن عدی بن ثعلبہ بن ذویب بن سعد بن عدی بن عثمان بن مزنیہ مزنی۔

اسلام : عبداللہ ۶ھ میں مشرف باسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے[4]۔ اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا[5]۔

غزوات : خیبر میں بھی ہمرکاب تھے، اس غزوہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں خیبر کے محاصرہ میں تھا کہ کسی نے اوپر سے چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی پھینکی، میں اٹھانے کے لئے بڑھا آنحضرت ﷺ کی نظر پڑ گئی مجھے اس پر بڑی ندامت اور شرمندگی ہوئی[6]۔ فتح مکہ میں بھی شریک تھے اس غزوہ کا

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۳۔
۲۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۳۔ ص ۳۲۵۔
۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۳۔
۴۔ بخاری کتاب التفسیر باب قول اذیبایعونک تحت الشجرہ۔
۵۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۵۴۔
۶۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔

یہ عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ کو اُونٹنی کے اوپر سوار سورۂ فتح تلاوت کرتے دیکھا[1]۔

۹ھ میں تبوک کا غزوہ پیش آیا اس سال نہایت شدید قحط تھا اس لئے مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آئی۔ صاحب مقدور لوگوں کے علاوہ معمولی حیثیت کے مسلمانوں کے لئے اس غزوہ میں شرکت کی کوئی صورت نہ تھی عبداللہ بن مغفلؓ نادار صحابی تھے ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سامان سفر کی درخواست کی۔ یہاں کیا تھا صاف جواب ملا لیکن جوش جہاد گھر میں بھی بیٹھنے نہ دیتا تھا جب سامان سفر کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو اپنی محرومی پر مایوس ہوکر رونے لگے۔ ایک بزرگ ابن یامین نے روتا دیکھ کر سبب پوچھا، کہا غزوہ تبوک کے لیے رسول اللہ ﷺ سے سواری مانگی تھی مگر نہیں ملی اور مجھ میں اتنی قدرت نہیں کہ اپنے پاس سے سامان کروں۔ یہ سن کر ابن یامین نے سواری کے لیے ایک اُونٹ اور زادراہ کے لیے تھوڑی سی کھجوریں پیش کیں۔ اس مختصر سامان کے ساتھ عبداللہ اور ان کے دوسرے ساتھی عبدالرحمٰن بن کعب غزوہ تبوک میں شریک ہوئے[2] ان ہی ناداروں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی[3]۔

"ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیه تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون"۔ (التوبہ: ۹: ۹۲)

''اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آئے کہ تم ان کے لیے سواری کا انتظام کردو تم نے کہا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے یہ سن کر وہ لوٹ گئے اور خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشکبار تھیں''۔

بصرہ کا توطن : تاحیات نبوی ﷺ مدینہ میں رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب بصرہ آباد کرایا تو عبداللہؓ کو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بصرہ بھیج دیا جہاں وہ آخر عمر تک مقیم رہے[4]۔

عراق کی فوج کشی : عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، خوزستان کے صدر مقام شوستر کی تسخیر کے بعد سب سے پہلے یہی شہر میں داخل ہوئے تھے[5]۔

---

[1] مسلم۔ جلد اول۔ ص ۲۵۶ مطبوعہ مصر
[2] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۶
[3] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۵۴
[4] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۷، ق ۱
[5] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۸

وفات: کافی عمر پانے کے بعد باختلاف روایت ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں بصرہ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے دم آخر اعزہ سے وصیت کی کہ غسل کے آخری پانی میں کافور ملانا اور کفن میں دو چادریں اور ایک قمیص ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا کفن ایسا ہی تھا[1]۔ نہلاتے وقت صرف احباب ہوں رسول اللہ ﷺ کے صحابی غسل دیں جنازہ کے پیچھے آگ نہ روشن کی جائے۔ ابن زیاد (گورنر بصرہ) جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہو وفات کے بعد ان وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے نہلایا، جنازہ گھر سے نکلا تو ابن زیاد انتظار میں کھڑا تھا اس کو عبداللہؓ کی وصیت سنائی گئی۔ اسے سن کر تھوڑی دور جنازہ کی مشایعت کر کے گھر لوٹ گیا[2]۔ حسب وصیت آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور بصرہ کی سرزمین میں پیوند خاک کئے گئے[3]۔

اولاد: وفات کے بعد سات ۷ اولادیں یادگار چھوڑیں[4]۔

فضل وکمال: قبول اسلام کے بعد کئی برس تک ذات نبوی ﷺ سے استفادہ کا موقع ملا تھا اس لئے ان کی ۴۳ مرویات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ۴ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں[5]۔ حمید بن ہلال، ثابت البنانی، مطرب بن عبداللہ معاویہ بن قرہ، عقبہ بن صہبان، حسن بصری، سعید بن جبیر، عبداللہ بن بریدہ[6] وغیرہ ان کے رواۃ میں ہیں۔ گو عبداللہ کی مرویات کی تعداد کم ہے لیکن ان کا علمی اور تعلیمی تجربہ زیادہ تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے جن چھ اصحاب کو اہل بصرہ کی فقہی تعلیم کے لیے بھیجا تھا، ان میں ایک یہ بھی تھے[7]۔

بدعات سے نفرت: عبداللہؓ کو بدعت سے سخت نفرت تھی، جو چیز انہوں نے عہد رسالت ﷺ اور عہد خلفاء میں نہیں دیکھی تھی یا ان کے علم میں نہ تھی اس کو کسی طرح نہیں برداشت کر سکتے تھے، ان کے صاحبزادے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نماز میں بسم اللہ جہر کے ساتھ پڑھی والد نے سن لیا، جب میں نماز تمام کر چکا تو مجھ سے کہا بیٹا اسلام میں باتیں نہ بڑھاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں، ان میں سے کوئی بھی بسم اللہ (بالجہر) کے ساتھ نماز نہیں شروع کرتا تھا۔ یہ واقعہ بیان کر کے لڑکے نے کہا میں نے والد سے زیادہ بدعات کو برا سمجھنے والا نہیں دیکھا[8]۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۸ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۔ ق ۱ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۲
۴۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۴ ۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۱۶ ۶۔ تہذیب الکمال۔ جلد ۶۔ ص ۴۳
۸۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۵۵

(۸۲) حضرت عبداللہ بن وہبؓ

نام ونسب : عبداللہ نام، باپ کا نام وہب تھا، قبیلہ اسلم سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

اسلام : ابن سعدؒ کے نزدیک فتح مکہ سے پہلے کسی وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

عمان کا قیام : قبول اسلام کے بعد کچھ دنوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے پھر عمان چلے گئے، وفات نبوی ﷺ کے وقت یہیں تھے۔ وفات کی خبر پا کر یہ اور حبیب بن زید مزنی دونوں عمرو بن العاصؓ کے پاس چلے۔ راستہ میں مسیلمۂ کذاب ملا اس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور اپنی نبوت منوانی چاہی حبیب نے صاف انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر مسیلمہ نے حبیب کو قتل کر کے ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس عبرت انگیز سزا کو دیکھنے کے بعد بھی عبداللہؓ کے دل پر ہراس نہ طاری ہوا اور بدستور اسلام پر قائم رہے۔ مسیلمہ نے ان پر کوئی تشدد نہیں کیا بلکہ صرف قید پر اکتفا کی۔ ابھی یہ قید ہی تھے کہ خالد بن ولیدؓ اور اسامہ بن زیدؓ مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے پہنچ گئے، عبداللہؓ موقع پا کر نکل گئے اور مسلمانوں سے مل کر مسیلمہ کا نہایت پرزور مقابلہ کیا[1]، لیکن بلاذری کا بیان ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن وہب اور حبیب بن زید کو مسیلمہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا[2]۔ ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مسیلمہ کذاب کے فتنہ نے آپ کی وفات کے بعد شدت پکڑی تھی۔

وفات : وفات کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

(۸۳) حضرت عبیداللہ بن عباسؓ

نام ونسب : عبیداللہ نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عبیداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب ابن ہاشم قرشی ہاشمی۔ ماں کا نام لبابہ تھا۔ نانہالی شجرہ یہ ہے، لبابہ بنت حارث بن حزن ہلالیہ، عبیداللہ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

پیدائش وبچپن : ہجرت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے[3]۔ حضرت عباسؓ کی اولادوں میں عبیداللہ باپ کے بڑے چہیتے تھے[4]۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت عباسؓ سے خاص انس تھا اس لئے ان کے بچوں

---

[1] ابن سعد۔ جلد۴۔ ص۴۶۔ ق۲ [2] فتوح البلدان بلاذری۔ ص۹۹
[3] ابن سعد تذکرۂ عبیداللہ بن عباسؓ [4] مستدرک حاکم۔ جلد۳۔ ص۵۶۷

کے ساتھ آپ ﷺ کو بڑی محبت تھی چنانچہ عبید اللہ اور اکثر تینوں کو بلا کر کھلاتے اور فرماتے تم میں سے سب سے جو دوڑ کر سب سے پہلے مجھ کو چھوئے گا اس کو فلاں چیز دوں گا۔ تینوں بھائی دوڑتے، کوئی پشت مبارک پر چڑھ جاتا، کوئی سینہ سے چمٹ جاتا، آپ ﷺ سب کو چمٹا کر پیار کرتے[1]۔

یمن کی حکومت اور حج کی امارت : عبید اللہ عہد رسالت اور عہد شیخین میں کم سن تھے اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ عہد عثمانی میں بھی کہیں نہیں نظر آتے حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں یمن کا والی بنایا پھر ۳۶ھ اور ۳۷ھ میں امارت حج کا عہدہ تفویض کیا چنانچہ ان دونوں سنوں کا حج عبید اللہ ہی کی امارت میں ہوا۔ بعض ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ۳۸ھ میں بھی امیر الحج تھے، یہ صحیح نہیں ہے ۳۸ھ میں وہ نہیں بلکہ ان کے بھائی قثم میر تھے[2]۔

بچوں کا قتل : ۴۰ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ امیر معاویہؓ کی جانب سے شیعانِ علیؓ کو بجبر مطیع بنانے کے لئے یمن آیا۔ اس وقت عبید اللہ حضرت علیؓ کی جانب سے وہاں کے والی تھے ان میں بسر کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے وہ یمن سے ہٹ گئے ان کے اہل وعیال یہیں تھے۔ بسر نہایت ظالم تھا اور اس کے دل میں حضرت علیؓ کے حامیوں کی طرف سے اس قدر کینہ اور بغض بھرا ہوا تھا کہ عبید اللہ کے دو کمسن بچوں کو ان کی ماں کے سامنے نہایت بے دردی سے قتل کر دیا[3]۔

وفات : زمانۂ وفات میں اختلاف ہے۔ استیعاب کی روایت کے مطابق ۵۸ھ میں وفات پائی[4]۔

فضل وکمال : عبید اللہؓ جس خانوادۂ علم وعمل کے چشم وچراغ تھے اس کے اعتبار سے ان کا کوئی خاص علمی پایہ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں بہت کمسن تھے اس لئے براہِ راست آپ ﷺ سے سماعِ حدیث کا موقعہ نہ ملا۔ تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات ملتی ہیں اور انہوں نے اپنے ولد بزرگوار حضرت عباسؓ سے اور ان سے عبد اللہ اور ابن سیرین نے روایت کی ہے[5]۔

فیاضی : حضرت عباسؓ کے تمام لڑکوں میں کوئی نہ کوئی نمایاں وصف اور کمال موجود تھا۔ حضرت عبد اللہؓ فضل وکمال میں یکتائے عصر تھے۔ فضل حسن وجمال میں یگانہ تھے۔ عبید اللہ فیاضی اور دریا دلی میں بے نظیر تھے ان کے دستر خوان کے لئے ایک اونٹ روزانہ ذبح ہوتا تھا دوسرے بھائی عبد اللہ کو یہ فیاضی ناپسند تھی۔ انہوں نے روکنا چاہا تو اس دن سے دو اونٹ ذبح ہونے لگے۔ جب یہ دونوں بھائی

۱؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد اول۔ ذکر عبید اللہ بن عباسؓ ۲؎ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۱۶

۳؎ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۴۰ ۴؎ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۱۶ ۵؎ تہذیب الکمال۔ ص ۲۵۱

ایک ساتھ مدینہ میں داخل ہوتے ایک طرف تشنگانِ علم کے لئے عبید اللہ کے یہاں علم کا دریا بہتا۔ دوسری طرف بھوکوں کے لئے عبید اللہ کے یہاں صلائے عام ہوتی۔ ایک مرتبہ عبید اللہ کہیں جا رہے تھے غلام ساتھ تھا، چلتے چلتے شام ہوگئی ایک اعرابی کا گھر دکھائی دیا، غلام نے کہا کہ اگر ہم لوگ رات بھر کے لئے اس گھر میں ٹھہر جاتے تو بہتر ہوتا رات ہو چکی تھی اس لئے عبید اللہ کو بھی یہ رائے پسند آئی اور خادم و آقا دونوں اعرابی کے گھر پہنچے۔ عبید اللہ نہایت وجیہ تھے اعرابی دیکھ کر سمجھا کوئی بڑا آدمی ہے، بڑے غرور و اکرام کے ساتھ اتارا اور بیوی سے جا کر کہا کہ ہمارے یہاں ایک معزز مہمان آیا ہے کچھ کھانے کا سامان ہے؟ بیوی نے جواب دیا کھانے کو تو کچھ نہیں ہے، صرف یہ ایک بکری ہے جس کے دودھ پر تمہاری لڑکی کی زندگی ہے۔ بدوی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مہمان کو بھوکا رکھا جائے۔ بیوی سے کہا کچھ بھی ہو بکری ذبح کرنا چاہئے۔ بیوی نے کہا کیا لڑکی کو مار ڈالو گے، اعرابی نے کا بہر حال بکری ذبح کرنا ضروری ہے چنانچہ بکری ذبح کر کے رات کا کھانا کھلایا عبید اللہ یہ تمام گفتگو سن رہے تھے۔ صبح کو اٹھ کر غلام سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے اس نے کہا پانسو اشرفیاں ہیں۔ حکم دیا اعرابی کو دے دو، غلام نے کہا سبحان اللہ ۵ درہم کی بکری کھلائی اور آپ پانسو دینار دیئے دیتے ہیں۔ بولے تیری عقل پر افسوس ہے خدا کی قسم! وہ ہم سے کہیں زیادہ سیر چشم اور دریا دل ہے، ہم تو اپنی مملوکہ دولت سے بہت حقیر رقم اسے دے رہے ہیں اور اس نے اپنے لختِ جگر کو قربان کر کے ہمیں بکری کھلائی[1]۔

(۸۴) حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہؓ

نام و نسب : عبد الرحمٰن نام، باپ کا نام سمرہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : عبد الرحمٰن بن سمرہ بن حبیب ابن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیٰ۔

اسلام : فتح مکہ کے دن مشرف با سلام ہوئے۔ جاہلی نام عبد الکعبہ تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبد الرحمٰن رکھا۔ اسلام کے بعد سب سے اول غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے[2]۔

عہدِ عثمانی : غزوۂ تبوک کے بعد عبد الرحمٰن پھر عہدِ عثمانی میں نظر پڑتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں نصیحت فرمائی تھی کہ خود کبھی امارت کی خواہش نہ کرنا اگر تمہاری خواہش پر ملے گی تو اس کی ذمہ داری تنہا تنہا تمہارے سر ہوگی اور بلا خواہش ملے گی تو خدا تمہاری مدد کرے گا[3]۔ اس نصیحت کے مطابق انہوں نے خود کبھی امارت کی خواہش نہیں کی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عبد اللہ بن عامر والی بصرہ نے

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۴۱ [2] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۶۱ [3] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۰۱۔ ق ۲

انہیں امارت کے عہدہ پر مامور کیا۔ ۳۲ھ میں جب ابن عامر نے بجستان اور کابل پر چڑھائی کی[1] تو عبدالرحمٰن کو بجستان روانہ کیا یہ زرنج کی طرف بڑھے اتفاق سے انہیں ایام میں عید تھی، بجستان والے عید منارہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے عین عید کے دن زرنج کے مرزبان کو گھیر لیا اس نے بیس لاکھ درہم اور دو ہزار لونڈی غلام پر صلح کر لی۔ یہ رقم اتنی وافر تھی کہ عبدالرحمٰن کے ساتھ آٹھ ہزار مجاہدین تھے، ہر ایک کے حصہ میں چار چار ہزار آیا۔ زور ایک بت کا نام تھا اسی کی نسبت سے یہاں کا پہاڑ جبلِ زور کہلاتا تھا۔ یہ بت ٹھوس سونے کا تھا اور یاقوت کی آنکھیں تھیں۔ عبدالرحمٰنؓ نے اس کے ہاتھ کاٹ لئے اور دونوں آنکھیں نکال کر مرزبان کو واپس کر دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف تمہارے اعتقاد کو باطل کرنا تھا ، بت کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتے بت کو توڑنے کے بعد بست اور زابل کو فتح کیا ان فتوحات کی تکمیل کے بعد زرنج لوٹ آئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش بپا ہوئی تو عبدالرحمٰنؓ امیر بن احمر کو اپنا قائم مقام بنا کر بجستان سے چلے گئے ان کے ہٹتے ہی زرنج والوں نے ابن احمر کو نکال کر زرنج کے علاقہ پر قبضہ کر لیا[2]۔

خانہ جنگی سے کنارہ کشی :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جمل اور صفین کی قیامت خیز لڑائیاں ہوئیں لیکن عبدالرحمٰن کسی میں شریک نہ ہوئے۔

ولایت بصرہ : حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد جب امیر معاویہ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے جدید انتظامات کے سلسلہ میں عبداللہ بن عامر کو ۴۳ھ میں بصرہ کا والی بنایا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور جمل وصفین کے ہنگاموں کے زمانہ میں بجستان اور کابل کے علاقے باغی ہو گئے تھے۔ عبداللہ بن عامر کو عبدالرحمٰن کے گذشتہ کارناموں کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے دوبارہ انہیں بجستان کا والی بنا کر باغی علاقوں کی تادیب پر مامور کیا چنانچہ یہ بجستان آئے یہاں سے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل تک پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر کے سنگباری کے ذریعے سے شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں۔ عباد بن حصین رات بھر شگاف کی نگرانی کرتے رہے کہ دشمن اس کو بھرنے نہ پائیں۔ صبح کو کابلیوں نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے یہ بلاذری اور ابن اثیر کا بیان ہے[3]۔

---

[1] ابن عامر اس علاقہ کو زیرنگین کر چکے تھے لیکن یہاں کے باشندوں نے بغاوت کر کے ان کے عامل کو نکال دیا۔
[2] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۴۰۱، ۴۰۲ [3] ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۶ و بلاذری۔ ۴۰۳

یعقوبی کے بیان کے مطابق شہر پناہ کے دربان نے رشوت لے کر دروازہ کھول دیا تھا[1]۔

کابل کو مطیع بنانے کے بعد عبدالرحمٰن نے خواش اور رزان بست کو زیر نگین کیا۔ یہاں سے رزان کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے پہلے ہی شہر خالی کر دیا تھا، اس لئے بلا جنگ رزان پر قبضہ ہو گیا۔ رزان کے بعد خشک پہنچے، یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی۔

خشک کے بعد رخج آئے اور ایک پرزور مقابلہ کے بعد یہاں کے باشندوں کو شکست دے کر غزنہ پہنچے۔ باغی غزنویوں نے نہایت پرزور مقابلہ کیا، مگر انہوں نے بھی فاش شکست کھائی۔ کابل والے سخت بغاوت پسند تھے۔ عبدالرحمٰن جب غزنہ کی طرف متوجہ تھے، کابلیوں نے میدان خالی پا کر بغاوت کر دی۔ عبدالرحمٰنؓ نے غزنہ سے فراغت کے بعد انہیں مطیع بنایا اور بجستان، کابل اور غزنہ کا پورا علاقہ دوبارہ زیر نگین کیا[2]۔

حضرت عبدالرحمٰن کو ابن عامر نے اپنی پسند سے حاکم بنایا تھا ان کے کارناموں کا دیکھ کر امیر معاویہؓ نے بھی مہر تصدیق ثبت کر دی اور عبدالرحمٰنؓ مرکزی حکومت کی جانب سے بجستان کے باقاعدہ والی ہو گئے[3]۔ تین سال کے بعد ۴۶ھ میں زیاد نے انہیں معزول کر کے زیاد بن ربیع کو ان کی جگہ مقرر کیا۔

وفات : معزولی کے بعد عبدالرحمٰنؓ نے بجستان ہی میں بود و باش اختیار کر لی تھی یہیں ۵۰ھ میں وفات پائی[4]۔ وفات کے بعد ایک لڑکا عبیداللہ یادگار چھوڑا۔

فضل و کمال : عبدالرحمٰنؓ اولاً مسلمین بعد الفتح میں تھے۔ پھر فوجی آدمی تھے اس لئے علمی اعتبار سے کوئی قابلِ ذکر شخصیت نہ تھی تاہم ان کی بیاضِ علم کے اوراق بالکل سادہ نہیں ہیں ان کی ۱۴ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے ۲ متفق علیہ اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رواۃ میں عبدالرحمٰن بن لیلی اور مشہور تابعی حضرت حسن بصری لائقِ ذکر ہیں[5]۔

تواضع و خاکساری : ایک طرف یہ بلندی اور حوصلہ مندی تھی کہ بجستان سے لے کر غزنہ تک کا علاقہ فتح کر لیا اور باغی کابلیوں کے بل نکال دیئے، دوسری طرف یہ خاکساری اور فروتنی تھی کہ بارش کے دنوں میں جھاڑو لے کر گلیاں صاف کرتے پھرتے تھے[6]۔

۱۔ یعقوبی۔۲۔ص ۲۵۸ ۲۔ ابن اثیر۔جلد ۳۔ص ۲۶ ۳ و بلاذری۔ص ۴۰۳ ۳۔ بلاذری۔۴۰۳

۴۔ اصابہ۔جلد ۴۔ص ۱۶۰ ۵۔ تہذیب الکمال۔ص ۲۲۸ ۶۔ اسد الغابہ۔جلد ۳۔ص ۲۲۸

(۸۵) حضرت عتاب بن اسیدؓ

نام ونسب : عتاب نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عتاب بن اسید بن ابوعیص ابن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی اموی۔

قبل از اسلام : عتاب ابتدا سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ قبول اسلام کے پہلے ہی سے وہ شرک سے دور اور اسلامی تعلیمات سے قریب تر تھے، فتح مکہ سے ایک دو شب پہلے آنحضرت ﷺ نے ان کی فطرت سلیم کا تذکرہ فرمایا، کہ قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب تر اور اس کی طرف راغب ہیں، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں، فرمایا، عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو[1]۔

اسلام، فتح مکہ کے دن بلا جبر واکراہ بطیب خاطر اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، جب آنحضرت ﷺ حنین کے لئے جانے لگے، تو عتاب کو مکہ کا امیر بنایا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے اس موقع پر یہ شرف حضرت معاذ بن جبلؓ کو حاصل ہوا۔

اس کے بعد عتاب کو ملا، مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے وقت ان الفاظ میں عتاب کی عزت افزائی فرمائی! تم کو معلوم ہے، کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے، اہل اللہ پر! اگر مکہ والوں کے لئے تم سے زیادہ کوئی موزوں شخص نظر آتا تو اسے بناتا۔

پھر ۸ھ میں حج کی امارت کا شرف حاصل ہوا، اس لحاظ سے عتاب تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں[2]۔

عہد صدیقی : آنحضرت ﷺ کی وفات تک عتاب مکہ کے عامل رہے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے زمانہ میں بدستور انہیں ان کے عہدہ پر برقرار رکھا[3]۔

وفات : ان کی عمر نے وفا نہ کی، عین عالم شباب میں جب کہ ان کی عمر ۲۵، ۲۶ سال سے زیادہ نہ تھی، ۱۳ھ میں مکہ میں وفات پائی[4]۔

فضل وکمال : کم سنی کی موت نے عتاب کے علمی کمالات کو چمکنے کا موقع نہ دیا، اس کے باوجود ارباب سیر انہیں فضلائے صحابہ میں شمار کرتے ہیں[5]۔ چند احادیث نبوی بھی ان سے مروی ہیں،

---

[1] مستدرک حاکم۔ ج ۳۔ ص ۵۹۵ [2] اسد الغابہ۔ ج ۳ ص ۵۸ [3] اسد الغابہ۔ ج ۳۔ ص ۳۵۸ [4] ایضاً [5] ایضاً

عطاراور ابن مسیّب نے ان سے مرسل روایت کی ہے[1]۔

نماز باجماعت میں تشدّد : نماز باجماعت کے بارہ میں اتنے متشدد تھے کہ امارتِ مکہ کے زمانہ میں قسم کھا کھا کر کہتے تھے، کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ ادا کرے گا، اس کا سر قلم کردوں گا، جماعت سے غفلت منافقوں کا کام ہے، اہل مکہ نے ان کی کے اس سختی سے گھبرا کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ آپ ﷺ نے کس اُجڈ اعرابی کو عامل بنایا ہے[2]۔

تدین : عہدہ داروں کا ہدایا و تحائف سے دامن بچانا بہت مشکل ہے، عتاب باوجودیکہ کئی برس تک مکہ کے عامل رہے، لیکن اس سلسلہ میں کبھی کوئی چیز نہیں قبول کی، ایک مرتبہ کسی نے دو چادریں پیش کیں انہیں لے کر اپنے غلام کیسان کو دیدیا[3]۔

قناعت : عام طور پر حکام اور عہدہ داروں میں قناعت نہیں ہوتی، لیکن عتاب کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کے اخراجات کے لئے دو درہم روزانہ مقرر فرمائے تھے، عتاب اسی پر قانع رہے، کہا کرتے تھے، کہ جو پیٹ دو درہم میں نہیں بھرتا اس کو خدا کبھی آسودہ نہ کریگا[4]۔

نزول آیہ : عقیلی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کے نزدیک کلام اللہ کی یہ آیت

"واجعلنی من لدنک سلطانا نصیرًا"

ترجمہ : "اور اپنے پاس سے مجھ کو فتح یابی کے ساتھ غلبہ عطا فرما"۔

"من سلطان نصیر" سے مراد عتاب کی ذات ہے[5]۔ لیکن اس کی روایتی حیثیت قابل اعتبار نہیں تاہم اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے، کہ عتاب کی شخصیت اس کا مصداق بن سکتی تھی، تمام ارباب سیر ان کے فضائل وکمالات کے معترف ہیں، کان عتاب رجلاً خبیرا صالحا فاضلا عتاب باخبر صالح اور فاضل تھے[6]۔

(۸۶) حضرت عتبہ بن ابی لہبؓ

نام ونسب : عتبہ نام، مشہور دشمن اسلام ابولہب ان کا باپ تھا، نسب نامہ یہ ہے : عتبہ بن ابی لہب ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی قرشی ہاشمی، ابولہب آنحضرت ﷺ کا چچا تھا، اس رشتہ سے عتبہ آپ کے ابن عم تھے۔

---

[1] تہذیب الکمال ص ۲۵ [2] اصابہ ج ۳ ص ۲۱۲ [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۵ [4] اصابہ ج ۳ ص ۲۱۲

اسلام : عتبہ پیغمبر اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کے فرزند تھے، جس نے بھتیجے کی تحقیر، مسلمانوں کی ایذاء رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، پھر آنحضرت ﷺ کا گوشت و پوست ایک تھا۔ خون کا اثر کہاں سے جاتا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا، اور معاندین اسلام کا شیرازہ بکھر چکا تو آنحضرت ﷺ کو چچیرے بھائی کا خیال آیا، حضرت عباسؓ سے پوچھا تمہارے دونوں بھتیجوں (عتبہ اور معتب) کو نہیں دیکھا، معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عباسؓ نے کہا مشرکین قریش کے ساتھ وہ بھی مکہ چھوڑ کر کہیں نکل گئے ہیں۔ فرمایا، جاؤ جہاں کہیں ملیں لے آؤ۔

اس ارشاد پر حضرت عباسؓ تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈھ کر کہا، چلو تم کو رسول اللہ ﷺ نے یاد فرمایا ہے، چنانچہ یہ دونوں چچا کے ساتھ بھائی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اسلام پیش کیا، اب انکار و تمرد کا وقت گزر چکا تھا، اس لئے بلا تامل قبول کر لیا، قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان میں لاکر کچھ دعا کی، دعا سے واپسی کے وقت چہرہ انور دفور مسرت سے چمک رہا تھا، عباس نے کہا خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، آپ کے چہرہ پر مسرت کے آثار دیکھ رہا ہوں، فرمایا میں اپنے ان دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا، اس نے مجھے دیدیا، یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے[1]۔

غزاوت : اسلام کے بعد مکہ ہی میں رہے، البتہ بعض غزوات میں شریک ہونے کے لیے مدینہ آجاتے تھے چنانچہ غزوۂ حنین میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، اور اس فدویت اور جانثاری کے ساتھ کہ جب ساری فوج میں اضطراب پیدا ہو گیا، اور بہت سے مسلمانوں کے پاؤں عارضی طور سے اکھڑ گئے، اس وقت بھی ان کے پیروں میں لغزش نہ آئی حنین کے بعد طائف میں بھی ساتھ تھے[2]۔

وفات : ان کے زمانہ وفات کی تصریح نہیں ملتی، لیکن عہد صدیقی اور فاروقی میں کہیں نظر نہیں آتے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانے میں وفات پا چکے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی بھی یہی رائے ہے[3]۔

(۸۷) حضرت عثمان بن ابی العاصؓ

نام ونسب : عثمان نام، ابوعبداللہ کنیت نسب نامہ یہ ہے : عثمان بن ابی العاص بن بشر بن دھمان ابن عبداللہ بن آبان بن یسار بن مالک بن حطیط بن جشم ثقفی۔

۱؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم اول۔ ص ۴۱۔ ۴۲ ۲؎ اسد جلد ۳۔ ص ۳۶۶ ۳؎ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۱۶

اسلام : غزوۂ طائف کے بعد عثمان بنی ثقیف کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے یہ اس وفد کے سب سے چھوٹے رکن تھے آحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مشرف با سلام ہوئے آپ نے تبرکا تھوڑا سا قرآن پڑھایا قبول اسلام کے بعد مشہور حافظ قرآن حضرت ابی ابن کعبؓ سے قرآن کی تعلیم میں مصروف ہوگئے جب ثقیف کا وفد وطن لوٹنے لگا تو آنحضرت ﷺ سے ایک ایسے صاحب علم امیر کی درخواست کی جو قبیلہ کے نو مسلموں کی امامت کرے اور انہیں مذہبی تعلیم دے سکے [1]۔

بنی ثقیف کی امارت : گو عثمانؓ جدید اسلام تھے لیکن ان میں تعلیم کی بڑی استعدد تھی ان کے تعلیمی ذوق وشوق کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا کہ یہ لڑکا ثقہ فی الاسلام اور تعلیم قرآن کا بڑا اشایق ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کی امارت اور امامت انہی کو تفویض فرما دی اور ہدایت فرمائی کہ لوگوں کی حالت کا اندازہ کر کے نماز پڑھانا نمازیوں میں کمزور بوڑھے بچے اور کاروباری ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں [2]۔

فتنہ ارتداد میں مساعی : حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور قبائل عرب اس کا شکار ہونے لگے تو عثمان نے بنی ثقیف کو نہایت دانشمندی کیساتھ اس وبا سے بچالیا سب کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران ثقیف تم لوگ سب سے آخر میں خلعت ایمان سے سرفراز ہوئے اس لیے سب سے پہلے اسے نہ اُتار پھینکو [3]۔

بصرہ کی امارت : حضرت عمرؓ نے جب بصرہ آباد کرایا تو وہاں کے لئے ایک صاحب علم وفہم امیر کی ضرورت پڑی۔ عثمان آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے اس کام کو کرتے چلے آئے تھے۔ اس لئے لوگوں نے ان کا نام لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کو رسول اللہ نے طائف پر مقرر فرمایا تھا۔ اس لئے میں انہیں معزول نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے کہا آپ معزول نہ کیجئے بلکہ عثمانؓ کو لکھئے کہ وہ وہاں کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر چلے آئیں۔ فرمایا یہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عثمانؓ کو خط لکھا یہ طائف میں اپنے بھائی حکم کو اپنا قائم مقام بنا کر حاضر ہوے۔ حضرت عمرؓ نے حکم کو ان کی جگہ ان کا قائم مقام بنا دیا اور عثمان کو بصرہ بھیج دیا بصرہ آنے کے بعد عثمانؓ نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی [4]۔

بحرین اور عمان کی ولایت اور فارس پر فوج کشی :

بصرہ کی ولایت کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے بحرین اور عمان کی حکومت بھی عثمانؓ کے متعلق کر دی انہوں نے ان دونوں مقاموں کو مطیع بنانے کے بعد اپنے بھائی حکم کو ایک فوج کے ساتھ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۸ [2] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۱ [3] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۹۶ [4] ایضاً

بحری راستہ سے فارس روانہ کیا، انہوں نے جزیرہ ابرکاوان اور توج فتح کیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ عثمانؓ نے خود فوج کشی کی اور توج فتح کر کے یہاں مسجدیں بنوائیں، اور مسلمانوں کی نوآبادی قائم کی، بہرحال فارس کے مرزبان شہرک نے جب دیکھا کہ مسلمان اس کے حدود میں داخل ہوتے جارہے ہیں، تو ایک لشکر جرار لے کر انہیں روکنے کے لیے راشہر پہنچا، عثمانؓ کے بھائی حکم اور سوار بن ہمام نے ان کا مقابلہ کیا اور شہرک مارا گیا۔

اس کے بعد جب ایران پر عام لشکر کشی ہوئی، تو حضرت عمرؓ نے عثمانؓ کو فارس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو بصرہ میں تھے، ان کی مدد کے لئے لکھا۔ اس حکم پر عثمانؓ اپنے بھائی مغیرہ کو بحرین میں اپنا قائم مقام بنا کر توج آئے، اور اسے مرکز قرار دیکر فارس کے مختلف حصوں میں فوج کشی شروع کردی۔ ابوموسیٰ اشعریؓ وقتاً فوقتاً بصرہ سے ان کی مدد کے لئے آتے رہتے تھے۔

توج آنے کے بعد عثمانؓ نے ہرم بن حیان عبدی کو قلعہ شیر پر مامور کیا۔ انہوں نے اس کو فتح کیا، اور عثمانؓ نے جرہ کازروں نوبندحان وغیرہ پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد تنہا حصن جنابا کو فتح کیا۔ جنابا کے بعد دارابجرد آئے۔ یہاں کے والی ہربذ نے صلح کرلی۔

دارابجرد کے بعد جہرم پر قبضہ کیا۔ جہرم کے بعد نسیا پہنچے، یہاں کے حکمران نے بھی دارابجرد کی شرائط پر صلح کرلی۔ اس کے بعد باختلاف ۲۳ھ یا ۲۴ھ میں فارس کے پایہ تخت سابور پہنچے۔ مقتول شہرک کا بھائی یہاں کا حاکم تھا۔ اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک عرب نے اس کا کرتہ اُتار لیا ہے، اس خواب کو اس نے بدفالی پر محمول کیا اور مسلمانوں سے لڑنا مناسب نہ سمجھا، اور عثمانؓ سے چند شرائط پر صلح کرلی۔

اس طرح فارس کا علاقہ کچھ صلح اور کچھ بزور شمشیر مفتوح ہوگیا۔ اس صلح کے کچھ دنوں بعد پھر اہل سابور باغی ہوگئے۔ ۲۶ھ میں عثمانؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ نے پھر انہیں مطیع بنایا[1]۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی عثمان کی فوجی سرگرمی جاری رہی۔ اصطخر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن آپ کی وفات کے بعد ایرانیوں نے بغاوت کر کے پھر اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ ۲۷ھ میں عثمانؓ بن ابی العاص نے دوبارہ اس پر قبضہ کیا[2]۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے صلہ میں بارہ ۱۲ ہزار جریب زمین مرحمت فرمائی[3]۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۱۳۔ ۳۹۲ ملخصاً [2] طبری۔ ص ۲۸۱۹ [3] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۹۲

وفات : ان کا سنہ وفات متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا، امیر معاویہؓ کے عہد میں ۵۵ھ کے لگ بھگ وفات پائی[1]۔

فضل وکمال : عثمانؓ گوآخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، لیکن نہایت زیرک ودانا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کی امارت پر سرفراز فرماتے وقت انہیں زیرک کی سند عطا فرمائی تھی، انه كيس یہ زیرک آدمی ہیں[2]۔

اس فطری استعداد کے علاوہ وہ علم کے شایق بھی تھے۔ اسلام کے بعد ہی حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے علمی شوق کو دیکھ کر فرمایا تھا، کہ لڑکا **تفقه في الاسلام** اور **علم بالقرآن** کا بڑا شایق ہے۔ اس لئے عثمانؓ **تاخیر فی الاسلام** اور کم سنی کے باوجود اپنے قبیلہ بھر میں علمی حیثیت سے ممتاز تھے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنی ثقیف کا امام بھی بنایا تھا۔ اگرچہ انہیں صحبت نبوی سے استفادہ کا بہت کم موقع ملا، لیکن ان کی مرویات کی تعداد انتیس ۲۹ تک پہنچتی ہے۔ حضرت حسنؒ بصری فرماتے تھے، کہ میں نے عثمانؓ سے افضل کسی کو نہیں پایا[3]۔ یزید بن حکم سعید بن مسیّب، نافع ابن جبیر بن مطعم مطرف، ابوالعلاء موسیٰ بن طلحہ بن عبداللہ محمد بن عیاض، حسن اور ابن سیرین نے ان سے روایتیں کی ہیں[4]۔

تبلیغ احکام نبوی : ارشادات وفرامین نبوی کی تبلیغ ہر لحہ پیش نظر رہتی تھی۔ ایک مرتبہ کلاب بن اُمیہ عشر وصول کرنے والوں کی جماعت میں بیٹھے تھے، عثمانؓ ادھر سے گذرے تو کلاب سے پوچھا یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے جواب دیا زیاد نے عشر پر مقرر کیا ہے۔

یہ سن کر عثمانؓ نے کہا میں تم کو ایک حدیث سناؤں۔ کلاب نے کہا سنائیے، انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ داؤد علیہ السلام رات کے ایک خاص حصہ میں اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے، کہ آل داؤد اُٹھو نماز پڑھو، اس وقت ساحر اور عشر وصول کرنے والوں کے علاوہ خدا سب کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ کلاب نے یہ حدیث سن کر اسی وقت ابن زیاد کے پاس جا کر اپنی خدمت سے استعفیٰ داخل کر دیا[5]۔

یہ حکم غیر متدین اور سخت گیر عشر وصول کرنے والوں کے لئے ہے۔ ورنہ دیانت داری کے ساتھ وصول کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۱؎ تہذیب التہذیب جلد۲۔ ص ۱۲۹ ۲؎ ابن سعد۔ جلد۷۔ قسم ا۔ ص ۲۶۷ ۳؎ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶۰
۴؎ تہذیب التہذیب۔ جلد۷۔ ص ۱۳۸ ۵؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد۴۔ ص ۲۲

(۸۸) حضرت عداء بن خالدؓ

نام ونسب : عداء نام ہے۔ باپ کا نام خالد تھا۔نسب نامہ یہ ہے: عداء بن خالد بن ہوزہ ابن خالد بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ۔

اسلام سے پہلے : عداءؓ غزوۂ حنین میں مشرکین کے ساتھ تھے۔خود بیان کرتے ہیں کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ سے لڑے۔لیکن خدا نے نہ ہماری مدد کی اور نہ ہمیں فتح مند کیا[1]۔

اسلام : حنین کے بعد مع اپنے باپ اور بھائی کے مشرف باسلام ہوئے[2]۔

حجتہ الوداع : قبول اسلام کے بعد حجتہ الوداع میں آحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل کیا[3]۔

عطیۂ نبوی ﷺ : آنحضرت ﷺ نے کسی وقت میں ان کو زجیج کا چشمہ مرحمت فرمایا تھا۔اس کا ہبہ نامہ ان کے پاس مدتوں محفوظ رہا، یزید بن مہلب کے زمانہ میں عبدالمجید بن ابو یزید اور حجر بن ابونصر ادھر سے گزرے تو کہا، یہاں ایک بزرگ رہتے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے چنانچہ یہ دونوں عداءؓ کی زیارت کے لیے ان کے پاس آئے اور پوچھا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے انہوں نے کہا ہاں اور آپ نے پانی کا یہ چشمہ مجھ کو مرحمت فرمایا تھا اس کی تحریر میرے پاس موجود ہے چنانچہ چمڑے پر لکھا ہوا آنحضرت ﷺ کا فرمان نکال کر ان دونوں کو دکھایا[4]۔

حضرت عداءؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک غلام خریدا تھا، اس کا بیعنامہ بھی ان کے پاس موجود تھا[5]۔

وفات : عداءؓ نے بڑی عمر پائی ۱۰۱ھ تک ان کی زندگی کا پتہ چلتا ہے[6] سو سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔

فضل وکمال : فضل وکمال کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی بعض روایات موجود ہیں عبدالمجید بن وہب بصری عبدالکریم عقیل ابور جار لعطاوی اور جشم بن ضحاک وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں[7]۔

(۸۹) حضرت عدی بن حاتمؓ

نام ونسب : عدی نام، ابوطریف کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عدی حاتم بن عبداللہ بن سعد بن حشرج بن امراؤ القیس بن عدی بن ربیعہ بن جرول بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے بن ادو بن

---

[1] اسد الغابہ۔جلد۳۔ص۳۸۹　[2] اصابہ۔جلد۴۔ص۲۲۷　[3] ابن سعد۔جلد۷۔قسم اول۔ص۳۵
[4] ابن سعد۔جلد۷۔قسم اول۔ص۳۶　[5] استیعاب۔جلد۲۔ص۵۲۵　[6] اصابہ۔جلد۴۔ص۲۲۷
[7] تہذیب التہذیب، جلد۷۔ص۱۶۳

زید بن کہلاں۔عدی مشہور عالم حاتم طائی کے جن کی فیاضی ضرب المثل ہیں بیٹے ہیں۔

حضرت عدیؓ کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمان روائی پر تھے جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر واقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا،اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو آنحضرت ﷺ کے سامنے سر اطاعت خم کئے بغیر چارہ کار نہیں رہ جائے گا تو دوسرے فرمان رواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارانہ ہوئی لیکن ایک طرف اسلام کے بڑے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا اس لئے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا اور سامان سفر درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کے حدود کی طرف بڑھیں ادھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہ سوار قبیلۂ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے[1]۔

اتفاق سے عدیؓ کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئیں اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا تو ان خاتون نے عرض کیا،یارسول اللہ(ﷺ) باپ مر چکے ہیں چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں ہے،،مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کریگا آنحضرت ﷺ نے پوچھا چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم ، فرمایا وہی حاتم جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا یہ کہہ کر چلے گئے۔دوسرے دن پھر گذرے اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرما دیا لیکن بڑے گھرانے کی عورت تھیں اس لئے ان کے رتبہ واعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے۔طائی خاتون نے آنحضرت کو اطلاع دی،آپ نے ان کے شایانِ شان سواری لباس اور اخراجاتِ سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کر دیا۔یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدیؓ کے پاس پہنچیں اور ان کی نہایت بری طرح خبر لی کہ تم سے زیادہ قاطعِ رحم کون ہوگا اپنے اہل وعیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔عدیؓ نے مذمت کی اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور چند دنوں

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔جلد۲۔ص ۳۶۸

کے بعد عدی نے ان سے پوچھا تم ہوشیار اور عاقلہ ہو تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی؟ انہوں نے کہا میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے تم اس سے ملو اگر وہ نبی ہے تو اس سے ملنے میں سبقت کرنا شرفِ سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کے ایک باعزت فرماں روا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا[1]۔

یہ معقول بات عدیؓ کی سمجھ میں آ گئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبوی ﷺ میں جا کر آنحضرت ﷺ سے ملے، آپ ﷺ نام پوچھ کر کاشانۂ اقدس کی طرف لے چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی، اس نے روک لیا آپ ﷺ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے اس کا عدیؓ کے دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے دل میں کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔ گھر لے جا کر آنحضرت ﷺ نے عدی کو باصرار ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے اس اخلاق کا عدی کے دل پر زیادہ اثر ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا میں تو ایک مذہب کا پیرو کار ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدی نے متعجبانہ پوچھا، تم میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہو؟ فرمایا، بے شک کیا تم رکوی[2] نہیں ہو اور مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے ہو؟ عدی نے اقرار کیا ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے یہ حقیقت سن کر عدیؓ کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہو رہی ہے۔

اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں، جس کے پاس کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی پرسانِ حال ہے۔ پھر پوچھا تم حیرہ کو جانتے ہو، عدی نے کہا دیکھا تو نہیں ہے لیکن نام سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچا دے گا اور (اس کی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی کی حفاظت کے حیرہ سے آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا۔ عدیؓ نے استعجاباً پوچھا، کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا، ہاں کسریٰ بن ہرمز۔ اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کر دیں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدیؓ آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۹، ۳۷۰ [2] رکوی عیسوی اور صابی مذہب کے درمیان ایک فرقہ ہے۔

امارت : آنحضرت ﷺ ہر نئے مسلمان سے اس کے رتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جس کا جو رتبہ تھا اس کو برقرار رکھتے تھے۔ عدی قبیلۂ طے کے حکمران تھے اس لئے اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طے کی امارت پر قائم رکھا[1]۔

عہدِ صدیقی : حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینی بند کر دی۔ اس موقع پر عدی کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا اور عدیؓ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربارِ خلافت پہنچاتے رہے[2]۔

عہدِ فاروقی : ۱۳ھ میں جب حضرت عمرؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لئے تمام ممالکِ محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدیؓ بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکتِ جہاد کے لئے پہنچے اور امیر العسکر مثنیٰ کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی اس کے بعد نہر مثنیٰ پر صف آرائی ہوئی اس میں بھی عدیؓ شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے[3]۔ اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی اس میں مثنیٰ کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی[4]۔ اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدی نے دادِ شجاعت دی[5]۔ سب سے آخر میں کوثی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔ عدی اس میں بھی ہمراہ اور مدائن کے فاتحین میں تھے ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت کی پیش گوئی کی تصدیق دیکھ لی[6]۔ ان فتوحات کے علاوہ تستر اور نہاوند کے معرکوں میں بھی شریک تھے[7]۔ شام کی بعض فتوحات میں بھی خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ تھے۔ غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔

عہدِ مرتضوی : حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل سے عدی کو اختلاف تھا اس لئے ان کے زمانہ میں بالکل خاموش رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور بعض دوسرے اکابر میں اختلاف ہوا تو عدی نے حضرت علیؓ کی نہایت پر جوش حمایت کی چنانچہ جنگِ جمل میں آپ کے ساتھ تھے۔ بصرہ کے قریب جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلۂ طے کا علم بردار عدیؓ کو بنایا[8] اور وہ جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت جانبازی کے ساتھ لڑے اس معرکہ میں ان کی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۲۔ ص ۳۸۷ [2] استیعاب۔ جلد۲۔ ص ۵۱۶ [3] ابن اثیر۔ جلد۲۔ ص ۲۹۶

[4] اسد الغابہ۔ جلد۳۔ ص ۳۹۳ [5] ایضاً [6] امسند احمد ابن حنبل۔ جلد۴۔ ص ۲۵۷

[7] ابن اثیر۔ جلد۲۔ ص ۴۴۱ [8] اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵

ایک آنکھ کام آئی[۱]۔ جنگِ جمل کے بعد صفین میں بھی اسی جوش وخروش کے ساتھ حضرت علیؓ کی حمایت میں نکلے اس جنگ میں بنو قضاعہ کی کمان عدیؓ کے ہاتھوں میں تھی[۲]۔ صفین کا معرکہ جاری رہا شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستہ لے کر میدان میں اترتے تھے ایک دن حضرت خالدؓ کے صاحبزادے شامیوں کی جانب سے میدان میں اترے، حضرت علیؓ کی جانب سے عدی ان کے مقابلہ کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے[۳]۔

ایک دن جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پراگندہ ہو رہی تھیں حضرت علیؓ علیحدہ ایک دستہ کو لئے ہوئے معرکہ آرا تھے۔ عدیؓ نے حضرت علیؓ کو نہ دیکھا تو آپ کی تلاش میں نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح وسالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے۔ میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؓ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علیؓ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور میری تلوار ہیں[۴]۔

جنگ صفین کے بعد نہروان کا معرکہ ہوا اس میں بھی عدیؓ حضرت علیؓ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے ساتھ جان نثارانہ شریکِ حال رہے[۵]۔

وفات: مختار ثقفی کے خروج تک عدی کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے مگر اس اسی سالہ زندگی کے واقعات پردۂ خفا میں ہیں۔ اس کی وجہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے اور آپ کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۷ھ میں وفات پائی[۶]۔

فضل وکمال: عدیؓ گو آخری زمانہ میں شرف باسلام ہوئے تاہم چونکہ آنحضرت ﷺ اور شیخین کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خصوصاً حضرت علیؓ کے ساتھ ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے اس لئے وہ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں اور ۳ میں امام بخاری اور ۲ میں امام مسلم منفرد ہیں[۷]۔ ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریث، عبداللہ بن معقل تمیم بن طرفہ، خیثمہ بن عبدالرحمٰن، محل بن خلیفہ طائی، عامر الشعبی، عبداللہ بن عمرو،

۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵ ۲۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۸۳ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۹۸ ۴۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸
۵۔ استیعاب۔ جلد ۲ ص ۵۱۷ ۶۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸ ۷۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶۳

ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم بن عبدالرحمٰن، عباد بن حبیش وغیرہ قابلِ ذکر ہیں[1]۔علامہ ابن عبدالبرؒ نے ان کے کمالات کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے۔

"کان سید اشریفافی قومه خطیبا حاضرا الجواب فاضلاً کریماً"[2]۔

"وہ اپنی قوم کے سردار اور معززین میں تھے، خطیب، حاضر جواب، فاضل اور کریم تھے"۔

مذہبی زندگی : یوں تو عدیؓ کی زندگی بحیثیت ایک صحابی کے خالص مذہبی تھی لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ خاص انہماک تھا۔ نماز کے لئے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت باوضو رہتے تھے کبھی اقامت کے وقت وضو کی ضرورت نہیں پڑی[3]۔ ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا اور نہایت اشتیاق سے وہ نماز کے وقت کا انتظار کرتے تھے[4] روزہ کے شرائط کی اس سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے کہ جب انہیں یہ حکم معلوم ہوا :

"حتی یتبین لکم الخیط الا بیض من الخیط الاسود"

"یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے سپید دھاگہ، سیاہ دھاگے سے"۔

نازل ہوا تو سوتے وقت سیاہ اور سپید عقال تکیہ کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کی وقت کے اختتام کا اندازہ لگاتے تھے لیکن سیاہی وسپیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا آپ ﷺ نے ہنس کر فرمایا، معلوم ہوتا ہے تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے، اسود و ابیض سے مراد رات اور دن کی سیاہی وسپیدی ہے[5]۔

فیاضی : سخاوت وفیاضی ورثہ میں ملی تھی ان کا دروازہ ہر وقت اور ہر شخص کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیگیں مانگ بھیجیں، عدی نے اسے بھروا کر بھیجا۔ اشعث نے کہلا بھیجا میں نے خالی مانگی تھیں، انہوں نے جواب کہلایا کہ میں عاریۃً بھی خالی دیگ نہیں دیتا[6]۔ ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن وارہ نے آکر کہا میں نے آپ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ عدی نے کہا ذرا رک جاؤ میں اپنے مال واسباب کی تفصیل تم کو بتا دوں، اس کے بعد سنانا میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی، دو ہزار درہم، ۳ غلام اور یک گھوڑا ہے اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا[7]۔

---

[1] تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۷ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶
[3] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۸ [4] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶
[5] ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور [6] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ [7] استیعاب۔ جلد ۳۔ ص ۵۱۶

جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا ہے اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا اتنی کم رقم سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے محض سو درہم مانگتے ہو خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا[1]۔

ان کی فیاضی سے انسان سے لے کر حیوان تک یکساں مستفید ہوتے تھے۔ چیونٹیوں کی غذا مقرر تھی، ان کے کھانے کے لئے روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے اور کہتے تھے یہ بھی حقدار ہیں[2]۔

یادگار نبوی ﷺ میں عزت : عدی اپنے ذاتی فضائل اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کے لئے جگہ خالی کر دیتے[3]، خلفاء کے یہاں بھی یہی عزت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا آپ نے مجھے پہچانا، فرمایا پہچانتا کیوں نہیں تم اس وقت ایمان لائے جب لوگ کفر میں مبتلا تھے، تم نے اس وقت حق کو پہچانا جب لوگ اس کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی جب لوگ دھوکہ دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھ پھیر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمہارے قبیلہ طے کا تھا[4]۔

(۹۰) حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ

نام ونسب : عروہ نام، ابو مسعود کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عروہ بن مسعود بن مالک بن کعب ابن عمرو بن سعد بن عوف بن ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان۔

اسلام سے پہلے : ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے قریب پہنچ کر بدیل کی زبانی معلوم ہوا کہ قریش مزاحمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش کو پیہم لڑائیوں نے بہت خستہ اور کمزور کر دیا ہے اس لئے ان کو لڑنا مناسب نہیں ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ وہ ہم سے ایک معین مدت کے لئے صلح کر لیں اور ہمارا اور قوم کا معاملہ اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ جب ہم غالب ہوں گے تو انہیں اختیار ہوگا کہ وہ ہماری جماعت میں شامل ہوں یا شامل نہ ہوں اور اگر مصالحت منظور نہیں ہے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک جان باقی ہے اس وقت تک ان سے لڑوں گا تا آنکہ خدا اپنا فیصلہ پورا کرے۔

---

[1] مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۔ مطبوعہ مصر [2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۳
[3] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۹۔ خفیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ گفتگو سن کر بدیل قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا میں محمد (ﷺ) کی باتیں سن کر آیا ہوں اگر تم لوگ پسند کرو تو میں بیان کروں۔ پر جوش اور ناتجربہ کار لوگوں نے کہا ہم کو سننے کی ضرورت نہیں ہے لیکن سنجیدہ اور سمجھدار لوگوں نے سننے پر آمادگی ظاہر کی۔ بدیل نے پوری گفتگو سنادی۔ یہ مصالحانہ باتیں سن کر عروہ بن مسعودؓ نے قریش سے سوال کیا، کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں ہو؟ سب نے اثبات میں جواب دیا پھر پوچھا تم کو میری جانب سے کوئی بدگمانی تو نہیں ہے؟ سب نے نفی میں جواب دیا، پھر سوال کیا کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے عکاظ والوں سے تمہاری مدد کے لئے کہا تھا اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں خود اپنے بال بچوں سمیت اور جن جن لوگوں نے میرا کہنا مانا، سب کو لے کر تمہاری مدد کے لئے نہیں آیا۔ یہ تمام باتیں تسلیم کرانے کے بعد بولے جب ان باتوں کو مانتے ہو تو میری بات سنو، محمد ﷺ نے نہایت معقول صورت پیش کی ہے اس کو منظور کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے گفتگو کر کے معاملات طے کر آؤں۔ سب نے بالاتفاق انہیں نمائندہ بنا کر بھیجا چنانچہ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے بھی وہی صورت پیش کی جو بدیل کے سامنے کر چکے تھے عروہ نے کہا محمد ﷺ ہم نے فرض کیا اگر تم نے قریش کا استیصال بھی کر دیا تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو اور اگر کچھ اور نتیجہ نکلا تو تمہارے گرد جو بھیڑ نظر آ رہی ہے یہ سب چھٹ جائے گی اور جو چہرے اس وقت دکھائی دیتے ہیں ہوا ہو جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ بدگمانی سن کر بے تاب ہو گئے اور درشتی کے ساتھ کہا کہ ہم ان کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے، معلوم ہوا ابوبکرؓ۔ ابوبکرؓ کا نام سن کر کہا خدا کی قسم اگر میں تمہارے احسان سے گراں بار نہ ہوتا تو تمہاری سخت کلامی کا جواب دیتا عروہ عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے گفتگو میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے مغیرہ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آپ کی پشت پر کھڑے تھے یہ بے باکانہ انداز گفتگو برداشت نہ کر سکے بار بار تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال کر رہ جاتے تھے، آخر میں عروہ کو ڈانٹا کہ خبردار اب ڈاڑھی کی طرف ہاتھ نہ بڑھنے پائے عروہؓ نے پوچھا یہ کون ہے، معلوم ہوا مغیرہ عروہ نے کہا کہ او دغاباز کیا میں نے ایک موقع پر تیری مدد نہیں کی تھی، (مغیرہ نے جاہلیت میں چند آدمیوں کو قتل کیا تھا، عروہ نے اس کی دیت ادا کی تھی)۔

رسول اللہؐ کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا یہ منظر دیکھ کر عروہؓ کے دل پر خاص اثر ہوا چنانچہ واپس جا کر انہوں نے قریش سے بیان کیا کہ میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں لیکن محمد ﷺ کے ساتھ ان کے کا احترام کرتے ہیں وہ کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہے میں نے قیصر و کسریٰ کے

بھی دربار دیکھے ہیں لیکن عقیدت ووارفتگی کا یہ منظر کہیں نہیں نظر آیا محمد تھوکتے ہیں تو ان کے ساتھی بلغم اور تھوک کو ہاتھوں اور چہرہ پر مل لیتے ہیں، وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے اس کے لئے کشتِ خون ہو جائے گا، جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص اس کی تعمیل کے لئے دوڑتا ہے جب وہ بولتے ہیں تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، ایسے شخص نے ایک معقول صورت پیش کی ہے تم کو اسے قبول کر لینا چاہئے [1]۔

اسلام : ۸ھ میں جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہو رہے تھے، تو واپسی میں عروہ بھی پیچھے ہو لئے اور مدینہ پہنچنے سے قبل آپ سے مل کر مشرف باسلام ہو گئے۔

تبلیغ اسلام اور شہادت : قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے اپنے قبیلہ میں اشاعت اسلام کی اجازت مانگی، آپ کو بنی ثقیف کی کجی فطرت اور ان کی رعونت کا پورا اندازہ تھا، فرمایا، یہ لوگ تم سے لڑیں گے؟ عرض کی یارسول اللہ (ﷺ) وہ لوگ مجھے بہت مانتے اور عزیز رکھتے ہیں اور باصرار آپ سے اجازت لے کر بنی ثقیف پہنچے۔ عروہ کو بنی ثقیف پر بڑا اعتبار تھا اس لئے آتے ہی اپنے اسلام کا اعلان کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت ان کو بنی ثقیف کے متعلق اپنے غلط حسن ظن کا پورا اندازہ ہوا، ان کی دعوت کا جواب بجائے زبان کے تیروں سے ملا، ایک تیر آکر عروہؓ کے لگا، جو تیر قضا ثابت ہوا یہ ابن ہشام کی روایت ہے [2]۔

مستدرک کی روایت کے مطابق واقعہ کی صورت یہ ہے کہ جب عروہؓ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اپنے قبیلے پہنچے تو رات کا وقت تھا، لوگ ان کی آمد کی خبر سن کر آئے انہوں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہیں اس کے جواب میں ایسی سخت باتیں سننی پڑیں جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھیں، رات ہو چکی تھی، اس لئے بنی ثقیف اس وقت غصہ گرمی دکھا کر لوٹ گئے، صبح کو عروہؓ نے فجر کی اذان دی، یہ غیر مانوس صدا سن کر ان کے کئی اہل قبیلہ نے تاک کر تیر مارا [3]۔

تیر لگنے کے بعد لوگوں نے پوچھا اپنے خون کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہا یہ خدا کا خاص احسان وکرم ہے جس سے اس نے مجھے نوازا ہے میرا رتبہ ان لوگوں کے برابر ہے جو رسول ﷺ کے ساتھ شہید ہوئے، اس لئے مجھے انہی لوگوں کے ساتھ دفن کرنا، زخم مہلک تھا، اس لے جانبر نہ ہو سکے، اور وصیت کے مطابق مسلمانوں کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کئے گئے [4]۔

---

[1] بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ [2] ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۵۔
[3] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۶۔ [4] سیرت بن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۵۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا عروہ کے مثال صاحب یسین (حضرت عیسیٰؑ) جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا اور اس نے ان کو شہید کر دیا۔

اس اسوۂ عیسوی کو پورا کرنے والا صورۃً بھی شیل مسیح تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے انبیا کی (مثالی) صورتیں دکھائی گئیں مسیح عروہ کے ہم شکل تھے جبریل دحیہ کلبی کے ہم شبیہ اور ابراہیم میرے، حضرت عمرؓ کو عروہ کی شہادت کا بڑا قلق ہوا اور آپ نے ان کا مرثیہ کہا۔

(۹۱) حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ

نام ونسب : عکرمہ نام، باپ کا نام ابوجہل تھا، نسب نامہ یہ ہے، عکرمہ بن ابی جہل بن ہشام ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی قریشی مخزومی۔

قبل از اسلام : عکرمہ مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے بیٹے ہیں۔ باپ کی طرح یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور اسلام کے استیصال کی ہر کوشش میں پیش پیش رہتے تھے۔ بدر میں مسلمانوں کے خلاف بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، اس معرکہ میں ان کا باپ معوذ اور معاذ دونو جوان کے ہاتھوں سے مارا گیا[1]۔ باپ کو سپرد خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر عکرمہؓ نے اس کے قاتل معاذ پر ایسا وار کیا کہ معاذ کا ہاتھ لٹک گیا[2]۔ بدر کے بعد جن لوگوں نے ابوسفیان کو مقتولین بدر کے انتقام لینے پر آمادہ کیا تھا، ان میں ایک عکرمہؓ بھی تھے[3]۔ احد میں یہ اور خالد مشرکین کی کمان کرتے تھے[4]۔ ۵ھ میں جب تمام مشرکین عرب نے اپنے قبیلوں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی تو عکرمہ بھی بنی کنانہ کو لے کر مسلمانوں کے استیصال کے لئے گئے[5]۔ فتح مکہ میں اہل مکہ نے بغیر کسی مقابلہ کے سپر ڈال دی تھی، لیکن بعضوں نے جن میں عصبیت زیادہ تھی، مزاحمت کی ان میں ایک عکرمہؓ بھی تھے[6]۔ غرض شروع سے آخر تک انہوں نے ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت دیا۔

فتح مکہ کے بعد جب دشمنانِ اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں، اور مکہ اور اطراف مکہ کے قبائل جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے لگے، تو وہ معاندینِ اسلام جن کی رعونت اور سرکشی اب بھی نہ گئی تھی، مکہ چھوڑ کر دوسرے مقاموں پر نکل گئے، عکرمہ بھی ان ہی میں تھے، چنانچہ وہ یمن کے قصد سے بھاگ گئے، ان کی سعیدہ بیوی مشرف باسلام ہو گئیں، اور آنحضرت ﷺ سے شوہر کی جان کی امان لے کر ان کی تلاش میں نکلیں۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر۔ [2] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۵۔ [3] ایضاً۔ ص ۴۴۶۔
[4] ایضاً۔ ص ۴۵۰۔ [5] ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۹۸۔

حضرت عکرمہؓ جب یمن جانے کے لئے کشتی پر بیٹھے تو سلامتی سے پار اترنے کے لئے تیمناً لات وعزیٰ کا نعرہ لگایا، دوسرے ساتھیوں نے کہا یہاں لات وعزیٰ کا کام نہیں ہے، یہاں صرف خدائے واحد کو پکارنا چاہئے، یہ بات عکرمہ کے دل پر کچھ ایسا اثر کر گئی کہ انہوں نے کہا کہ اگر دریا میں خدائے واحد ہے تو خشکی میں بھی وہی ہے، پھر کیوں نہ مجھے محمد ﷺ کے پاس لوٹ جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے۔ واپسی میں بیوی جوان کی تلاش میں نکلی تھیں مل گئیں۔ انہوں نے عکرمہ سے کہا میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آرہی ہوں جو سب سے نیک، سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والا ہے، میں نے اس سے تمہاری جان بخشی بھی کرالی ہے۔

بیوی کی یہ باتیں سن کر عکرمہ ان کے ساتھ مکہ پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ ہی میں تھے، عکرمہ کو دیکھ کر فرط مسرت سے اچھل پڑے اور "مرحبا یا راکب المھاجر" یعنی پردیسی سوار خوش آمدید" کہہ کر استقبال فرمایا۔ عکرمہؓ بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولے، ان سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں تم مامون ہو، اس رحم وکرم اور عفو ودرگذر کو دیکھ کر اس دشمن اسلام نے جس نے اپنی ساری قوتیں اسلام کے مٹانے میں صرف کر دی تھیں، فرط ندامت سے سر جھکا لیا، اور نظریں نیچی کر کے ان الفاظ میں اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا۔ "میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، آپ اس کے بندے اور رسول ہیں، آپ سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے ہیں"۔ اسلام قبول کرنے کے بعد گذشتہ گناہوں کی پوری فہرست نگاہوں کے سامنے آگئی، اور ان الفاظ میں عفو تقصیر کی درخواست کی"۔ یارسول اللہ (ﷺ) میں آپ کے ساتھ بہت سے مواقع پر عداوت اور دشمنی کا ثبوت دے چکا ہوں، مخالفانہ مہموں میں شرکت کی ہے، مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے میدان میں گھوڑے دوڑائے ہیں، آپ ان گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیے، ان کی درخواست پر رحمت عالم نے دعائے مغفرت فرمائی، اس کے بعد عکرمہ نے عرض کی، "یارسول اللہ (ﷺ) آپ کے علم میں جو چیز میرے لئے سب سے زیادہ باعث خیر اور سودمند ہو اس کی تلقین فرمائیے"۔ آنحضرت ﷺ نے خدا کی وحدانیت اپنی عبدیت ورسالت کی تعلیم دی، ان تمام مراحل کے بعد عکرمہ کو تلافی مافات کی فکر ہوئی، عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) جس قدر روپیہ میں خدا کی راہ میں رکاوٹیں کے لئے صرف کرتا تھا، خدا کی قسم اب اس کا دونا اس کی راہ میں صرف کروں گا اور اس کی راہ سے روکنے کے لئے جس قدر لڑائیاں لڑی ہیں، اب اس کی راہ میں اس کا دونا جہاد کرونگا[1]۔

---

[1] موطا امام مالک کتاب النکاح نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ اس میں عکرمہ کے اسلام کا واقعہ نہایت مختصر ہے، اس کی تفصیلات مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۲۴۱ سے ماخوذ ہیں۔

گو آنحضرت ﷺ نے عکرمہ کی تمام گذشتہ خطاؤں سے درگزر فرمایا تھا، لیکن ایسے شہید مشہور دشمن اسلام کے بارہ میں عام مسلمانوں کی زبان رکنا مشکل تھا، لوگوں نے **یا ابن عدو اللہ** دشمن خدا کے بیٹے کہہ کر طعنہ زنی شروع کی اس کو روکنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے مخصوص خطبہ دیا کہ لوگ کانیں ہیں جو جاہلیت کے زمانہ میں معزز تھا، وہ اسلام میں بھی معزز ہے، کسی کافر کی وجہ سے کسی مسلمان کے دل کو دکھ نہ پہنچاؤ۔[1]

غزوات: عکرمہؓ کو گذشتہ اسلام دشمنی کی تلافی کی بڑی فکر تھی، چنانچہ وہ قبول اسلام کے بعد ہمہ تن اس کی تلافی میں لگ گئے، اور آنحضرت ﷺ کی حیات میں جو موقع بھی اس قسم کا پیش آیا، اس کو انہوں نے چھوڑا حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں، "**کان عکرمة محموداً فی قتل المشرکین مع المسلمین**"۔[2]

فتنۂ ارتداد: لیکن فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جہاد کے کم مواقع پیش آئے اس لئے عکرمہ کو تلافی کا پورا موقع نہ مل سکا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو عکرمہؓ کو تمنا پوری کرنے کا موقع ملا، حضرت ابوبکرؓ ان کو اور حذیفہؓ کو قبیلہ ازد کی سرکوبی پر مامور کر کے عمان بھیجا، انہوں نے اس کے سردار لقیط بن مالک کو قتل کر کے بنی ازد کو دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے۔[3]

ازد کا فتنہ فرو ہونے کے بعد ہی عمان کے دوسرے قبائل میں ارتداد کی وبا پھیل گئی اور وہ سب شحر میں جمع ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے پھر عکرمہ کو بھیجا انہوں نے ان سب کو شکست دی، ان سے فارغ ہوئے تھے کہ بنی مہرہ مخالفت پر آمادہ ہو گئے، عکرمہ ان کی طرف بڑھے لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی اور بنی مہرہ نے زکوٰۃ ادا کر دی۔[4]

یمن کے مرتدوں کے مقابلہ پر زیاد بن لبید مامور ہوئے تھے اور انہوں نے بہت سے قبائل کی سرکوبی کر کے انہیں درست کر دیا تھا لیکن ایک مرتد اشعث بن قیس نے زیاد پر حملہ کر کے ان سے تمام نقد و جنس جو انہوں نے مرتدین سے حاصل کیا تھا اور کل مرتد قیدی چھین لیے۔ زیاد نے حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع کی حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ کو بھیجا انہوں نے زیاد اور مہاجرین ابی امیہ کے ساتھ مل کر اشعث کے سیکڑوں پیروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور اشعث کو مجبور ہو کر اپنے

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۴۳ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۹

[3] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۸۳ [4] ایضاً

قبیلہ کے لئے امان طلب کرنی پڑی لیکن امان نامہ کی تحریر میں اپنا نام لکھنا بھول گیا عکرمہؓ نے تحریر پڑھی تو اس میں خود اشعث کا نام نہ تھا اس لیے اس کو پکڑ کے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے آپ نے استحساناً چھوڑ دیا[1]۔

شام کی فوج کشی : فتنۂ ارتداد فرو ہونے کے بعد شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور تادم آخر نہایت جانفروشی سے لڑتے رہے فحل کے معرکہ میں اس بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ بے محابا دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے جاتے تھے ایک مرتبہ لڑتے مارتے ہوئے صفوں کے اندر گھس گئے سر اور سینہ زخموں سے چور ہو گیا لوگوں نے کہا عکرمہ، خدا سے ڈرو اس طرح اپنے کو ہلاک نہ کرو ذرا نرمی سے کام لو جواب دیا میں لات وعزیٰ کے لئے تو جان پر کھیلا کرتا تھا اور آج خدا اور رسول کے لئے جان بچاؤں خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا[2]۔

شام کی تمام معرکہ آرائیوں میں یرموک کا معرکہ نہایت اہم شمار کیا جاتا ہے اس میں خالد بن ولید نے ان کو ایک دستہ کا افسر بنایا تھا عکرمہؓ نے افسری کا پورا حق ادا کیا دوران جنگ میں ایک مرتبہ رومیوں کا ریلا اتنا زبردست ہوا کہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے، عکرمہ نے للکار کر کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کتنی لڑائیاں لڑ چکے ہیں اور آج تمہارے مقابلہ میں بھاگ نکلیں گے۔ اور آواز دی کہ کون موت پر بیعت کرتا ہے، اس آواز پر چار مسلمان ان کے ساتھ جان دینے کے لئے آمادہ ہو گئے ان کو لے کر عکرمہ خالد بنؓ ولید کے خیمہ کے سامنے اس پامردی سے لڑے کہ چار سو آدمیوں میں سے اکثروں نے جام شہادت پیا جو بچے وہ بھی زخموں سے بالکل چور تھے عکرمہ اور ان کے دولڑکے زخموں سے چور چور ہو گئے لڑکوں کی حالت زیادہ نازک تھی خالد بن ولید انہیں دیکھنے کے لیے آئے اور ان کے سروں کو زانوں پر رکھ کر سہلاتے جاتے تھے اور حلق میں پانی ٹپکاتے جاتے تھے[3]۔

شہادت : عکرمہؓ کی جائے شہادت میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فحل میں جام شہادت پیا اور بعضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یرموک ہیں، اور کچھ روای اجنادین اور مرج صفر بتاتے ہیں لیکن یرموک کی شہادت زیادہ اغلب ہے۔

عبادت : عکرمہؓ کو گذشتہ زندگی کے ہر پہلو میں تلافی مافات کی فکر تھی اس لیے قبول اسلام کے بعد اس پیشانی کو جو برسوں لات وعزیٰ کے سامنے سجدہ ریز رہ چکی تھی خدائے قدوس کی جبہ سائی کیلئے وقف کر دیا تھا۔ ارباب سیر لکھتے ہیں، **ثما اجتهد فی العبادة**، یعنی قبول اسلام کے بعد انہوں نے

---

[1] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۵۴۹ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۶ [3] طبری۔ ص ۲۱۵

عبادت میں بڑی مشقت کی[۱] قرآن مجید کیساتھ والہانہ شغف تھا اس کو چہرہ پر رکھ کر نہایت بیقراری کے ساتھ کتاب ربی کتاب ربی کہہ کر روتے تھے[۲]۔

انفاق فی سبیل اللہ :

یاد ہوگا کہ قبول اسلام کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ جتنی لڑائیاں میں راہ خدا کی مخالفت میں لڑ چکا ہوں اس کی دونی اس کی راہ میں لڑوں گا اور جتنی دولت اس کی مخالفت میں صرف کر چکا ہوں اس کی راہ میں صرف کروں گا۔ اس عہد کو انہوں نے فتنہ ارتداد اور شام کی معرکہ آرائیوں میں پورا کیا اور ان کے مصارف کے لئے ایک حبہ بھی بیت المال سے نہیں لیا۔

جب شام کی فوج کشی کے انتظامات ہونے لگے اور حضرت ابوبکرؓ معائنہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو معائنہ کرتے ایک خیمہ کے پاس پہنچے اس کے چاروں طرف گھوڑے نیزے اور سامان جنگ نظر آیا قریب جا کر دیکھا تو خیمہ میں عکرمہ دکھائی دیئے، حضرت ابوبکرؓ نے سلام کیا اور اخراجات جنگ کے لیے کچھ رقم دینی چاہی عکرمہؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے میرے پاس دو ۲ ہزار دینار موجود ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے ان کے لئے دعاے خیر کی[۳]۔

(۹۲) حضرت علاء حضرمیؓ

نام ونسب : علاء نام، باپ کا نام عبداللہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : علاء بن عبداللہ حضرمی بن ضماد بن سلمی بن اکبر۔ علاء نسلاً حضرمی اور وطناً یمنی تھے لیکن ان کے والد عبداللہ حرب بن امیہ کے حلیف بن کر مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔

اسلام : دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے۔

سفارت : فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے قرب وجوار کے فرمان رواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس خط لیجانے کی خدمت علاءؓ کے سپرد ہوئی اس خط پر منذر اور اس کے ساتھ اس کی کل عرب رعایا اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئی البتہ مجوس اپنے مذہب پر قائم رہے علاءؓ نے ان پر جزیہ لگا دیا اور اس کے متعلق عہد نامہ لکھ کر منذر کے حوالہ کیا[۴]۔ ان کی اس

---

۱ استیعاب۔ جلد۲۔ ص ۵۶۰ ۲ مسند دارمی۔ ص ۲۰۷ و مستدرک حاکم۔ جلد۳۔ ص ۲۴۱ ۳ اسد الغابہ۔ جلد۴۔ ص ۶
۴ زاد المعاد۔ جلد۲۔ ص ۱۵۷۔ منذر کے اسلام اور جزیہ کی تشخیص کا حال بلاذری سے ماخوذ ہے۔

خدمت کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے انہیں بحرین کا عامل بنادیا پھر کچھ دنوں کے بعد ان کو معزول کر کے آبان بن سعید بن العاص کو مقرر کیا[1]۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آبان اس عہدہ سے مستعفی ہوگئے علاءؓ کو بحرین کی امارت کا تجربہ تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ ان کو مقرر کیا اسی زمانہ میں منذر کا انتقال ہوگیا ان کی موت سے بحرین کا نظام برہم ہوگیا اور وہاں ارتداد کی وبا پھیل گئی ربیعہ کا پورا قبیلہ اور بشر ین عمرو عبدری مع اپنے اتباع کے مرتد ہوگیا نعمان بن منذر کا لڑکا منذران سب کا سرغنہ تھا دوسری طرف بنی قیس بن ثعلبہ حطیم کی سرکردگی میں مرتد ہوگئے اور یہ سب کے سب بحرین کے ایک قلعہ جواث میں قلعہ بن ہوگئے۔ علاء بن حضرمی اس وقت بحرین کے عامل تھے انہوں نے جواث کا محاصرہ کرلیا اور شب خون مار کر مرتد بن کر سرگروہ حطیم اور میں منذر کو قتل کر ڈالا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ منذر بچ کر نکل گیا اس کے بعد مجوسی مقام قطیف میں مخالفانہ جمع ہوئے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں بنی تمیم نے ایک ایرانی قافلہ کو چھیڑا تھا۔ اس لئے کسریٰ نے فیروز بن جشیش کو بنی تمیم کی تنبیہ کے لئے بھیجا اس نے زرارہ میں فوجیں اتاریں۔ قطیف کے باغی مجوسیوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ فیروز سے جا کر مل گئے اور جزیہ دینے سے انکار کردیا اس لئے علاء نے مرتدوں کی سرکوبی کے بعد ان مجوسیوں کا محاصرہ کیا ابھی محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا مگر علاء نے محاصرہ قائم رکھا اور حضرت عمرؓ کی مسند نشینی کے بعد مجوسیوں کو مطیع بنایا[2]۔

بحرین اور اس کے قرب وجوار کا پورا علاقہ ایرانیوں کے ماتحت تھا۔ صرف یہاں کے عرب قبائل مشرف باسلام ہوئے تھے۔ باقی مجوسی اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے اور جزیہ ادا کرتے تھے لیکن جب انہیں موقع ملتا تھا فوراً باغی ہوجاتے تھے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ہوا اس لئے زرارہ سے نپٹنے کے بعد علاء مجوسیوں کی بغاوت کا سدّباب کرنے کے لئے دارین پہنچے اور یہاں سے مجوسی آبادی کو نکال کر عرفجہ بن ہرثمہ کو بحری علاقوں کی طرف بھیجا انہوں نے دریا کو عبور کر کے بحرین کے ایک جزیرہ پر قبضہ کر کے یہاں ایک مسجد تعمیر کی[3]۔

بصرہ کی حکومت اور وفات :

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو یہاں کا حاکم بنایا تھا۔ چند دنوں کے بعد انہیں معزول کر کے علاء کو ان کی جگہ مقرر کیا اور ان کو لکھا کہ تم فوراً بحرین چھوڑ کر بصرہ کا

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ص ۹۱،۹۲ [2] فتوح البلدان بلاذری۔ص ۹۱،۹۲ [3] ابن سعد۔جلد ۴۔ص ۷۸۔ق ۲

انتظام سنبھالو اس حکم پر علاء حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو بکر کے ساتھ بصرہ روانہ ہو گئے لیکن فرمانِ خلافت کے ساتھ ہی ساتھ پیامِ اجل بھی پہنچ گیا اور علاء راستہ میں مقام لیاس میں انتقال کر گئے یہ مقام آبادی سے دور اور بے آب و گیا تھا پانی کی بڑی قلت تھی۔ حسنِ اتفاق سے پانی برس گیا ساتھیوں نے بارش کے پانی سے نہلا دیا اور تلوار سے گڑھا کھود کر زمین میں چھپا دیا اور بحرین و بصرہ کا حاکم اس لئے بے سرو سامانی کے ساتھ ایک آب و گیاہ میدان میں سپرد خاک کیا گیا[۱]۔

(۹۳) حضرت عمران بن حصینؓ

نام ونسب: عمران نام، ابو نجید کنیت، نسب نامہ یہ ہے: عمران بن حصین بن عبید بن خلف بن عبد نہم ابن حذیفہ بن جھمہ بن غاضرہ بن حبشیہ بن کعب بن عمرو الکعبی۔

اسلام: عمران سنہ ہجرت کی ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے ان کے ساتھ ان کے باپ اور ان کی بہن بھی اس شرف سے مشرف ہوئیں۔ اسلام لانے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے[۲]۔

غزوات: گو عمرانؓ وطن میں رہتے تھے لیکن ذوقِ جہاد میں غزوات کے موقع پر مدینہ پہنچ جاتے تھے چنانچہ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اور ان کے قبیلہ کا علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا[۳]۔ اس کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے سریہ میں بھی ہمراہ تھے[۴]۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر برابر مدینہ آتے جاتے رہے تھے آپ ﷺ کی وفات کا دل پر اتنا اثر ہوا کہ مدینہ آنا جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں کسی چیز میں حصہ نہیں لیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب بصرہ آباد ہوا تو یہاں منتقل ہو گئے اور گھر بنا کر مستقل اقامت اختیار کر لی۔ حضرت عمرؓ نے فقہ کی تعلیم کی ذمہ داری ان کے سپرد کی[۵]۔

حضرت عمرؓ کے بعد جب خانہ جنگی کا دروازہ کھلا تو بہت سے صحابی اس میں مبتلا ہو گئے لیکن عمرانؓ آخر تک اس سے محفوظ رہے[۶]۔

بنی امیہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ زیاد نے خراسان کی گورنری پیش کی عمرانؓ نے انکار کر دیا۔ دوستوں نے پوچھا اتنا بڑا عہدہ کیوں مسترد کر دیا کہا مجھ کو یہ پسند نہیں کہ میں تو اس کی گرمی میں نماز پڑھوں اور تم لوگ اس کی ٹھنڈک میں۔ مجھ کو خوف ہے کہ جب میں دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوں اس

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۸۷۔ ق ۲ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷
۴۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۴۳۰ ۵۔ ابن سعد۔ جزو ۷۔ ص ۵۔ ق اول ۶۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷

وقت زیاد کا کوئی ناواجب الطاعۃ فرمان پہنچے ایسی حالت میں اگر اس کی تعمیل کروں تو ہلاک ہو جاؤں اور اگر لوٹ آؤں تو گردن ماری جائے [۱]۔

علالت : عمران کی صحت نہایت خراب تھی آخر میں استسقاء کا مرض ہو گیا تھا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ داغنے سے فائدہ ہوگا لیکن وہ آنحضرت ﷺ سے داغنے کی ممانعت سن چکے تھے اس لئے رضامند نہ ہوئے۔ مرض برابر بڑھتا گیا آخر میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ پیٹ میں شگاف ہو گیا لیکن اس حالت میں بھی وہ فرمانِ رسول ﷺ کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ احباب نے کہا تمہاری حالت دیکھی نہیں جاتی تمہارے پاس کس طرح آئیں، فرمایا نہ آؤ لیکن جو چیز خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس کو میں کسی طرح پسند نہیں کر سکتا [۲]۔ آخر میں جب تکلیف ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی تو ابن زیاد کے اصرار سے راضی ہو گئے لیکن سخت نادم و شرمسار تھے [۳]۔

جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو تجہیز و تکفین کے متعلق یہ ہدایت دی کہ جنازہ جلدی جلدی لے چلنا، یہود کی طرح آہستہ آہستہ نہ لے چلنا۔ جنازہ کے پیچھے آگ نہ جلانا، نالہ و شیون نہ کرنا، قبر مربع چار بالشت اونچی رکھنا، دفن کر کے واپس ہو کر کھانا کھانا، نالہ و شیون کے روکنے میں اتنی سختی برتی کے اپنے متروکہ مال میں بعض اعزہ کو وصیت کی تھی۔ اس وصیت میں یہ شرط رکھ دی کہ جو عورت نالہ و شیون کرے گی اس کے متعلق وصیت منسوخ ہو جائے گی [۴]۔

وفات : اسی مرض میں ۵۲ھ میں بصرہ میں وفات پائی [۵]۔

اولاد : لڑکوں میں خلف الصدق تھے باپ کے بعد یہ بصرہ کی مسندِ قضا پر بیٹھے [۶]۔

فضل و کمال : عمرانؓ فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز ترین صحابہ میں تھے۔ علامہ عبدالبر لکھتے ہیں، **کان من فضلاء الصحابة وفقهائهم** ،عمران فضلاء اور فقہائے صحابہ میں تھے [۷]۔ بصری اصحاب کی ہمعصر جماعت میں کوئی صحابی ان کا ہمسر نہ تھا۔ محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ بصری صحابیوں میں کوئی عمرانؓ سے بلند نہ تھا [۸]۔ مشہور صاحب علم تابعی حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ عمران بن حصین سے بہتر آدمی ہمارے یہاں نہیں آیا [۹]۔

حضرت عمرانؓ مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئے تھے لیکن وقتاً فوقتاً مدینہ جایا کرتے تھے۔ اس لئے احادیث نبوی ﷺ کے سننے کے مواقع بار بار ملتے رہے اس لئے ان کے حافظہ

---

۱ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۶۶ ۲ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ تذکرہ عمران شگاف کا تذکرہ اسد الغابہ کی روایت میں ہے۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۸ ۳ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷ ۴ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۸
۵ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱ ۶ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول تذکرہ عمران
۷ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۶۸ ۸ مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱ ۹ ایضاً۔ ص ۴۷۲

میں اتنی حدیثیں محفوظ تھیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو دنوں تک مسلسل حدیثیں بیان کرتا رہوں اور ان میں ایک بھی مکرر نہ ہو[۱] لیکن اس علم کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد (۱۳۰) حدیثوں سے زیادہ نہیں ہے[۲]۔

اس کا سبب یہ ہے کہ روایت حدیث میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے اور جب بدرجۂ مجبوری اس کی نوبت آتی تو بہت سنبھل کر بیان کرتے، کہا کرتے تھے کہ میں حدیث کم بیان کرتا ہوں کہ میں نے بہت سے رسول اللہ ﷺ کے ایسے اصحاب کو دیکھا ہے جنہوں نے میری طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور میرے ہی برابر حدیثیں سنیں لیکن جب وہ کوئی حدیث بیان کرتے تو الفاظ میں کچھ نہ کچھ رد و بدل ضرور ہو جاتا ہے اگر چہ وہ اچھی نیت سے بیان کرتے ہیں، اس لئے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی کی طرح مجھے بھی دھوکا نہ ہو[۳]۔ جس درجہ میں حدیث حفظ ہوتی اس کا بھی اظہار کر دیتے۔ جس میں حافظ پر کامل اعتماد نہ ہوتا تو کہتے جہاں تک میرا خیال ہے، میں نے صحیح بیان کی اور اگر پورا یقین ہوا تو کہتے یہ حدیث آنحضرت ﷺ کو اس طرح بیان فرماتے ہوئے سنا ہے، ان کے تلامذہ میں نجید بن عمران، ابوالاسود، ابورجاء العطاردی، ربعی، ابن خروش، مطرف، یزید، حکم بن اعرج، زہدم جرمی، صفوان بن محرز، عبداللہ بن رباح، انصاری وغیرہ لائق ذکر ہیں[۴]۔

حلقۂ درس: گوحضرت عمرانؓ حدیثوں کے بیان کرنے میں بہت محتاط تھے لیکن ان کی اشاعت بھی ضروری فرض تھا اس لئے احتیاط کے ساتھ اس فرض کو بھی انجام دیتے تھے اور بصرہ کی مسجد میں مستقل حلقۂ درس تھا۔ بلال بن سیافؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو بصرہ جانے کا اتفاق ہوا مسجد میں دیکھا کہ لوگ ایک سپید بزرگ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں اور وہ ٹیک لگائے ہوئے ان لوگوں کو حدیثیں سنا رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عمران بن حصینؓ صحابی ہیں[۵]۔

ان کی ذات مرجع خلائق تھی اور بڑے بڑے صحابہ ان کے تفقہ کے قائل تھے ایک مرتبہ کسی نے آکر پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں، ایسی صورت میں وہ مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ جواب دیا طلاق دینے والا گنہگار ہوا لیکن عورت مطلقہ ہوگئی۔ مستفتی مزید تفصیل کیلئے ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس گیا اور ان کو عمرانؓ کا جواب سنایا۔ انہوں نے کہا ہماری جماعت میں

---

۱ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۴۳۳ ۲ تہذیب الکمال۔ ص ۲۹۵ ۳ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۴۳۳
۴ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۶ ۵ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۵۔ ق اول

ابو نجید کے ایسے بہت سے آدمی پیدا کر دے[1]۔ جس راستہ سے گذرتے لوگ مسائل دریافت کرتے ابونضرہ کو نماز سفر کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی اتفاق سے عمرانؓ ان کی طرف سوار ہو کر گذرے، ابونضرہ نے سواری کی لگام پکڑ لی اور روک کر مسئلہ پوچھا، عمران نے مفصل جواب بتایا[2]۔

فضائل اخلاق: عمرانؓ کی پوری زندگی مذہب کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی عبادت میں بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے تھے معاویہ بن قرہ بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصینؓ آنحضرت ﷺ کے ان اصحاب میں تھے جو عبادت میں بڑی مہنت شاقہ برداشت کرتے تھے [3]۔

احترام رسول: آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتنی گہری عقیدت اور آپ کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اس سے عمر بھر پیشاب کا مقام نہیں مس کیا[4]۔

پابندی اسوۂ رسول: عمل میں اسوۂ رسول پیش نظر رہتا تھا ابن زیاد نے محصل خراج کا عہدہ پیش کیا اس کو تو قبول کر لیا لیکن جب خراج وصول کر کے واپس ہوئے تو ایک درہم بھی ساتھ نہیں لائے پوچھا گیا خراج کی رقم کیا کی جواب دیا جس طرح سے رسول اللہ کے زمانہ میں وصول ہوتا تھا اس طریقہ سے وصول کیا اور جن مصرفوں میں خرچ ہوتا تھا ان میں صرف کر دیا[5]۔

او پر گزر چکا ہے کہ زیاد کا ہر واجب وناواجب حکم ماننا پڑے گا، ان کے انکار پر حکم بن عمرو غفاری نے قبول کر لیا، عمران کو معلوم ہوا تو ان کو بلا کر کہا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی ذمہ داری تمہارے سپرد کی گئی ہے، پھر انہیں مفید پند ونصائح کئے، اور اوامر ونواہی پر کار بند ہونے کی ہدایت کر کے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ خدا کی معصیت میں کسی بندہ کی فرمان برادری نہ کرنی چاہئے[6]، یعنی زیاد کی اطاعت میں خدا اور رسول کے خلاف عمل نہ کرنا۔

عام طور پر لباس بہت سادہ استعمال کرتے تھے لیکن کبھی کبھی تحدیثِ نعمت اور اظہار تشکر کے لئے بیش قیمت کپڑا بھی زیب تن کر لیتے تھے، ایک مرتبہ خلاف معمول خز کی چادر اوڑھ کر نکلے، اور کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب خدا کسی بندہ پر احسان وانعام کرتا ہے تو اس کا ظاہری اثر بھی اس پر ہونا چاہئے۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۲۔ [2] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۴۴۴۔ [3] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔ [6] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۶۶۔

(۹۴) حضرت عمرو بن حمقؓ

نام ونسب: عمرو نام، باپ کا نام حمق تھا۔ نسب نامہ یہ ہے: عمرو بن حمق بن کاہن بن حبیب بن عمرو بن قین زراح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

اسلام: عمرو کے زمانہ اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور مشرف باسلام ہونے کے بعد مدینہ آ گئے، دوسری یہ کہ حجۃ الوداع میں اسلام قبول کیا۔ پہلی روایت زیادہ مرجح ہے، حافظ ابن حجر بھی اسی کو مرجح سمجھتے ہیں[1]۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت:

عہد نبویﷺ سے لے کر حضرت عمرؓ کے زمانہ تک عمرو کے حالات پردۂ خفا میں ہیں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مصر میں رہتے تھے۔ آپ کے بڑے مخالفوں میں تھے ان کی مخالفت اس حد تک تھی کہ قصر خلافت پر حملہ کرنے والوں میں ان کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کی حمایت:

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کوفہ چلے آئے اور شروع سے آخر تک حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں رہے۔ جمل صفین اور نہروان کے معرکوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ جان فروشانہ شریک ہوئے[2]۔ جنگ جمل میں اس بے جگری سے لڑے کے تلوار کی دھار الٹ الٹ گئی[3]۔ جنگ صفین کے درمیان التواء کے بعد جب دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو بنی خزاعہ کے دستہ کے افسر مقرر ہوئے[4]۔ تحکیم کے سخت مخالف تھے لیکن جب حضرت علیؓ کو چارو ناچار حکم کی تجویز ماننی پڑی اور التوائے جنگ کا معاہدہ لکھا گیا اور عمرو نے بھی اس پر بحیثیت شاہد کے دستخط کئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی عمرو اسی طرح بنی امیہ کے مخالف رہے اور حضرت علیؓ کے مشہور حامی حجر بن عدی کے ساتھ ہو گئے۔ امیر کے زمانہ میں جب زیاد عراق کا حاکم مقرر ہوا اور شیعیان علیؓ پر سختیاں ہونے لگیں اور شیعی تحریک کے بانی قتل کئے جانے لگے۔ تو عمرو عراق چھوڑ کر موصل بھاگ گئے، اور ایک غار میں چھپ گئے اس غار میں ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور یہی غار قبر بن گیا۔ عمرو اشتہاری مجرم تھے برابر تلاش جاری تھی، تلاش کرنے والے غار تک پہنچ گئے اور عمرو کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس بھجوا دیا[5]۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۴ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۰ [3] اخبار الطوال۔ ص ۱۶۰
[4] ایضاً۔ ص ۱۸۳ [5] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۳

تعمیر مقبرہ : ۳۳۶ھ میں مصر کے مشہور حکمران سیف الدولہ کے چچازاد بھائی ابوعبداللہ بن حمدان نے ان کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ مدتوں تک مرجع خلائق رہا، اس کی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں بڑی لڑائیاں ہوئیں[1]۔

فضل وکمال : جبیر بن نفیرہ اور رفاعہ بن شداد نے ان سے روایت کی ہے[2]۔ صاحب اخبار الطوال لکھتے ہیں کہ عمرو کوفہ کے عابد وزاہد لوگوں میں تھے[3]۔

(۹۵) حضرت عمرو بن مرّہؓ

نام ونسب : عمرو نام ابومریم کنیت نسب نامہ یہ ہے عمرو بن مرہ بن عبس بن مالک بن حارث بن مازن بن سعد بن مالک بن رفاعہ بن نصر بن مالک بن غطفان بن قیس بن جھینہ جھنی۔

اسلام : عمروؓ صحابہ کے اس زمرہ میں ہیں جنہوں نے اس وقت اسلام کی دعوت کو لبیک کہا جب عرب کے درودیوار سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ اسلام کی دعوت سن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ "میں اس تمام حلال وحرام پر ایمان لاتا ہوں جو آپ خدا کے پاس سے لائے ہیں اگرچہ تمام قوم کی جانب سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہورہی ہیں[4]۔

اشاعت اسلام : اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی حصول تعلیم کے بعد اشاعت اسلام کے لئے اپنے قبیلہ واپس گئے۔ چند دنوں میں ان کی مخلصانہ کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہوگیا[5]۔

غزوات : غزوات میں ان کی شرکت کی تفصیلات نہیں ملتیں مگر اس قدر مسلم ہے کہ اس شرف سے محروم نہ رہے تھے[6]۔

شام کا قیام اور اوامر ونواہی کی تبلیغ :

جب بہت سے صحابہ نے شام کی سکونت اختیار کی تو عمرو بھی وہیں متوطن ہوگئے، اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر اوامر ونواہی کی تبلیغ کا فرض انجام دینے لگے، ان کی تبلیغ غربا کے جھونپڑوں سے لے کر امراء وسلاطین کے قصور وخلافت تک یکساں ہوتی تھی، ایک مرتبہ امیر معاویہ سے جا کر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو امام حاجتمندوں، دوستوں اور محتاجوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا،

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۱ [2] تہذیب الکمال۔ ص ۲۸۸ [3] اخبار الطوال۔ ص ۱۶۰
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۱ [5] اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۲ [6] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲

تو خدا اس کی حاجتوں، اس کی احتیاجوں اور اس کے سوالوں کے لئے آسمان کے دروازے بند کرے گا اس دن سے امیر معاویہؓ نے عوام کی حاجت روائی کے لئے ایک خاص شخص متعین کر دیا[1]۔

وفات : عبدالملک کے زمانہ میں وفات پائی۔

فضل وکمال : حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن اور سنت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے، اس کا نمونہ یہ ہے۔

انی شرعت الان فی حوض التقی وخرجت من عقدالحیاۃ سیلما

میں اب تقویٰ کے حوض میں تیرا اور مشکلات سے صحیح وسالم نکل آیا

ولبست اثواب الحلیم فاصبحت امر الغوایۃ من ھوای عقیما

میں نے حلیم کا لباس پہن لیا اور گمراہیوں کی ماں میری خواہش سے ناامید ہوگی

(۹۶) حضرت عوسجہ بن حرملہؓ

نام ونسب : عوسجہ نام باپ کا نام حرملہ تھا، نام ونسب یہ ہے عوسجہ بن حرملہ بن جذیمہ بن مبرہ بن خدیج ابن مالک بن عمرو بن ذہل بن عمرو بن ثعلبہ بن رفاعہ بن نصر بن مالک بن غطفان ابن قیس بن جھنیہ جھنی۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ ابن سعد نے مسلمین قبل الفتح کے تحت میں لکھا ہے فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ آپ ﷺ نے ایک ہزار کی جمعیت پر انہیں شرف امارت عطا فرمایا تھا[2]۔

نماز کی پابندی پر خوشنودی کا تمغہ :

عوسجہ مقام مردرہ میں رہتے تھے او دومہ میں ایک مسجد تھی، ان دونوں مقاموں میں کافی فاصلہ تھا۔ عوسجہ ٹھیک نصف النہار کے وقت یہاں نماز پڑھنے آتے اور جماعت کے لئے دن بھر دونوں مقاموں کے درمیان ان کی روادوش جاری رہتی عرب کے کسی قبیلہ کا کوئی آدمی اتنا مستعد نہ تھا، خود آنحضرت ﷺ ان کی اس مستعدی پر متعجب ہوتے تھے اور اظہار خوشنودی کے طور پر فرمایا تھا کہ جو مانگنا ہو مانگو دیا جائے گا[3]۔

---

۱ اصابہ۔ جلد۵۔ ص۱۶ ۲ ابن سعد۔ جلد۴۔ ص۴۷۔ ق۲ ۳ اصابہ۔ جلد۵۔ ص۴۲

(۹۷) حضرت عیاض بن حمارؓ

نام ونسب : عیاض نام، باپ کا نام حمار یا حماد تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : عیاض بن حمار بن ابی حماد بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم تمیمی مجاشی۔

اسلام سے پہلے : عیاضؓ زمانہ جاہلیت کے آنحضرت ﷺ کے دوست تھے[1]۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد قدیم تعلق کی بنا پر آپ ﷺ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے قبول نہیں کیا[2]۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ صحیح طور سے متعین نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں سکونت اختیار کرلی۔

بادیہ نشینی : پھر کچھ دنوں کے بعد آبادی کو چھوڑ کر بادیہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ حضرت زبیر بن عوامؓ جنگ جمل میں جب بصرہ تشریف لے گئے تو ان کو تلاش کیا معلوم ہوا وادی سباع میں ہیں چنانچہ وادی سباع میں جاکر ان سے ملاقات کی[3]۔

فضل وکمال : ان سے تیس حدیثیں مروی ہیں[4]۔ ان سے روایت کرنے والوں میں مطرف بن عبداللہ یزید بن عبداللہ علاء بن زیاد حسن بصری اور عقبہ بن صہبان کے نام ملتے ہیں[5]۔

عام حالات : عرب میں ایک جماعت ایسی تھی جو تبرکاً قریش کے کپڑے پہن کر طواف کرتی تھی عیاضؓ بھی ان ہی خوش عقیدہ لوگوں میں تھے۔ ان کے پاس آنحضرت ﷺ کا لباس موجود تھا چنانچہ جب مدینہ آتے تو پیراہن نبوی میں طواف ادا کرتے[6]۔

(۹۸) حضرت غالبؓ بن عبداللہ

نام ونسب : غالب نام باپ کا نام عبداللہ تھا نسب نامہ یہ ہے غالب بن عبداللہ بن مسعر بن جعفر بن کلب بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکیر بن عبد مناۃ بن کنانی لیثی۔

اسلام وغزوات : فتح سے پہلے مشرف باسلام ہوچکے تھے۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ اس غزوہ میں مکہ کے راستہ کی درستی اور دشمن کے حالات کا تجسس پر مامور ہوئے۔ راستہ میں بنی کنانیہ کے چھ ہزار اونٹوں کا گلہ ملا غالب نے ان کا دودھ دُہا اور لے جاکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی آپ ﷺ نے لے کر سب کو پلایا[7]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد۲۔ ص۵۱۰ [2] مسند احمد بن حنبل۔ جلد۵ [3] تہذیب التہذیب۔ جلد۸۔ ص۲۰۰
[4] تہذیب الکمال۔ ص۳۰۱ [5] تہذیب التہذیب۔ جلد۸۔ ص۲۰۰ [6] استیعاب۔ جلد۲۔ ص۵۱۰
[7] اصابہ۔ جلد۵۔ ص۱۸۷

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ساٹھ سواروں کے ہمراہ بنوملوح کے مقابلہ کے لئے کدید بھیجا۔ راستہ میں مقام قدید میں حارث بن مالک ملا، مسلمانوں نے اس کو گرفتار کرلیا اس نے کہا میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جارہا ہوں لیکن مسلمانوں نے اس بیان پر اعتماد نہیں کیا اور کہا اگر واقعی تم مسلمان ہونے والے ہو تو تم کو ایک شب کی قید سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اگر اسلام کا ارادہ نہیں ہے تو ہم کو تمہاری جانب سے اطمینان رہے گا۔

چنانچہ اس کو ایک رباط میں باندھ کر ایک آدمی نگرانی پر مقرر کر دیا اور منزلِ مقصود کی جانب آگے بڑھے۔ غروبِ آفتاب کے وقت کدید کے قریب پہنچے، یہاں سے مسلمانوں نے انہیں دشمن کے تجسس کے لئے بھیجا۔ یہ آبادی کے متصل ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر منہ کے بل لیٹ کر جائزہ لینے لگے اتنے میں ایک شخص آبادی سے نکلا اس کو غالب کا سایہ نظر پڑا۔ اس نے بیوی سے کہا مجھ کو ٹیلہ پر سایہ سا نظر آرہا ہے پھر خیال کیا کہ شاید کتا وغیرہ ہو۔ بیوی سے کہا دیکھو کوئی برتن تو کتا نہیں لے گیا اس نے دیکھا تو سب برتن محفوظ تھے۔ کتے کا شک دور کرنے کے بعد اس شخص کو یقین ہو گیا کہ ٹیلہ پر کوئی اجنبی آدمی ہے۔ چنانچہ بیوی سے تیر و کمان منگا کر غالب پر دو تیر چلائے ان میں سے ایک تیر غالب کے پہلو میں لگا اور دوسرا کندھے پر لیکن انہوں نے غیر معمولی استقلال سے کام لیا۔ دونوں تیر کھینچ کر نکال دیئے اور اپنی جگہ سے جنبش نہ کی ان کے اس استقلال کی وجہ سے اس شخص کا شک جاتا رہا۔ بولا میں نے دو تیر مارے، دونوں لگے اگر کوئی آدمی یا جاسوس وغیرہ ہوتا تو اپنی جگہ سے کچھ حرکت کرتا۔

اس اطمینان کے بعد اس نے بیوی کو ہدایت کی کہ صبح کو دونوں تیر اُٹھالانا اور اپنا راستہ لیا جب آبادی کے لوگ سو گئے تو پچھلے پہر کو مسلمانوں نے شب خون مار کر آبادی لوٹ لی۔ جب تک گاؤں کے منادی نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا، مسلمان مالِ غنیمت اور مالک ابن برصاء کو لے کر نکل گئے [1]۔

اس کے بعد غالب اسامہ بن زید ؓ کے سریہ میں شریک ہوئے پھر عراق کی فوج کشی میں شرکت کی اور اس سلسلہ میں مشہور جنگِ قادسیہ میں دادِ شجاعت دی۔ ہرمزان ان ہی کے ہاتھ سے مارا گیا [2]۔

گورنری: امیر معاویہ کے زمانہ میں ابن زیاد نے خراسان کا گورنر مقرر کیا [3]۔

وفات: زمانۂ وفات غیر متعین ہے۔

۱؎ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۶ ۲؎ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۷ ۳؎ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۱

(۹۹) حضرت فروہ بن مسیکؓ

نام ونسب : فروہ نام، ابوسبرہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : فروہ بن، مسیک بن حارث بن سلمہ بن حارث ابن زوید بن مالک بن عتبہ بن عطیف بن عبداللہ بن ناجیہ بن مراد مرادی۔

فروہ یمن کے باشندے اور اپنے قبیلہ کے معزز اور مقتدر لوگوں میں تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کے قبیلہ مراد اور ھمدان کے درمیان نہایت خون ریز جنگ ہوئی تھی جو "یوم دارم" کے نام سے موسوم ہے اس جنگ میں قبیلہ مراد کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ فروہ اس سے سخت متاثر ہوئے اور اس تاثر میں یہ اشعار کہے۔

فلو خلد الملوک اذاً خلونا ولو بقی الکرام اذاً بقینا

اگر بادشاہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے تو ہم بھی ہمیشہ رہتے اور اگر اچھے لوگ
ہمیشہ باقی رہنے والے ہوتے تو ہم بھی باقی رہتے۔

اسلام اور اشاعتِ اسلام : ۱۰ھ میں سلاطینِ کندہ کا دربار چھوڑ کر شہنشاہ کونین ﷺ کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا، فروہ میں نے سنا ہے کہ تم کو اپنی قوم کی شکست کا بڑا صدمہ ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) وہ کون شخص ہے جس کی قوم مصیبت میں مبتلا ہوئی ہو اور اس کو اس سے تکلیف نہ پہنچی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ اس شکست نے اسلام میں تمہاری قوم کو فائدہ ہی پہنچایا۔ قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو مراد، زبید اور مذحج کا عامل بنایا اور سعید بن العاص کو ان کا شریک کار مقرر فرمایا[1]۔

چلتے وقت فروہ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میری قوم میں جو شخص قبولِ اسلام سے انکار کرے اس کا میں ان لوگوں کی مدد سے جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے، مقابلہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، یہ اجازت لے کر وطن لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عطیفی (فروہ) کہاں ہیں معلوم ہوا جا چکے، آپ ﷺ نے فوراً آدمی دوڑا کر انہیں واپس بلوایا اور ہدایت فرمائی کہ تم اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا جو لوگ آمادہ ہوں۔ انہیں مسلمان بنانا اور جو انکار کریں ان کے بارے میں میری دوسری ہدایت کا انتظار کرنا[2]۔ اس ہدایت کے ساتھ اپنے وطن پہنچے اور اپنے قبیلے کی رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے۔

فتنۂ ارتداد : حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو ان کے قبیلہ کا ایک مقتدر رئیس عمرو بن معدیکرب بھی اس کا شکار ہو گیا۔ فروہؓ نے اس کی ہجو میں اشعار کہے[3]۔

---

[1] ابن سعد۔ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۸۰ [3] اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۹

فضل وکمال : گو فروہؓ بالکل آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تاہم حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے خالی نہیں۔ اور ابوداؤد اور ترمذی میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ شعبی اور ابو سبرہ نخعی ان کے رواۃ میں ہیں[1]۔

(۱۰۰) حضرت فضالہ لیثیؓ

نام ونسب : فضالہ نام، باپ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض عبداللہ، بعض وہب اور بعض عمیر بتاتے ہیں عمیر زیادہ مرجح ہے۔ جسب نامہ یہ ہے : فضالہ بن وہب بن بحرہ بن بحیرہ بن مالک بن عامر لیثی۔

اسلام : عام مشرکین کی طرح فضالہ بھی آنحضرت کے جانی دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ موقع پا کر قتل کرنے کے ارادہ سے آپ کی طرف بڑھے، قریب پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا فضالہ ہیں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا، ابھی تمہاری دل تم سے کیا باتیں کر رہا تھا، کہا کچھ نہیں اللہ عزوجل کو یاد کر رہا تھا یہ مصنوعی جواب سن کر آنحضرت ﷺ ہنس دیئے اور **استغفر اللہ** کہہ کر ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اس سے فضالہ کو بڑا سکون محسوس ہوا۔ ان کا بیان ہے کہ ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ نہ ہٹایا تھا کہ میرا دل آپ ﷺ کی محبت سے معمور ہو گیا اور تمام مخلوق میں کوئی آپ ﷺ سے زیادہ محبوب باقی نہ رہا۔

اس سعادت کے بعد گھر لوٹے راستہ میں ایک عورت جس سے یہ باتیں کیا کرتے تھے۔ اس نے معمول کے مطابق انہیں بلایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے[2]۔

قالت ھلم الی الحدیث فقلت لا ۔۔۔ یابی علیک اللہ والا سلام

اس نے کہا آؤ بات چیت کریں میں نے کہا نہیں خدا اور اسلام نے تیری مخالفت کی ہے

لوما رأیت محمداً وقبیلہ ۔۔۔ بالفتح یوم تکسرا لا منام

کاش تو محمد ﷺ ان کے ساتھیوں کو فتح کے دن دیکھتی جب وہ بت توڑ رہے تھے

لرأیت دین اللہ اضحی بنینا ۔۔۔ والشرک یغشی وجمہ الا ظلام

تو تجھے نظر آتا کہ خدا کا دین ہمارے درمیان روشن ہو گیا اور شرک کے چہرے کو تاریکی نے چھپالیا

اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اسلامی فرائض کی تعلیم دی اور ہدایت فرمائی کہ نمازِ پنجگانہ پابندی کے ساتھ پڑھا کرو[3]۔

---

[1] تہذیب الکمال۔ ص ۳۰۸ [2] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۴۶ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۸۲

فضل وکمال : ان سے ان کے لڑکے عبداللہ نے روایت کی ہے۔ حفاظتِ عصرین کی روایت انہیں سے مروی ہے۔

وفات : وفات کا زمانہ غیر معین ہے۔

(۱۰۱) حضرت فیروز دیلمیؓ

نام ونسب : فیروز نام، ابوعبداللہ کنیت، نسلاً عجمی تھے۔ حمیری قبائل کے ساتھ رہتے تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا۔ ایک وفد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

قبولِ اسلام کے وقت دو حقیقی بہنیں فیروز کے عقد میں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان میں سے ایک کو رکھو اور دوسری کو الگ کر دو۔ صنعاء میں انگور کی بڑی پیداوار تھی اور اس کی شراب بنتی تھی ان کے اسلام لانے کے وقت شرب حرام ہو چکی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے ملک میں انگور کی کثرت ہے لیکن شراب حرام ہو چکی ہے اب اس کو کس مصرف میں لایا جائے۔ فرمایا انہیں خشک کر لیا کرو۔ عرض کیا خشک کرنے کے بعد کیا کریں؟ فرمایا صبح کو بھگو دیا کرو اور شام کو پی لیا کرو اور شام کو بھگو کر صبح کو پی لیا کرو۔ انگور کا مسئلہ حل کرنے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کو معلوم ہے کہ ہم کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں آپ ﷺ کس کو ہمارا ولی بناتے ہیں۔ فرمایا، خدا اور رسول کو عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) یہ ہمارے لئے بس ہے۔[1]

اسود عنسی کے قتل میں شرکت :

مشہور مدعی نبوت اسود عنسی کی شورش کو دبانے کے بعد اس کے کامل استیصال کے لئے قیس بن ہبیرہ کی ماتحتی میں جو مہم روانہ کی گئی تھی۔ اس میں فیروز بھی تھے۔ ان کا شمار اسود عنسی کے قاتلوں میں ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے قتل کیا تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز قاتل تھے، کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قتل فیروز نے کیا تھا، لیکن سر قیس نے تن سے جدا کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اسود کے قتل کا سرا فیروز کے سر باندھتے تھے اور فرماتے تھے اس شیر نے قتل کیا ہے۔[2] بہر حال فیروز نے تنہا قتل نہیں کیا تو اس کے قاتلوں میں ضرور تھے، لاخلاف ان فیروز الدیلمی ممن قتل الاسود بن کعب عنسی۔[3]

---

[1] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۳۲ [2] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۱۳ [3] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۳۵

حضرت اسود کے قتل کی خبر آنحضرت ﷺ کی وفات سے چند روز پیشتر مدینہ میں آ گئی تھی اور آپ ﷺ کو اس پر بڑی مسرت تھی۔ ایک دن صبح سویرے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل مبارک اہل بیت کے ایک مبارک فرد نے اس کو قتل کیا ہے[1]۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی[2]۔

فضل وکمال : ان سے ان کے لڑکے ضحاک، عبداللہ اور سعید نے روایت کی ہے[3]۔

(۱۰۲) حضرت قباث بن اشیمؓ

نام ونسب : قباث نام، باپ کا نام اشیم تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : قباث بن اشیم بن عامر بن ملوح بن یغمر ابن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کنانی۔

اسلام سے پہلے : بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، اس میں ان کی خاص اہمیت تھی۔

اسلام وغزوات : غزوہ بدر کے بعد مشرف باسلام ہوئے[4] اور بعض غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا[5]۔

شام کی فوج کشی اور دمشق کی سکونت:

شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شرکت کی۔ جنگِ یرموک میں فوج کا ایک حصہ ان کے ماتحت تھا۔ شام کی تسخیر کے بعد دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی[6]۔

وفات : وفات کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ عبدالملک اموی کے عہد تک زندہ تھے۔

احترام نبوت ﷺ : آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں اپنے سن کی زیادتی کو بھی بڑائی سے تعبیر نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبدالملک نے ان سے پوچھا تم بڑے تھے، یا رسول اللہ (ﷺ) قباث نے کہا آنحضرت ﷺ مجھ سے بڑے تھے البتہ میں ان سے سن میں زیادہ تھا[7]۔

(۱۰۳) حضرت قثم بن عباسؓ

نام ونسب : قثم، حضرت عباس بن عبدالمطلب کے صاحبزادے اور آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : قثم بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن قریشی ہاشمی۔ ماں کا نام لبابہ تھا۔

---

[1] ایضاً [2] اسد الغابہ۔ جلد۴۔ ص۱۴۶ [3] تہذیب الکمال۔ ص۳۱۱ [4] اسد الغابہ۔ جلد۴۔ ص۱۹۰
[5] اصابہ۔ جلد۵۔ ص۲۲۵ [6] اسد الغابہ۔ جلد۴۔ ص۱۹۰ [7] استیعاب۔ جلد۲۔ ص۵۵۰

نانہالی شجرہ ہے، لبابہ بنت حارث بن حزن ہلالیہ، لبابہ حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسری مسلمہ تھیں[۱]۔

بچپن: آنحضرت ﷺ کے عہد میں بہت کم سن تھے اس لئے بجز آنحضرت ﷺ کی مہر ومحبت کے اس عہد کا انکار اور کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ آپ ﷺ کو حضرت عباسؓ کی اولاد سے بڑی محبت تھی اور انہیں بہت پیار کرتے تھے، ایک مرتبہ قثم عبداللہ اور جعفر ساتھ کھیل رہے تھے، آنحضرت ﷺ کی سواری ادھر سے گذری تو جعفر اور قثم کو ساتھ بٹھا لیا[۲]۔

غسل جسمِ اطہر ﷺ:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت کسی حد تک شعور کو پہنچ گئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کے غسل میت اور تجہیز وتکفین میں شریک تھے اور غسل دیتے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ جسدِ اطہر کو کروٹیں بدلا کرتے تھے[۳]۔ اور قبر انور میں اتارنے کے لئے بھی اترے تھے، اور جسد اطہر کو فرش خاک پر لٹانے کے بعد سب سے آخر میں قبر سے نکلے تھے، بعض راوی یہ آخری شرف مغیرہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ آخری شرف قثم کو حاصل ہوا[۴]۔

امارت: وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد شیخینؓ کے اختتامِ خلافت تک کے حالات پردۂ خفا میں ہیں حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں باختلاف روایت مکہ یا مدینہ کی امارت پر سرفراز فرمایا[۵]۔

شہادت: امیر معاویہ کے عہد خلافت میں سعید بن عثمان کے ہمراہ خراسان کی فوج کشی میں شریک ہوئے۔ اس سلسلہ کی بعض فتوحات کے مالِ غنیمت میں سے سعید نے ایک ہزار انہیں دینا چاہا، انہوں نے کہا پہلے تم اپنا پانچواں حصہ لے لو، اس کے بعد عام مجاہدین میں تقسیم کرو، ان سے بچنے کے بعد جو چاہے دے دینا[۶]۔ اسی سلسلہ کے معرکہ سمرقند میں جام شہادت پیا[۷]۔

حلیہ: صورۃً آنحضرت ﷺ کے ہم شبیہ تھے۔ بعض شعراء نے اس پر طبع آزمائی بھی کی ہے[۸]۔

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے وہ ممتاز صحابہ میں تھے ابن سعد لکھتے ہیں، کان قثم ورعاً فاضلاً۔ قثم پاکباز اور فاضل تھے[۹]۔ ابو اسحٰق سہیلی نے ان سے روایت کی ہے[۱۰]۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۹۷ ۔ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ تذکرہ جعفر ۔ ۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد اول۔ ص ۲۶۰
۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۱ ۔ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۹۷ ۔ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۰۱۔ ق ۲
۷۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ۱۹۷ ۔ ۸۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۰ ۔ ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۰۱۔ ق ۲
۱۰۔ تہذیب الکمال۔ ص ۳۱۸

(۱۰۴) حضرت قیس بن خرشہؓ

نام ونسب : قیس نام، باپ کا نام خرشہ تھا۔ نسباً قبیلہ بنو قیس بن ثعلبہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بیعت اسلام : قیس کے زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی۔ ان کے دل میں مدتوں سے حق کی تلاش تھی، چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد بلا کسی خارجی تحریک کے اپنے وطن سے مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے، یارسول اللہ ﷺ میں اس شے پر جو خدا کی جانب سے آپ ﷺ کے پاس آئی ہے، اور حق گوئی پر آپ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کرتا ہوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ قیس ممکن ہے آئندہ تم کو ایسے والیوں سے سابقہ پڑے جن کے مقابلہ میں تم حق گوئی سے کام نہ لے سکو، عرض کیا ایسا نہیں ہوسکتا خدا کی قسم جس چیز پر آپ ﷺ سے بیعت کروں گا۔ اسے ضرور پورا کروں گا، فرمایا اگر ایسا ہے تو تم کو کسی شر سے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

اس عہد پر اس سختی کے ساتھ قائم رہے کہ بنی امیہ کے زمانہ میں زیاد اور عبید اللہ بن زیاد جیسے ستم کیشوں اور ظالموں پر برملا نکتہ چینی کرتے تھے عبید اللہ نے ایک مرتبہ بلا کر کہا تم خدا اور رسول پر افتراء پردازی کرتے ہو، کہا خدا کی قسم نہیں میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا البتہ اگر تم کہو تو میں اس شخص کا نام بتادوں جو ایسا کرتا ہے، عبید اللہ نے پوچھا بتاؤ، قیس نے کہا جس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو پس پشت ڈال رکھا ہے، عبد اللہ نے کہا وہ کون جواب دیا تم اور تمہارا باپ[1]۔

ان کی یہ حق گوئی صرف عبید اللہ ہی کی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ تمام ظالم حکام کے مقابلہ میں اسی حق گوئی سے کام لیتے تھے، **کان شدیداً علی الولاۃ الا بالحق** ، قیسؓ والیوں کے معاملہ میں نہایت سخت اور بڑے حق گو تھے[2]۔

وفات: ان کی اس سخت گیری اور حق گوئی پر عبید اللہ ان کا دشمن ہوگیا اور آخری مرتبہ بلا کر کہا تمہارا خیال ہے کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ فرمایا بے شک میرا یہ خیال ہے۔ عبید اللہ نے کہا اچھا آج ہی تمہارے اس جھوٹے خیال کی قلعی کھلی جاتی ہے، یہ کہہ کر سزا دینے والوں کو بلایا۔ ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ قبل اس کے کہ سزا دینے والے پہنچیں اور ان کے جسم کو ہاتھ لگائیں، ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور وہ سزا کے شر سے بچ گئے[3]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد۴۔ ص۲۸۲ [2] استیعاب۔ جلد۲۔ ص۵۴۳ [3] استیعاب۔ جلد۲۔ ص۵۴

صحت عقائد: قیس نہایت راسخ العقیدہ تھے، پیشین گوئی وغیرہ کے مطلقاً قائل نہ تھے اور اسے خلاف مذہب سمجھتے تھے ایک دن کعب کے ساتھ جارہے تھے، صفین کے میدان کے پاس پہنچے تو کعب نے ایک نظر ڈال کے کہالا الٰہ اللہ اس خطۂ زمین پر مسلمانوں کی اتنی خونریزی ہوگی کہ کسی خطہ میں نہ ہوئی ہوگی، یہ سن کر قیس نے بگڑ کر کہا ابو اسحٰق یہ کیا کہتے ہو غیب کا علم صرف خدا کو ہے [1]۔

(۱۰۵) حضرت قیس بن عاصمؓ

نام ونسب: قیس نام ابو علی کنیت نسب نامہ یہ ہے قیس بن عاصم بن خالد بن منقر ین عبید ابن مقاعس بن عمر بن کعب بن سعد بن زید بن مناۃ بن تمیم تمیمی منقری۔

قیس اپنے قبیلہ کے سردار تھے، اور زمانہ جاہلیت میں بڑے وقار وتمکنت سے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی جاہلی زندگی کا حال بتایا کہ میں نے اس زمانہ میں بھی کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ کبھی کسی تہمت سے متہم ہوا، ہمیشہ فوجی سواروں میں پنچایت کی مجلسوں میں یا مجرموں کی حمایت میں رہتا تھا [2]۔

البتہ لازمۂ امارت شراب بہت پیتے تھے۔ ایک دن بدمستی کی حالت میں اپنی لڑکی کے پیٹ کی شکنوں پر ہاتھ ڈال دیا اور ماں باپ کو نہایت فحش گالیاں سنائیں۔ شب ماہ تھی چاند دیکھ کر اور ترنگ بڑھی اول فول بکنے لگے، اور مدہوشی کے عالم میں بادہ فروش کو ایک خطیر رقم دے ڈالی جب نشہ ہرن ہوا تو لوگوں نے بدمستی کے واقعات سنائے انہیں سن کر اس قدر نادم اور شرمسار ہوئے کہ اسی دن سے توبہ کر لی اور پھر کبھی شراب کو منہ نہیں لگایا، اشعار ذیل اس واقعہ کی یادگار ہیں [3]۔

رایت الخمر صالحة و فیها خصال تفسد الرجل الحلیما

میں شراب کو اچھی چیز سمجھتا تھا لیکن اس میں بعض ایسے اوصاف ہیں
جو حلیم اور سنجیدہ آدمی کے اخلاق بگاڑ دیتے ہیں

فلا واللہ اشربها صحیما ولا اشفی بها ابدا سقیماً

خدا کی قسم کبھی نہ اس کو صحت کی حالت میں پیوں گا اور نہ بیماری میں دوا کے لئے استعمال کروں گا

اسلام: ۹ھ میں تمیم کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بادیہ نشینوں کے سردار ہیں، کچھ دنوں کے بعد امارت صدقہ کی خدمت سپرد ہوئی [4]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۵۴۳ [2] اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۸ [3] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۴۰
[4] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۴۴۳۔ ق اول۔ سنہ کی تعیین اسد الغابہ سے لی گئی ہے۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد غالباً سب سے اول غزوہ حنین میں شریک ہوئے اس غزوہ میں فوج کے اس حصہ میں تھے جس نے پہلے بنوہوازن کو پسپا کر دیا تھا، لیکن پھر مال غنیمت کی لوٹ میں شکست کھا گیا تھا[1]۔

وصیت اور وفات : بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہیں مرض الموت میں مبتلا ہوئے جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو لڑکوں کو بلا کر حسب ذیل وصیت کی۔

میرے بچو! جب میں اس دنیا سے گذر جاؤں تو جو تم میں سب سے بڑا ہو اس کو سردار بنانا اور اپنے بزرگوں کا صحیح جانشین اور نمونہ بننے کی کوشش کرنا، اپنے چھوٹے کو سردار نہ بنانا ورنہ تمہارے ہم چشم تم پر نکتہ چینی کریں گے، مجھ پر نوحہ نہ کرنا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، مال کی اصلاح وحفاظت مدنظر رکھنا اس سے شرفاء کی شان بڑھتی ہے۔ اور کمینوں سے استغنار رہنا ہے اپنے اُونٹوں کو بے محل نہ صرف کرنا لیکن برمحل صرف کرنے میں بخل بھی نہ کرنا کم اصلوں سے شادی نہ کرنا، ممکن ہے اس سے وقتی مسرت حاصل ہو لیکن اس سے جو خرابی پیدا ہوگی وہ اس مسرت سے زیادہ نقصان رسا ہوگی اپنے دشمن کی اولاد سے بچتے رہنا، وہ اپنے بزرگوں کی طرح تمہاری دشمن ہوگی، مجھ کو ایسے مقام پر دفن نہ کرنا جہاں بکر بن وائل کا گذر ہو سکے زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ میرے اختلاف اور جھگڑے رہ چکے ہیں اس لئے خطرہ ہے کہ وہ انتقام میں میری قبر کھود ڈالیں گے، ان کی دنیا اور تمہاری آخرت برباد کریں گے پھر ترکش سے ایک تیر نکال کر بڑے لڑکے کو دیا اور کہا اس کو توڑ و اس نے توڑ دیا، پھر دو تیر ایک ساتھ توڑنے کو دیئے اس نے کوشش کی مگر نہ توڑ سکا، مشاہدہ کرانے کے لئے کہا کہ اتحاد اتفاق اور تشتت واختلاف میں تمہاری حالت اسی تیر کی طرح ہے یعنی اگر متفرق رہو گے، تو ہر شخص زیر کرے گا اور اگر مل کر رہو گے تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا[2]۔

اولاد : وفات کے بعد ۳۲ لڑکے یادگار چھوڑے، ہزاروں کی تعداد میں مویشی تھے جو صحرانشینوں کی سب سے بڑی دولت ہے[3]۔

فضل وکمال : گو قیسؓ بہت آخر میں مشرف باسلام ہوئے تاہم چند احادیث ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں ان کے لڑکے حکیم اور احنف نے ان سے روایت کی ہے[4]۔ شاعر بھی تھے، کلام کا نمونہ اوپر گذر چکا ہے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۸۶ [2] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۱ [3] اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۹
[4] تہذیب الکمال۔ ص ۳۱۷

اخلاق : نہایت عاقل وفرزانہ حلیم الطبع اور فیاض تھے جاہلیت کی حمیت میں اپنی لڑکی زندہ دفن کردی تھی، زمانہ اسلام میں اس کا کفارہ ادا کیا[1]۔

علم : طبیعت میں حلم غالب تھا ایک مرتبہ ان کے بھتیجے نے ان کے ایک لڑکے کو مار ڈالا۔ لوگ اس کو پکڑ کر مع مقتول کی لاش کے قیس کے پاس لائے قیس نے بھتیجے کی اس شقاوت پر کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ بحیثیت بزرگ کے اس کو نصیحت کرنے لگے، تم نے کتنا برا کام کیا خدا اور رسول کے گنہگار ہوئے اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر کے قطع رحم کیا، خود اپنے کو اپنے تیر سے زخمی کر کے اپنا جتھا کمزور کیا، یہ نصیحتیں کر کے دوسرے بیٹے سے کہا ان کی مشکیں کھول دو اور اپنے بھائی کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرو اور مقتول لڑکے کی ماں کو اپنے پاس سے دیت ادا کی[2]۔

تعمیلِ فرمان نبوی ﷺ : قیسؓ نہایت دولت مند تھے لیکن بہت سمجھ بوجھ کر خرچ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے اپنی دولت کے متعلق چند سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اپنا مال پسند ہے یا اپنے سوالی، عرض کیا اپنا مال، فرمایا تمہارا مال تو وہی ہے جس کو کھا پی کر ختم کر دو پہن اوڑھ کر پرانا کر دو، دے لے کر برابر کر دو ورنہ وہ تمہارے موالی کا ہے۔ عرض کی اگر زندہ رہا تو اونٹ کے گلے اپنی زندگی ہی میں ختم کر دوں گا چنانچہ بڑا حصہ زندگی میں ختم کر دیا[3]۔

(۱۰۶) حضرت کرز بن جابر فہریؓ

نام ونسب : کرز نام باپ کا نام جابر تھا نسب نامہ یہ ہے کرز بن جابر حسیل بن لاحب ابن حبیب بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر بن مالک قرشی فہری۔

اسلام سے پہلے : آغاز اسلام میں قریش کا بچہ بچہ مسلمانوں کا دشمن تھا اور مقدور بھر انہیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تھا کرز بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر کوہ جماء کے قریب مسلمانوں کے اونٹ چرا کرتے تھے کرزؓ نے ۲ ھ میں چھاپہ مار کر انہیں لوٹ لیا۔ آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس ان کے تعاقب میں نکلے۔ وادی صفوان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کرز نکل کر جا چکے اس لیے آپ ﷺ لوٹ گئے[4]۔

اسلام : اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد کرزؓ مشرف با سلام ہو گئے[5]۔

---

۱ ایضاً ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۰ ۳ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۲ ۴ ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۴
۵ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۲۷

ایک سریہ: ۶ھ میں قبیلہ عرنیہ کے اٹھارہ آدمی مدینہ آکر مشرف باسلام ہوئے یہاں کی آب ہوا انہیں ناموافق ہوئی طحال ہو گیا، تھوڑے فاصلہ پر مقام ذی الجدد میں آنحضرت ﷺ کے مویشی چرا کرتے تھے۔ یہاں کی آب وہوا اچھی تھی۔ آپ نے نومسلم عرنیوں کو حکم دیا کہ وہیں جا کر رہو اور اُونٹوں کا دودھ استعمال کرو کچھ دنوں میں توانائی آ جائے گی۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں جا کر رہنے لگے جب کھا پی کر توانا وتندرست ہو گئے تو اُونٹوں کو لے کر بھاگ گئے۔ آپ کے غلام نے روکنے کی کوشش کی تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے کرزؓ کو بیس سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ کیا کرزؓ انہیں گرفتار کر کے لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کی شقاوت کا پورا قصاص لیا[1]۔

شہادت: فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ کرز اور حبیش خالد بنؓ ولید کے دستہ میں تھے اتفاق سے دونوں خالد سے چھوٹ کر دوسرے راستہ پر جا پڑے یہاں کچھ مشرک ملے انہوں نے حُبیش کو شہید کر دیا کرز نے ان کی لاش سامنے کر لی اور یہ رجز۔

قد علمت صفراء من بنی فهر نقية الوجوه نقية الصدر

بنی فہر کی زرد رنگ اور صاف چہرے اور سینہ والی عورتیں جانتی ہیں

لاضربن اليوم عن ابی صخر

کہ آج میں ابی صخر (حبیش) کی جانب سے لڑوں گا

پڑھتے ہوئے مشرکین پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے[2]۔

(۱۰۷) حضرت کعبؓ و بجیرؓ بن زہیر

نام ونسب: کعب نام، باپ کا نام زہیر تھا۔ نسب نامہ یہ ہے: کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ بن رباح بن قرط بن حارث بن مازن بن حلاوہ بن ثعلبہ بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان ابن عمرو بن ابن طانجہ مزنی۔

اسلام: کعب دو بھائی تھے، کعب اور بجیر۔ ان کے باپ زہیر جاہلیت کے مشاہیر شعراء میں تھے اس لیے شاعری ان دونوں کو وراثۃً ملی تھی۔ ظہور اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کا شہرہ سن کر دونوں کو

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۶۷۔ وسیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۶۷۔ یہ واقعہ صحیحین میں بھی ہے۔
[2] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۰۳۔ بخاری کتاب المغازی میں بھی یہ مختصراً مذکور ہے۔

آپ ﷺ سے ملنے اور آپ ﷺ کی باتیں سننے کی خواہش ہوئی چنانچہ دونوں بھائی ملنے کے لیے چلے۔ مقام ابرق العزاف پہنچ کر بجیرؓ نے کعب سے کہا تم بکریاں لیے ہوئے یہیں ٹھہرے رہو میں اس شخص کے پاس جا کر سنوں کیا کہتا ہے۔

چنانچہ کعب کو چھوڑ کر خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا۔ دل میں عناد و سرکشی کا مادہ نہ تھا اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔ کعب کو ان کے اسلام کی خبر ہوئی تو انہوں نے جوشِ انتقام میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہہ ڈالے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ اشعار سنے تو آپ ﷺ کو بڑی تکلیف پہنچی اور آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ کعب جہاں ملے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

بجیر اس اعلان سے بہت گھبرائے اور کعب کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارا خون ہدر کر دیا ہے اب تمہارے بچنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ تم اسلام قبول کر لو۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو شخص بھی آ کر " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہہ دیتا ہے آپ ﷺ اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے میرا خط پاتے ہی تم بلا تاخیر مشرف باسلام ہو جاؤ۔ کعب کو بھی اس کے سوا بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، اس لئے وہ خط پاتے ہی سیدھے مدینہ پہنچے اور مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما ان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کعب نے آپ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، قیاس و قیافہ سے پہچان کر آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور " اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ " کہہ کر امان کے طالب ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم کون ہو؟ عرض کی کعب بن زبیر۔ فرمایا تم ہی نے وہ اشعار کہے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ سے استفسار فرمایا، ابوبکر وہ کون سے اشعار ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنایا۔

سقاک ابو بکر بکاس رویة وانهلک المامور منها و علکا

تم کو ابوبکرؓ نے ایک لبریز پیالہ پلایا اور اس میں سب سے زیادہ لبریز پیالہ سے بار بار سیراب کیا

کعب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس طرح نہیں کہا تھا۔ فرمایا پھر کس طرح، انہوں نے ''مامور'' کے لفظ کو ''مامون'' کے لفظ سے بدل کر سنا دیا۔ رحمتِ عالم ﷺ کے دربار میں اس قدر اظہارِ ندامت کافی تھا۔ آپ ﷺ نے کعب کی گذشتہ خطاؤں سے درگذر فرمایا اور ارشاد ہوا، تم مامون ہو۔ پھر کعب نے اپنا مشہور و معروف قصیدہ بانت سعاد سنایا جو اسی وقت کے لئے کہہ کر لائے تھے۔

یہ قصیدہ بہت طویل ہے۔ مطلع اور تشبیب کے بعض اشعار یہ ہیں :

بانت سعاد فقلبی الیوم مبتول متیم اثر ھا لم یفر مکبول

سعاد نے داغِ مفارقت دیا، جس سے میرا دل اس کے جانے کے بعد پریشان اور اسیر ہے

ما سعاد غراۃ البین اذ ظعنوا لا اغن عفیض الطرف کحول

جدائی کے دن جب کہ لوگوں نے کوچ کیا، تو سعادت ایک نرم آواز سرگیں چشم اور نیچی نگاہ رکھنے والی ہرنی معلوم ہوتی تھی

تجلوا عوارض ذی ظلم اذا بتسمت کا نھا منھل با لکائس معلول

جب وہ مسکراتی ہے تو تاریک رات کے بادلوں کو چھانٹ دیتی ہے گویا اس کے لب و دندان ایک چشمہ ہیں جو شراب کے پیالہ سے لبریز ہیں

قصیدہ سناتے سناتے جب ان اشعار پر پہنچے۔

ان الرسول لسیف لیستضاربہ مھند من سیوف اللہ ملول

رسول اللہ ﷺ ، اللہ کی ایسی کھنچی ہوئی ہندی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل ہوتی ہے

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی والعقو عندر سول اللہ ما مول

مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس عفو کی امید کی جاتی ہے

فی فتیتد من قریش قال قائلھم ببطن مکۃ لما اسلمو ان ولوا

وہ قریش کے ایسے جوانوں میں ہیں کہ بطن مکہ میں جب کہ لوگ اسلام لائے تو ان کے کہنے والوں نے کہا یہاں سے چلے جاؤ

تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو توجہ سے سننے کے لئے ارشاد فرمایا :

اس حسنِ تلافی سے کعب نے رضائے نبوی ﷺ اور شہرتِ دوام کا خلعت حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر ردائے مبارک عطا فرمائی۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں یہ چادر کعبؓ کی اولاد سے بیش قرار رقم پر خریدی۔ اسی چادر کو خلفاء عید میں اوڑھ کر نکلتے تھے[1]۔

(۱۰۸) حضرت کعب بن عمیر غفاریؓ

نام ونسب : کعب نام، باپ کا نام عمیر تھا، بنی غفار سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۰۲

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا تھا، قیاس ہے کہ اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ کسی سنہ میں مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

امارت سریہ: ربیع الاول ۸ ھ میں آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک سریہ کا امیر بنا کر بعض دشمنوں کے مقابلہ میں ذات اطلاح (شام) بھیجا یہاں ان کی بڑی جماعت موجود تھی مسلمانوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی اس کا جواب تیروں سے ملا مسلمانوں نے بھی مدافعت میں جواب دیا دونوں میں سخت مقابلہ ہوا مگر دنوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا، مسلمان تعداد میں کل پندرہ تھے اور ان کے مقابل کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی، اس لئے ایک کے سوا سب کے سب مسلمان شہید ہو گئے[1]۔ علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ بچے ہوئے شخص کعب تھے[2] لیکن دوسرے ارباب سیر کے یہاں کوئی تصریح نہیں ملتی۔ بہر حال جو بزرگ بچ گئے تھے وہ کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ کو پورا واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ سن کر بے حد متاثر ہوئے اور انتقام لینے کے لئے دوسریہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا لیکن اسی دوران میں خبر ملی کہ دشمن کسی دوسرے مقام پر چلے گئے اسی لئے ارادہ ملتوی فرمایا[3]۔

فضائل : علامہ ابن عبد البر اور ابن اثیر لکھتے ہیں کہ کعب کبار صحابہ میں تھے[4]۔

(۱۰۹) حضرت کہمس الہلالیؓ

نام ونسب : کہمس نام، باپ کا نام معاویہ تھا نسب نامہ یہ ہے۔ کہمس بن معاویہ بن ابی ربیعہ بلال۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ اپنے جائے قیام پر مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ آکر آنحضرت ﷺ کو اپنے اسلام کی اطلاع دی۔

وطن کی واپسی وعبادت : اطلاع دینے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے اور ہمہ تن عبادت وریاضت میں مشغول ومنہمک ہو گئے اور کامل ایک سال تک رات بھر جاگ کر عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے رہے۔ دوسرے سال پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شدت ریاضت سے رنگ روپ بدل گیا تھا، بدن سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ کو پہچاننے میں دشواری ہوئی بار بار سر سے پاؤں تک غور سے ملاحظہ فرماتے تھے مگر نہ پہچان سکے، آخر میں کہمس نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) شاید آپ مجھے غور کر رہے ہیں۔ فرمایا ہاں تم کون ہو؟ عرض کی کہمس الہلالی۔ گذشتہ سال حاضر ہوا تھا، اب

۱؎ ابن سعد حصہ مغازی۔ص ۶۲ ۲؎ استیعاب۔جلد اول۔ص ۱۲۴ ۳؎ ابن سعد مغازی۔ص ۶۲
۴؎ استیعاب۔جلد ا۔ص ۲۲ واسد الغابہ۔جلد ا۔ص ۲۲۶

میں بالکل سوکھ گیا ہوں آپ ﷺ نے پوچھا ایسی حالت کیوں ہوگئی، عرض کی گذشتہ حاضری کے بعد سے برابر رات کو جاگتا اور دن کو روزہ رکھتا رہا، فرمایا تم کو اس قدر تکلیف اٹھانے کا کس نے حکم دیا تھا، مہینہ میں صرف ایک روزہ کافی ہے عرض کی مجھ میں اس سے زیادہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے، فرمایا خیر تین سہی[۱]۔

(۱۱۰) حضرت لبید بن ربیعہؓ

نام ونسب : لبید نام، ابوعقیل کنیت، نسب نامہ یہ ہے، لبید بن عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ عامری لبید کے والد ربیعہ اپنے قبیلہ کے بڑے فیاض سیر چشم اور غربا پرور لوگوں میں تھے ان کی غربا پروری نے قوم سے "ربیع المقترین" کا لقب حاصل کیا تھا۔

اسلام سے پہلے : لبید زمانہ جاہلیت کے فحول شعراء میں تھے ان کی سحر بیانی زمانہ جاہلیت کے شاعروں کو گرماتی اور ارباب ذوق کو تڑپاتی تھی۔

وہ ابتداء سے سلیم الفطرت اور اسلام سے پہلے بھی ان کی شاعری معارف وحقائق سے معمور ہوتی تھی حسب ذیل شعر زمانہ جاہلیت کا بیان کیا جاتا ہے[۲]۔

و کل امری یوماً سیعلم سعید　　اذا کشفت عند ال الہ الھامل

اور ہر انسان کو اپنی کوششوں کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب اس کے
نتائج خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے

اس لئے آنحضرت ﷺ بھی ان کے بعض اشعار کو پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ کو ان کا یہ مصرعہ **الا کل شئ ماخلا اللہ باطل**، بہت پسند تھا اس کے متعلق فرماتے تھے کہ شعراء کے کلام میں لبید کا یہ کلام بہت سچا ہے[۳]۔

اسلام : لبید نے اسلام کا زمانہ پایا، فطرت ابتداء سے سلیم تھی اس لئے اپنے قبیلہ بنی جعفر بن کلاب کے وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوگئے[۴]۔

اکثر ارباب سیر کا بیان ہے کہ اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی **قال اکثر اھل الاخبار ان لبید الم یقل شعراً منذ اسلم**[۵]۔

---

[۱] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۳۱۔ ق اول　[۲] طبقات الشعراء ابن قتیبہ۔ ص ۱۵۳　[۳] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۵
[۴] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۵، واسد الغابہ لبید بن ربیعہ　[۵] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۵

لیکن یہ بیان علی الاطلاق صحیح نہیں معلوم ہوتا اس کے بعض اشعار خود بتاتے ہیں کہ وہ اسلام کے بعد کہے گئے ہیں ابن قتیبہ نے اس کے ثبوت میں یہ شعر نقل کیا ہے۔

الحمد للہ بعد یاتنی اجلی حتی اکتسیت من الا سلام بالا

خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس وقت تک موت نہیں آئی جب تک میں نے اسلام کا خلعت نہیں پہن لیا

لیکن بعض اخباری اوپر کے شعر کی نسبت لبید کی طرف صحیح نہیں سمجھتے اور اس کے بجائے یہ شعر نقل کرتے ہیں۔

ما عاتب المرء الکریم کنفسہ والمرء یصلحہ القرین الصالح

شریف آدمی کو خود اس کی ذات کی طرح دوسرا عتاب نہیں کر سکتا اور انسان کی اصلاح اس کا صالح ہم جلیس کرتا ہے

بہر حال دونوں شعروں میں سے جو شعر بھی صحیح مانا جائے اس میں صاف اسلامی رنگ جھلکتا ہے پہلے میں زیادہ واضح ہے اور دوسرے میں اس سے کم تاہم اس میں شبہ نہیں کہ قبول اسلام کے بعد انہیں شاعری سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہ گئی اور قرآن کے پُر تاثیر اور سحر آفرین کلام کے بعد وہ شاعری کرنا عبث سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ بڑے سخن فہم اور سخن سنج تھے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو لکھا کہ لبید سے پوچھو کہ زمانہ اسلام میں کون سے اشعار کہے انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ خدا نے شعر کے عوض مجھے بقرہ اور آل عمران دی ہے یعنی اس سحر آفرین کلام کے بعد شاعری بے مزہ ہے اس جواب پر حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بڑھا کر دو ہزار کر دیا امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں ان سے کہا لبید میرا تمہارا وظیفہ برابر ہے میں تمہارا وظیفہ گھٹا دوں گا انہوں نے کہا کچھ دن ٹھہر جائیے اس کے بعد اپنا اور میرا دونوں کا وظیفہ تنہا خود لے لیجئے گا[1]، امیر معاویہؓ ان کے اس جواب سے بہت متاثر ہوئے اور وظیفہ کی رقم میں کوئی کمی نہیں کی[2]۔

وفات : ۴۱ھ میں کوفہ میں وفات پائی وفات کے وقت ۱۴۵ سال کی عمر تھی[3]۔

فضل وکمال : ان کے دیوان فضائل میں شاعری کا عنوان بہت جلی ہے عرب کے فحول شعراء میں ہیں عرب کی صف شعراء میں ان کی ممتاز جگہ تھی۔ وہ جاہلیت کے شاعروں کے صدر نشین تھے۔ بڑے بڑے ناقدین فن ان کی سحر بیانی کے مداح و معترف ہیں مشہور ناقد شعراء ابو عبداللہ بن سلام جمحی

---

1. طبقات الشعراء ابو عبداللہ بن سلام جمحی۔ ۴۹
2. اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۶۲
3. ایضاً طبقات الشعراء ابو عبداللہ جمحی۔ ص ۴۸

طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں، کان عذاب المنطق رقیق حواشی الکلام ،خود ان کے زمانہ کے بعض نامور شعراء ان کے کلام کا اتنا لوہا مانتے تھے کہ اسے سن کر سربسجود ہو جاتے تھے۔ عرب کا نامور شاعر فرزوق ایک مرتبہ ان کا یہ شعر

وجلا السیول عن الطلول کانما زبد تحر متو نها اقلا مها

اور سیلاب نے ٹیلوں کو اس طرح صاف کر دیا گویا وہ ٹیلے کتاب کے صفحات ہیں
جن کے متن کو قلم نے درست کیا

پڑھ کر سجدہ میں گر گیا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا اس نے کہا جس طرح لوگ قرآن کے مقاماتِ سجدہ کر پہچانتے ہیں، میں شاعری کے مقامِ سجود کو پہچانتا ہوں[1]۔

عام حالات : لبید فیاضی، شہ سواری، بہادری اور صداقت تمام اوصافِ شرافت سے آراستہ تھے۔ فیاضی باپ سے ورثہ میں ملی تھی انہوں نے جاہلیت میں عہد کیا تھا کہ جب بادِ صبا چلا کرے گی تو جانور ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا کریں گے۔ اس فیاضانہ عہد پر ہمیشہ اور ہر حالت میں قائم رہے چنانچہ کوفہ کے دورانِ قیام میں جب ان کی مالی حالت نہایت خراب ہوگئی تھی اس وقت بھی یہ رسم جاری رکھی۔ لوگ ان کے عہد اور ان کی حالت سے واقف تھے اس لئے جب بادصبا چلتی تھی تو بطور امداد کے اونٹ جمع کر کے دیتے تھے اور لبید انہیں ذبح کر کے اپنا عہد پورا کرتے تھے[2]۔

شاعری اصطلاحی معنوں میں جھوٹ کا دوسرا نام ہے۔ اسی لئے جھوٹ اور مبالغہ کو ''شاعری'' سے تعبیر کرتے ہیں لیکن لبید کی زبان سے سچ کے علاوہ کبھی جھوٹ بات نہ نکلتی تھی[3]۔ اربابِ سیر ان کے اوصاف کی یہ تصویر کھینچتے ہیں۔ کان لبید بن ربیعة ابو عقیل فارسا شاعرًا شجاعًا شریفا فی الجاهلیة والاسلام ، لبید بن ربیعہ ابو عقیل شہ سوار، شاعر، شجاع اور جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز اور شریف تھے[4]۔

(۱۱۱) حضرت ماعز بن مالک رضؓ

نام ونسب : ماعز نام، باپ کا نام مالک تھا۔ قبیلہ اسلم سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا غالبًا اپنے قبیلہ کے ساتھ کسی وقت مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۵ [2] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۲۴ [3] طبقات الشعراء و عبداللہ جمحی۔ ص ۴۸
[4] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۲۵

توبۃ النصوح کی اعلیٰ ترین مثال : ماعز کی زندگی کا ایک نہایت بدنما اور ایک صحابی کی شان سے فروتر واقعہ صحاح میں ملتا۔ یہ واقعہ گو بظاہر مکروہ ہے لیکن خطا کاروں کے لئے اس میں بڑا درس بصیرت اور بہترین اسوہ پنہاں ہے۔ اس سے بڑھ کر توبۃ النصوح کی مثال نہیں مل سکتی اس لئے اس حیثیت سے اس کا لکھنا ضروری ہے۔ ممکن ہے اس اسوہ سے کسی خطا کار کو توبہ مستثنیٰ النصوح کی توفیق ہو۔

ماعزؓ گو صحابی تھے لیکن پیغمبر کے علاوہ کوئی انسان معصوم اور نفسانی کمزوریوں سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ماعز سے بھی زنا کی لغزش ہوگئی۔ اس وقت جذبات کے طوفان میں کچھ نہ دکھائی دیا جب ہوش آیا تو اس لغزش کا احساس ہوا، اسی وقت دوڑتے ہوئے بے تابانہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے پاک کیجئے۔ آنحضرت ﷺ سمجھ گئے لیکن اس خیال سے کہ جب خدا نے پردہ ڈالا ہے تو اسے کیوں اٹھایا جائے۔ فرمایا جاؤ خدا سے مغفرت چاہو اور اس کے حضور میں توبہ کرو۔ یہ جواب سن کر ماعز لوٹ گئے، لیکن تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے پاک کیجئے، پھر آپ ﷺ نے وہی جواب دیا، جاؤ خدا سے توبہ اور استغفار کرو۔ پھر یہ لوٹ گئے، تھوڑی دور جا کر پھر واپس آئے اور کہا یا رسول اللہ (ﷺ) ! مجھے پاک کیجئے، پھر وہی جواب ملا۔ ماعز پھر لوٹ گئے۔ لیکن دل کی خلش کسی طرح قرار نہیں لینے دیتی تھی اس لئے چوتھی مرتبہ پھر آئے۔

اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صاف صاف پوچھا کس چیز سے پاک کروں؟ عرض کیا، زنا کی گندگی سے۔ آنحضرت ﷺ کو اس صریح اعتراف کا اس لئے پورا یقین نہیں آیا کہ کوئی عاقل انسان ایسے فعل کا بھی اقرار کرسکتا ہے جس کا نتیجہ یقینی طور پر جان سے ہاتھ دھونا ہے اس لئے آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا انہیں جنون تو نہیں ہے، معلوم ہوا نہیں، اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے، پھر دریافت فرمایا، شراب تو نہیں پی ہے۔ ایک شخص نے اٹھ کر منہ سونگھا مگر شراب کا کوئی اثر نہ تھا۔ یہ شکوک دور کرنے کے بعد آپ ﷺ نے پھر زیادہ وضاحت کے ساتھ دریافت فرمایا کیا تم نے واقعی زنا کیا ہے؟ ماعز نے اثبات میں جواب دیا۔

اس اعتراف کے بعد تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا، جس کی فوراً تعمیل کی گئی۔ ایسے موقع پر عموماً جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی ہی باتیں ہوتی ہیں کوئی کہتا ماعز تباہ ہوگئے، ان کے گناہوں نے انہیں گھیر لیا، کوئی کہتا ماعز سے بڑھ کر کسی کی خالص

توبہ نہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا مجھے سنگسار کیجئے۔ کئی دن تک اس قسم کی رائے زنیاں ہوتی رہیں دو چار دن کے بعد آنحضرت ﷺ صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور فرمایا تم لوگ ماعز بن مالک کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔ سب نے مل کر مغفرت کی دعا کی اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے تنہا یہی توبہ کافی ہے[1]۔

اس واقعہ سے سبق : اس میں شبہ نہیں کہ ماعز کی یہ لغزش ان کے مرتبۂ صحابیت سے بہت فروتر تھی لیکن اس کا یہ روشن پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس واقعہ میں ان کی فطرت کمزوری سے زیادہ اہل نظر کو ان کے قلب کی صفائی اور ان کی روح کی پاکیزگی نظر آتی ہے۔

ماعزؓ سے زنا کی لغزش ہوتی ہے جس کی سنگساری جیسی دردناک سزا ہے۔ ماعزؓ کو اس کا یقین ہے کہ اگر انہوں نے اس کا اعتراف کیا تو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ کسی انسان کو اس لغزش کا علم نہیں۔ اگر وہ چاہتے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پاتی، لیکن روح کی پاکیزگی معصیت کے اس دھبہ کو نہیں برداشت کرتی ہے اور ماعز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گناہ کا اقرار کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس خیال سے کہ جب خدا نے ان کے گناہ پر پردہ ڈالا ہے تو دنیا میں کیوں رسوا کیا جائے، چشم پوشی کرتے ہیں اور ایک مرتبہ نہیں تین تین بار ماعز کو واپس کرتے ہیں کہ جاؤ خدا سے مغفرت چاہو اور اس کے سامنے توبہ کرو لیکن ماعزؓ کے دل کو تسکین نہیں ہوتی اور اس قانون کے مطابق[2]

من اصاب من ذلک شیئا فعوقب فھو کفارتہ

جو شخص ان میں (شرک، چوری، زنا) سے کسی شے کا مرتکب ہو اور اس کو اس کی سزا ملے تو یہ سزا اس کا کفارہ ہے۔

ظاہر بین دنیا میں اپنے کو رسوا کر کے اپنے اوپر حد جاری کراتے ہیں اور دنیا سے پاک وصاف اٹھتے ہیں کہ عاقبت میں کوئی مواخذہ باقی نہ رہے۔ اس واقعہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں میں ہر طرح کے اخلاقی نمونے پیدا کئے تھے۔ ان نمونوں میں ایک ایسی مثال کی بھی ضرورت تھی کہ اگر کوئی مسلمان انسانی کمزوری سے آلودۂ معصیت ہو جائے تو اس کا کفارہ کس طرح ادا کرنا چاہئے۔ اس نمونہ کے لئے ماعزؓ کی ذات منتخب ہوئی جنہوں نے ایک لغزش کی سزا میں دنیا کی رسوائی اور انتہائی دردناک سزا برداشت کر کے مسلمانوں کو سبق دے دیا کہ اس طرح دنیا میں گناہوں کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔

---

[1] مسلم کتاب، الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزنا [2] بخاری کتاب الحدود باب السارق اذا لم یسم

(۱۱۲) حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ

نام ونسب : مثنیٰ نام، باپ کا نام حارثہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : مثنیٰ بن حارثہ بن سلمہ بن ضمضم بن سعد بن مرہ بن ذیل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل، ربعی، شیبانی۔

قبولِ اسلام سے پہلے ان کا اثر :

مثنیٰ اپنے قبیلہ کے ممتاز روٴسا میں تھے۔ دعوتِ اسلام کے آغاز میں جب آنحضرت ﷺ نے تبلیغِ اسلام کے لئے قبائلِ عرب میں دورہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مثنیٰ کے قبیلۂ بنی شیبان میں بھی تشریف لئے گئے اور کلام اللہ کی یہ آیت :

"قل تعالوا اتل ماحرم ربکم علیکم"

کہہ دو اے محمد (ﷺ) ! آؤ میں تمہیں پڑھ کر بتاؤں جو چیزیں تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں"۔

اور " اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبیٰ "

"اللہ تعالیٰ تم کو انصاف، احسان اور قرابت داروں کو داد و دہش کا حکم دیتا ہے"۔

پیش کر کے بنی شیبان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ روساءِ قبیلہ میں اس وقت مثنیٰ مفروق اور ہانی وغیرہ موجود تھے ان سب نے بالاتفاق کلامِ ربانی کی سحر آفرین بلاغت اور اس کی تعلیم کی پاکیزگی کا اعتراف کیا۔ مثنیٰ نے کہا جیسی پاکیزہ تعلیم ہے ویسی ہی پاکیزہ کلام ہے پھر آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہوئے کہ میں نے تمہاری گفتگو سنی، تمہاری باتیں خوب ہیں اور تمہارا کلام نہایت حیرت انگیز ہے لیکن افسوس اس وقت ہم اس کو قبول کرنے سے مجبور ہیں اس لئے کہ ہم میں اور کسریٰ میں معاہدہ ہے کہ ہم نہ کسی جدید تحریک کو قبول کریں گے اور نہ کسی مجدد کو پناہ دیں گے۔ ممکن ہے جس چیز کو تم پیش کر رہے ہو وہ کسریٰ کے خلاف ہو اس لئے اس وقت ہم اسے نہیں قبول کر سکتے اس کے لئے البتہ ہم تیار ہیں کہ عرب کے قرب وجوار کے فرمانرواؤں کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت اور اعانت کریں۔

گو مثنیٰؓ کلامِ پاک کی سحر آفرینی اور اس کی تعلیمات سے پورے طور پر متاثر ہوئے لیکن تقدم فی الاسلام کا شرف ان کے مقدر میں نہ تھا اس لئے اس وقت اسلام کے شرف سے محروم رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی کمزوری پر ان کی اخلاقی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا

اعتراف حق کے بعد اس سے ابا کیسا۔ خدا کا دین محض اس کا ایک شعبہ قبول کرنے سے قبول نہیں ہوتا جب تک اسے کامل نہ قبول کیا جائے[1]۔

اسلام: بالاخر ۹ ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ آکر مشرف باسلام ہوئے[2]۔

فتوحات عراق: مثنیٰ نے بہت آخری زمانہ میں اسلام قبول کیا اور اس کے چند ہی دنوں کے بعد رسالت کا بابرکت زمانہ ختم ہو گیا اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ ذکر کے قابل نہیں ہے ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے مثنیٰ کا قبیلہ ان ستم کش قبائل میں تھا جو مدتوں سے حکومت ایران کا تختۂ مشق بنتے چلے آرہے تھے جس کا ثبوت کسری اور ان کے قبیلہ کا معاہدہ ہے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ایران میں سیاسی انقلابات ہوئے اور عورت بوران وخت تخت پر بیٹھی اور ایرانیوں کی قوت کمزور پڑی تو ان قبائل کو جنہیں ایرانی حکومت عرصہ سے تختۂ مشق بناتی چلی آرہی تھی ایرانیوں سے انتقام لینے کا موقع ملا چنانچہ مثنیٰ نے جو اسی تیر کے زخم خوردہ تھے حضرت ابوبکرؓ کو لکھا کہ اس وقت ایران کی حالت نہایت ابتر ہے اندرونی انقلابات اور اختلافات کی وجہ سے ان میں مدافعت کی قوت نہیں ہے اس سے بہتر فوج کشی کا موقع نہیں مل سکتا[3]۔ یہ اطلاع بھیجنے کے بعد خود بھی مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے قبیلہ کو لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلوں اپنی سمت کے لئے تنہا میں کافی ہوں ان کی مستعدی دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دے دی[4] مثنیٰؓ نے اجازت تو لے لی مگر سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ ان کے قبیلہ کا بڑا حصہ ابھی اسلام سے بیگانہ تھا مثنی نے پہلے اس کو مشرف باسلام کیا[5]۔

قبیلہ کو مسلمان بنانے کے بعد اسے ساتھ لئے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلے لیکن اتنی بڑی مہم سر کرنا تنہا ان کے بس میں نہ تھا اس لیے مثنیٰ کے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے خالد ابن ولید کو فوجیں دیکر مثنیٰؓ کی مدد کے لیے روانہ کیا اور مثنی کو لکھا کہ خالد کی ماتحتی میں اسکام کو کرو خالد عراق پہنچ کر مثنیٰ سے مل گئے اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت بھر خالدؓ کے دست راست رہے مثنی ایرانیوں کے قومی خصائص اور محاذ جنگ کے نقشوں سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے عجم کی فتوحات میں ان سے بڑی مدد ملی اور وہ شروع سے آخر تک قریب قریب ہر معرکہ میں پیش پیش رہے سیر الصحابہ حصہ پنجم میں حضرت خالد بنؓ ولید کے حالات میں عراق کی فتوحات کی تفصیلات لکھی جا چکی ہیں اس لئے اس موقع پر انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۹۔ [2] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۰۰۔ [3] اخبار الطوال ص ۔ ۱۱۷۔
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۹۔ [5] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۲۵۰۔

ابھی عراق کی مہم ناتمام تھی کہ شام پر فوج کشی ہوئی حضرت ابوبکرؓ نے خالد بنؓ ولید کو عراق چھوڑ کر شام جانے کا حکم دیا وہ یہ حکم پاتے ہی عراق کے انتظام مثنیٰ کے ہاتھوں میں دیکر شام چلے گئے اسی زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا اور عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے خالد کے شام چلے جانے کے بعد سے عراق کی مہم رک گئی تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ سب سے پہلے ادھر توجہ کی اور ان تمام مسلمانوں کو جمع کر کے جو بیعت خلافت کے سلسلہ میں عرب کے مختلف حصّوں سے مدینہ آئے ہوئے تھے ان کے سامنے جہاد پر وعظ کیا لیکن کچھ ایرانیوں کے خوف اور کچھ اس خیال سے کہ بغیر خالد بنؓ ولید کی موجودگی کے وہ عراق کی تسخیر ناممکن سمجھتے تھے سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا حضرت عمرؓ تین دن تک برابر مسلمانوں کو ابھارتے رہے چوتھے دن کچھ گرمی پیدا ہوئی مثنیٰ نے اُٹھ کر کہا،

مسلمانو! عراق سے اس قدر خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں میں نے مجوسیوں کو خوب آزمالیا ہے وہ اس میدان کے مرد نہیں ہیں ہم نے سواد عراق کا بہترین حصہ تسخیر کرلیا ہے انشاءاللہ ایک دن پورا عراق زیر نگیں ہوگا اس کے علاوہ دوسرے حاضرین نے بھی تقریریں کیں ان تقریروں نے مسلمانوں کو گرما دیا اور لوگ جوق در جوق جہاد کے لئے آمادہ ہوگئے حضرت عمرؓ نے بنی ثقیف کے سردار ابوثقفی کو سپہ سالار کیا[1] اور عراق کی فوج کشی کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر جاری ہوگیا اسی سلسلہ میں وہی واقعات لکھے جائیں گے جن کا تعلق حضرت مثنیٰ کی ذات سے ہے۔

عربوں کی گزشتہ فتوحات نے ایرانیوں کو ان کی جانب ہوشیار کردیا تھا، اس لئے اس مرتبہ بوران دخت نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایران کے نامور بہادر جابان کو ایرانی افواج کا سپہ سالار اعظم بنایا، اور وہ ایرانیوں کا ٹڈی دل لے کر مثنیٰ کی طرف جو اس وقت حیرہ میں تھے مثنیٰ اس خیال سے کہ ایرانی عقب سے حملہ آور نہ ہوجائیں خفان چلے آئے تھے، یہاں ابوعبید بھی مل گئے اور نمارق میں فریقین کا مقابلہ ہوا ایک خون ریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے شکست کھائی اور بیابان مسطر بن فضہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا مسطر اس کو پہچانتے نہ تھے اس نے مسطر سے کہا میں اپنے بدلہ میں تم کو دو غلام دیتا ہوں تم مجھے رہا کردو مسطر نے غلام لے کر چھوڑ دیا لیکن بعد میں مسلمانوں نے پہچان کر پھر گرفتار کرلیا اور ابوعبید کے پاس قتل کے لئے لائے انہوں نے کہا کہ جس کو ایک مسلمان چھوڑ چکا اس کو قتل نہیں کیا جاسکتا[2]۔

نمارق میں شکست کھانے کے بعد شکست خوردہ ایرانی فوجیں کسکر میں جمع ہوئیں، یہاں ایک ایرانی بہادر نرسی پہلے سے موجود تھا، اس دوران میں بوران دخت نے جابان کی شکست کی خبر سن کر

---

[1] ابن اثیر۔ جلد۲۔ ص ۳۳۲۔ [2] ابن اثیر۔ جلد۲۔ ص ۳۳۸۔

ایران کے ایک اور نامور بہادر جالینوس کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا ابو عبید کو معلوم ہوا تو انہوں نے کسکر آ کر ایرانیوں کو شکست دی اور مثنیٰ نے باروسما جا کر جالینوس کو بھگایا۔

ان پیہم شکستوں نے ایرانیوں میں آگ لگا دی اور رستم نے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن مردان شاہ بہمنی کو ایک لشکر جرار کے ساتھ بھیجا اور مقام قس ناطف میں دونوں کا نہایت زبردست مقابلہ ہوا اس مقابلہ میں ابو عبید کی غلطی سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، خود ابو عبید کو ہاتھیوں نے پیروں سے مسل کر شہید کر ڈالا ان کے بعد سات آدمیوں نے علم سنبھالا اور سب یکے بعد دیگرے شہید ہوئے آخر میں مثنیٰ نے علم لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ابتر ہو چکی تھی، آگے ہاتھیوں کی دیوار تھی، اور پیچھے دریا تھا، دریا کا پل ٹوٹ چکا تھا اور مسلمان نہایت بدحواسی سے بھاگ بھاگ کر دریا میں غرق ہو رہے تھے ایسی نازک حالت میں مثنیٰ نے نہایت دانشمندی اور بہادری سے باقی فوج کو بچا لیا خود چند مسلمانوں کو لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور عروہ بن زید طائی کو شکستہ پل کی طرف متعین کیا[۲]۔ دونوں ناکوں کی حفاظت کے بعد مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ اب بھاگنے کی ضرورت نہیں ڈوب کر جان نہ دو میں پوری حفاظت کر رہا ہوں انہیں اطمینان دلانے کے بعد پل کی طرف لائے اور اس کو درست کرا کے سب کو پار اتار دیا[۱]۔

پھر اس شکست خوردہ اور تباہ حال فوج کو لے کر جس میں کل ۳ ہزار مسلمان بچ رہے تھے مقام ثعلبہ آئے اور یہاں سے عروہ بن زید کو خبر کرنے کے لے دار الخلافہ روانہ کیا عروہ نے جا کر حضرت عمرؓ کو یہ واقعات سنائے حضرت عمرؓ سن کر زار و قطار رونے لگے، اور عروہ سے کہا واپس جا کر مثنیٰ کو اطمینان دلا دو بہت جلد امدادی فوجیں پہنچتی ہیں، عروہ کو واپس بھیجنے کے بعد عرب کے قبائل کو جمع کر کے عبداللہ بن جریرؓ کی ماتحتی میں انہیں مثنیٰ کی مدد کے لئے روانہ کیا[۲]۔

ادھر مثنیٰ نے بھی اپنے طور پر انتظام کر لئے تھے اور قرب و جوار کے عرب قبائل میں ہرکارے دوڑا کر بہت سے آدمی جمع کر لئے تھے، ان کی دعوت پر انس بن بلال نصرانی بھی اپنے قبیلہ کو لے کر آیا اور کہا اس وقت قومیت کا سوال ہے اس لئے ہم لوگ بھی تمہارے پہلو بہ پہلو لڑیں گے[۳]۔

ایرانیوں کو ان تیاریوں کی خبر ملی تو بوران دخت نے بارہ ہزار منتخب بہادر مہران بن مہر دیہ کی ماتحتی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے مقام بویت میں دونوں کا سامنا ہوا ایک طرف مسلمان تھے، دوسری طرف ایرانی بیچ میں دریا حائل تھا مہران نے کہلا بھیجا یا تم دریا کو عبور کر کے بڑھو یا

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۸۔ ۲۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۱۹۔ ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۹۔

ہم کو اجازت دو مثنیٰ کو جسر کے واقعہ میں دریا پار کرنے کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے جواب دیا کہ تم ہی آؤ، چنانچہ ایرانی فوج فرات کو عبور کر کے دوسری جانب ساحل پر اتری اور دونوں فریق صف آرائی میں مشغول ہو گئے ایرانیوں نے اپنی فوج کو مختلف حصوں اور صفوں میں تقسیم کیا ہر صف کے ساتھ ایک ہاتھی تھا، اور ایرانی اس کے سامنے نعرہ لگا رہے تھے مثنیٰ نے نعرہ سن کر مسلمانوں سے کہا یہ شور وشغب نامردی ہے۔ ادھر کان نہ دھرو، خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہو، فوجیں مرتب کرنے کے بعد اس کے چاروں طرف چکر لگایا ہر علم کے پاس کھڑے ہو کر جوش دلاتے تھے کہ خبردار آج ایرانی تمہارے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے پائیں۔ فوجوں کو تیار کرنے کے بعد آخر میں ہدایت کی کہ میں چار تکبیریں کہوں گا پہلی تین تکبیروں پر تیار ہو جانا چوتھی پر حملہ کر دینا یہ ہدایت لے کر جیسی ہی پہلی تکبیر کہی ایرانی حملہ آور ہو گئے مسلمانوں نے بے قابو اپنی داڑھی ہاتھوں سے پکڑ کے کہا خدا کے لئے آج تو مسلمانوں کو رسوا نہ کرو، مثنیٰ کی زبان سے یہ طعنہ سن کر مسلمان دفعۃً رک گئے اور بقیہ تکبیروں کا انتظار کرنے لگے اور چوتھی تکبیر پر باقاعدہ حملہ کیا اس کے بعد دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں مثنیٰ نے انس بن بلال نصرانی کے ساتھ مل کر اس زور کا حملہ کیا کہ مہران کے میمنہ تک گھستے چلے گئے اور دونوں فوجوں کے قلب آپس میں اس طرح خلط ملط ہو گئے کہ غبار کی کثرت میں ایک دوسرے کی شناخت مشکل ہو گئی[1]۔

دوسری طرف سے جریرؓ نے حملہ کیا ایرانیوں نے برابر کا جواب دیا اسلامی فوجیں پھٹ کر پراگندہ ہو گئیں۔ ان کی بے ترتیبی دیکھ کر مثنیٰ نے ڈاڑھی دانتوں میں دبا کر للکارا کہ مسلمانو! کدھر جاتے ہو میں مثنیٰؓ ادھر ہوں اس للکار پر مسلمان سنبھل گئے اور ہر طرف سے سمٹ کر نہایت زور شور سے حملہ آور ہوئے اس حملہ میں مثنیٰ کے بھائی مسعود شہید ہوئے لیکن مثنیٰؓ کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا انہوں نے پکار کر کہا شرفا ایسے ہی جان دیا کرتے ہیں علم کو بلند رکھو[2]۔

اس ولولہ انگیز حملہ نے مسلمانوں کو اور زیادہ گرما دیا عدی بن حاتم اور جریر بن عبداللہ بجلیؓ نے اپنے اپنے دستوں کو ابھار کر آگے بڑھایا اور مسلمانوں کے اُکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے اور سب نے چاروں طرف سمٹ کر نہایت زور کا حملہ کیا، اسے روکنے کے لئے مہران خود آگے بڑھا اور دیر تک جم کر لڑتا رہا اور لڑتے ہوئے مارا گیا، مہران کے گرتے ہی ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پل کی طرف بھاگنے لگے مسلمانوں نے تعاقب کیا مگر ان کے پہنچتے پہنچتے ایرانی پار نکل گئے جو ادھر رہ گئے تھے وہ گرفتار ہو گئے اور مسلمان فاتحانہ اپنی فرودگاہ پر واپس ہوئے[3]۔ اس جنگ میں ایک لاکھ آدمی کام آئے

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۳۴۰ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۲۰ [3] اخبار الطوال۔ ۱۲۰

اوسطاً ایک ایک مسلمان نے دس دس ایرانیوں کا کام تمام کیا[1]۔ اس کے بعد مسلمانوں نے حیرہ کسکر سورا، بربیما، صراۃ جاماسب، عین التمر، حسن یلبقیا اور دجلہ وفرات کے درمیانی علاقوں میں فوجیں پھیلا دیں۔

حیرہ والوں نے مثنیٰؓ کو خبر دی کہ قریب ہی ایک قریہ ہے جہاں بہت بڑا بازار لگتا ہے اس میں فارس، اہواز، اور تمام دور دراز کے علاقوں کے تاجر اپنا مال لے کر آتے ہیں، اگر تم اس کا محاصرہ کرو تو حملہ کرو تو بہت مال غنیمت ہاتھ آئے گا، چنانچہ مثنیٰ خشکی کے راستہ سے بڑھے اور راستہ میں انبار کا محاصرہ کیا اور اس کے حاکم سے کہلا بھیجا کہ ہم تم کو امان دیتے ہیں تم آ کر تخلیہ میں ہم سے مل جاؤ۔ اس پیام پر انبار کا مرزبان آیا، مثنیٰؓ نے اس سے کہا کہ ہم سوق بغداد پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم کو ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے، جو رہنمائی بھی کریں اور فرات پر پل بھی بنائیں۔ مرزبان نے اپنے رہنما ان کے ساتھ کر دیئے مثنیٰؓ ساتھ لے کر سوق بغداد کی طرف بڑھے اور فرات پر ان سے پل بنوا کر اس کو پار کر کے سوق بغداد پر حملہ کر دیا۔ اہل بازار بالکل غافل تھے اس لئے وہ اس ناگہانی حملہ سے بالکل بدحواس ہو گئے اور کل سامانِ تجارت چھوڑ کر بھاگ گئے یہ تمام سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آیا[2]۔

وفات : سوق بغداد کے بعد اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں اور حضرت عمرؓ ایران پر عام لشکر کشی کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مثنیٰ کا وقت آخر ہو گیا اور وہ واقعہ جسر کے صدموں سے قادسیہ سے پہلے وفات پا گئے[3]۔

(۱۱۳) حضرت محجن بن ادرعؓ

نام ونسب : محجن نام، باپ کا نام ادرع تھا۔ نسلاً اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر کی اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔

اسلام : دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

تیراندازی : محجنؓ کو تیراندازی سے خاص شغف تھا۔ ایک مرتبہ وہ قبیلہ کے ساتھ تیراندازی کی مشق کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ اِدھر سے گذرے، آپ ﷺ سپاہیانہ کھیلوں کو بہت پسند فرماتے تھے اس لئے خود بھی تیراندازی میں شریک ہو گئے اور فرمایا بنی اسمٰعیل تیراندازی کرو تمہارا باپ (حضرت اسمٰعیلؑ) بھی تیرانداز تھا میں فلاں کے ساتھ ہوں[4]۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۳۴۱ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۲۲ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۹ [4] بخاری کتاب الجہاد

نے فرمایا کہ میں ابن ادرع کے ساتھ ہوں [1]۔

عراق کا قیام : عراق کی فتوحات کے بعد جب بصرہ آباد ہوا تو مدینہ چھوڑ کر یہاں سکونت اختیار کر لی اور مسجد بصرہ کی بنیاد ڈالی۔

مدینہ کی مراجعت اور وفات : کچھ دنوں کے بعد دیارِ حبیب ﷺ کی کشش نے پھر مدینہ بلالیا اور یہیں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی [2]۔

(۱۱۴) حضرت ابوالقاسم محمد بن طلحہؓ

نام ونسب : محمد نام، ابوالقاسم کنیت، سجاد لقب، مشہور صحابی حضرت طلحہؓ احد من العشرۃ المبشرہؓ کے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : محمد بن طلحہؓ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن مضر بن کنانہ قریش۔ ماں کا نام حمنہ تھا۔ حمنہ اُم المؤمنین حضرت زینبؓ کی حقیقی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اس رشتہ سے محمد آنحضرت ﷺ کے بھانجے ہوئے۔

پیدائش : محمد زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اور حصولِ برکت کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا نام کیا رکھا گیا، کہا گیا "محمد" فرمایا میرے نام پر، اچھا ان کی کنیت بھی ابوالقاسم ہے [3]۔

حضرت عمرؓ کے بھائی زید کے پوتے کا نام بھی محمد تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے ان کو پکار کر بُرا بھلا کہا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بلا کر فرمایا کہ تمہارے نام کی وجہ سے اسمِ محمد پر گالیاں نہیں پڑ سکتیں۔ چنانچہ اسی وقت ان کا نام بدل کر عبدالرحمٰن رکھا اور حضرت طلحہؓ کے لڑکوں کے پاس آدمی بھیجا کہ ان میں جن جن کا نام محمد ہے بدل دیا جائے۔ یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، محمد بن طلحہ نے عرض کیا، امیر المؤمنین میرا نام محمد، رسول اللہ ﷺ کا انتخاب کردہ ہے۔ فرمایا اگر یہ سچ ہے تو جاؤ رسول اللہ کا رکھا ہوا نام میں نہیں بدل سکتا [4]۔

جنگ جمل میں شرکت اور کنارہ کشی : جنگِ جمل میں محمد کا دلی میلان حضرت علیؓ کی طرف تھا لیکن ان کے والد حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے اس لئے باپ کی خاطر ضمیر کے خلاف حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکلے لیکن دل مطمئن نہ تھا اس لئے حضرت عائشہؓ سے پوچھا، اماں بیٹے کے

---

[1] ابن سعد تذکرہ محجن [2] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۵ [3] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۴
[4] اصابہ تذکرہ محمد بن طلحہ بحوالہ صحیح بخاری

متعلق کیا حکم ہوتا ہے؟ حضرت عائشہؓ ان کا منشاء سمجھ گئیں گوان کا منشاء حضرت عائشہؓ کے خلاف تھا لیکن آپ نے جواب دیا ''ایسی حالت میں تم خیر بنی آدم کا طریقہ اختیار کرو اور اپنا ہاتھ روک لو[1]۔

شہادت: یہ اجازت ملنے کے بعد انہوں نے تلوار میان میں کر لی اور زرہ کو بچھا کر اس پر کھڑے ہو گئے[2]۔ حضرت علیؓ کو ان کے دلی جذبات اور ان کی مجبوریوں کا علم تھا اس لئے اپنی فوج میں اعلان کر دیا تھا کہ سیاہ ٹوپی والے (محمد) پر کوئی تلوار نہ اٹھائے مگر میدانِ جنگ میں کون امتیاز کرتا اس لئے محمد کی غیر جانبداری اور حضرت علیؓ کے اعلان کے باوجود کسی نے ان کا کام تمام کر دیا۔ قاتل کا نام بعض مدنج، بعض شداد اور بعض عصام بن مسعر بصری کو بتاتے ہیں زیادہ خیال آخری شخص کی طرف ہے[3]۔

حضرت علیؓ کا تاثر:

اختتام جنگ کے بعد جب حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسر اپنے مقتولین کی تلاش کرنے لگے تو حضرت حسنؓ کی نظر ایک لاش پر پڑی جو منہ کے بل زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ قریب جا کر سیدھی کی اور صورت پر نظر پڑی تو منہ سے بے اختیار **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** نکل گیا اور فرمایا واللہ یہ قریشی بچہ ہے۔

حضرت علیؓ نے پوچھا خیر ہے، عرض کیا محمد بن طلحہ۔ ان کا نام سن کر فرمایا افسوس کیا، جوانِ صالح تھا۔ یہ کہہ کر وہیں ملول و غمزدہ بیٹھ گئے۔ محمد کی شہادت کا حضرت حسنؓ پر اتنا شدید اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا میں آپ کو اس جنگ سے روکتا تھا لیکن آپ فلاں اشخاص کے کہنے میں آ گئے۔ فرمایا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، کاش میں آج سے ۲۰ سال پہلے مر گیا ہوتا[4]۔

فضائل اخلاق: محمد بن طلحہ یوں تو تمام فضائلِ اخلاق کا ایک مجسم پیکر تھے لیکن زہد و عبادت کا رنگ بہت غالب تھا۔ اتنی عبادت و ریاضت کرتے تھے کہ ''سجاد'' بڑا سجدہ کرنے والا لقب پڑ گیا تھا[5]۔ محمدؓ پہلے شخص ہیں جو سجاد کے لقب سے ملقب ہوئے[6]۔ حضرت علیؓ نے جب ان کی لاش دیکھی تو ان کے دوسرے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''رب کعبہ کی قسم یہ سجاد ہیں، انہوں نے والد کی اطاعت میں جان دی''[7]۔ گو محمدؓ دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں بہت کم سن تھے لیکن ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے بڑے بڑے صحابہ ان سے برکت حاصل کرتے تھے اور ان کی دعائیں لیتے تھے[8]۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۵ ۲۔ اسد الغابہ و اصابہ تذکرہ محمد بن طلحہ
۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ فضائل طلحہ ۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ فضائل طلحہ و اسد الغابہ تذکرہ محمد بن طلحہ
۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۲۳ ۶۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۴
۷۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۴۳ ۸۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۷۴

(۱۱۵) حضرت مسلم بن حارثؓ

نام ونسب : مسلم نام، باپ کا نام حارث تھا۔ قبیلہ تمیم سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

اسلام وغزوات : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پرنہیں بتایا جاسکتا۔ قبولِ اسلام کے بعد خالصۃً لوجہ اللہ جہاد میں شریک ہوتے تھے اور اشاعتِ اسلام کے مقابلہ میں مالِ غنیمت کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ اس بے لوثی اور اخلاص کی وجہ سے کبھی کبھی ان مجاہدین کو جو جہاد کے ساتھ مالِ غنیمت کے بھی خواہاں ہوتے تھے ہدفِ ملامت بننا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کسی دشمن کے مقابلہ میں سریہ بھیجا۔ مسلم بھی اس میں شریک تھے، قلعہ کے قریب پہنچے تو محصورین کا شور وغوغا سن کر پاس گئے اور کہا اگر بچنا چاہتے ہوتو لا الٰہ الا اللہ کہو۔ ان کی اس فہمائش پر قلعہ والے مسلمان ہو گئے۔ اس پر ان کے بعض ساتھیوں نے جو مالِ غنیمت کے خواہاں تھے انہیں بڑی ملامت ہوئی کہ تم نے ہم کو مالِ غنیمت سے محروم کر دیا اور واپس ہو کر آنحضرت ﷺ سے واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے سن کر مسلم کی بڑی توصیف فرمائی اور فرمایا تم کو قلعہ کے ہر فرد کے بدلے میں اتنا اتنا اجر ملے گا اور خوشنودی کی سند کے طور پر آئندہ آنے والے خلفاء اور ائمہ کے نام ایک سفارشی تحریر لکھ کر عطا فرمائی[1] اور ایک دعا تلقین فرمائی کہ اس کو سات مرتبہ فجر ومغرب کے بعد پڑھا کرو اس سے تم کو فائدہ ہوگا[2]۔

عہدِ خلفاء : حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسلم نے آنحضرت ﷺ کا تحریری فرمان ان کی خدمت میں لے جا کر پیش کیا۔ آپ نے اس کو پڑھ کر انہیں کچھ مرحمت فرمایا، مسلم چاروں خلفاء کے زمانہ میں زندہ تھے اور ہر خلیفہ کے سامنے وہ تحریر پیش کرتے رہے اور ان سب سے انہیں کچھ نہ کچھ ملتا رہا[3]۔

وفات : ان کے زمانہ میں وفات کی تعین کے بارے میں اربابِ سیر خاموش ہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلفائے راشدین کے قدم بہ قدم چلتے تھے چنانچہ ان کی سنت پوری کرنے کے لئے مسلم کے بیٹے حارث کو بلا کر کچھ دیا اور فرمایا اگر میں چاہتا تو خود تمہارے پاس آسکتا تھا لیکن میں نے تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سننے کے لئے تم کو زحمت دی ہے[4]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۷۔ ق ۲ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۱
[3] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۷۔ ق ۲ [4] ابن سعد حوالۂ مذکور

فضل وکمال: مسلم فضل وکمال کی حیثیت سے کوئی امتیاز نہ رکھتے تھے تاہم ان کا دامن حدیثِ نبوی ﷺ سے بالکل خالی نہیں ہے ان سے ان کے لڑکے حارث نے حدیث روایت کی ہے[1]۔

(۱۱۶) حضرت مسور بن مخرمہؓ

نام ونسب: مسور نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، نسب نامہ یہ ہے: مسور بن مخرمہ بن نوفل بن اسیب بن زہرہ ابن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی قرشی زہری۔ مسور مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے بھانجے تھے۔

پیدائش وبچپن: مسور کی والدہ عاتکہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئیں تھیں اور شرفِ ہجرت سے بھی مشرف ہوئیں۔ مسور ان ہی سعیدہ خاتون کے بطن سے ۲ ھ ہجری میں مکہ میں پیدا ہوئے اور فتح مکہ کے بعد چھ برس میں مدینہ آئے[2]۔

عہدِ نبوی ﷺ میں بہت صغیر السن تھے اس لئے اس عہد کے حالات میں طفلانہ واقعات کے سوا اور کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ﷺ وضو فرمارہے تھے اور مسور آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے اتفاقاً پشتِ مبارک سے چادر ہٹ گئی اور خاتمِ نبوت ﷺ نظر آنے لگی ایک یہودی ادھر سے گذرا اس نے مسور سے کہا محمد ﷺ کی پیٹھ سے چادر ہٹادو، یہ بچے تھے ہٹانے لگے آپ ﷺ نے ان کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ چھوٹا سا تہبند باندھے ہوئے ایک وزنی پتھر اُٹھائے ہوئے تھے۔ تہبند چھوٹا تھا، کھل گیا ہاتھ پتھر میں پھنسے تھے اس لئے تہبند نہ باندھ سکے اور اسی حالت میں پتھر لئے ہوئے چلے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا، تہبند اُٹھالو ننگے نہ پھرو[3]۔

اسی صغر سنی میں حجۃ الوداع میں شریک ہوئے لیکن واقعات سب یاد تھے چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں خطبہ دیا اور حمد کے بعد فرمایا کہ بت پرست اور مشرک دن رہے جب آفتاب پہاڑ کے سر پر ہوتا تھا یہاں سے چلے جاتے اور ہم غروب آفتاب کے بعد جائیں گے اور لوگ مشعر حرام اس وقت جاتے جب آفتاب خوب پھیلا ہوتا تھا[4]۔

---

[1] تہذیب الکمال۔ ص ۳۷۵ [2] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۹۸۔ مسورؓ کی پیدائش کے بعد ان کی ماں نے ہجرت کی تھی لیکن مسورؓ چھ برس تک اس لئے مکہ میں رہے کہ ان کے والد مخرمہ بن نوفل فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے مسور ان ہی کے ساتھ مکہ آئے۔ [3] ایضاً [4] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۴

عہدِ خلفاء : خلفاء اربعہ کے زمانہ میں حضرت ابوعبدالرحمٰن بن عوفؓ مجلس شوریٰ کے رکن تھے جب وہ مشورہ وغیرہ کے لئے جانے لگے تو مسور بھی ان کے ساتھ ہو لیتے تھے[۱]۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک مدینہ میں رہے ان کی شہادت کے بعد مکہ میں اقامت اختیار کر لی اور عبداللہ بن زبیرؓ کے اختلافات میں عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھے۔ ۶۴ھ میں جب شامی فوجوں نے حرم کا محاصرہ کیا تو مسور بھی عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ محصور تھے اور حطیم میں نماز پڑھتے تھے[۲]۔

شہادت : اسی محاصرہ کے زمانہ میں جب کہ حرم پر گولہ باری ہو رہی تھی ایک دن مسور جب معمول کھلے بندوں حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پتھر آ کر ان کے لگا اس کے صدمہ سے پانچویں دن وفات پا گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اس وقت ۶۸ سال کی عمر تھی[۳]۔

فضل وکمال : گو مسورؓ آنحضرت ﷺ کی حیات میں بہت کمسن تھے تاہم آپ سے سنی ہوئی حدیثیں ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں۔ ان کی صغر سنی کی وجہ سے بعض محدثین ان کے سماع کے منکر ہیں لیکن محدث حاکم نیشاپوری کے نزدیک ان کا سماع ثابت ہے[۴]۔ تاہم ان کی مرفوع روایات بہت کم ہیں ان کی روایات کی مجموعی تعداد جس میں مرفوع اور غیر مرفوع سب شامل ہیں، بائیس ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں اور چار میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں[۵]۔

اہلِ بیتِ نبوی ﷺ سے روابط اور عقیدت : اہلِ بیتِ نبوی ﷺ سے خاص تعلقات اور عقیدت رکھتے تھے اور وہ سب بھی انہیں مانتے تھے۔ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن زبیرؓ کی خالہ تھیں اس لئے ابن زبیرؓ ان کی بڑی مدد کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بڑی فیاض تھیں جو کچھ ملتا سب خرچ کر ڈالتیں۔ ان کی اس فیاضی پر ابن زبیرؓ نے کہا اگر وہ اپنا ہاتھ نہ روکیں گی تو میں آئندہ کچھ نہ دوں گا حضرت عائشہؓ کو خبر ہوئی تو انہیں اس کا بڑا صدمہ ہوا اور قسم کھا لی کہ اب میں ابن زبیرؓ سے کبھی نہ کچھ لوں گی۔ اس عہد پر عرصہ تک قائم رہیں۔ ابن زبیرؓ ان کے اس عہد سے بہت پریشان ہوئے اور بہت لوگوں کو درمیان میں ڈال کر صفائی کی کوشش کی لیکن حضرت عائشہؓ نے کسی کی سفارش نہ سنی آخر میں ابن زبیرؓ نے مسور سے کہا کہ تم مجھے کسی طرح خالہ کے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ ان کو اپنے

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ص ۲۱۹ ۲۔ اسد الغابہ و مستدرک حاکم ترجمہ مسورؓ

۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۳۔ یہ محاصرہ ۷۳ھ تک جاری رہا تھا۔ ۶۴ھ سے لے کر ۷۳ھ تک کسی وقت میں مسورؓ کی شہادت ہوئی۔ ۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۴ ۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۳۷۷

ساتھ لے کر گئے اور بڑی مشکلوں سے ان کی خطا معاف کرائی[1]۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن حسنؓ بن علیؓ نے مسور کی لڑکی کے ساتھ اپنا پیام بھجوایا۔ مسور جا کر ان سے ملے اور عرض کیا خدا کی قسم کوئی نسب، کوئی تعلق اور کوئی رشتہ میرے نزدیک آپ کے نسب، آپ کے تعلق اور آپ کے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کرنے سے زیادہ محبوب و معزز نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "فاطمہ میرا گوشت پوست ہے جس نے اس کو رنجیدہ کیا اس نے مجھ کو رنجیدہ کیا اور جس نے اس کو خوش رکھا اس نے مجھ کو خوش رکھا اور قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی رشتہ اور تعلق کے سوا باقی تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے"، ایسی حالت میں میرے لئے آپ سے رشتہ قائم کرنا باعثِ شرف و افتخار ہے لیکن فاطمہ کی لڑکی (پوتی) آپ کے نکاح میں ہے اس لئے میں اپنی لڑکی آپ کے ساتھ بیاہ کر فاطمہ کی لڑکی کو رنج و تکلیف نہیں پہنچا سکتا[2]۔

آثارِ نبوی ﷺ سے بڑی گہری عقیدت تھی اور اس کی حفاظت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ کربلا کے حادثۂ عظمی کے بعد جب امام زین العابدینؒ مدینہ واپس آئے تو مسور نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جو خدمت میرے قابل ہو اس کے بجالانے کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں زین العابدین نے کہا کوئی اس قسم کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تلوار زین العابدین کے پاس تھی مسور کو خطرہ تھا کہ یہ آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گی اس لئے عرض کیا آپ مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی تلوار دے سکتے ہیں؟ مجھ کو خطرہ ہے کہ وہ آپ کے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور اگر میرے پاس رہے گی تو جب میری جان میں جان باقی ہے اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا[3]۔

(۱۱۷) حضرت مطیع بن اسودؓ

نام و نسب : جاہلی نام عاص اور اسلامی نام مطیع ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : مطیع بن اسود بن حارثہ بن فضلہ بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب قرشی عدوی۔

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اس وقت ان کا نام "عاص" نافرمان تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر "مطیع" فرماں بردار رکھا[4]۔ تبدیلِ نام کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد میں منبر پر تشریف فرما ہو کر لوگوں کو بٹھا رہے تھے اسی دوران میں عاص آ گئے اور

۱؎ بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ ملخصاً ۲؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد۴۔ ص ۳۲۳
۳؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد۴۔ ص ۳۲۶ ۴؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد۳۔ ص ۴۱۲

آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر سب سے آخر میں بیٹھ گئے آنحضرت ﷺ کے منبر سے اُترنے کے بعد پاس جاکر آپ سے ملے، آپ نے پوچھا تم کو میں نے نماز میں نہیں دیکھا۔ عرض کی فدیت بابی وامی یا رسول اللہ (ﷺ) میں جس وقت مسجد میں داخل ہورہا تھا اس وقت آپ ﷺ لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دے رہے تھے۔ اس لئے میں سب کے آخر میں بیٹھ گیا جہاں آپ ﷺ کی آواز پہنچ جاتی تھی۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم عاص نہیں بلکہ مطیع ہو اس سے ان کا نام مطیع ہوگیا[1]۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی[2]۔

اولاد : ان کے کئی اولادیں تھیں، عبداللہ اور سلیمان وغیرہ۔ عبداللہ جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ کی حمایت میں کام آئے[3]۔

(۱۱۸) حضرت معاویہ بن حکمؓ

نام ونسب : معاویہ نام، باپ کا نام حکم تھا۔ معاویہ بنوسلیم میں بودوباش رکھتے تھے اور بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

اسلام : ہجرت کے بعد کسی سنہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ قبولِ اسلام کے بعد مکتب نبوت ﷺ میں اسلام کی تعلیم حاصل کی۔ اپنی تعلیم اور اسلام کے واقعات کو وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اسلام کے بعض احکام سیکھے۔ منجملہ اور تعلیمات کے مجھ کو ایک تعلیم یہ بھی ملی کہ جب کوئی چھینکے تو **الحمد للہ** کہو اور جب کوئی چھینک کر **الحمد للہ** کہے تو **یرحمک اللہ** کہو۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ کسی نے چھینکا اور **الحمد للہ** کہا، میں نے باآواز بلند **یرحمک اللہ** جواب دیا، لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا۔ میں نے کہا تم لوگ مجھے غضب آلودہ نگاہوں سے کیوں گھور رہے ہو؟ میرے اس سوال پر لوگوں نے **سبحان اللہ سبحان اللہ** کہنا شروع کیا۔ جب آنحضرت ﷺ نماز ختم کرچکے تو پوچھا نماز میں کون بولا تھا؟ لوگوں نے مجھ کو بتایا کہ یہ اعرابی تھا آپ ﷺ نے مجھ کو بلا کر فرمایا، نماز، قراتِ قرآن اور اللہ عزوجل کے لئے ہے جب تم نماز پڑھو تو تمہاری یہ شان ہونی چاہئے یعنی اللہ عزوجل کا ذکر اور قرآتِ قرآن۔ معاویہؓ پر اس نرمی کا یہ اثر ہوا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نرم معلم نہیں دیکھا[4]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۹۲ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۷۴
[3] استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۹۲ [4] ابوداؤد کتاب ابواب تفریع استفتاح الصلوٰۃ باب تشمیط العاطس فی الصلوٰۃ۔

اسی دورانِ تعلیم میں انہوں نے جاہلیت کے اوہام کے متعلق چند سوالات کیے کہ یارسول اللہ (ﷺ) ! ہم لوگ ابھی زمانۂ جاہلیت سے زیادہ قریب ہیں ابھی اسلام کو آئے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گذرا اس لئے ہم میں ابھی تک کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، فرمایا تم ان کے پاس نہ جایا کرو۔ پھر پوچھا کہ بعض لوگ اوہام سے فال بد لیتے ہیں، فرمایا یہ دل کے اوہام ہیں ان سے نہ متاثر ہونا چاہئے۔

پھر یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خط کھینچتے ہیں جاہلیت کے تفاول کا ایک طریقہ تھا، فرمایا بعض انبیاء بھی خط کھینچتے تھے اس لئے اگر کوئی ایسا خط کھینچے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر میں عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میری ایک لونڈی ہے جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن وہ اس پر چڑھ گئی اور ایک بکری بھیڑیا لے گیا میں انسان ہوں مجھے غصہ آ گیا میں نے لونڈی کو مارا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ ناگوار ہوا، آپ ﷺ کو ناگوار دیکھ کر میں نے کہا اس کو اس کفارہ میں آزاد کرتا ہوں۔ فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ میں لے آیا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا، اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر، پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا اس کو آزاد کر دو یہ مومنہ ہے[1]۔

(۱۱۹) حضرت معقل بن سنانؓ

نام ونسب : معقل نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، نسب نامہ یہ ہے : معقل بن سنان بن مطہر بن عرکی ابن فتیان بن سبیع بن بکر بن اشجع اشجعی۔

اسلام وغزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب اور اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے[2]۔

عہدِ فاروقی : کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں گھر بنالیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ آئے بڑے صاحبِ جمال تھے۔ کسی (غالباً عورت) نے ان کے حسن وجمال کی تعریف میں یہ شعر کہا :

اعوذ برب الناس من شر معقل اذا معقل راج البقیع مرجّلا

میں لوگوں کے رب سے معقل کے شر سے پناہ مانگتی ہوں
جب وہ گیسو سنوار کے بقیع کی طرف نکلتے ہیں

حضرت عمرؓ نے یہ شعر سنا تو ان کو مدینہ سے بصرہ بھیج دیا[3]۔

---

۱ ایضاً۔ جلد اول۔ ص ۹۳ ۲ اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۵ ۳ ایضاً

یزید کی مخالفت : معقلؓ یزید کے طور طریقوں کی وجہ سے اس کے سخت خلاف تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب یزید کی بیعت کے لئے ممالکِ محروسہ سے وفود طلب کئے تو معقلؓ بھی مدینہ والوں کے ساتھ اظہارِ بیعت کے لئے بھیجے گئے۔ شام جانے کے بعد ایک دن یزید کے ندیم خاص مسلم بن عقبہ کے سامنے یزید کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے کہ میں یزید کی بیعت کے لئے جبر یہ بھیجا گیا ہوں۔ میری آمد کو قضائے الٰہی کے سوا کیا کہا جائے جو شخص میخوار ہو، محرمات کے ساتھ نکاح کرتا ہو وہ کس طرح بیعت کا مستحق ہے؟ اسی سلسلہ میں انہوں نے یزید کی تمام برائیاں بیان کر ڈالیں اور مسلم سے کہا کہ میں نے تم سے یہ باتیں راز دارانہ کی ہیں اس لئے ان کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا۔ مسلم نے کہا امیر المومنین سے تو نہ کہوں گا لیکن جب موقع ملے گا تمہاری گردن اڑا دوں گا[1]۔

دینوری کا بیان ہے کہ معقلؓ نے کہا تھا کہ میں مدینہ واپس جا کر فاسق و فاجر یزید کی بیعت توڑ کر مہاجرین میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔ اس وقت مسلم ان پر قابو نہ پاسکا مگر قسم کھالی کہ جب بھی تم میرے قابو میں آؤ گے تمہاری گردن اڑا دوں گا[2]۔

شہادت : مدینہ آنے کے بعد معقلؓ نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ نے حجاز میں خلافت کا دعویٰ کیا اور یزید نے ان کے مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کیں تو معقل ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے اور جب ابن زبیرؓ نے شکست کھائی اور مدینہ کے لوگوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے اور مسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ معقلؓ پیاسے تھے، مسلم نے کہا، معقل پیاسے معلوم ہوتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ مسلم نے بادام کا شربت بنانے کا حکم دیا اور شربت پلا کر کہا اب کبھی کسی مفترح چیز کی خواہش کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ یہ کہہ کر ان کی گردن مارنے کا حکم دیا فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی اور معقلؓ حق پرستی کے جرم پر بنی امیہ کی ستم آرائی کا شکار ہو گئے[3]۔

فضل و کمال : فضل و کمال اور مذہبی حیثیت کا اندازہ علامہ ابن عبدالبرؒ کی اس رائے سے کیجئے، کان فاضلا تقیا شا با معقل فاضل، پاکباز اور جوان تھے[4]۔

(۱۲۰) حضرت معقل بن یسارؓ

نام و نسب : معقل نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : معقل بن یسار بن عبداللہ بن صفیر بن حراق ابن لامی بن کعب بن عبد بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن ابن طانجہ بن الیاس بن مضر۔

---

۱ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۲۳۔ ق ۴ ۲ اخبار الطوال۔ ص ۲۷۶
۳ مستدرک۔ جلد ۳۔ ص فضائل معقل ۴ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۶۷

اسلام اور صلح حدیبیہ میں شرکت :

حضرت معقلؓ صلح حدیبیہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اور جس وقت آپ لوگوں سے موت پر بیعت (بیعت رضوان) لے رہے تھے اس وقت معقلؓ ایک شاخ آپ کے اوپر سایہ کئے ہوئے کھڑے تھے[1]۔

عہدۂ قضا : آنحضرت ﷺ نے ان کو قبیلہ مزینہ کا قاضی بنانا چاہا انہوں نے معذرت کی کہ مجھ میں اس ذمّہ داری کو سنبھالنے کی اہلیت نہیں ہے آپ نے دوبارہ فرمایا نہیں تم ان کے فیصلے کیا کرو انہوں نے پھر معذرت کی کہ میں اچھی طرح فیصلہ نہیں کرسکتا، تیسری مرتبہ پھر آپ نے باصرار فرمایا نہیں تم فیصلہ کرو، خدا قاضی کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ عمداً ظلم و ناانصافی نہیں کرتا[2]۔

عہد فاروقی : معقل کی قوت فیصلہ کی وجہ سے حضرت عمرؓ انہیں بہت مانتے تھے، مہمات امور میں ان سے مشورہ کرتے اور بڑی بڑی خدمتیں ان کے سپرد کرتے عراق کی فوج کشی کے سلسلہ میں ۲۰ھ میں جب یزدگرد نے مروان شاہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا، تو حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ سے مشورہ لیا، اس مشورہ میں معقلؓ بھی تھے[3]۔ اسی زمانہ میں حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ میں ایک نہر کھدوانے کا حکم دیا، داور فرمایا تیاری کے بعد معقلؓ کے ہاتھوں سے اس میں پانی جاری کرایا جائے[4]۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں جب زیاد نے اس نہر کو دوبارہ درست کرایا تو تبرکاً معقل ہی کے ہاتھوں اس کا افتتاح کرایا[5]۔

علالت اور وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بیمار پڑے، عبیداللہ بن زیاد ان کی عیادت کو آیا، اس سے فرمایا میرا وقت آخر ہے اگر زندگی کی امید ہوتی تو ایک حدیث جس کو میں نے ابھی تک نہیں بیان کیا ہے نہ بیان کرتا لیکن اب وقت آخر ہے اس لئے بیان کئے دیتا ہوں، میں نے آنحضرت ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص رعایا کی گلہ بانی کرتا ہے اگر اس نے رعایا کی خیانت کی اور اسی حالت میں مرگیا تو خدا اس پر جنت حرام کردے گا[6]۔ اسی مرض میں وفات پائی ساٹھ اور ستر کے درمیان عمر تھی[7]۔

۱؎ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۔ ۲؎ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۷۔ ۳؎ اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۶۔
۴؎ فتوح البلدان۔ ص ۳۶۶۔ ۵؎ ایضاً۔ ۶؎ مسلم کتاب الایمان باب استحقاق الوالی الغاش لرعیۃ النار۔
۷؎ اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۶۔

فضل وکمال: حضرت معقلؓ بڑے صاحب کمال صحابی تھے، ان کے کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں باصرار قبیلہ مزینہ کا عہدۂ قضا سپرد فرمایا تھا، بہت سے ایسے مسائل جن کے متعلق کبار صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی فیصلہ نہ سنا تھا، معقلؓ کے علم میں تھے، ایک مرتبہ کسی شخص نے عبداللہ بن مسعود سے پوچھا کہ ایک شخص نے بلاتعین مہر ایک عورت سے شادی کی اور بلاخلوت صحیحہ مر گیا، ایسی صورت میں عورت کو ترکہ اور مہر ملے گا یا نہیں انہوں نے (غالباً قیاس سے) جواب دیا بلاشبہ اس قسم کی منکوحہ کو اس کے جیسی اوصاف والی عورت کے برابر مہر ملے گا، میراث بھی پائیگی اور عدت بھی پوری کرنی ہوگی، معقلؓ بھی موجود تھے، انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے بروع بنت داشق کے بارہ میں یہی فیصلہ فرمایا تھا، عبداللہ بن مسعودؓ کو آپ کا یہ فیصلہ معلوم نہ تھا، اس لئے اپنے فیصلہ کے توارد پر بہت محظوظ ہوئے[1]۔

ان سے چونتیس حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں ایک متفق علیہ ہے اور ایک میں امام بخاری دو میں امام مسلم منفرد ہیں[2]۔ ان کے رواۃ کا دائرہ کار خاصہ وسیع ہے، عمران بن حصین، معاویہ ابن قرہ علقمہ بن عبداللہ حکیم بن اعرج، عمرو بن لیمون، حسن بصری، نافع بن ابی نافع، ابی الملیح مسلم بن مخراق، عیاض اور ابو خالد وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں[3]۔

غیرت وحمیت: معقلؓ نہایت غیور اور باحمیت آدمی تھے شادی اور طلاق عربوں میں معمولی بات تھی مگر ان کی غیرت طلاق کو پسند نہ کرتی تھی اور وہ نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایک شخص کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی، اس نے چند دنوں کے بعد طلاق دیدی، اور عدت گذرنے کے بعد پھر نکاح کا پیام دیا، معقلؓ نے کہا میں نے تمہارے ساتھ شادی کر کے تمہاری عزت افزائی کی تھی تم نے طلاق دے دی، اب کبھی تمہارے ساتھ شادی نہ کروں گا۔ ان کے انکار پر یہ حکم نازل ہوا۔

"واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلو هن" الخ

"جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو ان کو نہ روکو"

اس حکم ربانی کے سامنے غیرت مندی اور خودداری کے تمام جذبات سرد پڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے کوئی عذر نہیں اور دوبارہ اس شخص کے ساتھ بہن کی شادی کر دی[4]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۷ [2] تہذیب الکمال۔ ص ۳۸۳ [3] تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۳۵
[4] بخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی

(۱۲۱) حضرت ناجیہؓ بن جندب

نام ونسب : ذکوان نام، ناجیہ خطاب اور صاحب البدن لقب ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : ناجیہ بن جندب ابن عمیر بن یعمر بن دارم بن عمرو بن واثلہ بن سہم بن مازن بن سلامان بن افصی سلمی۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا، لیکن حدیبیہ سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اور آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے نگران تھے[1]۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد کچھ دور بڑھ کر آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش نے خالد بن ولیدؓ کو روکنے کے لئے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ لڑنا پسند نہ فرماتے تھے اس لئے ہمراہیوں سے پوچھا تم میں کون ایسا شخص ہے جو ان لوگوں (قریش) کا راستہ بچا کر ہم کو دوسرے راستہ سے نکال لے جائے۔ جندبؓ نے عرض کی فدیت بابی و امی یا رسول اللہ ﷺ میں یہ خدمت انجام دوں گا چنانچہ قریش کا راستہ کاٹ کر ایک دوسرے راستہ سے مسلمانوں کو حدیبیہ پہنچا دیا[2]۔

حدیبیہ کے جس میدان میں مسلمان خیمہ زن ہوئے تھے وہاں پانی نہ تھا جا بجا خشک گڑھے تھے۔ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پانی کی شکایت کی آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ناجیہؓ کو دیا کہ ان کو جا کر خشک گڑھے میں گاڑ دو۔ انہوں نے ایک گھے کے وسط میں گاڑ دیا اس کی برکت سے خشک گڑھے میں پانی کا فوارہ پھوٹنے لگا۔

حدیبیہ کے پاس جب معلوم ہوا تو قریش مکہ کے داخلہ میں مزاحم ہوں گے تو ناجیہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اجازت ہو تو میں جانوروں کو حرم میں لے جا کر ذبح کر دوں فرمایا، موجودہ حالات میں تم کس طرح لے جا سکتے ہو؟ عرض کی میں ایسے راستہ سے لے جاؤں گا کہ قریش کو پتہ تک نہ چلے گا چنانچہ آپ ﷺ نے جانور ان کے حوالے کر دیئے۔ انہوں نے حرم میں لے جا کر ذبح کر دیا[3]۔

عمرۃ القضاء میں بھی آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو لے جانے اور ان کی نگرانی کی خدمت ان ہی کے سپرد ہوئی چنانچہ یہ آنحضرت ﷺ سے پہلے چار اسلمی نوجوانوں کو ساتھ لے کر قربانی کے جانوروں کو مکہ لے گئے[4]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۔ ق ۲ [2] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۲۲۲

[3] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۱۱ [4] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۵۔ ق ۲

حجۃ الوداع : حجۃ الوداع میں بھی ہمرکاب تھے، اس میں بھی آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کی نگرانی ان ہی کے سپرد تھی[۱] اسی لئے ان کو "صاحب بدن رسول اللہ ﷺ" یعنی رسول اللہ ﷺ کے قربانی کے جانوروں والے کہا جاتا ہے[۲]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی[۳]۔

(۱۲۲) حضرت نبیشۃ الخیرؓ

نام ونسب : نبیشہ نام، ابوطریف کنیت، خیر لقب، نسب نامہ یہ ہے : نبیشہ بن عمرو بن عوف ابن عبداللہ بن عتاب بن حارث بن حصین بن نابغہ بن لحیان بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر مضری۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا۔ فتح مکہ کے بعد کسی وقت مشرف باسلام ہوئے۔

خیر کا لقب : اسلام کے بعد دربارِ رسالت ﷺ سے خیر کا لقب ملا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبیشہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ قیدی تھے، نبیشہؓ نے عرض یا یارسول اللہ ﷺ! ان پر احسان فرمائیے اور فدیہ لے کر رہا کر دیجئے۔ فرمایا تم نے نیک صلاح دی تم نبیشۃ الخیر ہو[۴]۔

وفات : زمانۂ وفات کے بارے میں اربابِ سیر خاموش ہیں۔

فضل وکمال : حضرت نبیشہؓ سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں[۵]۔

تبلیغ فرمانِ رسول ﷺ : معمولی معمولی باتوں میں فرمانِ نبوی ﷺ کی تبلیغ پیش نظر رہتی تھی۔ ایک مرتبہ چند آدمی ایک بڑے پیالے میں کھانا کھا رہے تھے، اتفاق سے نبیشہ بھی پہنچ گئے انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کھانے کے بعد پیالہ چاٹے گا میں اس کے لئے دعائے مغفرت کروں گا[۶]۔

(۱۲۳) حضرت واثلہ بن اسقعؓ

نام ونسب : واثلہ نام، ابوقرصافہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : واثلہ بن اسقع بن عبدالعزیٰ ابن عبدیالیل بن ناشب بن غزہ بن سعد بن لیث بن بکر بن کنانہ کنانی۔

---

۱ ایضاً ۲ استیعاب تذکرۂ ناجیہ ۳ ابن سعد۔ جلد۴۔ ص۴۵۔ ق۲ ۴ مستدرک حاکم۔ جلد۳۔ ص۴۴۳
۵ تہذیب الکمال ص۴۰۵ ۶ ابن سعد۔ جلد۷۔ ص۳۶۔ ق اول

اسلام : ۹ھ میں غزوۂ تبوک سے چند دن پہلے قبولِ اسلام کے ارادہ سے مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا جاؤ پانی اور بیر کی پتیوں سے نہاؤ اور زمانہ کفر کے بالوں کو صاف کراؤ، یہ کہہ کر ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا[1]۔

غزوہ تبوک : ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہی غزوہ تبوک کی تیاریاں شروع ہوئیں، تمام مجاہدین اپنا اپنا سامان درست کر رہے تھے، واثلہ بھی تیاری کرنے کے لئے گھر گئے، یہاں کچھ نہ تھا اس لئے واپس آئے ان کی واپسی تک مجاہدین کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور ان کے شرکت کی بظاہر کوئی صورت باقی نہ تھی لیکن ذوق جہاد بے تاب کئے ہوئے تھے۔

چنانچہ انہوں نے مدینہ کی گلیوں میں پھر پھر کر صدا لگانا شروع کی کہ "کون مجھ کو میرے مال غنیمت کے بدلہ میں تبوک لے چلتا ہے؟ اتفاق سے ایک انصاری بزرگ بھی باقی رہ گئے تھے، انہوں نے کہا میں لے چلوں گا کھانا میں دونگا اور اپنی سواری پر بٹھاؤں گا خدا کی برکت پر بھروسہ کر کے تیار ہو جاؤ، واثلہؓ کو تیاری ہی کیا کرنی تھی، فوراً ساتھ ہو گئے۔ انصاری بزرگ نے نہایت حسن سلوک اور شریفانہ طریقہ سے انہیں رکھا، اور وہ غزوہ تبوک میں شریک ہوئے لڑائی ختم ہونے کے بعد اس کے مالِ غنیمت میں سے چھ اُونٹنیاں واثلہؓ کے حصہ میں بھی آئیں۔

شرط کے مطابق وہ ان اونٹنیوں کو انصاری بزرگ کے پاس لائے انہوں نے ان اُونٹنیوں کی چال ڈھال وغیرہ کو دیکھنے کے بعد کہا تمہاری یہ سب اُونٹنیاں نہایت اچھی ہیں۔ واثلہؓ نے کہا شرط کے مطابق سب حاضر ہیں، انصاری بزرگ نے کہا، بھتیجے تمہاری اُونٹنیاں تمہیں مبارک ہوں، تم انہیں لے جاؤ میرا مقصد صرف ثوابِ آخرت تھا[2]۔

بیت المقدس کا قیام :

بصرہ آباد ہونے کے بعد کچھ دنوں یہاں رہے پھر شام منتقل ہو گئے اور دمشق سے تین کوس کی مسافت پر بلاط نامی گاؤں میں اقامت اختیار کر لی، اور شام کی لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے آخر میں بیت المقدس میں سکونت اختیار کر لی تھی[3]۔

وفات : ۸۳ھ میں ۱۰۵ سال کی عمر میں وفات پائی، واقدیؒ کے بیان کے مطابق ۸۵ھ میں انتقال کیا، اور ۹۸ سال کی عمر تھی[4]۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، ڈاڑھی میں زرد خضاب کرتے تھے[5]۔

---

۱ مستدرک حاکم۔ جلد۳۔ ص ۵۷۰ ۲ ابوداؤد کتاب الجہاد باب الرجل یکری دابتہ علی النصف والسہم۔
۳ اسد الغابہ۔ جلد۵۔ ص ۷۷ ۴ ابن سعد۔ جلد۷۔ ق۲۔ ص ۱۲۹ ۵ اسد الغابہ۔ جلد۵۔ ص ۷۷

فضل وکمال : واثلہؓ اصحاب صفہ میں تھے[1]۔اصحاب صفہ کا مشغلہ تعلیم وتعلم تھا،اس لئے واثلہ کا بھی یہ شغل تھا،اس کے علاوہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت گذاری کی بھی سعادت حاصل کرتے تھے[2]۔
گواس سعادت کی مدت سال سواسال سے زیادہ نہ تھی تاہم اس تقریب سے انہیں حدیث نبوی ﷺ کی حاضر باشی اور استفادہ کا موقع مل جاتا تھا اس لئے بہت سی احادیث نبوی ﷺ ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں چنانچہ ان کی مرویات کی مجموعی تعداد چھپن ہے ان میں سے ایک میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں ان سے ان کی لڑکیوں فسیلہ اور جمیلہ اُمّ اسماء نے دوسرے رواۃ میں بسر بن سعد،بسر بن عبید اللہ،مکحول،عبداللہ بن عامر اور شداد بن عمارہ وغیرہ نے روایتیں کی ہیں[3]۔

روایت حدیث میں واثلہ کا اصول :

روایت حدیث میں واثلہؓ الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ روایت بالمعنی یعنی صرف حدیث کا صحیح مفہوم اور منشاء بیان کر دینا کافی سمجھتے جاتے۔ان کی حدیث دانی کی وجہ سے شائقین حدیث ان کے پاس سماع کے لئے آیا کرتے تھے،ایک مرتبہ مکحول نے آکر کہا ابوالاسقع کوئی ایسی حدیث سنائیے جس میں آپ کو کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو اس میں کوئی نہ کوئی زیادتی ہو،اور نہ کچھ بھولے ہوں یہ شرائط سن کر واثلہؓ نے حاضرین سے سوال کیا،تم میں سے کسی نے گذشتہ شب کو قرآن پڑھا ہے؟لوگوں نے کہاہاں لیکن ہم حافظ نہیں ہیں،بولے جب قرآن کو جو تمہارے پاس لکھا ہوا موجود ہے صحیح طور پر حافظہ میں محفوظ نہیں رکھ سکتے اور اس میں تم کو کمی بیشی ہو جانے کا خوف رہتا ہے تو حدیثیں جن کو بیشتر حالتوں میں ہم نے صرف ایک ہی مرتبہ سنا ہے بجنسہا کیونکر یاد رہ سکتی ہیں،روایت حدیث میں تمہارے لئے اتنا کافی ہے،کہ حدیث کا مفہوم اور اس کے صحیح معنی بیان کر دو[4]۔

عبادت : واثلہؓ اوراد ووظائف ماثورہ نہایت پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے،ان کی صاحبزادی اسماء کا بیان ہے کہ والد نمازِ فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک قبلہ رخ بیٹھ کر وظیفہ پڑھتے تھے،اور اس وقت جب کبھی میں ان سے کسی ضرورت سے بات کرنا چاہتی تو بولتے نہ تھے،ایک دن میں نے پوچھا آپ بولتے کیوں نہیں؟فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص نماز کے بعد بغیر کسی سے بات کئے ہوئے سو مرتبہ قل ہو اللہ تلاوت کرے تو اس کے اس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں[5]۔

---

[1] ابن سعد۔جلد ۷۔ق ۲۔ص ۱۲۹۔ [2] استیعاب۔جلد ۲۔ص ۶۲۵۔ [3] استیعاب۔جلد ۲۔ص ۶۲۵ وتہذیب الکمال۔ص ۴۱۹۔ [4] مستدرک حاکم۔جلد ۳۔ص ۵۶۹۔ [5] مستدرک حاکم۔جلد ۳۔ص ۵۷۰۔

فیاضی : ابتداء میں نہایت نادار تھے اسی لئے اصحاب صفہ کے زمرہ میں شامل ہو گئے تھے، بعد میں خدا نے فارغ البال کیا فارغ البالی کے زمانہ نہایت فیاض اور سیر چشم تھے، اور صبح وشام دونوں وقتوں برابر لوگوں کو بلا کر کھانے میں شریک کرتے تھے[1]۔

(۱۲۴) حضرت وائل بنؓ حجر

نام ونسب : وائل نام، ابوعبیدہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے وائل بن حجر بن ربیعہ بن وائل ابن یعمر حضرمی ان کے والد حجر سلاطین حضرموت میں تھے، وائل خود حضرموت کے رئیس تھے۔

اسلام : فتح مکہ کے بعد جب عرب مختلف گوشوں کے وفود قبول اسلام کے لئے جوق درجوق مدینہ آنے لگے تو وائل بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے ورود سے پیشتر صحابہ کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی اور ان کا تعارف بھی کرادیا تھا کہ وائل بن حجر جو سلاطین حضرموت کی یادگار میں خدا رسول کے مطیع وفرمان برادر بن کر دور دراز کی مسافت طے کر کے حضرموت سے آرہے ہیں، جب وائل مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے رتبہ کے مطابق ان کا استقبال کیا، اپنے قریب ردائے مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا، اور ان کے اور ان کی اولاد کے لئے دعا فرمائی کہ خدایا وائل کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر برکت نازل فرما، اور ان کے سرداران حضرموت کا حاکم بنا[2]۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب وائل واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرموت میں زمین کا ایک قطعہ مرحمت فرمایا اور ان کے بارہ میں خط مہاجر بن امیہ کے اور دوسرا حضرموت کے رؤسا اور سرداروں کے نام لکھ کر حوالہ کیا، اور چلتے وقت معاویہ کو کچھ دور تک مشایعت کے لئے بھیجا وائلؓ سوار تھے اور معاویہؓ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے گرمی کا موسم تھا تپتی ہوئی ریت پیروں کو جھلسائے دیتی تھی، معاویہ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی وائل نے کہا سواری کے سایہ میں آجاؤ، معاویہ نے کہا اس سے کچھ نہ ہوگا اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیجئے، وائل ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے، دماغ میں نخوت رعونت بسی ہوئی تھی جواب دیا خاموش تم بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو[3]۔

جنگ صفین میں شرکت : کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں اقامت اختیار کر لی جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور حضرموت کا علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا[4]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۲۹۔ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۲۵۔ [3] ایضاً۔ [4] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۸۱۔

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ ان کے پاس گئے امیر نے پہچان کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا، اور اپنا واقعہ یاد دلایا اور چلتے وقت نقدی سلوک کرنا چاہا لیکن وائلؓ نے انکار کر دیا ان کے انکار پر امیر معاویہ نے جاگیر پیش کی مگر وائلؓ نے اسے بھی قبول نہ کیا اور کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں کسی دوسری حاجت مند کو دے دینا[1]۔

وفات : ان ہی کے عہد خلافت میں وفات پائی[2]۔

(۱۲۵) وحشی بن حربؓ

نام ونسب : وحشی نام، ابودسمہ کنیت، نسلاً حبشی، اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کے غلام تھے۔

حمزہ کا قتل : جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے جبیر بن مطعم کے چچا طیمہ بن عدی کو قتل کیا تھا، اس لئے جبیر کو اس کے انتقام کی بڑی فکر تھی، جب احد کی تیاریاں شروع ہوئیں تو جبیر نے وحشی سے کہا کہ اگر تم چچا کے انتقال میں حمزہ کو قتل کردو تو تم آزاد ہو آزادی کا نام سن کر وحشی فوراً تیار ہو گیا، میدان جنگ میں جب صف آرائی ہوئی اور مشرکین کی طرف سے سباع نے مبارز طلبی کی تو حضرت حمزہؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا وحشی ایک چٹان کی آڑ میں گھات میں بیٹھا ہوا تھا جیسے ہی حضرت حمزہؓ سباع کو قتل کر کے ادھر سے گزرے اس نے نیزہ سے ایسا وار کیا کہ نیزہ ناف کے پار اتر گیا اور حضرت حمزہؓ اسی جگہ شہید ہو گئے[3]۔

اسلام : آنحضرت ﷺ کو چچا کی شہادت کا بڑا قلق تھا۔ اس لئے وحشی اشتہاری مجرم ہو گیا اور جب مکہ فتح ہو گیا تو اس نے طائف میں پناہ لی جب طائف کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جانے لگا تو لوگوں نے وحشی سے کہا تم بھی وفد کے ساتھ چلے جاؤ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سفراء کے ساتھ بُرا برتاؤ نہیں کرتے لوگوں کے کہنے سے وحشی ساتھ ہو گیا اور مدینہ پہنچ کر دفعتہً کلمہ پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گیا[4]۔

حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے بڑے محبوب چچا تھے۔ آپ پر ان کی شہادت کا نہایت شدید اثر تھا، لیکن وحشی اولاً سفیر کی حیثیت سے اور پھر مسلمان ہو کر آئے تھے، اس لئے ان کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں ہو سکتا تھا، تاہم آپ نے ان کے چہرہ پر نظر ڈالنا گوارا نہ کیا۔ وحشی سے پوچھا تم ہی نے حمزہ

---

[1] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۲۵۔ [2] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۳۱۲۔ [3] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ۔
[4] ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۵۴۔

کو شہید کیا تھا انہوں نے محجوب ہو کر عرض کیا آپ نے جو سنا ہے صحیح ہے آپ نے فرمایا اگر ہو سکے تو تم اپنا چہرہ مجھے نہ دکھلاؤ وحشی تعمیل ارشاد میں فوراً ہٹ گئے [1]۔

حسن تلافی : حضرت حمزہؓ کی شہادت کا جرم وحشی کے دل پر ایسا زخم تھا جو انہیں چین نہیں لینے دیتا تھا اور وہ قبول اسلام کے بعد سے برابر اس کی تلافی کی کوشش میں لگے ہوئے تھے خوش قسمتی سے بہت جلد ان کو اس کا موقع مل گیا آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذّاب کا فتنہ اٹھا تو وحشیؓ نے کہا اب وقت ہے کہ میں مسیلمہ کو قتل کر کے حمزہ کے خون کا کفارہ ادا کردوں چنانچہ وہی نیزہ جس سے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا لے کر مسیلمہ کے مقابلہ میں جانے والی مہم کے ساتھ ہو گئے [2] اور میدان جنگ میں پہنچ کر مسیلمہ کی تاک میں لگے رہے وہ ایک دیوار کے سوراخ کے پار نظر آیا انہوں نے نیزہ تان کر اس کے سینہ پر ایسا وار کیا کہ نیزہ سینہ کے پار ہو گیا جو کچھ کمی رہ گئی اس کو ایک انصاری نے بڑھ کر پورا کر دیا [3]۔ اس طرح وحشیؓ نے اسلام کے بہت بڑے دشمن کا خاتمہ کر کے حضرت حمزہؓ کا خون بہا ادا کر دیا۔

(۱۲۶) حضرت وہب بن قابوسؓ

نام ونسب : وہب نام، باپ کا نام قابوس تھا نسلاً قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتے تھے اور ارض مزینہ میں رہتے تھے۔

اسلام : جنگ احد کے زمانہ میں اپنے بھتیجے حارث کے ساتھ بکریاں لے کر مدینہ آئے یہاں بالکل سناٹا تھا پوچھا سب لوگ کہاں گئے معلوم ہوا کہ اُحد پر آنحضرت ﷺ کے سات مشرکین کے مقابلہ میں گئے ہوئے ہیں یہ سنکر اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

شہادت : قبول اسلام کے بعد احد کی رزمگاہ میں پہنچے ہنگامہ کا بازار گرم تھا وہب مسلمانوں کے ساتھ مل کر حملہ آور ہو گئے اسی دوران میں مشرکین میں سے خالد بن ولید عکرمہ بن ابی جہل پشت کی جانب سے نمودار ہوئے اور نہایت جم کر مقابلہ جاری تھا کہ مشرکین کا ایک اور جتھا نظر آیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سے کون نپٹے گا وہب نے عرض کیا یا رسول اللہ، یہ کہہ کر اس قدر تیر بازی کی کہ جتھا واپس جانے پر مجبور ہو گیا مگر ایک دوسرا جتھا نمودار ہو گیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کے مقابلہ میں کون آتا ہے وہب نے پھر اپنے کو پیش کیا اور اس زور شور سے حملہ آور ہوئے کہ اس جتھے کا بھی منہ پھیر دیا

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ۔ [2] سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۵۴۔
[3] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ۔

اس سے فارغ ہوئے تھے کہ تیسرا جتھا دکھائی دیا آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا اس کے مقابلہ کے لیے کون اٹھتا ہے اس مرتبہ بھی اس سوال کے جواب میں وہب ہی کی آواز آئی آنحضرت ﷺ نے بشارت دی جاؤ جا کر جنت لو یہ مژدہ سن کر شاداں وفرحاں یہ کہتے ہوئے کہ نہ کسی کو چھوڑوں گا اور نہ اپنے بچاؤ کی کوشش کروں گا، مشرکین کے جم غفیر میں گھس گئے، اور تلوار چمکاتے ہوئے اس پار سے اُس پار نکل گئے مسلمان یہ جرأت اور بہادری دیکھ کر عش عش کرتے تھے آنحضرت ﷺ دعا فرماتے تھے کہ خدایا اس پر رحم کر وہب دیر تک حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے آخر میں مشرکین چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے نرغہ میں لیکر تیروں اور تلواروں کی بارش شروع کر دی تن تنہا اس ہجوم کا کب تک مقابلہ کرتے بالآخر سینکڑوں زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے[1]۔

شہادت کے بعد شمار کیا گیا تو بیس زخم ایسے کاری تھے کہ ان میں سے ہر ایک زخم شہادت کے لیے کافی تھا شہید کرنے کے بعد مشرکین نے نہایت بری طرح مثلہ کیا تھا ان کے بھتیجے حارث یہ المناک منظر دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور بے تابانہ اٹھ کر اسی بہادری اور بے جگری سے لڑ کر جام شہادت پیا۔ آنحضرت ﷺ پر وہب کی شہادت کا نہایت سخت اثر ہوا چچا بھتیجے دونوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں تم سے راضی ہوں مشرکوں نے وہب کی لاش کا اس بری طرح مثلہ کہ قریب جا کر نظر ڈالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور دفن تک ان کے پیروں کی سمت کھڑے رہے اور قبر میں رکھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے سرخ بوٹوں کی چادر کھینچ کر اڑھائی چادر چھوٹی تھی پاؤں کھلے رہ گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان پر حرملہ ڈلوائی اور اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر کے واپس ہوئے اس حیثیت سے وہبؓ کی شہادت بڑی قابل رشک تھی کہ اسلام کے بعد ان کا ایک لمحہ بھی دنیا سے ملوث نہ ہوا۔ اور سیدھے جنت الفردوس کو سدھارے اس طیب وطاہر زندگی اور اس شہادت پر بڑے بڑے صحابہ رشک کرتے تھے حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ کہتے تھے کہ کاش مزنی کی شہادت ہم کو نصیب ہوئی ہوتی[2]۔

(۱۶۷) حضرت ہاشم بن عتبہؓ

نام ونسب : ہاشم نام، ابو عمر کنیت مرقال لقب نسب نامہ یہ ہے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص ابن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ قرشی زہری، ہاشم مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے بھتیجے ہیں۔

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص ۱۸۱۔ [2] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص ۱۸۱۔

فتوحات میں شرکت : شجاعت وشہامت ان کا خاندانی جوہر تھا بہت آخر میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے تھے اس لئے حیاتِ نبوی ﷺ میں اس کے مظاہرہ کا موقعہ نہ ملا سب سے اول فاروقی عہد میں ان کے جوہر نمایاں ہوئے شام کی فتوحات میں خالد بن ولیدؓ کے دوش بدوش داد شجاعت دی، یرموک کی مشہور جنگ میں ایک آنکھ شہید ہوئی[1]۔

اس زمانہ میں پورے شام اور ایران میں جنگ چھڑی تھی ہاشم دونوں میں شریک ہوئے ایران کی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کا معرکہ نہایت اہم ہے اس کے لئے حضرت عمرؓ نے دارالخلافہ سے جو منتخب بہادر بھیجے تھے، اس میں ایک ہاشم بھی تھے، چنانچہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام سے روانہ ہوئے اور ٹھیک تیسرے دن ایران کے حدود میں پہنچے اور یرموک کے معرکہ میں شریک ہوئے اس جنگ میں انہوں نے اپنی شجاعت کے نہایت حیرت انگیز مناظر دکھائے اور ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ مجاہدین قادسیہ میں کوئی بھی ان کے کارناموں کو نہ پہنچ سکا فاتحینِ قادسیہ میں ان کا نام سرفہرست ہے[2]۔

مدائن کی فتح کے بعد جب یزدگرد نے جلولاء میں تیاریاں شروع کیں اور سعد بن ابی وقاصؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ہاشمؓ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کو بھیجا، ان کو جلولا پہنچنے سے پہلے ایرانی تمام انتظام مکمل کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو چکے تھے، اور ہر ایرانی نے میدان جنگ میں جان دے دینے کا عہد کر لیا تھا، اور ان کے پاس حلوان سے امداد پر امداد چلی آ رہی تھی۔

اسی لئے ہاشمؓ کے آنے کے بعد مسلمانوں نے طے کیا کہ بلا کسی توقف وانتظار کے حملہ کر دینا چاہئے، ورنہ ایرانیوں کی امدادی فوجوں کا سلسلہ ان کی قوت بہت بڑھا دے گا، اس وقت مقابلہ میں زیادہ دشواری ہوگی، اس فیصلے کے بعد مسلمانوں نے جنگ چھیڑ دی، پہلے تیر چلے، پھر تیر نکلے، آخر میں تلوار کی نوبت آئی اور اس گھمسان کی جنگ ہوئی کہ تلواروں کی دھاریں الٹ الٹ گئیں ایرانی برابر کا جواب دے رہے تھے آخر میں مسلمانوں نے ہر طرف سے سمٹ کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے مسلمان صبح سے شام تک تعاقب کر کے مارتے رہے شام کی تاریکی میں مجبوراً علیحدا ہونا پڑا۔

اس شکست فاش کے بعد یزدگرد حلوان چلا گیا، اور مسلمان دجلہ کے مشرقی ساحل کے دیہاتوں پر قبضہ کرتے ہوئے مہرور پہنچے، یہاں کے باشندوں نے جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی،

---

[1] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۷۔ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۷۔

مہرور کے بعد بندقین پہنچے یہاں کے باشندوں نے بھی جزیہ دے کراطاعت قبول کر لی۔خانقین میں ایرانیوں کاایک جتھا باقی رہ گیا تھا،اسے جریر بن عبداللہ بجلیؓ نے ہٹادیااور سواد دجلہ کاپورا علاقہ ہاشم کے زیر قیادت تسخیر ہوگیا،اس کے بعد ہاشم اور اشعث بن قیس دقوقا، خانیجار ہوتے ہوئے باجرمی کے اضلاع کوفتح کرتے ہوئے سن بار کوعبور کر کے شہرزور کی سرحد تک پہنچ گئے[1]۔

جلولاء کامعرکہ اپنی اہمیت کی وجہ سے فتح الفتوح کہا جاتا ہے اس میں دس لاکھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیااس کی کامیابی تمام تر ہاشم کی کوششوں کانتیجہ تھی۔

جنگ جمل : اس کے بعد جب خانہ جنگی کادور آیااور مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں چلنےلگیں تو ہاشم کی حق پرست تلوار حقدار کی حمایت میں بے نیام ہوئی ان کا رجحان ابتداہی سے حضرت علیؓ کی جانب تھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خبر شہادت سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ اب اس امت کے بہترین فرد کے ہاتھوں پر بیعت کر لینی چاہیئے ابوموسیٰ نے کہاابھی جلدی کی کیا ضرورت ہے لیکن ہاشم کوتوقف گوارانہ تھاانہوں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں جانے تک کی تاخیر گوارانہ کی اور اپناایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر کہا یہ علیؓ کا ہاتھ ہے اور یہ میرا میں بیعت کرتا ہوں جب حضرت علیؓ نے جنگ جمل کی تیاریاں شروع کیں تو حضرت حسنؓ، حضرت عمار بنؓ یاسر اور ہاشم کوکوفیوں کے آمادہ کرنے کے لئے کوفہ روانہ کیا[2]۔اوراس کے بعد جب جنگ جمل کا آغاز ہواتو ہاشم شروع سے آخر تک حضرت علیؓ کے ساتھ اوران کے دست راست رہے۔

جنگ صفین : جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی پیش پیش تھے اور وقتاً فوقتاً کوفی فوجوں کو لے کر شامیوں کے مقابلہ میں نکلے تھے اشہر حرم میں التوائے جنگ کے بعد جب دوبارہ جنگی تیاریاں شروع ہوئی تو حضرت علیؓ نے بڑاعلم ہاشم کومرحمت فرمایا[3]۔

شہادت : آخری فیصلہ کن معرکوں کے سلسلہ میں ایک دن پھر حضرت علیؓ نے ہاشمؓ کوعلم برداری کا اعزاز بخشا،انہوں نے علم برداری کاپوراحق ادا کر دیا،صبح سے شام تک مسلسل لڑتے رہے،شام کی تاریکی میں ان کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے،مگر وہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ برابر جمے رہے حارث بن منذر تنوخی نے نیزہ سے زخمی کر دیا،زخم بہت کاری تھا،لیکن ہاشم کے استقلال میں فرق نہ آیا،وہ اسی طرح لڑتے رہے،اسی درمیان میں حضرت علیؓ کا پیام پہنچا کہ علم آگے بڑھاتے جاؤ ہاشم نے پیام

---

[1] یہ تمام واقعات فتوح البلدان بلاذری۔جلد ۲، ۲۷۴، ۲۷۷ سے ماخوذ ہیں۔ [2] اخبار الطوال۔ص ۱۵۳۔

[3] ایضاً۔ص ۱۸۲۔

لانے والے سے کہا کہ تم میری حالت کا مشاہدہ کرتے جاؤ، اس نے پیٹ پر نظر ڈالی تو دیکھا کئی شگاف پڑے ہوئے تھے، زخموں نے بالکل نڈھال کر دیا تھا، چنانچہ قاصد کی واپسی کے بعد ہی وہ زمین پر گر پڑے۔ ان کے گرنے سے ان کے باقی ماندہ ساتھیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے، اور ہاشمؓ نے اسی محشرستانِ قتال میں جان دے دی[1]۔

اس معرکہ میں ان کا ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا تھا، لیکن شجاعت کا یہ عالم کہ اس کٹے ہوئے پاؤں کو زمین پر ٹیک کر لڑتے تھے، اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ **الفحل یحمی مشو که معقولا۔**

اولاد : ان کی اولاد میں عبداللہ ان کے خلف الصدق اور بڑے نامور فرزند تھے۔ ہاشمؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو علم مرحمت فرمایا تھا[2]۔

فضائل واخلاق : ہاشمؓ اس شجاعت وشہامت کے ساتھ دوسرے محاسنِ اخلاق سے بھی آراستہ تھے، علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں۔ **کان من شجعان الابطال و الفضلاء الاخیار** ۔ ہاشم بڑے نامور بہادروں اور اخیار فضلاء میں تھے[3]۔

(۱۲۸) حضرت ہشامؓ بن حکیم

نام ونسب : ہشام نام، باپ کا نام حکیم تھا، نسب نامہ یہ ہے ہشام بن حکیم بن خرام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قرشی اسدی، ام المومنین حضرت خدیجہ صدیقہؓ ہشام کے والد حکیم کی پھوپھی تھیں۔

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے[4]۔ قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے قرآن کی بعض سورتوں کی تعلیم حاصل کی۔

وفات : حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی بعض روایتوں سے علم ہوتا ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے لیکن بروایت صحیح جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ہشامؓ حمص اور فلسطین میں احتساب کرتے تھے، اور یہ دونوں مقام اجنادین کے بعد فتح ہوئے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر :

ہشام کے صحیفۂ اخلاق میں **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کا عنوان بہت نمایاں ہے انہوں نے اس کو اپنا مقصدِ حیات قرار دے لیا تھا، تمام ارباب سیر متفق اللفظ ہیں کہ

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ [2] اخبار الطوال۔ ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۴۹۷۔
[4] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۱۔

"کان ممن یامر بالمعروف وینھیٰ عن المنکر" یعنی ہشامؓ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کرنے والوں میں تھے، اس فریضہ کے خاطر انہوں نے کسی سے دوستانہ تعلقات نہیں پیدا کئے اور اہل وعیال کے علائق سے بھی آزاد رہے ایک سیاح کی طرح چکر لگا کر ہر جگہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فرض ادا کرتے تھے[1]۔

ان کی تبلیغ کا دائرہ غربا کے جھونپڑوں سے لے کر امراء وعمال کے قصور اور ایوان حکومت تک یکساں وسیع تھا، عہد فاروقی کے مشہور فوجی افسر اور والی حکومت عیاض نے فتوحات کے سلسلہ میں کسی کو کوڑے لگائے، ہشام نے انہیں سخت تنبیہ کی عیاض ایک ممتاز افسر تھے، ان کو ہشام کی یہ علانیہ تنبیہ بہت ناگوار ہوئی اور اس سے ان کو بڑی تکلیف پہنچی چونکہ ہشام کی اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ تھی، اس لئے دو تین دن کے بعد انہوں نے عیاض سے معذرت کی، آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ" آخرت سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا، جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دے گا، عیاض نے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ کے جو افعال دیکھے اور جو اقوال سنے وہ میں نے بھی دیکھے اور سنے، لیکن تم رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھول گئے، کہ" جو شخص کسی حاکم کو نصیحت کرنا چاہے تو اس کو علانیہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کے الگ لے جا کر سمجھا دینا چاہئے، اگر وہ قبول کر لے تو فبہا ورنہ کہنے والا اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا[2]۔

ایک مرتبہ چند ذمیوں کو دھوپ میں کھڑا دیکھا سبب پوچھا تو معلوم ہوا جزیہ نہ ادا کرنے کے جرم میں سزا دی جارہی ہے۔ یہ سن کر بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتا ہے خدا اس کو آخر میں عذاب دے گا، اور فلسطین کے حاکم عمیر بن سعد کو یہ حدیث سنا کر ذمّیوں کو تکلیف سے نجات دلائی[3]۔

حضرت عمرؓ کو ان کے اس احتساب پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جسے وہ ناپسند کرتے تو فرماتے جب تک میں اور ہشام زندہ ہوں ایسا نہیں ہوسکتا[4]۔

فضل وکمال: قرآن کریم کی بعض سورتوں کی تعلیم براہ راست زبان وحی والہام سے حاصل کی تھی، اس لئے بعض مرتبہ قرأت میں ان کا علم کبار صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح نکلتا تھا، ایک مرتبہ ہشام نماز میں سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے سنا تو انہیں عام قرأت سے ان کی قرات میں

---

[1] استیعاب واصابہ تذکرہ، ہشام [2] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۴ [3] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۳
[4] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۹۔

اختلاف معلوم ہوا ہشامؓ نے سلام پھیرا تو حضرت عمرؓ نے اس کو چادر سے کس لیا، اور پوچھا اس طریقہ سے تم کو کس نے پڑھایا، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے ہی یہ آیتیں تعلیم دی ہیں، مگر اس میں اور تمہار قرات میں اختلاف ہے اور انہیں کشاں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لا کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن کی قرأت یہ ایسے حروف میں کرتے ہیں جس کے خلاف آپ نے مجھے تعلیم دی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دونوں سے پڑھوا کر سنا، اور فرمایا ان دونوں قرائتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جو ان میں آسان معلوم ہو اسے اختیار کرو[1]۔

حدیث میں ان کا کوئی قابل ذکر پایہ نہیں ہے تاہم حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے بالکل خالی نہیں ہیں، جبیر بن کثیر اور عروہ نے ان سے روایت کی ہے[2]۔

(۱۲۹) حضرت ہند بن حارثہؓ

نام ونسب : ہند نام، باپ کا نام حارثہ تھا، نسب نامہ یہ ہے۔ ہند بن حارثہ بن سعید بن عبداللہ ابن غیاث بن سعد بن عمرو بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افصی اسلمی۔

اسلام : ہند آٹھ بھائی تھے، اور آٹھوں صلح حدیبیہ کے پہلے مشرف باسلام ہوئے صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اور بیعت رضوان کے شرف سے مشرف ہوئے، ان میں دو بھائی ہند اور اسماء مستقل طور سے دامنِ نبوی ﷺ سے وابستہ ہوگئے، شب وروز آنحضرت ﷺ کی خدمت گذاری میں رہتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ جیسے آستانہ نبوت کے حاضر باش روایت کرتے ہیں کہ اسماء اور ہند کی خدمت گذاری اور حاضر باشی کی وجہ سے میں انہیں آپ کا خادم سمجھتا تھا[3]۔

ہندؓ نہایت مسکین تھے، معاش کا کوئی سہارا نہ تھا، اس لئے اصحاب صفہؓ کے زمرہ میں شامل ہوگئے[4]۔ آنحضرت ﷺ نے عاشورہ کے روزہ کا حکم بنی اسلم میں ان ہی کے ذریعہ بھجوایا تھا[5]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی[6]۔

۱؎ بخاری ابواب فضائل القرآن۔ ۲؎ تہذیب الکمال۔ ص ۴۰۹۔ ۳؎ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۷۱۔
۴؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۵۱۔ ۵؎ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۷۱۔ ۶؎ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۵۱۔

(۱۳۰) حضرت یاسر بن عامرؓ

نام ونسب: یاسر نام، ابو عامر کنیت، یاسر مشہور صحابی حضرت عمارؓ کے والد ہیں، نسب نامہ یہ ہے۔ یاسرؓ بن عامر بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک بن اود بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب قحطان عنس قحطانی۔

اسلام سے پہلے: حضرت یاسرؓ قحطانی النسل اور یمن کے باشندے تھے، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں یہ ان کے دو بھائی حارث اور مالک مکہ آئے، حارث اور مالک تو لوٹ گئے لیکن یاسر نے ابو حذیفہ بن مغیرہ سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے مکہ میں اقامت اختیار کر لی، ابو حذیفہ نے اپنی ایک لونڈی سمیہ سے ان کی شادی کر دی ان ہی کے بطن سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے تھے، قانوناً عمار ابو حذیفہ کے غلام تھے، لیکن انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور باپ بیٹے دونوں ابو حذیفہؓ کے ساتھ رہتے تھے[1]۔

اسلام: ابو حذیفہ کی وفات کے بعد مکہ میں جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تینوں ماں باپ بیٹے مشرف باسلام ہو گئے[2]۔ اس وقت بہت کم لوگوں نے اس دعوتِ حق کا جواب دیا تھا، بروایت صحیح اس وقت ان کی تعداد تیس پینتیس سے زیادہ نہ تھی۔

آزمائش: دعوت اسلام کے آغاز میں بڑے بڑے ذی وجاہت مسلمان جبابرۂ قریش کی ستم آرائیوں سے محفوظ نہ تھے تو ان تینوں بے یارومددگار غریبوں کا کیا شمار تھا، حضرت سمیہؓ بنی مخزوم کی غلامی میں تھیں، اور تینوں ان کے زیر بار احسان تھے اس لئے بنی مخزوم نے انہیں مشقِ ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیتے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں تپتی ہوئی ریگ پر لٹاتے حضرت عمار خصوصیت کے ساتھ اس آزمائش کا نشانہ بنتے آنحضرت ﷺ ان بے بس غریبوں کو اس حال میں دیکھ کر تسلی دیتے کہ آل یاسر خدا تم کو اس کے بدلے میں جنت عطا کرے گا[3]۔

شہادت: بنی مخزوم نے اپنی تمام سختیاں ان تینوں پر ختم کر دیں، لیکن ان کی زبان کلمۂ توحید سے نہ پھری آخر میں سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے سے نیزہ سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔ حضرت یاسرؓ ضعیف وناتواں تھے ان وحشیانہ سزاؤں کی تاب نہ لا سکے اور کچھ دنوں کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے[4]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۲۔ ۴۔ ق اول۔ ص ۱۰۰۔ [2] ایضاً۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۳۔ [3] ایضاً۔
[4] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۳۲۳۔ وابن سعد۔ جلد ۳۔ ق اول تذکرہ عمار بنؓ یاسر۔

(۱۳۱) حضرت یزید بن ابی سفیانؓ

نام ونسب : یزید نام ہے، ابوخالد کنیت، خیر لقب۔ نسب نامہ یہ ہے : یزید بن ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبدشمس بن عبدالمناف بن قصی قرشی اُموی۔ ماں کا نام زینب تھا۔ یزید حضرت امیر معاویہؓ کے سوتیلے بھائی اور ابوسفیان کی اولاد میں سب سے زیادہ نیک اور سلیم الطبع تھے۔ اس لئے یزید الخیر لقب ہوگیا تھا۔

اسلام وغزوات : فتح مکہ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے غزوات میں سب سے اول حنین میں شرکت کی۔ آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت سے چالیس اوقیہ (سونا یا چاندی) اور سو اونٹ مرحمت فرمائے[1] اور بنی فراس کا امیر بنایا[2]۔

شام کی فوج کشی اور امارت :

حضرت یزید نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ لیکن بہت آخر میں اسلام لائے تھے۔ اس لئے عہد نبوی میں انہیں کارگزاری دکھانے کے کم مواقع ملے۔ عہد صدیقی سے ان کے کارناموں کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ جب شام پر فوج کشی ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے یزید کو شرف امارت عطا کیا اور روانگی کے وقت کچھ دور پاپیادہ رخصت کرنے کے لئے نکلے۔ یزید نے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ کو پیادہ دیکھ کر عرض کیا، یا آپ بھی سوار ہوجائیے یا مجھے پیدل چلنے کی اجازت مرحمت ہو۔

فرمایا، ''نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے نہ تم کو اُترنے کی۔ میں جتنے قدم رکھتا ہوں، ان کو راہِ خدا میں شمار کرتا ہوں۔ رخصتی کے وقت فرمایا، تم کو شام میں تارک الدنیا راہب ملیں گے۔ ان سے اور ان کی راہبانیت سے تعرض نہ کرنا، تم کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا، جو بیچ سے سر منڈاتے ہیں۔ تم کو اسی حصہ پر تلوار مارنا ہے''۔

تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں، ان کا ہمیشہ خیال رکھنا : عورتوں بچوں[2] اور بوڑھوں[3] کو نہ مارنا۔ پھلے پھولے[4] درختوں کو نہ کاٹنا۔ آبادیاں[5] ویران نہ کرنا۔ بکری[6] اور اُونٹ[7] کھانے کے علاوہ بے کار ذبح نہ کرنا۔ درخت[8] نہ جلانا۔ پانی میں[9] نہ ڈبونا۔ خیانت[10] اور بزدلی نہ کرنا[3]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۷۔ قسم ۲۔ ص ۱۲۷ [2] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۳۴۱ [3] موطا امام مالک۔ کتاب الجہاد باب النہی عن قتال النساء والولدان فی الغزوہ

ان زریں ہدایت کو لے کر یزیدؓ شام روانہ ہوئے اور ارض شام میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے خالدؓ بن ولید کے ساتھ بصری پر حملہ آور ہوئے، بصری والوں نے صلح کر لی، بصری کے بعد فلسطین کا رخ کیا، اجنادین میں رومیوں سے مقابلہ ہوا، ان کو شکست دی[1]۔ اردن کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے یزید کو ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے عمرو بن العاص کے ساتھ مل کر اس کو زیر نگیں کیا[2]۔

دمشق کے محاصرہ میں شہر کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ افسر متعین تھے۔ چنانچہ باب صیفر سے لے کر باب کیسان تک کی نگرانی یزید کے سپرد تھی۔ دمشق کی فتح کے بعد جب ابوعبیدہؓ نے حمص کا ارادہ کیا تو یزید کو دمشق پر اپنے قائم مقام کی حیثیت سے چھوڑ گئے[3]۔

اس سلسلے میں مشہور جنگ یرموک میں یزید ایک حصہ فوج کے افسر تھے۔ حضرت عبیدہؓ کی وفات کے بعد ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ نے یزیدؓ کو فلسطین کا حاکم بنایا اور قیساریہ کی مہم ان کے سپرد کی۔ مسلمان اس وقت قیساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ یزیدؓ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق سترہ ہزار فوج لے کر ان کی مدد کو قیساریہ پہنچے اور اپنے بھائی معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر پھر فلسطین لوٹ آئے۔ امیر معاویہؓ نے یہ مہم سر کر کے ان کے پاس اطلاع بھیجی۔ انہوں نے دارالخلافہ اطلاع دی[4]۔ غرض یزیدؓ شام کی فتوحات میں شروع سے آخر تک امتیازی حیثیت سے شریک رہے اور ان کی شجاعت و تجربہ سے فتوحات میں بڑی مدد ملی۔ ان سب کی تفصیلات خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص کے حالات میں لکھی جا چکی ہیں۔ اس لئے اس موقع پر خاص واقعات کے سوا انہیں قلم انداز کر دیا گیا۔

وفات : ۱۸ھ کے شروع میں طاعون کی وباء میں ارض شام میں انتقال کیا۔

(۱۳۲) حضرت یزیدؓ بن شجرہ رہاوی

نام ونسب : یزید نام ہے۔ باپ کا نام شجرہ تھا۔ قبیلہ مذحج کی ایک شاخ سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ رہا سے اوپر نسب نامہ یہ ہے : رہا بن یزید بن عتبہ بن حرب بن مالک ابن آرز شامی۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا غالباً عہد رسالت ﷺ کے آخر میں مشرف باسلام ہوئے۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۲ [2] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۲۳ [3] ایضاً۔ ص ۱۲ و ۱۱۷
[4] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۴۷

ذوق جہاد: ان کا خاص اور امتیازی وصف جہاد کا شوق ولولہ تھا۔ مگر عہد رسالت میں تاخیر اسلام کی وجہ سے انہیں اس سعادت کا موقع نہیں ملا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بعض لڑائیوں میں شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی تلوار پورے طور پر امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بے نیام ہوئی۔ اس عہد میں رومیوں کے مقابلہ میں اکثر مہمیں ابن شجرہ ہی کی قیادت میں بھیجی جاتی تھیں[1]۔ ان کی ایک تقریر سے جوانہوں نے مسلمانوں کے سامنے ترغیب جہاد کے لئے کی تھی ان کے ولولہ جہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

''لوگو ! کاش تمہیں بھی سیاہ سپید اور سرخ وسبز رنگوں اور فوجوں کے کوچ میں وہ کچھ نظر آتا جو میں دیکھتا ہوں۔ میدان جنگ میں جب مسلمان نماز کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں تو جنت ودوزخ اور آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور حوریں اپنی پوری آرائش و جمال کے ساتھ نکل آتی ہیں اور ہراس مجاہد کے لئے جو میدان کارزار میں قدم رکھتا ہے، دعا کرتی ہیں کہ خدایا اسے ثابت قدم رکھ اور اس کی مدد فرما اور جو پیچھے ہٹتا ہے اس سے اپنا چہرہ چھپالیتی ہیں۔ پس اے قوم کے معززین مرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، جنگ میں پوری کوشش اور ثابت قدمی دکھاؤ۔ یاد رکھو کہ تم میں جب کوئی میدان جنگ کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو خون کے فوارہ کی پہلی پھوار سے اس کے گناہ خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں، اور حوریں آکر اپنے ہاتھوں سے اس کا گرد وغبار جھاڑتی ہیں[2]۔

امارت حج: ۳۹ھ میں امیر معاویہؓ نے ان کو اپنی جانب سے امیر الحج بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت علیؓ کی جانب سے قثم بن عباس مکہ کے حاکم تھے۔ اس لئے امارت حج کے بارہ میں اختلاف ہوا۔ حضرت ابوسعیدؓ خدری نے ایک تیسرے شخص شیبہ بن عثمان کا نام امارت حج کے لئے پیش کیا ان پر فریقین رضامند ہو گئے[3]۔

وفات: ۵۵ھ میں رومیوں کے مقابلہ میں کسی معرکہ میں شہید ہوئے[4]۔

(۱۳۳) حضرت ابوامامہ باہلیؓ

نام ونسب: صدی نام ہے۔ ابوامامہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابوامامہ بن عجلان بن وہب بن عریب بن وہب بن رباح بن حارث بن وہب بن معن بن مالک بن اعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔ بابلہ معن بن مالک کی بیوی تھیں معن کی اولاد اپنی ماں کی نسبت سے باہلی مشہور ہوئی۔

---

۱ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۹۴ ۲ حاکم نے پوری تقریر لکھی ہے۔ ہم نے اس کا ابتدائی ٹکڑا نقل کیا ہے۔
۳ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۴ ۴ مستدرک حاکم جو الۂ مذکور و استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۲۹

اسلام اور بعیت رضوان : ابوا مامہ ان خوش قسمت بزرگوں میں ہیں، جنہوں نے اسلام کی دعوت کا جواب اس وقت دیا جب اس کا جواب نوکِ سنان اور تیر و خنجر سے ملتا تھا۔ اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ جب مسلمانوں کو رضوان الٰہی کی یہ ،

" لقد رضی اللہ عن المو منین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ "

''اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب انہوں نے تمہارے ہاتھوں پر درخت کے نیچے بیعت کی''

سند ملی تو امامہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) میں بھی ان لوگوں میں ہوں جو بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں [1]

دعوت اسلام : قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ جس وقت یہ پہنچے اس وقت اہل قبیلہ اُونٹوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ دوھ کر پی رہے تھے۔ ابوامامہؓ کو دیکھا تو " **مرحبا بالصدی بن عجلان** صدی بن عجلان خوش آمدید" کہہ کر استقبال کیا۔

قبیلہ میں ان کے سلام کی خبر ہو چکی تھی۔ چنانچہ استقبال کے بعد سب سے پہلا سوال یہ ہوا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ تم بھی بے دین ہو گئے؟ ابوامامہ نے جواب دیا نہیں بے دین نہ ہوا ہاں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تا کہ تمہارے سامنے اسلام اور اس کے قوانین پیش کروں۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بعض اہلِ قبیلہ ایک بڑے کاسہ میں خون لائے۔ سب حاضرین بڑے ذوق وشوق سے کھانے لگے اور ابوامامہ کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا تم لوگوں پر افسوس ہوتا ہے۔

میں اس شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جس نے بحکمِ خدا اس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ لوگوں نے وہ حکم پوچھا۔ ابوامامہؓ نے یہ آیت ، " **حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر .... الا ما ذکیتم** " تک تلاوت کر کے سنائی اور اسی سلسلہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کا جواب انکار کی صورت میں ملا۔ ابوامامہؓ کو پیاس معلوم ہوئی تو پانی مانگا لیکن دعوتِ اسلام کے بعد ہی تمام اہلِ قبیلہ ان سے پھر گئے اور جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے مرحبا کہہ کر استقبال کیا تھا ان ہی کی جانب سے یہ جواب ملا کہ تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ مگر تم کو پانی کا ایک قطرہ نہیں مل سکتا۔ یہ خشک جواب سن کر ابوامامہؓ تپتی ہوئی ریت پر سو گئے۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۴۱

خواب میں قدرتِ الٰہی نے سیراب کر دیا۔ سو کر اُٹھے تو قبیلہ والے اپنی بد خلقی پر باتیں کر رہے تھے کہ تمہارے سرداروں میں ایک شخص تمہارے پاس آیا اور تم نے دودھ اور خرمے تک سے اس کی تواضع نہ کی۔ اس احساس کے بعد اہلِ قبیلہ نے ان کے سامنے دودھ اور خرما پیش کیا مگر انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا خدا نے مجھ کو سیراب کر دیا ہے[۱]۔ حافظ ابن حجرؒ کی روایت کے مطابق ان کا قبیلہ آخر میں ان کی کوششوں سے مشرف باسلام ہو گیا[۲]۔

وفات: جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ پھر شام میں اقامت اختیار کر لی اور یہیں عبد الملک اُموی کے عہد ۸۶ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ایک سو چھ برس کی عمر تھی۔ ابن سعد نے ۶۱ برس کی عمر لکھی ہے لیکن یہ صریحاً غلط ہے اس لئے کہ اس صورت میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ابوامامہؓ کی پیدائش ماننا پڑے گی۔

فضل و کمال: فضل و کمال میں امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ حدیث کی تبلیغ و اشاعت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ جہاں دو چار آدمی ایک جگہ مل جاتے، ان کے کانوں تک احادیث نبوی ﷺ پہنچا دیتے۔ سلیم بن عامر راوی ہیں کہ جب ہم لوگ ابوامامہؓ کے پاس بیٹھتے تو وہ ہم کو احادیث کی بہت اہم باتیں سناتے اور کہتے کہ ان کو سنو، سمجھو اور جو سنتے ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ[۳]۔ لوگوں سے کہتے کہ ہماری مجلسیں تم لوگوں کے لئے خدائی تبلیغ (گاہیں) ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جو احکام ہمارے لئے بھیجے گئے، ان کو آپ ﷺ نے ہم تک پہنچایا۔ اب تم لوگ ہم سے جو اچھی باتیں سنو ان کی تبلیغ کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ[۴]۔

اس مشغلہ کی وجہ سے تشنگانِ علم اکثر اس سرچشمۂ فیض کے گرد جمع رہتے اور شائقین حدیث ان سے حدیثیں سنتے۔ حمص کی مسجد میں داخل ہوئے۔ مکحول اور ابن ابی زکریا بیٹھے ہوئے تھے۔ مکحول نے کہا کیا اچھا ہوتا اگر ہم لوگ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوامامہ کے پاس چلتے، ان کا حق ادا کرتے اور ان سے حدیث سنتے۔ اس تجویز پر ہم لوگ اُٹھ کر ابوامامہؓ کے پاس پہنچے، سلام و جواب کے بعد انہوں نے کہا تمہارا آنا تمہارے لئے رحمت اور تم پر حجت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس اُمت کے لئے جھوٹ اور عصبیت سے زیادہ کسی چیز کے لئے خوف کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس لئے خبردار! جھوٹ اور عصبیت سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ آپ ﷺ نے ہم کو یہ

---

۱ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۴۲ ۲ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۴۱
۳ مسند دارمی باب البلاغ عن رسول اللہ ﷺ و تعلیم سنن ۴ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۲۔ ق ۲

حکم دیا تھا کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان تم لوگوں کے کانوں تک پہنچا دیا جائے۔ ہم اپنا فرض ادا کر چکے اب اسے دوسروں کے کانوں تک پہنچانا تمہارا فرض ہے [1]۔

ان کے مرویات کی مجموعی تعداد (۲۵۰) ہے۔ ان میں سے پانچ روایتیں بخاری میں اور تین مسلم میں ہیں [2]۔

ان کے رواۃ اور تلامذۃ میں سلیمان بن حبیب محاربی، شداد بن عمار دمشقی، محمد بن زیاد الالہانی، ابو سلام الاسود، مکحول الشامی، شہر بن حوشب، قاسم بن عبد الرب، رجاء بن حیوۃ، سالم بن ابی الجعد، خالد بن سعدان، ابو غالب الراہبی اور سلیم بن عامر وغیرہ قابلِ ذکر ہیں [3]۔

(۱۴۴) حضرت ابو بصیرؓ

نام ونسب: عتبہ نام، ابو بصیر کنیت، نسب نامہ یہ ہے: عتبہ بن اسید بن جاریہ بن اسید بن عبد اللہ ابن ابی سلمہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف۔ ماں کا نام سالمہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے۔ سالمہ بنت عبد بن یزید بن ہاشم بن مطلب۔

اسلام اور قید محن: ابو بصیر اس زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے جب تعزیرات مکہ میں اس کی ادنیٰ سزا قید و بند تھی۔ چنانچہ ابو بصیر اسلام کے جرم میں قید محن میں ڈال دیئے گئے [4]۔

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو ابو بصیر کسی نہ کسی طرح قید سے چھوٹ کر آپ ﷺ کے پاس پہنچے۔ اس وقت صلح ہو چکی تھی۔ اس کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا جائے گا، اس کو آپ ﷺ واپس کر دیں گے۔ اس لئے ان کے آنے کے بعد ہی ازہر بن عوف اور اخنس بن شریق نے آنحضرت ﷺ کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ معاہدہ کی رو سے ابو بصیر کو واپس لے آئیں۔

آنحضرت ﷺ کو ابو بصیرؓ کی واپسی کے نتائج معلوم تھے، لیکن معاہدہ کی پابندی کے خیال سے آپ ﷺ نے ابو بصیرؓ سے فرمایا کہ "ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ ہمارے مذہب میں بدعہدی اور فریب بہت بُری چیز ہے، اس لئے اس وقت تم واپس چلے جاؤ۔ آئندہ خدا تمہاری اور دوسرے ناتواں اور مظلوم مسلمانوں کی رہائی کا کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا"۔

---

1. اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶ 2. تہذیب الکمال۔ ص ۱۷۴ 3. تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۰
4. سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳

ابو بصیرؓ مشرکین کے مظالم کا تجربہ کر چکے تھے۔ اس لئے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ مجھ کو مشرکین کے حوالہ کرتے ہیں کہ وہ میرے مذہب میں مجھے فتنہ میں مبتلا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابو بصیر جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے کوئی راہ نکال دے گا''۔ اس مکرر حکم کے بعد چوں چرا کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے راضی بہ رضا ہو کر قریش کے آدمیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر ساتھ لے جانے والے آدمی کھجوریں کھانے کے لئے ٹھہر گئے۔ ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا واللہ تمہاری تلوار کتنی اچھی ہے، دوسرے نے بھی ان کی تائید کی، تلوار میان سے کھینچ کر کہا، ہاں واللہ نہایت عمدہ تلوار ہے، میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیر نے کہا لاؤ ذرا میں بھی دیکھوں اور تلوار لے کر ایک شخص کو وہیں ڈھیر کر دیا دوسرا آدمی خوف سے بھاگ نکلا اور مدینہ جا کر مسجد نبوی ﷺ میں پہنچا۔

آنحضرت ﷺ نے اسے بدحواس دیکھ کر فرمایا یہ خوف زدہ معلوم ہوتا ہے قریب جا کر اس شخص نے واقعہ بیان کیا کہ میرا ایک ساتھی اس طرح سے مار ڈالا گیا اور میری جان بھی خطرہ میں ہے۔ ابھی یہ شخص واقعہ بیان کر رہا تھا کہ ابو بصیر بھی پہنچ گئے اور عرض کی یا نبی (ﷺ) آپ کو خدا نے ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے معاہدہ کے مطابق واپس کر دیا تھا خدا نے مجھے نجات دلا دی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا یہ شخص بھی آتشِ جنگ بھڑکانے کا آلہ ہے اگر اسے کچھ مددگار اور ساتھی مل جائیں۔ ابو بصیرؓ نے یہ سنا تو سمجھے کہ آپ ﷺ پھر لوٹا دیں گے۔ اس لئے مدینہ سے ساحلی مقامات کی طرف نکل گئے۔

کچھ دنوں کے بعد اسی قسم کے ایک اور ستم رسیدہ بزرگ حضرت ابو جندلؓ بھی پہنچ گئے۔ ان دونوں نے دوسرے بلاکشانِ ستم کے لئے رستہ کھول دیا اور مظلوم مسلمان قریش کے پنجہ ظلم سے بھاگ بھاگ کر یہاں جمع ہونے لگے۔ چند دنوں میں ان کی خاصی جماعت ہو گئی اتفاق سے قریش کے کاروانِ تجارت کا گذرگاہ یہی تھا جب کوئی قافلہ گذرتا تو یہ لوگ اہلِ قافلہ کو قتل کر کے سامان لوٹ لیتے۔ اس سے قریش کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی۔ چنانچہ انہوں نے عاجز آ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آدمی بھیجا کہ خدا اور صلہ رحمی کا واسطہ اس مصیبت سے ہم کو نجات دلایئے، آئندہ سے جو مسلمان بھاگ جائے گا وہ آزاد ہے اس پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی[1]:

---

[1] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وسیرۃ ابن ہشام حالات صلح حدیبیہ۔

"هو الذی کف اید یهم عنکم و ایدیکم عنهم"

''وہی ہے جس نے مشرکین کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روک دیا''۔

وفات: اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس آزاد گروہ کے پاس لکھ کر بھیجا کہ ابو جندل اور ابو بصیر ہمارے پاس چلے آئیں اور دوسرے لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہ خط ایسے وقت پہنچا کہ حضرت ابو بصیرؓ بستر مرگ پر تھے۔ خط ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے، پڑھتے پڑھتے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ابو جندلؓ نے نمازِ جنازہ پڑھا کر اسی ویرانہ میں سپردخاک کیا اور یادگار کے طور پر قبر کے پاس ایک مسجد بنادی[1]۔

(۱۳۵) حضرت ابوبکرہؓ

نام ونسب: نفیع نام۔ ابوبکرہ کنیت۔ باپ کا نام مسروح تھا۔ امیر معاویہ کے مشہور گورنر زیاد کے ماں جائے بھائی تھے۔ طائف کے ایک رئیس کی غلامی میں تھے۔

اسلام وآزادی: جب آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو عام اعلان فرمایا کہ جو آزاد ہم سے مل جائے گا وہ مامون ہے اور جو غلام چلا آئے گا وہ آزاد ہے۔ یہ اعلان سن کر روسائے طائف کے بہت سے غلام اسلام کے دامن حریت میں آگئے، ان میں ایک ابوبکرہؓ بھی تھے۔ اعلان کے مطابق آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمادیا۔ لیکن آزادی کے بعد ہی وہ اپنے کو آقائے دوعالم ﷺ کا غلام ہی کہتے رہے[2]۔

لوگوں سے کہتے تھے۔ میرے لئے یہ فخر کافی ہے کہ تمہارا دینی بھائی اور سرکارِ رسالت ﷺ کا غلام ہوں اور اگر تم لوگوں کو آبائی نسبت پر اصرار ہے تو نفیع بن مسروح کہا کرو[3]۔ آزادی کے بعد قدیم آقا نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میرا غلام میرے حوالہ کیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا، وہ خدا اور رسول کے آزاد کردہ ہیں اس لئے اب واپس نہیں کئے جاسکتے[4]۔

حدِ قذف کا اجرا: حضرت عمرؓ کے آغازِ خلافت تک دیارِ حبیب ﷺ میں ہی رہے۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں سکونت اختیار کرلی۔ اسی زمانہ میں زنا کے ایک مقدمہ میں بحیثیت شاہد پیش ہوئے لیکن شہادت ناکافی تھی اس لئے ان پر حدِ قذف جاری ہوئی اس کے بعد عہد کرلیا کہ آئندہ سے کسی دو آدمیوں کے درمیان شہادت نہ دیں گے[5]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد۲۔ ص ۶۴۶ [2] ابن سعد۔ جلد۷۔ ص۹۔ ق اول [3] اسد الغابہ۔ جلد۵۔ ص۱۵۱
[4] ابن سعد۔ جلد۷۔ ص۹۔ ق۱ [5] استیعاب واسد الغابہ۔ جلد۵۔ ص۱۵۱

فتنہ سے کنارہ کشی : حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب دورِ فتن کا آغاز ہوا اور بڑے بڑے صحابی اس میں مبتلا ہو گئے۔ اس وقت ابوبکرہؓ نے اپنا دامن بچائے رکھا۔ فرماتے تھے کہ جنگِ جمل میں قریب تھا کہ میں اصحابِ جمل کے ساتھ ہو جاؤں مگر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نے کہ جس قوم نے اپنا حاکم عورتوں کو بنایا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی، مجھے بچا لیا[1]۔

جنگِ صفین سے بھی علیحدہ رہے اور حتی الامکان دوسروں کو بھی ان خانہ جنگیوں میں شرکت سے بچانے کی کوشش کی۔ ایک شخص ہتھیار لگا کر حضرت علیؓ کی مدد کو جا رہا تھا، راستہ میں ابوبکرہ ملے۔ پوچھا کہاں کا قصد ہے اس نے کہا ابن عم رسول اللہ ﷺ کی مدد کو جا رہا ہوں۔ ابوبکرہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی سنا ہے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار نکالیں تو دونوں جہنمی ہیں[2]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں بصرہ میں وفات پائی۔

اولاد : حضرت ابوبکرہؓ اولاد کی جانب سے بڑے خوش نصیب تھے۔ اپنے بعد متعدد لڑکے عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالعزیز، مسلم، رواد، یزید اور عقبہ وغیرہ یادگار چھوڑے[3]۔ عبیداللہ سجستان کے گورنر تھے۔ عبیداللہ کے علاوہ اور لڑکے بھی علم و فضل اور مال و زر سے مالا مال تھے[4]۔

فضل و کمال : گو ابوبکرہؓ بہت آخر میں مشرف باسلام ہوئے۔ لیکن غلامی کی نسبت سے انہیں آنحضرت ﷺ کی صحبت اور آپ کے سرچشمۂ فیض سے استفادہ کا کافی موقع ملا۔ چنانچہ ان سے ۱۳۲ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے آٹھ متفق علیہ ہیں اور پانچ میں امام بخاری منفرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں زیادہ تر ان کے صاحبزادگان ہیں[5]۔

ذوق عبادت : وہ زہد و ورع کا ایک پیکر مجسم تھے۔ عبادت و ریاضت ان کا مشغلۂ حیات تھا۔ جو آخری لمحہ تک قائم رہا۔ **کان ابوبکرہ کثیر العبادۃ حتی مات**[6]۔

(۱۳۶) حضرت ابوجہمؓ بن حذیفہ

نام و نسب : عامر یا عبید نام ہے۔ ابوجہم کنیت۔ نسب یہ ہے : **ابوجہم بن حذیفہ بن غانم بن عامر ابن عبداللہ بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب قرشی عدوی**۔ ماں کا نام بسیرہ تھا۔ ننھیالی شجرہ یہ ہے :

---

[1] بخاری کتاب النبی ﷺ الی کسریٰ و قیصرہ [2] بخاری کتاب باب اذا التقی المسلمان بسیفیہما [3] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۸۔۱۳۹ [4] ایضاً [5] تہذیب الکمال۔ ص ۴۰۴ [6] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۱

بسیرہ بنت عبداللہ بن اواہ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب ابوجہم قریش کے نہایت معمر اور بااثر لوگوں میں تھے۔ قریش میں ان کی بڑی عزت ووقعت تھی۔

اسلام : فتح مکہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے[1]۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ :

آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص روابط تھے۔ ایک مرتبہ ابوجہم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بوٹے دار قمیص ہدیہ کی۔ آپؐ نے اسے پہن کر نماز پڑھی۔ بوٹوں کی وجہ سے آپ کا خیال بٹ گیا۔ اس لئے نماز پڑھنے کو بعد واپس کر دی[2]۔

امارتِ صدقہ : ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو صدقہ وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ ایک آدمی نے صدقہ دینے میں جھگڑا کیا۔ ابوجہم نے اسے مارا، اتفاق سے وہ زخمی ہو گیا۔ اس کے قبیلہ والوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم کو معاوضہ ملنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا، اتنی اتنی رقم لے لو، وہ راضی نہ ہوئے۔ آپ نے دوسری مرتبہ پھر فرمایا، پھر وہ لوگ رضامند نہ ہوئے۔ آپ نے تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا، اس مرتبہ وہ راضی ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج رات کو میں لوگوں کے سامنے تقریر کر کے تمہاری رضامندی کی اطلاع دوں گا۔ انہوں نے کہا مناسب ہے۔ چنانچہ شب کو ان کی موجودگی میں صحابہ کے سامنے تقریر کی کہ یہ لیثی زخمی کرنے کا معاوضہ مانگنے آئے تھے، میں نے ان کے سامنے اتنی اتنی رقم پیش کی، یہ راضی ہو گئے۔ یہ ارشاد فرما کر لیثیوں سے خطاب فرمایا کہ تم لوگ راضی ہو؟ اس وقت یہ لوگ انکار کر گئے۔ ان کے انکار پر مہاجرین نے انہیں مارنے کا ارادہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے روک دیا۔ اس کے بعد رقم میں اور زیادہ اضافہ کر کے فرمایا، اب راضی ہو انہوں نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، میں لوگوں کے سامنے تقریر کر کے تمہاری رضامندی کی اطلاع دوں گا۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تقریر کر کے لوگوں کے سامنے ان کی رضامندی کی تصدیق کرا دی[3]۔

تدفینِ حضرت عثمان غنیؓ :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت مدینہ میں نہایت سخت فتنہ برپا ہوا۔ مدینہ باغیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کے خوف سے کسی کو خلیفۂ مظلوم کی لاش دفن کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۶۲ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۰ خفیف تغیر کے ساتھ یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں بھی ہے۔
[3] ابوداؤد۔ جلد ۲۔ کتاب الدیات باب العامل یصاب علی یدیہ خطاء

دوسرے دن جن چند سرفروش مسلمانوں نے ہتھیلیوں پر سر رکھ کر بے گور وکفن لاش کو دفن کیا تھا، ان میں ایک ابو جہمؓ بھی تھے[1]۔

وفات : ابوجہمؓ نے کافی عمر پائی۔ ان کی طوالت عمر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کعبہ کی دو تعمیریں دیکھیں۔ ایک زمانہ جاہلیت میں رسول ﷺ کے بچپن میں قریش کی تعمیر، دوسری ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کی تعمیر۔ ان دونوں زمانوں میں کم وبیش ایک صدی کا فصل تھا۔ اس طویل عمر کے بعد عبدالملک کے عہدِ حکومت میں وفات پائی[2]۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے۔ لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے۔

فضل وکمال : ابوجہمؓ کا مذہبی علوم میں کوئی پایہ نہ تھا۔ لیکن نسابی میں جو جاہلیت کا نہایت ممتاز علم تھا، بڑا کمال رکھتے تھے اور ان چار علمائے نسب میں سے ایک تھے، جو اس عہد میں سارے عرب میں استاد مانے جاتے تھے[3]۔

(۱۳۷) حضرت ابوجندل بن سہیلؓ

نام ونسب : عاص نام ہے۔ ابوجندل کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابوجندل بن سہیل بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر ابن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی عامری۔

اسلام اور قید محن : ابوجندلؓ اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب ان کا گھر اسلام دشمنی سے تیرہ وتار ہو رہا تھا۔ ان کے والد سہیل نے اسلام کے جرم میں ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا۔ اور کئی برس تک اس قید محن میں گرفتار رہے۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کے والد سہیل قریش کی جانب سے معاہدۂ صلح لکھانے کے لئے آئے۔ جب معاہدہ کی کتابت شروع ہوئی اور یہ دفعہ زیرِ بحث تھی کہ "قریش کا جو آدمی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے پاس چلا آئے گا، تو مسلمان اس کو واپس کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ابھی اس پر بحث ہو رہی تھی اور قلم بند نہ ہوئی تھی کہ ابوجندلؓ جو کسی طرح موقع پا کر نکل آئے تھے، بیڑیاں پہنے ہوئے پہنچ گئے اور اپنے کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ سہیل نے کہا، محمد (ﷺ) شرائط صلح پورا کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ آپ نے فرمایا، ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا ہے۔ سہیل نے کہا، اگر ابو جندلؓ واپس نہ کئے گئے تو پھر ہم کو کسی شرط پر صلح منظور نہیں۔ آپ نے فرمایا، ابوجندل کو یہیں رہنے دو۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۳۴ [2] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۵۰ [3] ایضاً

سہیل نے کہا، یہ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے بہت اصرار کیا، لیکن سہیل کسی طرح ابوجندلؓ کو مسلمانوں کے پاس چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو معاہدہ کی پابندی کا بڑا خیال تھا۔ اس لئے سہیل کے اصرار پر ابوجندلؓ کو حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ابوجندل کو کافروں نے اتنا مارا تھا کہ ان کے بدن پر نشان پڑ گئے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ رسول ﷺ انہیں واپس کر دیں گے تو مجمع کو مار کے نشانات دکھا کر فریاد کی کہ مسلمانو! پھر مجھے کفار کا نشانہ ستم بنانے اور اس مصیبت میں مبتلا رہنے کے لئے کافروں کے حوالہ کئے دیتے ہو۔ ان کی فریاد پر حضرت عمرؓ بہت متاثر ہوئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، کیا آپ پیغمبر حق نہیں ہیں؟ فرمایا، بے شک ہوں۔ پھر پوچھا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا، بے شک ہیں۔ عرض کیا پھر ہم کیوں دب کر صلح کریں؟ آپ نے فرمایا، میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے[1]۔

غرض اسی طرح ابوجندل کو پابجولاں واپس کر دیا۔ ابوجندلؓ نے پھر فریاد کی کہ مسلمانوں! کیا میرے مذہب میں رخنہ ڈلوانے کے لئے مجھے قریش کے حوالہ کرتے ہو۔ آنحضرت نے ان کی دلدہی کی کہ ''ابوجندل صبر وضبط سے کام لو، خدا تمہارے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لئے کوئی راستہ پیدا کرے گا۔ ہم صلح کر چکے ہیں اور صلح کے بعد ان سے بدعہدی نہیں کر سکتے''۔

رہائی اور غزوات: اس ارشاد کے بعد مزید چوں و چرا کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ ابوجندلؓ خاموشی کے ساتھ چلے گئے اور کچھ دنوں بعد کس طرح سے چھوٹ کر ابوبصیرؓ کی جماعت میں شریک ہو گئے اور عرصہ تک ان کے ساتھ رہے (دیکھو حالات ابوبصیرؓ۔ پھر جب کفار مکہ نے صلح کی وہ دفعہ جس کی رو سے ابوجندلؓ واپس کئے گئے تھے، واپس لے لی، تو آنحضرت ﷺ نے ابوجندلؓ اور ان کے ساتھی ابوبصیر کو مدینہ بلا بھیجا۔ ابوبصیرؓ کو مدینہ آنے کی نوبت نہیں آئی، اور وہ اسی وادئ غربت میں پیوند خاک ہو گئے۔ ابوجندلؓ مدینہ واپس ہوئے۔ مدینہ آنے کے بعد جس قدر غزوات ہوئے، سب میں شرکت کی سعادت حاصل کی[2]۔

شام کی فوج کشی میں شرکت اور وفات:

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب شام پر فوج کشی ہوئی، تو اس میں مجاہدانہ شرکت کی اور پانچ چھ سال تک مسلسل جہاد فی سبیل اللہ میں

---

[1] بخاری باب الشروط المصالحۃ مع اہل الحرب [2] استیعاب۔ جلد ۲ تذکرۂ ابوجندل وابوبصیر

مشغول رہ کر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت ۱۸ھ میں طاعون کی وباء میں عمواس میں وفات پائی[۱]۔

فضل وکمال : فضل وکمال میں شاعری کے علاوہ اور کوئی شے قابلِ ذکر نہیں ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔

(۱۳۸) حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ

نام ونسب : ان کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ اکثر اربابِ سیر جرثوم لکھتے ہیں، ابوثعلبہ کنیت ہے۔ نسب کا سلسلہ خشین وائل سے ملتا ہے۔ وائل سے اُوپر شجرہ یہ ہے : وائل بن نمر بن وبرہ بن ثعلبہ بن حلوان بن عمران ابن حاف بن قضاعہ۔

اسلام و بیعت رضوان :

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے، اور بیعتِ رضوان میں رضائے الٰہی کی سند حاصل کی[۲]۔

غزوات : غزوات کی شرکت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔ خیبر کے مالِ غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ایک حصہ مرحمت فرمایا تھا[۳]۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید اس غزوہ میں شریک ہوئے ہوں گے۔

اشاعتِ اسلام : البتہ دوسری خدماتِ جلیلہ پر مامور ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے قبیلہ میں مبلغ بنا کر بھیجا اور ان کی کوششوں سے ان کا قبیلہ آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں مشرف باسلام ہو گیا[۴]۔

وفات: شام فتح ہونے کے بعد یہاں قیام پذیر ہو گئے۔ گو شام میں قیام تھا، لیکن جنگِ صفین میں غیر جانبدار رہے[۵]۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں سربسجدہ واصل بحق ہوئے[۶]۔ زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے کہ خدا مجھ کو تم لوگوں کی طرح ایڑیاں رگڑ کے اور دم گھٹا کے نہ اُٹھائے گا۔ ان کا یہ کہنا بالکل صحیح نکلا۔ ایک شب کو آدھی رات گئے، نماز میں مشغول تھے۔ ان کی لڑکی نے خواب دیکھا کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اس خوابِ پریشان پر وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی اور آواز دی۔ معلوم ہوا نماز پڑھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری آواز دی، کوئی جواب نہ ملا، پاس جا کر دیکھا، تو سر سجدہ میں تھا اور رُوح پرواز کر چکی تھی[۷]۔

---

۱ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۵ ۲ و ۳ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۶۹ و اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۵ ۳ ایضاً ۴ ایضاً

۵ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۲۹ ۶ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۵ ۷ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۲۹

فضل وکمال : فضل وکمال کے اعتبار سے کوئی امتیازی پایہ نہ تھا۔ تاہم ان سے چالیس (۴۰) حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔ جبیر بن نفیر، ابن مسیب اور مکحولؒ نے ان سے روایتیں کی ہیں[۱]۔

فضائل اخلاق : یوں تو ابوثعلبہ کی ذات تمام فضائلِ صحابیت کی جامع تھی۔ لیکن حق گوئی اور راست گفتاری ان کا خاص وصف تھا۔ سچ بات کے علاوہ کبھی جھوٹ سے زبان آلودہ نہ ہوئی۔ ان کے معاصر کہتے ہیں کہ ہم نے ابی ثعلبہؓ سے زیادہ سچی بات کہنے والا نہیں دیکھا۔ کائنات عالم پر نظر ڈال کر قدرتِ خداوندی پر غور وفکر کیا کرتے تھے۔ رات کے سناٹے اور تاریکی میں باہر نکل کے آسمان پر نظر ڈالتے اور قدرتِ خداوندی پر غور کرتے کرتے سجدہ میں گر جاتے[۲]۔

(۱۳۹) حضرت ابورفاعہ عدویؓ

نام ونسب : تمیم نام ہے۔ ابورفاعہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : تمیم بن اسید بن عدی بن مالک بن تمیم بن دوَل بن جبل بن عدی بن عبد مناۃ بن اد بن طانجہ بن الیاس بن مضر عدوی مضری۔

اسلام : غالباً فتح کے بعد کسی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ ابورفاعہؓ پہنچے اور قریب جا کر عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) ایک غریب الدیار، اپنے دین کی بابت سوال کرنے آیا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کا مذہب کیا ہے؟

اس سوال پر آپ نے خطبہ روک کر اپنے پاس بلایا اور ایک کرسی پر جس میں لوہے کے پائے لگے ہوئے تھے، بیٹھ کر ان کو ضروری تعلیم دی[۳]۔

جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت :

ابورفاعہؓ کی رگ رگ میں جہاد فی سبیل اللہ کا خون دوڑ تا رہتا تھا۔ وہ خدا سے دعا مانگا کرتے تھے کہ خدا مجھے ایسی طاہر اور پاکیزہ موت دے جس پر دوسرے مسلمانوں کو رشک آئے اور وہ موت تیری راہ میں ہو[۴]۔ ان کی یہ پُر اخلاص دعا مقبول ہوئی۔

۴۴ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کی ماتحتی میں کابل پر فوج کشی ہوئی۔ اس فوج میں بنوحلیفہ کا پورا قبیلہ شریک ہوا۔ ابورفاعہؓ نے بھی شرکت کا ارادہ کیا۔ ابوقتادہ عدوی نے روکا کہ تمہارے بال بچے

---

۱ تہذیب الکمال۔ ص ۴۲۶ ۲ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۲۹ ۳ مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ
۴ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۴۸

بالکل تنہا ہیں، اس لئے تم نہ جاؤ۔ لیکن یہ ذوقِ شہادت میں بیتاب تھے۔ جواب دیا، میں مصمم ارادہ کر چکا ہوں، اس لئے ضرور شریک ہوں گا۔ چنانچہ فوج میں شامل ہو کر کابل روانہ ہو گئے۔ سجستان پہنچنے کے بعد رات بھر فوج ایک قلعہ کے گرد چکر لگاتی رہی اور ابو رفاعہؓ شہادت کی تیاری میں ساری رات عبادت کرتے رہے۔ آخر شب میں نیند کا غلبہ ہوا، ڈھال کا تکیہ لگا کر سو گئے۔

صبح کو اسلامی فوج دشمن کے رُخ کا اندازہ لگانے میں ایسا مشغول ہوئی کہ کسی کو ابو رفاعہؓ کا خیال نہ رہا۔ ابو رفاعہؓ رات بھر جاگے تھے، صبح کو بھی آنکھ نہ کھلی۔ دشمن نے انہیں تنہا پا کر ذبح کر دیا۔ کچھ دیر بعد لوگوں کو ان کا خیال آیا اور ان کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ وہ خاک و خون میں غلطاں ہیں اور تین گبر جنہوں نے ان کو قتل کیا تھا، ان کے کپڑے اُتار رہے ہیں کہ اتنے میں مسلمان پہنچ گئے اور قاتلوں کو بھگا کر شہید فی سبیل اللہ کی لاش ساتھ لے گئے[1]۔

فضل و کمال: فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز صحابہ میں تھے۔ علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ ابو رفاعہؓ فضلائے صحابہ میں تھے[2]۔ قرآن کی متعدد سورتیں براہِ راست زبان نبوی ﷺ سے یاد کی تھیں۔ حدیثوں سے بھی تہی دامن نہ تھے۔ حمید بن بلال اور صلہ بن اشیم نے ان سے روایتیں کی ہیں[3]۔

ذوق عبادت: عبادت اور ریاضت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ تلاوتِ قرآن سے غیر معمولی شغف تھا۔ تہجد بڑے التزام اور پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے خود بیان کیا تھا کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بقرہ اور دوسری آیاتِ قرآنی سیکھی ہیں، اس وقت سے نہ بقرہ نے میرا ساتھ چھوڑا اور نہ قیام لیل سے کسل پیدا ہوا[4]۔

(۱۴۰) حضرت ابوسفیان بن حارثؓ

نام و نسب: مغیرہ نام ہے۔ ابوسفیان کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے: ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن ہاشم ہاشمی۔ ماں کا نام غزنہ تھا۔ ننھیالی شجرہ یہ ہے: غزنہ بنت قیس ابن طریف بن عبد العزیٰ بن عامرہ بن عمیر بن دودیعہ بن حارث بن فہر۔ ابوسفیان کے والد حارث آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، اور ابوسفیان نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔

۱؎ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۴۸ ۲؎ سنہ شہادت اور مقام شہادت کی تعیین استیعاب سے لی گئی ہیں۔
۳؎ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۶۷ ۴؎ تہذیب الکمالہ۔ ص ۴۴۹ ۵؎ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۴۸

اس لئے وہ نسبی اور رضاعی دونوں رشتوں سے آنحضرت ﷺ کے بھائی تھے۔ سن میں بھی آپ کے برابر تھے۔ اس لئے دونوں میں غایت درجہ اُلفت و محبت تھے[1]۔

آنحضرت ﷺ اور اسلام کی مخالفت :

لیکن اُلفت و محبت کا یہ رشتہ ظہور اسلام کے بعد ٹوٹ گیا، اور دوسرے عمائد قریش کی طرح ابوسفیانؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے اتنے خلاف ہو گئے کہ ان کی مخالفت دشمنی اور عناد کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی مخالفت اور اسلام کے استیصال کو انہوں نے اپنا مقصدِ حیات بنالیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جس قدر معرکے ہوئے، ابوسفیان ان سے میں پیش پیش تھے۔ ان کی ساری قوتیں آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف صرف ہوتی تھیں[2]۔ شاعر تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی ہجو کہہ کر کوچہ بازار میں سناتے پھرتے تھے۔ طوطیِ اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان اشعار ؎

الا بلغ ابآسفیان عنه   مغلغلة فقد برح الخفاء
هجوت محمدًا فاجبت عنه   وعند الله فی ذالک الجزاء

''ابوسفیان کو میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ پردہ اُٹھ گیا۔ تم نے محمد ﷺ کی ہجو کی، میں نے اس کا جواب دیا اور اس جواب میں خدا کے پاس میرے لئے جزاء ہے''۔

میں نے انہیں کی ہجو کا ذکر کیا ہے[3]۔

اسلام : کامل بیس برس تک یہ معاندانہ روش قائم رہی۔ فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کی تیاریوں میں مصروف تھے اور مکہ میں آپ ﷺ کی آمد آمد کی خبر پھیل رہی تھی، ابوسفیان نے ایک دن بیوی سے کہا محمد (ﷺ) آیا چاہتے ہیں، تم لوگ یہاں سے نکل چلو۔ نیک خاتون نے جواب دیا عرب و عجم محمد ﷺ کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں، لیکن تم اب تک اسی بغض و عداوت پر قائم ہو حالانکہ تم پر ان کی امداد و اعانت کا زیادہ حق ہے۔ بیوی کی بات دل میں اثر کر گئی اسی وقت سواری کا انتظام کیا اور اپنے لڑکے جعفر کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کھڑے ہوئے۔

اس وقت مسلمان کا قافلہ مقدمۃ الجیش مقام ابواء پہنچ چکا تھا، ابوسفیان اشتہاری مجرم تھے۔ ہر آن جان کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ڈرتے ڈرتے چھپتے چھپاتے کسی طرح مسلمانوں کے لشکر گاہ تک پہنچے اور دفعۃً رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے۔ آپ ﷺ کا دل ان کے گذشتہ اعمال کی وجہ سے سخت متنفر تھا،

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ق اول۔ ص ۳۴   [2] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۴   [3] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۳

اس لئے نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا۔ابوسفیانؓ اس رخ پر گئے تو آپ ﷺ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کو مسلمان انہیں پکڑنے کے لئے بڑھے۔ابوسفیانؓ سمجھے کہ اب کام تمام ہوا۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے رحم وکرم،عفو درگذر اور آپ کے ساتھ اپنی گوناگوں قرابتوں کا واسطہ دلا کر مسلمانوں کو روکا[1]۔

حضرت ابوسفیانؓ کی پوری زندگی آنحضرت ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں گذری تھی۔انہوں نے آپ ﷺ کی تحقیر وتذلیل،مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کے استیصال کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا،اس لئے رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آپ ﷺ کسی طرح درگذر فرمانے پر آمادہ نہ تھے۔

آخر میں ابوسفیان نے اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کو درمیان میں ڈالا۔انہوں نے سفارش کی کہ "اپنے ابن عم کو مایوس نہ کیجئے"۔فرمایا،مجھے ایسے ابن عم کی ضرورت نہیں ہے،انہوں نے میری آبروریزی کا کون سا دقیقہ اُٹھا رکھا ہے۔ابوسفیان سے کچھ بن نہ پڑتا تھا۔گذشتہ زندگی پر سخت نادم اور شرمسار تھے۔لیکن بارگاہِ نبوی ﷺ میں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔جب بالکل مایوس ہو گئے تو کہا خیر اگر عفو وکرم کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے تو ؏

"جان سے ہم بھی گزر جائیں گے سوچا ہے یہی"

اور اس کمسن بچہ کو لے کر دربدر مارے مارے پھریں گے اور بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے۔ابوسفیان لاکھ مجرم سہی پھر بھی چچیرے بھائی تھے۔آنحضرت ﷺ کے کانوں تک اس عزم کی خبر پہنچی تو دل بھر آیا اور نفرت وحقارت کے سارے جذبات مہر ومحبت سے بدل گئے[2]۔

حضرت ابوسفیان کو سامنے آنے کی اجازت ملی،دونوں باپ بیٹے عمامہ باندھے ہوئے سامنے لائے گئے اور **السلام علیک یا رسول اللہ** (ﷺ) کہہ کر آگے بڑھے۔آپ ﷺ نے فرمایا ان کے چہروں سے ڈھاٹا ہٹاؤ،صورت تو دکھائی دے۔لوگوں نے ڈھاٹا ہٹا دیا اور رسول اللہ ﷺ کو اثر پذیر کرنے کے لئے ان کا نسب بیان کیا،اس کے بعد باپ بیٹے دونوں کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی ایک ہجو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا،ابوسفیان تم نے ہجھ کو کب نکالا تھا۔عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)! اب زیادہ ملامت کر کے شرمندہ نہ کیجئے،فرمایا اب کوئی ملامت نہیں اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اپنے ابن عم کو لے جاؤ اور وضو اور سنت کی تعلیم دے کر میرے پاس لاؤ۔حضرت علیؓ ساتھ لے گئے اور نہلا کر واپس لائے،آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ اعلان کر

---

[1] ابن سعد۔جلد۴۔ص۳۲۔ق اول [2] سیرۃ ابن ہشام۔جلد۲۔ص۲۳۲

دو کہ "ابوسفیانؓ سے خدا اور رسول راضی ہو گیا اس لئے تم لوگ بھی راضی ہو جاؤ"[1]۔

غزوات: اسلام کے بعد تلافی مافات کی فکر ہوئی، ابھی غزوۂ فتح نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس میں شریک ہوئے، پھر غزوۂ حنین میں شمشیر ہاشمی کے جوہر دکھائے۔ اس غزوہ میں جب مشرکین کے ریلے کی وجہ سے مسلمان آنحضرت ﷺ کے چاروں طرف سے منتشر ہو گئے اور ایک عام بے ترتیبی پھیل گئی اس وقت بھی ابوسفیانؓ اپنی جگہ جمے رہے اور شمشیر برہنہ گھوڑے کی پیٹھ سے موت کے منہ میں کود پڑے۔

حضرت عباسؓ نے یہ جانبازی دیکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ "اپنے ابن عم اور بھائی کی خطاؤں کو معاف کر دو۔ فرمایا، میں نے معاف کر دیا، خدا ان کی تمام عداوتوں کو جو انہوں نے میرے ساتھ کی ہیں، معاف فرمائے۔ اور شفقت برادرانہ میں ابوسفیان سے فرمایا، میری عمر کی قسم تم میرے بھائی ہو، اس برادارانہ اور شفقت آمیز خطاب پر ابوسفیان نے قدمِ مبارک چوم لئے اور رہوار نبوی ﷺ کی لگام تھام کر مشرکین کے سامنے سینہ سپر ہو گئے[2]۔ آنحضرت ﷺ نے اس فدویت و جاں نثاری پر "اسد اللہ" اور "اسد الرسول ﷺ" کا معزز لقب عطا کیا[3]۔ طائف میں بھی ہمرکاب تھے۔ غرض اسلام کے بعد کسی غزوہ میں ان کا قدم پیچھے نہیں رہا۔

وفات: آنحضرت ﷺ کی وفات تمام مسلمانوں کے لئے ایک مصیبتِ عظمیٰ تھی۔ ابوسفیانؓ پر ایک کوہِ الم ٹوٹ پڑا وہ اس حادثہ سے سخت متاثر ہوئے۔ ابھی یہ زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کے بھائی نوفل چل بسے۔ ان حوادث نے انہیں دنیا سے بالکل برداشتہ خاطر کر دیا۔ خدا سے دعا مانگتے تھے کہ خدایا رسول اللہ ﷺ اور بھائی کے بعد زندگی بے مزہ اور دنیا بے لطف ہو گئی، اس لئے جلد دنیا سے اُٹھا لے۔ خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اس دعا کے چند ہی دنوں کے بعد ایک معمولی اور اتفاقی واقعہ موت کا سبب بن گیا۔

حج کے موقع پر منیٰ میں سر منڈایا، سر میں ایک پھنسی تھی، وہ چھل گئی اس سے خون جاری ہو گیا اور ایسا جاری ہوا کہ کسی طرح نہ رکا۔ مدینہ واپس آ کر خود ہی اپنی قبر کھود کر اپنی پہلی منزل تیار کی۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو خویش و اقارب نے رونا دھونا شروع کیا۔ ان کا گریہ و بکا سن کر اسلام کے بعد آج تک کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ اس لئے رونا دھونا بند کرو، قبر کھودنے کے تیسرے دن وفات پا گئے۔ حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ابوسفیان جنت البقیع رکن ابی طالب میں سپرد خاک کئے گئے[4]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص ۳۶ [2] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۴، ۲۵۵ [3] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۔ ق اول [4] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص

حلیہ : آنحضرت ﷺ کے ہم شبیہ تھے۔

اولاد : ابوسفیانؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ بیویوں میں جمانہ، نغمہ، اُم عمرو اور دواُم ولد تھیں۔ ان سے ۱۔ جعفر، ۲۔ عبد اللہ، ۳۔ جمانہ، ۴۔ حفصہ، ۵۔ عاتکہ، ۶۔ اُمیہ اور ۷۔ کلثوم بہت سی اولادیں تھیں لیکن ان میں سے آئندہ کوئی اولاد باقی نہ رہی اور ابوسفیانؓ کی نسل منقطع ہوگئی [۱]۔

فضائلِ اخلاق : قبولِ اسلام کے بعد تلافی مافات کے لئے ابوسفیانؓ اسلامی تعلیم کا ایک پیکر مجسم بن گئے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے ولولے اور جوش کا اندازہ اوپر ہو چکا، یہی جہاد مذہب کے ہر شعبہ میں تھا شبانہ یوم کا بڑا حصہ نماز میں گذرتا تھا۔ گرمیوں کے طولانی دنوں میں صبح سے لے کر نصف النہار تک نمازیں پڑھتے تھے۔ نصف النہار کے وقت رک جاتے اور ظہر کے وقت سے لے کر پھر عصر تک یہ سلسلہ جاری رہتا [۲]۔ اس عبادت وریاضت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے ان کو "جوانانِ جنت کے سردار" کا لقب عطا فرمایا [۳]۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن میں دلی تعلق تھا۔ ظہور اسلام کے بعد درمیان میں یہ تعلق منقطع ہو گیا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد پھر وہی لطف قائم ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ انہیں بہت محبوب رکھتے تھے، " **کان احب قریش الی رسو ل اللہ ﷺ کان شدیداً علیہ فلما اسلم کان احب الناس الیہ**"، یعنی "قریش میں آنحضرت ﷺ کو زیادہ محبوب ابوسفیان تھے"۔ اس کے بعد وہ آپ ﷺ کے سخت دشمن ہو گئے اس کے بعد جب اسلام لائے تو پھر سب سے زیادہ محبوب ہو گئے، آنحضرت ﷺ انہیں فرطِ محبت میں " **خیر اھلی** " فرماتے تھے [۴]۔ ابوسفیانؓ کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ غایت درجہ کی الفت تھی، آپ ﷺ کی وفات سے ابوسفیان پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا تھا اکثر رویا کرتے تھے اور موت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ اسی تاثر کی حالت میں ایک نہایت رقت آمیز مرثیہ کہا، یہ مرثیہ حافظ ابن عبد البرؒ نے نقل کیا ہے [۵]۔

(۱۴۱) حضرت ابوسفیانؓ بن حرب

نام ونسب : صخر نام ہے۔ ابوسفیان کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : صخر بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اُموی۔ ابوسفیان کا خاندان بنی اُمیہ قریش کی نہایت مقتدر شاخ تھی اور عقاب

---

۱ اسد الغابہ تذکرہ ابوسفیان بن حارث ۲ ایضاً ۳ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۵
۴ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۵ ۵ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۰۸

یعنی قریش کے قومی نشان کا حامل یہی خاندان تھا۔علمدار اسی خاندان کے ارکان بنائے جاتے تھے۔ ظہورِ اسلام کے وقت اس عہد پر ابوسفیان ممتاز تھے۔جب قریش میں کوئی جنگ چھڑنے والی ہوتی تھی تو معززینِ قریش جمع ہو کر علمبردار کے ہاتھ میں علَم دیتے تھے[1]۔

اسلام سے پہلے : ظہورِ اسلام کے وقت اس کی سب سے زیادہ مخالفت ان ہی لوگوں کی جانب سے عمل میں آئی، جو قریش کے سب سے بااثر رئیس تھے اور جن کا اثر واقتدار نسلاً بعد نسل چلا آرہا تھا۔ ابوسفیانؓ بھی روسائے قریش میں تھے اور بنی ہاشم کے حریف تھے،اس لئے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ انہیں دوہری مخالفت تھی۔چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی ایذارسانی،مسلمانوں کی مخالفت اور اسلام کے استیصال میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔اسلام کے مٹانے میں انہوں نے اپنی پوری قوتیں صرف کردیں۔آغازِ دعوتِ اسلام سے لے کر فتح مکہ تک اسلام کی مخالفت اور اس کی بیخ کنی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔دعوتِ اسلام کے آغاز میں قریش کا جو وفد آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آپ ﷺ کی شکایت لے کر گیا تھا اس کے ایک رکن ابوسفیان بھی تھے[2]۔

پھر آنحضرت ﷺ کے قتل کرنے کی جو سازش ہوئی تھی،جس کے سبب سے آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی،اس میں بھی ابوسفیان کا ہاتھ شامل تھا۔کفرواسلام کا سب سے پہلا مقابلہ بدر میں ہوا۔ اس میں ابوسفیان نہ شریک ہوسکے۔اس وقت وہ کاروانِ تجارت لے کر گئے ہوئے تھے۔

بدر میں بڑے بڑے معززین قریش مارے گئے تھے۔اس لئے سارا قریش جذبۂ انتقام میں دیوانہ ہورہا تھا۔ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ مارے جاچکے تھے۔ان کے بعد قریش کی مسندِ ریاست پر ابوسفیانؓ بیٹھے۔اس لئے بحیثیتِ سردار قوم کے مقتولین بدر کا انتقام ان کا پہلا فرض تھا۔اس کے علاوہ خود ان کا ایک بڑا لڑکا حنظلہ مارا گیا تھا،اس لئے یہ انتقام اور زیادہ مؤکد ہوگیا تھا،اور انہوں نے حلف لیا کہ "جب تک محمد(ﷺ) سے بدر کا انتقام نہ لے لیں گے،اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئیں گے"۔اس حلف کے بعد دوسو سواروں کا دستہ لے کر مدینہ پہنچے۔

یہاں کے یہود مسلمانوں کے خلاف تھے۔اس لئے ابوسفیانؓ ایک یہودی رئیس حی بن اخطب کے پاس گئے۔رات کا وقت تھا گھروں کے دروازے بند ہوچکے تھے۔ابوسفیانؓ نے حی کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر اس نے دشمن کے خوف سے نہ کھولا۔اس لئے ابوسفیان اس کے دروازے سے لوٹ آئے اور ایک دوسرے ممتاز یہودی اور بنی نضیر کے سردار اور خزانچی سلام بن مشکم کے پاس پہنچے۔

---

[1] اسد الغابہ۔جلد ۵۔ص ۲۱۶ [2] سیرۃ ابن ہشام۔جلد اول۔ص ۱۳۸

اس نے نہایت پرتپاک استقبال کیا اور بڑی خاطر و تواضع کی۔ کھانا کھلایا، شراب پلائی اور ابوسفیانؓ کی مہم کے متعلق بہت سے رازدارانہ باتیں بتائیں۔ صبح کو ابوسفیانؓ نے مدینہ کے قریب عریض پر حملہ کر کے کھجور کے باغوں کی ٹٹیاں جلا دیں اور ایک انصار اور ان کے حلیف کو قتل کر کے لوٹ آئے۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے تعاقب کیا۔ قرقرۃ الکدر میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابوسفیان بہت آگے نکل چکا ہے۔ اس لئے واپس تشریف لے آئے [1]۔

اس واقعہ سے ایک حد تک ابوسفیانؓ کی قسم پوری ہوگئی، لیکن ابھی مقتولین بدر کا انتقام باقی تھا، اور جن جن لوگوں کے اعزہ واقربا مارے گئے تھے، وہ انتقام کے لئے بے چین تھے۔ چنانچہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ، عبداللہ بن ربیعہ، صفوان بن اُمیہ اور جن جن لوگوں کے اعزہ واقربا مارے گئے تھے، ابوسفیانؓ کے پاس پہنچے، اور کہا، آپ لوگ اپنے کاروانِ تجارت (وہی کاروانِ تجارت ہے جو بدر کے زمانہ میں تجارت لے کر گیا تھا) کا نفع ہم کو دیجئے کہ ہم لوگ اس کے ذریعہ محمد (ﷺ) کے مقابلہ کا سامان خریدیں۔ ابوسفیانؓ نے کہا، میں اپنے حصہ سب سے پہلے دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ قریشی خاندان کے ہر ممبر نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ چندہ دیا [2]۔

غرض قریش تیاریاں کر کے بڑے سروسامان سے استیصال کے لئے نکلے، اور مدینہ کے پاس کوہ احد پر فوجیں اُتاریں۔ آنحضرت ﷺ سات سو جان نثاروں کی مختصر جماعت لے کر مدافعت کے لئے تشریف لے گئے۔ احد پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی جانفروشی کے ٹڈی دل کو پسپا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے صف بندی کے وقت مسلمانوں کا ایک دستہ پشت پر حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا کہ مخالفین عقب سے حملہ آور نہ ہوسکیں۔

مشرکین کی پسپائی دیکھ کر اس دستہ نے مالِ غنیمت کی طمع میں اپنا مرکز چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید مشرکین کے دستہ کو لئے ہوئے منڈلا رہے تھے۔ انہوں نے میدان خالی پا کر عقب سے حملہ کر دیا۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور بہت بُری طرح پیچھے ہٹے۔ بہت سے مسلمان اس پسپائی میں شہید ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ انور زخمی اور دندانِ مبارک شہید ہوئے، آپ کے پاس چند جان نثاروں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ بدحواس ہو رہا تھا۔ اس لئے آپ کی شہادت کی خبر اُڑ گئی [3]۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۲۶ [2] سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۳۶ و ابن سعد حصہ مغازی ص۔ ۲۵
[3] ایضاً۔ ص ۲۹

ابوسفیان یہ خبر سن کر فرطِ مسرت سے پہاڑ پر چڑھ گیا اور فاتحانہ غرور میں بآواز بلند پوچھا، محمد (ﷺ) ہیں ! آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ جواب نہ دیا جائے۔ جب ابوسفیان کے سوال کا کوئی جواب نہ ملا، تو سمجھا نصیبِ دشمناں محمد ﷺ کا کام تمام ہو گیا۔ دوسری آواز دی، ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) ہیں۔ اس سوال پر بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت عمرؓ کو پکارا۔ اس مرتبہ بھی جواب نہ ملا۔ یہ خاموشی دیکھ کر وہ سمجھا کہ سب ختم ہو گئے۔

حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ پکار اُٹھے، او دشمنِ خدا ! تیرے رسوا کرنے والوں کو خدا نے زندہ رکھا ہے۔ یہ سن کر اس نے ہبل کی جے پکاری "اعل هبل" ہبل بلند رہ، صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے جواب میں کہا "الله اعلیٰ واجل" خدا برتر اور بڑا ہے۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان بولا "لنا عزی ولا عزی لکم" ہمارے پاس ہمارا معبود عزیٰ ہے، اور تمہارے پاس نہیں ہے۔ صحابہؓ نے جواب دیا "الله مولٰنا ولا مولیٰ لکم" خدا ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی نہیں ہے۔

ابوسفیان کامیابی کے نشہ میں مخمور تھا۔ بولا، آج کا دن بدر کا جواب ہے۔ لوگوں نے بغیر میرے حکم کے مسلمان لاشوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ لئے ہیں۔ لیکن مجھے اس کا کوئی افسوس بھی نہیں [1]۔ بروایت ابن اسحٰق حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا، ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تیرے مقتولین جہنم میں ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو پاس بلا کر پوچھا، سچ سچ بتاؤ، محمد ﷺ کا کام تمام ہو گیا یا زندہ ہیں؟ آپؓ نے فرمایا، خدا کی قسم زندہ ہیں اور تمہاری گفتگو سن رہے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا، ابن قمہ نے کہا تھا کہ میں نے محمد کا کام تمام کر دیا۔ لیکن میں تم کو اس سے زیادہ سچا سمجھتا ہوں۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرتؐ نے احتیاطاً قریش کے تعاقب میں ستر (۷۰) آدمی بھیجے، تا کہ وہ دوبارہ نہ لوٹ سکیں۔ دوسرے دن خود بہ نفس نفیس مقام حمراء اسد تک تعاقب میں تشریف لے گئے۔ آپ کا خطرہ صحیح تھا۔ ابوسفیان یہ خیال کر کے کہ ابھی مسلمانوں کا پورا استیصال نہیں ہوا ہے، مقام روحا سے دوبارہ واپسی کا قصد کر رہا تھا کہ اس دوران میں قبیلہ خزاعہ کے رئیس معبد سے جو مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر تصدیق کے لئے آیا تھا اور اب واپس جا رہا تھا، ملاقات ہوئی۔ اس سے ابوسفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا، اس نے کہا، میں ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ محمد ﷺ اس سروسامان کے ساتھ آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ سخت دشوار ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے ارادہ بدل دیا [2]۔

---

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ احد ۲ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲

جنگ احد کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف تحریک شروع کی۔ ابوسفیانؓ اس میں بھی پورے طور سے معاون ومددگار تھا۔ ۵ھ میں جب تمام عرب قبائل نے مسلمانوں کے استیصال کے لئے مدینہ پر ہجوم کیا تو قریش بھی ابوسفیان کی قیادت میں جمع ہوئے لیکن یہ طوفان ہوا کی طرح اڑ گیا۔ یہی متحدہ اجتماع جنگِ خندق کے نام سے مشہور ہے[1]۔

۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے قرب وجوار کے تمام امراء اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، تو ایک خط ہرقل کے نام بھی بھیجا۔ وہ صحیح عیسوی مذہب کا پیرو اور حق کا متلاشی تھا۔ اس لئے اس نے آنحضرت ﷺ کے حالات معلوم کرنے چاہے۔ اتفاق سے اس وقت قریش کا کاروانِ تجارت شام آیا ہوا تھا۔ اس میں ابوسفیان بھی تھا۔ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنے کے لئے اس قافلہ کو ایلیا طلب کیا اور تمام ارکانِ سلطنت کے روبرو ترجمان کے ذریعہ سوالات شروع کئے۔

سب سے پہلے پوچھا، تم میں کون اس شخص سے جو اپنے کو نبی سمجھتا ہے، زیادہ قریبی تعلق رکھتا ہے؟ ابوسفیانؓ نے اپنے کو پیش کیا کہ میں اس کا قریب ترین عزیز ہوں۔ ہرقل نے اسے قریب بلایا اور دوسرے قریشیوں سے کہا، میں اس سے اُس شخص (ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا جہاں وہ غلط جواب دے تم لوگ فوراً ٹوک دینا۔ ابوسفیانؓ کا بیان ہے کہ اگر اس وقت مجھ کو اپنے ہمراہیوں کی تردید کرنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں جھوٹ بول دیتا۔ اس اہتمام کے ساتھ سوالات و جوابات شروع ہوئے:

ہرقل: قریش میں اس شخص کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: قریش کا عالی نسب آدمی ہے۔

ہرقل: اس سے پہلے تم سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: شرفاء و معززین اس کے پیرو ہیں یا کمزور وناتواں؟

ابوسفیان: ناتواں وکمزور۔

ہرقل: ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے یا گھٹتی ہے؟

ابوسفیان: بڑھتی جاتی ہے۔

---

[1] یہ تمام حالات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔

ہرقل : کوئی شخص اس مذہب کو قبول کرنے کے بعد اس سے بیزار ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل : کبھی اس نے دھوکہ اور فریب دیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔ البتہ اس دوران میں حال معلوم نہیں۔ (ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس سوال کے علاوہ اور کسی میں مجھے اپنی طرف سے ملانے کا موقع نہیں ملا)

ہرقل : اس شخص سے اور تم لوگوں سے کبھی کوئی جنگ بھی ہوئی ہے؟

ابوسفیان: ہاں۔

ہرقل : اس کا کیا نتیجہ رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

ہرقل : وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے، تنہا خدائے واحد کی عبادت کرو، اس میں کسی کو شریک نہ کرو اور اپنے آباواجداد کے مذہب کو چھوڑ دو، نماز پڑھو، خیرات کرو، صلہ رحمی کرو، پاک دامن رہو۔

اس گفتگو کے بعد ہرقل کو آنحضرت ﷺ کی صداقت اور آپ کی نبوت کا پورا یقین ہو گیا اور اس نے بطارقہ کے سامنے علی الاعلان آپ کی رسالت کا اعتراف کیا[1]۔

بنی خزاعہ اور بنی بکر کے قبائل مدتوں سے حریف چلے آرہے تھے، لیکن اسلام کے مقابلہ میں دونوں متحد ہو گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے۔ اس تضاد تحالف نے پھر دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا اور بنی بکر نے عین حرم میں بنی خزاعہ پر حملہ کر کے انہیں قتل کیا۔ بنی خزاعہ کے ارکان آنحضرت ﷺ کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ بنی خزاعہ آپ کے حلیف تھے۔ اس لئے صلح حدیبیہ کی رو سے ان پر قریش یا ان کا کوئی حلیف حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قریش کے پاس ضمرہ کو یہ پیام دے کر بھیجا کہ یا بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کر دیا جائے، یا قریش ان کی حمایت سے الگ ہو جائیں، ورنہ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ یہ شرائط سن کر قرظ بن عمر نے کہا، ہم کو تیسری صورت منظور ہے۔ ضمرہ نے آکر آنحضرت ﷺ کو یہ جواب سنا دیا۔ قرظ نے یہ جواب تو دے دیا، لیکن بعد میں جب قریش نے اس جواب اور اس کے نتائج پر غور کیا تو بہت نادم ہوئے اور اسی وقت ابوسفیانؓ کو حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کے لئے مدینہ بھیجا۔

---

[1] بخاری۔

انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر کہا کہ ہم حدیبیہ کے موقع پر موجود نہ تھے، اس لئے چاہتے ہیں کہ تم دوبارہ ہمارے سامنے اس معاہدہ کی تجدید کردو اور اس کی مدت میں اضافہ کردو۔ آپ نے پوچھا، کیا تم مخصوص اسی کے واسطے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ فرمایا، اس درمیان میں کوئی جدید واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ ابوسفیانؓ نے کہا، پناہ بخدا ہم لوگ سابق معاہدہ پر قائم ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ اصل حقیقت سے واقف تھے۔ اس لئے تجدید معاہدہ پر راضی نہ ہوئے۔ لیکن ابوسفیانؓ کسی نہ کسی طرح قریش کی غلطی کی تلافی چاہتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے جواب پانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا۔ لیکن ان دونوں بزرگوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار کے بعد وہ حضرت فاطمہؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا، اگر اس وقت حسنؓ درمیان میں پڑ کر محمد (ﷺ) سے کہہ دے تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار کہلائے گا۔ لیکن اس پر فاطمہ زہراؓ رضامند نہ ہوئیں۔ ان سب سے مایوس ہو کر مہاجرین وانصار کے پاس جا کر کہا، لیکن سب نے صاف انکار کر دیا۔ ہر جگہ جگہ سے مایوس ہونے کے بعد آخر میں حضرت علیؓ کے مشورے سے مسجد نبوی ﷺ میں کھڑے ہو کر خود سے تجدید معاہدہ کو اعلان کر کے مکہ لوٹ گیا[1]۔

فتح مکہ: ۸ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے تطہیر کعبہ کے لئے مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا، تو گو اسے مخفی رکھنے کا اہتمام کیا تھا۔ مگر مکہ میں آپ کی آمد کی خبریں پہنچ گئیں۔ اس وقت وہ مشرکین اور جبابرۂ قریش جنہوں نے آپ کو نہایت بے کسی کی حالت میں اس ارض مقدس سے جلاوطن کیا تھا، اپنے انجام سے بہت گھبرائے کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ کے قریب پہنچ کر مرظہران میں قیام فرمایا۔ ابوسفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا تحقیقات کے لئے نکلے تھے۔ دور سے دیکھا کہ مرظہران کا میدان رات کی تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادیٔ ایمن بنا ہوا ہے۔ ابوسفیانؓ نے کہا یہاں عرفہ جیسی روشنی کیسے ہو رہی ہے۔ بدیل نے کہا بنی عمرو آگ روشن کئے ہیں۔ ابوسفیانؓ نے اعتراض کیا کہ ان کی تعداد اتنی کہاں ہے[2]۔

گو قریش نے مسلمانوں پر بڑی ستم آرائیاں کی تھیں، پھر بھی وہ رسول اللہ ﷺ اور اکثر اکابر صحابہؓ کے ہم خاندان تھے اور ان میں ان کے اعزہ واقربا بھی موجود تھے، اس لئے حضرت عباسؓ کے دل میں خیال آیا کہ اگر آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہو گئے اور قریش نے پہلے سے جان ومال کی

[1] زرقانی۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۲ ملخصاً [2] بخاری۔ کتاب المغازی غزوۂ فتح۔

امان نہ لے لی تو سب تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر مکہ جانے والا کوئی آدمی مل جائے، تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں، کہ رسول اللہ مرظہران تک پہنچ چکے ہیں۔ وہ لوگ آ کر جان بخشی کرالیں۔

اتفاق سے حضرت عباسؓ اسی سمت گئے، جدھر ابوسفیان اور بدیل تھے۔ ابوسفیانؓ کی آواز سن کر حضرت عباسؓ نے اس کو پکارا۔ اس نے آواز پہچان کر کہا، ابوالفضل! حضرت عباسؓ نے فرمایا، ہاں میں ہوں۔ ابوسفیان بولا، میرے ماں باپ فدا ہوں، تم یہاں کہاں؟ فرمایا، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان آ گئے ہیں۔ ابوسفیانؓ نے سراسیمہ ہو کر کہا، پھر کوئی تدبیر بتاؤ۔ حضرت عباسؓ نے ان کے ساتھیوں کو لوٹا دیا اور انہیں عفوِ تقصیر کے لئے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلے۔[1]

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے تو چلے، مگر وہ اشتہاری مجرم تھا اور تمام مسلمان اس سے خار کھاتے تھے۔ روشنی کی کثرت اور بھی راز فاش کئے دیتی تھی۔ قدم قدم پر لوگ سوال کرتے کون ہے؟ لیکن پھر رسول اللہ ﷺ اونٹ اور حضرت عباسؓ کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔ حضرت عباسؓ لوگوں کی نظریں بچاتے ہوئے آ رہے تھے۔ لیکن وہ حضرت عمرؓ کی فرودگاہ کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا اور جوشِ غضب میں بیتاب ہو کر چلائے،

او دشمنِ خدا! خدا کا شکر ہے کہ اس نے بلا کسی عہد و پیمان اور ذمہ داری کے تجھ پر قابو دے دیا۔ مگر حضرت عباسؓ ساتھ تھے، اس لئے حضرت عمرؓ سیدھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئے۔ لیکن حضرت عباسؓ ان سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)!

یہ ابوسفیان ہے۔ خدا نے اس کو بغیر کسی عہد و پیمان کے ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس دشمنِ خدا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباس نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے ان کو امان دے دی ہے۔ ابوسفیان سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ برابر ابوسفیان کے قتل پر مصر تھے۔ ان کا اصرار دیکھ کر حضرت عباسؓ نے کہا، عمرؓ اگر تمہارے قبیلہ کا کوئی شخص ہوتا تو تم ہرگز اتنا اصرار نہ کرتے۔ لیکن تم کو بنی عبد مناف کی کیا پرواہ۔ حضرت عمرؓ نے اس طنز کے جواب میں کہا، عباسؓ خدا کی قسم مجھ کو تمہارے اسلام کی اتنی خوشی ہوئی کہ اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے نہ ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا، "اس وقت انہیں لے جا کر اپنے ساتھ سلاؤ، صبح فیصلہ کیا جائے گا"۔[2]

---

[1] ابوداؤد وکتاب الخراج والامارہ باب ماجاء فی فتح مکہ۔

اس ارشاد پر حضرت عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لے گئے۔ رات بھر پاس رکھا اور صبح کو جب بارگاہِ نبوی ﷺ میں لا کر حاضر کیا، اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن، آنحضرت ﷺ کے خون کا پیاسا، جس نے آپ کی تحقیر وتذلیل اور جان لینے تک میں کوئی تامل نہ کیا تھا۔ مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں۔ اسلام کے استیصال میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا تھا، بے کس ولاچار اور بے حامی ومددگار بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر تھا اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے دامنِ عفو وکرم کے علاوہ دنیا میں اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے اس سنگین مجرم کے لئے قتل کی سزا نہیں تجویز ہوتی، قید خانہ چار دیواری میں بند نہیں کیا جاتا۔ جلائے وطن کا حکم نہیں ملتا بلکہ "وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین" کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں: ''ابوسفیان افسوس کا مقام ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ وحدانیت کا اقرار کرو'؟ اس سوال پر وہ زبان جو معلوم نہیں کتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دل پر نشتر لگا چکی تھی، یوں گویا ہوتی ہے۔ ''میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر فدا ہوں، آپ ﷺ کتنے بڑے شریف اور کتنے بڑے صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو میرے کام نہ آتا''۔

پھر ارشاد ہوتا ہے: ''ابوسفیان تمہاری حالت قابلِ افسوس ہے۔ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے خدا کا رسول مانو''۔ جاہلی حمیت اور قومی عصبیت اب بھی اعترافِ رسالت کی اجازت نہیں دیتی؟ جواب ملتا ہے، ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ کس قدر حلیم، کس قدر شریف اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم ابھی تک اس میں شک ہے''۔ حضرت عباسؓ یہ جاہلی حمیت سن کر ڈانٹتے ہیں۔ ''ابوسفیان اس سے پہلے کہ سر تن سے جدا ہو لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لو''، حضرت کی ڈانٹ پر ابوسفیان کلمۂ توحید پڑھتے ہیں اور وہ سرکش جو جاہلی رعونیت سے خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا، آستانۂ نبوی ﷺ پر خم ہو جاتا ہے[1]۔ اور آنحضرت ﷺ نہ صرف ابوسفیانؓ کی جان بخشی کا اعلان فرماتے ہیں بلکہ ان کے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے مشورے ہو چکے تھے، "من دخل دار ابی سفیان فھو امن" کے اعلان سے بیت الامن قرار دیتے ہیں[2]۔

قبول اسلام کے بعد حضرت عباسؓ ان کو لے کر لوٹنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ ''ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو، کہ افواج الٰہی کا جلال اور مسلمانوں کی شوکت

---

1 سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ۲۳۵۔ یہ واقعہ بخاری میں بھی ہے لیکن نہایت مختصر ہے 2 مسلم کتاب الجہاد والسیر باب فتح مکہ

وعظمت کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں"۔ اس ارشاد پر حضرت عباسؓ انہیں پہاڑ پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم پیدا ہوا۔ ہر قبیلہ کے پرچم گزرنے لگے۔ پہلے غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ، ہذیم اور سلیم یکے بعد دیگرے ہتھیاروں میں ڈوبے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے گزرے۔ سب سے آخر میں انصار کا قبیلہ اس شان سے پرچم لہراتا ہوا نکلا کہ ابوسفیان متحیر ہو گئے، اور پوچھا یہ پرچم کس کا ہے۔ حضرت عباسؓ نے نام بتایا۔ دفعۃً سردارِ فوج حضرت سعد بن عبادہؓ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے، ابوسفیانؓ کو دیکھ کر پکار اُٹھے، " **اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الكعبة** "، " آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا"۔

سب سے آخر میں کوکبۂ رسالت نمودار ہوا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کے ہاتھوں میں علم تھا، آنحضرت ﷺ ابوسفیان کے قریب سے گذرے اور جمالِ مبارک پر ان کی نظر پڑی تو بآواز بلند پکار کر کہا، آپ (ﷺ) کو معلوم ہے ابھی سعد بن عباد کیا کہہ کر گئے ہیں؟ پوچھا کیا، ابوسفیان نے بتایا، ارشاد فرمایا غلط ہے۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے آج اس پر غلاف چڑھایا جائے گا[1]۔

غزوات : قبولِ اسلام کے بعد ابوسفیانؓ سب سے اول غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حنین کے مالِ غنیمت سے انہیں سو اونٹ مرحمت فرمائے، حنین کے بعد طائف کے محاصرہ میں شرکت کی۔ جب طائف کے محصورین مسلمانوں پر لوہے کی گرم سلاخیں برسانے لگے تو اس کے جواب میں مسلمانوں نے ان کی انگوری ٹٹوں کو نذرِ آتش کرنا شروع کیا۔ قریش کی بہت سی لڑکیاں قبیلہ ثقیف میں بیاہی ہوئی تھیں خود ابوسفیانؓ کی لڑکی آمنہ عروہ بن مسعود ثقفی کے عقد میں تھی، اس لئے ابوسفیانؓ اور مغیرہ بن شعبہ ثقیف سے گفتگو کرنے کے لئے گئے، جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس لئے عورتوں نے گرفتاری کے خوف سے ملنے سے انکار کر دیا۔

ابن الاسود ثقفی جو اپنے قبیلہ کے نہایت متمول شخص تھے، انہوں نے آ کر کہا اگر محمد (ﷺ) نے ہمارے سرسبز اور شاداب باغوں کو تاراج کر دیا تو پھر وہ کبھی آباد نہ ہوسکیں گے اس لئے تم دونوں جا کر میرے لئے محمد (ﷺ) سے جان بخشی کا پروانہ حاصل کر لو۔ میری اور ان کی قرابت دیرینہ ہے اس لئے انہیں خدا اور صلہ رحمی کے واسطہ سے چھوڑ دینا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور کر لی[2]۔

اس غزوہ میں ابوسفیانؓ کی ایک آنکھ جاتی رہی اور جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا تمغہ ملا[3]۔

طائف کے بعد مغیرہ بن شعبہؓ کے ساتھ بنی ثقیف کا صنم کدہ ڈھانے پر مامور ہوئے[4]۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب ابن رکز النبی ﷺ الرایہ یوم الفتح۔ [2] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۲، ۲۹۳
[3] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۰ [4] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۹

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجران کا عامل بھی بنایا تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت وہ یہیں تھے لیکن واقدی اس کے منکر ہے [1]۔

جنگِ یرموک میں شرکت : حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں شام کی فوج کشی میں اپنے پورے کنبہ کو لے کر شریک ہوئے۔ خود یہ، ان کے بیٹے یزید، معاویہ اور ان کی بیوی ہندہ سب شریک تھے، یرموک کی جنگ میں انہوں نے بڑا نمایاں حصہ لیا جب مسلمانوں پر رومیوں کا ریلا زیادہ ہوا تو ابوسفیان بارگاہِ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے اور مسلمانوں کو اُبھارتے جاتے تھے کہ "اللہ اللہ تم لوگ عرب کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو ہو، اور تمہارے حریف روم کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور مشرکین کے مددگار ہیں، خدایا آج کا دن تیرا ہے اپنے عاجز بندوں کی مدد فرما" [2]۔ ان کی بیوی ہندہ مردانہ ہمت کے ساتھ مسلمانوں کو للکارتی تھیں کہ مسلمانو! غیر مختونوں کو لینا [3]، اس غزوہ میں ابوسفیان کی دوسری آنکھ بھی جاتی رہی اور وہ خدا کی راہ میں ظاہری بینائی سے محروم ہو گئے۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت ۳۱ھ سے لے کر ۳۴ھ تک کسی سن میں وفات پائی، اس وقت اٹھاسی سال کی عمر تھی، حضرت عثمانؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بعض روایتوں کے مطابق خود امیر معاویہؓ نے نماز پڑھائی تھی۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا قد بلند و بالا، سر بڑا، رنگ گندم گوں، دونوں آنکھیں راہِ خدا میں جاتی رہیں تھیں اس لئے غلام کے سہارے چلتے تھے۔

اولاد : اولاد میں یزید اور معاویہؓ دو نامور بیٹے تھے دونوں نے تاریخِ اسلام میں بڑا نام پیدا کیا۔ یزید نے شام کی فتوحات میں کارہائے نمایاں کئے اور امیر معاویہؓ نے تاریخِ اسلام کے مشہور بادشاہ ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ مشہور اموی عامل عبیداللہ کا باپ زیاد ابوسفیان کی زمانہ جاہلیت کی ناجائز اولاد تھا۔

ذریعہ معاش : ابوسفیانؓ قریش کے رئیس تھے ان کا تجارت کاروبا نہایت وسیع پیمانہ پر تھا۔ ان کا تجارتی مال شام تک جاتا تھا۔

ایک ضروری بحث : کچھ بنی امیہ اور بنی ہاشم کی خاندانی چشمک اور کچھ ابوسفیانؓ کے قبل از اسلام کے کارناموں نے ان کے متعلق عجیب و غریب روایتیں مشہور کر دی ہیں کہ وہ دل سے کبھی مسلمان نہیں ہوئے۔ فتح مکہ میں محض جان کے خوف سے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دل میں کبھی راسخ

---

[1] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۰ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۲ [3] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۴۲

نہیں ہوا اور ان کی زندگی شروع سے آخر تک منافقانہ رہی اور ان کے نفاق کے ثبوت میں بعض واقعات بھی بیان کئے جاتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ کے پاس جا کر کہا کہ قریش کا سب سے کمزور گھرانا تمہارے ہوتے ہوئے خلافت پر قابض ہو گیا۔ اگر تم کہو تو میں پیادوں اور سواروں کا دریا بہادوں، حضرت علیؓ نے فرمایا، تم ہمیشہ اسلام کے دشمن رہے، لیکن تمہاری دشمنی اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکی۔ ہم لوگ ابوبکرؓ کو خلافت کا اہل سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، تو ان سے آ کر کہا بنی تمیم اور بنی عدی کے بعد اب تمہارے ہاتھوں میں خلافت آئی۔ اس لئے بنی اُمیہ کو بڑھانا چاہئے لیکن حضرت عثمانؓ نے ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔

اولاً اس قسم کے جس قدر واقعات ہیں کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ ان واقعات کے متعلق لکھتے ہیں، ”له اخبار من نحو هذا روية“ یعنی ”ابوسفیان کے متعلق اس قسم کے جس قدر واقعات ہیں وہ لغو اور مہمل ہیں“[1]۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں، ”نقل عنه من هذا الجنس اشياء كثيرة لا يثبت“ یعنی ”ابوسفیان کے اس قبیل کے بہت سے واقعات بیان کئے جاتے ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں ہیں“[2]۔

لیکن بالفرض اگر اس قسم کے واقعات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان سے ان کی اسلام دشمنی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کی خاندانی عصبیت کا ثبوت ملتا ہے اور اس سے انکار نہیں کہ بنی اُمیہ میں خاندانی تعصب موجود تھا۔ قبولِ اسلام سے پہلے ابوسفیانؓ کی اسلام دشمنی کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے سب صحیح ہے لیکن قبولِ اسلام کے بعد ان کی زندگی کے واقعات خود ان کے مؤمن کامل ہونے کا ثبوت ہیں۔ طائف میں ایک آنکھ کھوئی، شام کی لڑائیوں میں مع بیوی بچوں کے شریک ہوئے اور دوسری آنکھ بھی نذر کی۔

(۱۴۲) حضرت ابوشریحؓ

نام ونسب: ابوشریح کے نام میں بہت اختلاف ہے، بعض خویلد، بعض عمرو، بعض کعب اور بعض ہانی بتاتے ہیں۔ ابوشریح کنیت ہے اور اسی سے وہ مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے: خویلد بن عمرو بن

---

[1] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۰۱ [2] اسد الغابہ جلد مذکورہ ابوسفیان

صخر بن عبدالعزیٰ بن معاویہ بن محترش بن عمرو بن زمانہ بن عدی بن عمرو بن ربیعہ خزاعی کعبی۔

اسلام وغزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔فتح مکہ میں شریک تھے اور بنی کعب کا ایک نشان ان کے ہاتھ میں تھا[۱]۔

وفات : ۶۸ھ میں مدینہ میں وفات پائی[۲]۔

فضل وکمال : ابوشریحؓ کا شمار عقلائے مدینہ میں تھا[۳]۔ مذہبی علوم میں کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتے تھے، ان سے بیس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ابوسعید مقبری اور نافع بن جبیر وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں[۴]۔

تبلیغ فرمان رسول ﷺ : ابوشریح کو جس کی جانب سے بھی کسی فرمانِ رسول ﷺ کی مخالفت نظر آتی، خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت وقوت کیوں نہ ہوتی فوراً اس کو متنبہ کرتے، عمرو بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ دونوں بھائیوں کے اختلافات کے زمانہ میں جب عمرو نے مکہ پر چڑھائی کی تو ابوشریحؓ نے عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کے تحریم حرم کے حجۃ الوداع والے خطبہ کا حوالہ دے کر روکا۔عمرو نے کہا بڑے میاں آپ جائیے، میں آپ سے زیادہ حرم کی حرمت سے واقف ہوں، حرم خون ریزی کرنے والوں باغیوں اور جزیہ روکنے والوں کو پناہ نہیں دیتا۔ابوشریحؓ نے کہا، میں تحریم حرم کے خطبہ کے وقت موجود تھا اور تم نہ تھے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں خبر کر دیں، اس لئے میں نے تم کو خبر کر دی آئندہ تمہیں اختیار ہے[۵]۔اسی طرح جس زمانہ میں عمرو بن سعید اموی عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے فوجیں مکہ بھیج رہا تھا تو اس کو بھی آنحضرت ﷺ کا خطبہ سنایا، اس نے جواب دیا میں تم سے زیادہ واقف ہوں لیکن حرم، نافرمان، مفرور، قاتل اور جزیہ روکنے والوں کو پناہ نہیں دیتا[۶]۔

فیاضی : وہ بڑے فیاض اور دریا دل تھے۔لوگوں کو اپنی چیزوں کے استعمال کی عام اجازت دے رکھی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ جب تم دیکھو کہ میں اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے روکتا ہوں تو مجھے مجنون سمجھو اور داغ کر میرا علاج کرو اور جو شخص ابوشریح کا دودھ، گھی اور بڑہ وغیرہ پائے۔تو وہ اس کے حلال ہے اور اس کو بلا تکلف کھا پی سکتا ہے[۷]۔

---

۱ ابن سعد۔جلد۴۔ص۳۲۔ق۲ ۲ ایضاً ۳ استیعاب۔جلد۲۔ص۶۷۱ ۴ تہذیب الکمال۔ص۴۵۲
۵ اسد الغابہ۔جلد۵۔ص۲۲۶ ۶ سیرت ابن ہشام۔جلد۲۔ص۳۴۵ ۷ استیعاب۔جلد۲۔ص۶۷۱

(۱۴۴) حضرت ابوالعاصؓ

نام ونسب : ابوالعاص کے نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض لقیط، بعض مہشم اور بعض ہشم بتاتے ہیں۔ ابوالعاص کنیت ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس بن عبد مناف ابن قصی قرشی۔

حضرت ابوالعاصؓ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے وہ انہیں بہت محبوب رکھتی تھیں اور اپنا لڑکا تصور کرتی تھیں وہ نہایت متمول آدمی تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نہایت وسیع تجارتی کاروبار تھا، ان کی دیانت اور امانت بھی مشہور تھی ان اوصاف کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ سے خواہش کی کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی بڑی بہن حضرت زینبؓ کو ان کے ساتھ بیاہ دیا جائے۔ آپ ﷺ نزولِ وحی سے پہلے کسی معاملہ میں حضرت خدیجہؓ کی مخالفت نہ کرتے تھے اس لئے ان کی خواہش کے مطابق زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے کردی۔

آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کی سب سے اول حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی۔ آپ کے ساتھ آپ کی تمام صاحبزادیاں جن میں حضرت زینبؓ بھی شامل تھیں، نورِ اسلام سے مستفید ہوئیں لیکن زینبؓ کے شوہر ابوالعاص اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اسی لئے جب ہجرت کا حکم ملا تو وہ ہجرت نہ کرسکیں [1]۔

غزوۂ بدر میں ابوالعاصؓ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے اور مشرکین کے شکست کھانے کے بعد وہ بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، جن جن لوگوں کے اعزہ گرفتار ہوئے تھے وہ سب فدیہ لے کر انہیں چھڑانے کے لئے آئے۔ گو حضرت زینبؓ مسلمان ہوچکی تھیں اور ابوالعاص مشرک تھے تاہم وہ اب تک شوہر کے ساتھ تھیں اور ان کا دل ان کی محبت سے معمور تھا۔ شوہر کو قید وبند کی حالت میں نہ دیکھ سکیں۔ آنحضرت ﷺ عام قانون سے انہیں مستثنیٰ نہیں کرسکتے تھے، اس لئے حضرت زینبؓ نے کچھ نقدی اور ایک ہار جو انہیں مرحومہ ماں نے جہیز میں دیا تھا شوہر کے فدیہ میں بھیجا، آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ ہار پیش ہوا تو آپ ﷺ نے پہچان لیا اور حضرت خدیجہؓ کی یاد میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا، اگر تم لوگ بغیر اس ہار کو لئے ہوئے ابوالعاص کو چھوڑ سکتے ہو، تو چھوڑ دو اور ہار واپس کردو۔ مسلمانوں نے نہایت خوشی کے ساتھ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۶

منظور کرلیا اور ابوالعاصؓ رہا کردیئے گئے مگر یہ وعدہ لے لیا گیا کہ وہ زینبؓ کو جواب تک مکہ میں تھیں مدینہ پہنچادیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو چند انصاری بزرگوں کے ساتھ زینبؓ کو لانے کے لئے بھیجا[1]۔

جب یہ لوگ زینبؓ کو لے کر چلنے لگے تو قریش میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، انہوں نے زینبؓ کا مدینہ سے چلا جانا اپنی سبکی تصور کیا اور چند آدمیوں نے جن میں ہباء بن اسود بہت پیش پیش تھا، روکنا چاہا اور حضرت زینبؓ کو نیزہ دکھا کر دھمکایا، اس کی اس گستاخی پر ابوالعاصؓ کے بھائی کنانہ کو جو حضرت زینبؓ کے ساتھ تھے، غصہ آ گیا۔ انہوں نے تیر نکال کر کہا خدا کی قسم جس نے آگے قدم بڑھایا وہ اس کا نشانہ بنے گا۔

یہ شوروغل سن کر ابوسفیان پہنچ گیا اور کنانہ سے کہا تم نے بھی تو کمال کیا، محمد ﷺ کی وجہ سے ہم لوگوں کو جو ذلتیں اُٹھانی پڑی ہیں وہ تم کو معلوم ہیں۔ اس کے باوجود تم ان کی لڑکی کو علانیہ ہمارے یہاں سے لئے جارہے ہو خواہ مخواہ لوگ اپنی ذلت محسوس کریں گے۔ اگر تم کو لے جانا تھا تو خفیہ لے جاتے ہم کو روکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی لوگ برہم ہیں اس لئے تو کچھ توقف کرو، جب لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو چپکے سے لے کر چلے جانا۔ ابوسفیان کی اس سنجیدہ رائے پر دو تین دن کے لئے حضرت زینبؓ کا سفر ملتوی ہو گیا جب لوگوں کو جوش فرو ہو گیا تو ایک دن شب کو خفیہ مکہ سے لے کر نکل آئے اور بچھڑی ہوئی لختِ جگر آغوشِ پدر میں پہنچ گئی[2]۔

قریش کے پرجوش شرارت پسند اشخاص اور سفیان کے سمجھانے بجھانے سے رک تو گئے تھے اور حضرت زینبؓ کے لے جانے میں مزاحم نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ پر سخت پیچ وتاب کھارہے تھے، بدر کے بعد آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں گویا یہ دوسری شکست تھی اس لئے اس کے انتقام میں حضرت زینبؓ کی روانگی کے بعد ابوالعاصؓ کے پاس قریش کا ایک وفد پہنچا اور ان سے کہا تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو، اس کے بدلے میں قریش کی جس عورت کو پسند کرو اس کے ساتھ تمہاری شادی کردی جائے گی۔ ابوالعاصؓ تو اپنے مذہب پر قائم تھے لیکن ان کا دل بیوی کی محبت سے معمور تھا اس لئے انہوں نے جواب دیا، خدا کی قسم ہرگز اپنی بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا، قریش کی کوئی عورت ان کا بدل نہیں ہو سکتی۔ اس کا یہ صاف جواب سن کر قریش لوٹ گئے[3]۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۶۔ زینب کے بھیجے جانے کی شرط کا ذکر ابوداؤد کتاب الجہاد باب فداء الاسیر بالمال میں ہے۔
۲۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۸ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۷۶

حضرت ابوالعاصؓ رہائی کے بعد پھر اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف ہو گئے تھے۔ فتح مکہ سے کچھ دنوں پیشتر قریش کا سامانِ تجارت لیکر شام گئے وہاں سے واپسی میں راستہ میں مسلمانوں نے روک کر ان کا کل مال و متاع چھین لیا۔ جب مسلمان لوٹ گئے تو ابوالعاصؓ اپنا مال حاصل کرنے کے لئے خفیہ حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، حضرت زینبؓ کو اب تک ان سے وہی محبت تھی انہوں نے ان کو اپنے دامنِ حمایت میں لے لیا اور صبح کو جب مسلمان نماز پڑھنے کے لئے گئے تو زینبؓ نے بآواز بلند اعلان کیا کہ مسلمانو! میں نے ابوالعاصؓ کو پناہ دے دی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا لوگو تم نے کچھ سنا، سب نے عرض کیا، ہاں۔

آپ ﷺ نے ان کی بدگمانی دور کرنے کے لئے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اس سے پہلے مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا، ابوالعاص مسلمانوں سے پناہ کا خواہ ہے''۔ اس کے بعد آپ ﷺ کاشانۂ اقدس پر تشریف لائے اور حضرت زینبؓ سے فرمایا، جانِ پدر اپنے شوہر کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہ کرو مگر تم قانونِ اسلام کی رو سے ان پر حرام ہو۔ حضرت زینبؓ کو یہ ہدایت دے کر پھر باہر تشریف لائے اور مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ میری اور ابوالعاص کی قرابت سے واقف ہو۔ ان کا جو مال تمہارے قبضہ میں ہے اگر اس کو احسان کر کے واپس کر دو تو زیادہ بہتر ہے اور اگر نہ واپس کرو تو وہ خدا کا عطیہ اور تمہارا حق ہے، مجھ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اس کے جواب میں سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) ہم سب واپس کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ ابوالعاص کو ان کا کل مال بجنسہ واپس مل گیا اور اس میں کوئی معمولی چیز بھی باقی نہ رہی وہ یہ مال لے کر مکہ گئے اور جن جن لوگوں کا جو جو سامان تھا سب کو پہنچا دیا اور حساب و کتاب چکانے کے بعد پوچھا اب تو کسی کا مال باقی نہیں ہے۔ سب نے کہا نہیں، خدا تم کو جزائے خیر دے ہم نے تم کو وعدہ وفا کرنے والا اور کریم پایا۔

اسلام : سب کو مطمئن کرنے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھ کر ببانگ دہل اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور کہا میں مدینہ ہی میں مسلمان ہو گیا ہوتا لیکن محض اس خیال سے کہ تم لوگوں کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ میں نے تمہارا مال ہضم کرنے کے لئے اسلام قبول کیا ہے، اب تک رکا رہا اب جب کہ خدا نے مجھ کو تمہارے حساب و کتاب اور تمہارے بار سے سبکدوش کر دیا ہے اس وقت میں نے اسلام ظاہر کیا۔

مکہ میں اسلام کا اعلان کر کے مدینہ واپس آئے اور یہاں باقاعدہ مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید نہیں کی

بلکہ گذشتہ نکاح برقرار رکھا لیکن بعض روایتوں کی رو سے تجدید فرمائی تھی[۱]۔

مکہ کی واپسی اور غزوات : ابوالعاص کا تجارتی کاروبار مکہ میں تھا اس لئے وہ مدینہ میں قیام نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ قبولِ اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر پھر مکہ لوٹ آئے۔ مکہ کے قیام کی وجہ سے انہیں غزوات میں شرکت کا موقعہ نہ مل سکا صرف ایک سریہ میں جو ۱۰ھ میں حضرت علیؓ کی سرکردگی میں بھیجا گیا شریک ہو سکے[۲]۔ حضرت علیؓ نے یمن سے واپسی میں انہیں یمن کا عامل بنایا تھا۔

وفات : حضرت زینبؓ کا انتقال آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں ہو چکا تھا۔ ابوالعاص بھی ان کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے اور ذوالحجہ ۲۳ھ میں انتقال کر گئے[۳]۔

اولاد : حضرت زینبؓ کے بطن سے ابوالعاصؓ کے دو اولادیں ہوئیں۔ علی اور امامہ۔ علی کا انتقال صغرسنی میں ہو گیا تھا۔ امامہ زندہ رہیں۔ مرحومہ بیٹی کی اس یادگار سے آنحضرت ﷺ کو والہانہ محبت تھی۔ اس کو آپ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ہر وقت پاس رکھتے تھے۔ نماز کی حالت میں بھی جدا نہ کرتے تھے۔ حدیثوں میں اسی لڑکی کے متعلق آیا ہے کہ نماز کی حالت میں آپ اس کو گود میں لئے رہتے تھے، رکوع کرتے وقت بٹھا دیتے تھے اور کھڑے ہوتے وقت پھر اٹھا لیتے تھے[۴]۔ حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت علیؓ نے اس لڑکی سے شادی کر لی تھی[۵]۔

عام حالات : ابوالعاصؓ گو ظہورِ اسلام کے بعد بہت دنوں تک شرک کی تاریکی میں مبتلا رہے، لیکن ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی عناد نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کو ہر حالت میں ان سے یکساں رغبت رہی۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ ابوالعاصؓ اسلام نہیں لائے تھے، آپ ان کا تذکرہ بھلائی ہی کے ساتھ کرتے تھے[۶]۔

(۱۴۴) حضرت ابو عامر اشعریؓ

نام ونسب : عبید نام ہے۔ ابو عامر کنیت۔ نسب یہ ہے : عبید بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر بن ادد بن زید بن یشجب اشعری۔ ابو عامر مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے چچا تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیلات مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۶، ۲۳۷ و استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۲ سے ماخوذ ہیں۔
۲۔ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۱۱۹ ۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۲ ۴۔ بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ
۵۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۲ ۶۔ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۱۲۰

اسلام : ابو عامر آغاز دعوت اسلام میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، بعض ارباب سیر نے انہیں مہاجرین کے زمرہ میں شامل کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوۂ فتح میں نظر آتے ہیں[1]۔ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں شریک ہوئے۔ حنین کی جنگ ختم ہونے کے بعد بنی ہوازن کی ہزیمت، خوردہ فوج اوطاس میں جا کر جمع ہوئی تھی اور درید بن صمہ بہت سی فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے استیصال کے لئے ابو عامرؓ کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج بھیج دی۔ ابو عامر اور درید بن صمہ کا مقابلہ ہوا، ابو عامر نے ایک ایک کر کے نو مشرکوں کو قتل کیا[2]۔ آخر میں علاء اور اوفی کے بیٹوں نے ان پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ ایک تیر ابو عامرؓ کے گھٹنے اور ایک سینے پر آ کر لگا اور وہ گر گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لپک کر پوچھا، چچا کس نے تیر مارا؟ ابو عامرؓ نے اشارہ سے بتایا۔ قاتل بھاگا، ابو موسیٰؓ نے غیرت دلا کر روکا اور بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا اور واپس آ کر حضرت ابو عامرؓ کو خوشخبری سنائی کہ آپ کا قاتل مارا گیا۔

تیر ابھی تک ابو عامرؓ کے جسم میں پیوست تھا۔ ابو موسیٰؓ سے اس کو نکلوایا۔ تیر نکلتے ہی زخم سے پانی جاری ہو گیا۔ ابو عامرؓ زندگی سے مایوس ہو گئے اور ابو موسیٰؓ سے کہا، حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ یہ وصیت کر کے ابو موسیٰؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر جان بحق ہو گئے۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے درید بن صمہ کو قتل کر کے مشرکوں کو شکست دی۔ شکست دینے کے بعد واپس ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوری کیفیت سنائی، اور ابو عامر کی مغفرت کی درخواست پیش کی۔ آپ نے اسی وقت پانی منگا کر وضو فرمایا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی ''خدایا میرے خاطر عبید ابو عامر کی مغفرت فرما اور قیامت کے دن اپنی مخلوق میں ان کو سربلند فرما''[3]۔

حضرت ابو عامرؓ نے شہادت کے وقت وصیت کر دی تھی کہ میرا اسلحہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا، اس وصیت کے مطابق ابو موسیٰؓ نے ان کا گھوڑا، ان کے اسلحہ اور ان کے تمام متروکات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے صاحبزادے کو واپس کر دیا[4]۔

فضل وکمال : حضرت ابو عامرؓ کبار صحابہ میں تھے[5]۔

---

[1] ابن سعد۔ ق ۲۔ جلد ۴۔ ص ۵۷ [2] ایضاً وابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۲ [3] بخاری کتاب المغازی غزوۂ اوطاس
[4] ابن سعد۔ ق ۲۔ جلد ۲۔ ص ۵۷ [5] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۵

(۱۴۵) حضرت ابو عسیبؓ

نام ونسب: احمر نام ہے۔ ابو عسیب کنیت۔ نسب وخاندان کے متعلق یہ شرف کافی ہے کہ آقائے دوعالم کے غلام تھے۔

اسلام: ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں۔ فتح مکہ سے پہلے کسی وقت مشرف باسلام ہوئے۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد نے مصری صحابہ کے زمرہ میں لکھا ہے اور غالباً اسی سرزمین میں آسودۂ خاک ہوئے۔ وفات کا زمانہ بھی متعین نہیں ہے۔

فضائل اخلاق: غلامی کے شرف اور فیضِ صحبت نے مذہب کا نہایت گہرا رنگ چڑھا دیا تھا۔ وہ اسلام کا زندہ پیکر تھے۔ شروع سے آخر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔ آخر دم تک جب ضعف پیری نے قویٰ مضمحل کر دیئے تھے، مذہب کے کسی معمول میں فرق نہ آیا اور چاشت کی نماز تک ناغہ نہ ہوئی۔ جب کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ تین دن تک مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ ہر مہینہ کے ایام بیض میں روزہ رکھتے تھے[۱]۔

جب تک پیروں میں طاقت رہی جمعہ کی نماز ناغہ نہ ہوئی۔ لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ جب تک تندرستی قائم ہے اور چلنے پھرنے کی طاقت باقی ہے، اس وقت تک جمعہ نہ چھوڑو، یہ نماز فریضۂ حج کے برابر ہے[۲]۔

ہر چیز میں اسوۂ نبوی ﷺ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ ہمیشہ موٹے برتن میں پانی پیتے تھے۔ ایک شخص نے کہا، آپ ہم لوگوں کی طرح پتلے برتن میں پانی کیوں نہیں پیتے۔ فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی برتن میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر مجھے کیا مانع ہو سکتا ہے[۳]۔

شرف صحابیت، غلامی اور زہد وتقویٰ گوناگوں خصوصیت کی وجہ سے لوگ ان کی خدمت کرنا باعثِ فخر سمجھتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے ان کے ناخن اور مونچھوں کے بال تراشتے تھے[۴]۔

(۱۴۶) حضرت ابو عمرو بن حفصؓ

نام ونسب: عبدالحمید نام ہے۔ ابو عمرو کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے: ابو عمرو بن حفص بن عمرو بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم، قرشی مخزومی۔

---

[۱] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۴۲ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۴۲

اسلام وغزوات : فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرت علیؓ کے ساتھ ایک سریہ میں یمن بھیجا[1]۔

عہدِ فاروقی : ابوعمرو نہایت جری اور بیباک تھے۔ جو بات حق سمجھتے تھے، اس کے اظہار میں بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ نہ کرتے اور برملا اس کو ظاہر کرتے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی کے معاملہ میں وہ حضرت عمرؓ کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ نہایت سختی کے ساتھ اس کو سامنے ظاہر کیا اور کہا، ''عمر! تمہارا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوسکتا، تم نے ایسے عامل کو معزول کیا ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ تم نے ایسی تلوار نیام میں کی، جس کو خدا نے بے نیام کیا تھا۔ تم نے ایسا علم سرنگوں کیا، جس کو آنحضرت ﷺ نے بلند کیا تھا۔ تم نے قطع رحم کیا۔ تم کو اپنے ابن عم (خالدؓ) پر رشک تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی اس پُر جوش تقریر کا نہایت مکمل اور شافی جواب دیا[2]۔

وفات : ان کے زمانۂ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ نبوی ﷺ ہی میں جب آپ حضرت علیؓ کے ساتھ ان کو یمن بھیجا تھا، وفات پا گئے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک زندہ تھے اور شام کی فتوحات میں شریک تھے۔ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔ اُوپر کے واقعہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

فضل وکمال : فضل وکمال میں کوئی قابلِ ذکر شخصیت نہ تھی۔ تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ ناشرہ بن سمی نے ان سے روایت کی ہیں[3]۔

(۱۴۷) حضرت ابو مالک اشعریؓ

نام ونسب : ابو مالکؓ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض کعب، بعض عبید اور بعض عمرو لکھتے ہیں۔ ابو مالک کنیت ہے۔ مشہور قبیلہ بنی اشعر کے رکن رکین تھے۔

اسلام وغزوات : اپنے قبیلہ کے آدمیوں کے ساتھ غزوۂ خیبر کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ چنانچہ غزوۂ حنین میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ جب بنی ہوازن شکست کھا کر منتشر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ابو مالک کی ماتحتی میں سواروں کا ایک دستہ ان کے حالات کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا[4]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۶۲ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ۲۲۲ [3] تہذیب الکمال۔ ص ۴۴۶
[4] ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۷۵

حجۃ الوداع میں بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ خطبۃ الوداع کے بعض حصے ان سے مروی ہیں[1]۔

وفات : حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی[2]۔

فضل وکمال : ان سے ستائیس حدیثیں مروی ہیں[3]۔ عبدالرحمٰن بن غنم، ابوصالح اشعری، ربیع بن عمرو جرشی اور شریح بن عبید الحضرمی وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں[4]۔

ایک اشتباہ : اس کنیت کے دو بزرگ صحابی ہیں۔ لیکن دونوں کے حالات باہم اس قدر مخلوط اور مشتبہ ہیں کہ ان میں فرق کرنا دشوار ہے۔ اربابِ سیر کو بھی ان کے حالات میں دھوکہ ہو گیا ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر نے ان میں باہم امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان کے بیان سے بھی پورے طور سے رفعِ اشتباہ نہیں ہوتا۔

(۱۴۸) حضرت ابو محجن ثقفیؓ

نام ونسب : عمرو نام ہے۔ ابو محجن کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : عمرو بن حبیب بن عمرو بن عمیر بن عوف ابن حقدہ بن غیرہ بن عوف ثقفی۔ عمرو زمانۂ جاہلیت کے مشہور بہادروں میں تھے۔

اسلام : ۹ھ میں اپنے قبیلہ بنی ثقیف کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے[5]۔

جنگ قادسیہ : عمروؓ نہایت شجاع و بہادر تھے۔ لیکن بہت آخر میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے تھے۔ اس لئے حیاتِ نبوی ﷺ میں کسی خدمت کا موقع نہ ملا۔ ان کے کارناموں کا آغاز عہد فاروقی سے ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں ایران پر فوج کشی ہوئی، اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت عمرؓ نے انہیں ایک جرم میں قید کر دیا تھا۔ فوج کشی کا حال سن کر ابو محجن کی رگِ شجاعت پھڑک اٹھی۔ وہ کسی طرح قید سے نکل گئے۔ اس وقت قادسیہ کی جنگ چھڑ چکی تھی۔ ابو محجن سیدھے قادسیہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو ان کے فرار کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ان کی گرفتاری کا حکم لکھ بھیجا۔ انہوں نے گرفتار کر کے قید کر دیا۔

ابو محجن لڑائی کے واقعات سن کر میدانِ جنگ میں پہنچنے کے لئے بے قرار ہو جاتے تھے۔ مگر بیڑیوں نے پاؤں پکڑ رکھے تھے، اس لئے مجبور تھے۔ آخر میں ضبط نہ ہو سکا۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۸ [2] تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۱۸ [3] تہذیب الکمال۔ ص ۴۵۹
[4] تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ۲۱۸ [5] اسد الغابہ۔ جلد ۵ ص ۲۹۰

ایک دن حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی بیوی سلمیٰ سے کہا مجھ پر رحم کر کے میری بیڑیاں کاٹ دو اور سعد کا گھوڑا مجھے دے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ بچ گیا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰؓ نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر ابو محجن اور زیادہ شکستہ خاطر ہوئے۔ لیکن ولولۂ جہاد چین نہ لینے دیتا تھا۔ اپنی معذوری پر نہایت دردانگیز اشعار پڑھ پڑھ کر دل کی بھڑاس نکالنے لگے۔ یہ رقت انگیز اشعار سن کر سلمی کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے بیڑیاں کھول دیں اور شوہر کا گھوڑا انہیں دے دیا۔

حضرت ابو محجن اسی وقت گھوڑا کداتے ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور تکبیر کا نعرہ لگا کر زور شور سے لڑے کہ جدھر نکل جاتے تھے ایرانی فوجیں درہم برہم ہو جاتی تھیں یہ غیر معمولی شجاعت دیکھ کر لوگ عش عش کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عرق انساء کی وجہ سے خود میدان جنگ میں نہ جا سکتے تھے اور مقام سے بیٹھے ہوئے لڑائی کا رنگ دیکھ رہے تھے ابو محجن کی بہادری دیکھ دیکھ کر تعجب کر رہے تھے لیکن انہیں یہ نہ معلوم تھا کہ ابو محجن قید سے چھوٹ کر میدان جنگ میں پہنچ گئے اس لیے کہہ رہے تھے کہ اگر ابو محجن قید میں نہ ہوتے تو وہی ہو سکتے تھے گھوڑا بھی میرا ہی معلوم ہوتا ہے اختتام جنگ کے بعد ابو محجن نے لوٹ کر بیڑیاں پاؤں میں ڈالیں [1]۔

حضرت سعدؓ گھر واپس آئے اور بیوی کو جنگ کے حالات سنانے لگے اسی سلسلہ میں انہوں نے کہا آج میدان جنگ میں خدا نے ایک عجیب شخص بھیج دیا تھا اگر ابو محجن قید نہ ہوتے تو میں سمجھتا کہ وہی ہو سکتے ہیں۔ یہ سن کر بیوی نے سارا قصہ سنا دیا سعد نے اسی وقت ابو محجن کو قید سے رہا کر دیا اور ان سے کہا میں کبھی تمہارے جیسے شخص پر حد جاری نہیں کر سکتا [2]۔

وفات : آذربیجان میں ہوئی، سنہ وفات متعین نہیں ہے۔

فضائل اخلاق : صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں، ''کان شجاعاً کریما جواداً'' شاعر بھی تھے [3]۔ چنانچہ قید کی حالت میں جو اشعار پڑھتے تھے، وہ ان کے طبعزاد تھے۔

(۱۴۹) حضرت ابو محذورہؓ

نام ونسب : نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض اوس بعض سمرہ اور بعض سلمان بتاتے ہیں۔ ابو محذورہ کنیت ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : اوس بن معیر بن لوذان بن ربیعہ بن عریج بن سعد بن جمح قرشی جمحی۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری نے اس واقعہ کو نہایت مختصر لکھا ہے، ہم نے تفصیلات استیعاب سے نقل کی ہیں۔ کتاب مذکور۔ جلد ۲۔ ص ۶۸۲ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۰

اسلام: ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ ابو محذورہ سنہ مذکور میں چند مشرکین کے ساتھ کہیں جارہے تھے، ٹھیک اسی وقت آنحضرت ﷺ غزوہ حنین سے واپس تشریف لارہے تھے راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی موذن نبوی نے نماز کے لیے اذان دی ابو محذورہؓ کے ساتھیوں نے اذان کی آواز سنی تو بطور مضحکہ اس کی نقل اتارنے لگے ابو محذورہ نے بھی نقل اتاری ان کی آواز نہایت دلکش تھی اس لئے مضحکہ میں بھی دلکشی باقی رہی۔ آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر اذان دینے والوں کو بلا بھیجا یہ لوگ آئے آپ ﷺ نے پوچھا ابھی کس نے بلند آواز سے اذان دی تھی۔ ابو محذورہؓ کے ساتھیوں نے ان کی طرف اشارہ کر دیا آپ ﷺ نے سب کو واپس کر دیا اور انہیں روک لیا اور اذان دینے کی فرمائش کی ابو محذورہؓ کو یہ فرمائش بہت گراں گزری لیکن انکار کی جرات نہ تھی ان کو اذان سے پوری واقفیت نہ تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا انہوں نے آپ کی زبان سے سنکر اسی کو دہرادیا زبان نبی کا اعجاز تھا کہ اس مرتبہ اذان دینے کے ساتھ دل بھی **لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ** پکار اٹھا۔

ابو محذورہؓ جو چند ساعت پہلے اذان کا مضحکہ اڑاتے تھے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک تھیلی میں تھوڑی سی چاندی مرحمت فرمائی اور ان کی پیشانی سے لیکر ناف تک دست مبارک پھیر کر برکت کی دعادی[1]۔

یا ابو محذورہ اذان کا مضحکہ اڑاتے تھے یا دفعتہ یہ قلب ماہیت ہوئی کہ آنحضرت ﷺ سے درخواست کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے مکہ میں اذان دینے کی اجازت مرحمت ہو، آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور ابو محذورہؓ اجازت لے کر مکہ چلے گئے اس وقت ان کا دل محبت نبوی ﷺ سے معمور ہو چکا تھا مکہ جا کر آنحضرت ﷺ کے عامل عتاب بن اسید کے یہاں اترے اور مستقل اذان دینے کی خدمت انجام دینے لگے[2]۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں مکہ کا مستقل موذن بنا دیا[3]۔ ان کی اذان اور خوش الحانی کی اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ شعراء اس کی قسم کھاتے تھے ایک قریشی شاعر کہتا ہے۔

اما ورب الکعبة المستورہ — وما تلا محمد من سورہ

"پردہ پوش کعبہ کے رب اور محمد ﷺ کی تلاوت کردہ سورتوں"

والنغمات من ابی محذورة — لا فعلن فعله مذکورہ

"اور ابی محذورہ کے نغموں کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا"

---

۱ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۸۰ ۲ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۸۰ ۳ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۲۳

وفات : ابومحذورہؓ مکہ کے موذن تھے اس لیے ہمیشہ یہیں رہے اور امیر معاویہ کے عہد خلافت ۵۹ھ میں وفات پائی بعض روایتوں میں ۷۹ھ میں وفات کا ذکر ہے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے[1] وفات کے بعد ایک لڑکا عبدالملک یادگار چھوڑا۔

فضل وکمال : ان کی دستار فضیلت کا بڑا طرۂ امتیاز یہی ہے کہ وہ نہایت خوش آواز موذن تھے۔ حدیث نبوی ﷺ سے بھی تہی دامن نہ تھے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات موجود ہیں۔ مسلم میں بھی ایک روایت ہے[2]۔ ان کے گھر کے لوگوں میں ان کے لڑکے عبدالملک، پوتے عبدالعزیز اور بیوی اُم عبدالملک نے ان سے روایتیں کیں۔ بیرونی رواۃ میں عبداللہ بن محیریز اسود بن یزید النخعی، سائب مکی اوس بن خالد عبداللہ اور ابوسلمان قابل ذکر ہیں[3]۔

(۱۵۰) حضرت ابوواقد لیثیؓ

نام ونسب : حارث نام، ابوواقد کنیت، نسب نامہ یہ ہے : حارث بن مالک بن اسید بن جابر بن حوثرہ بن عبد مناۃ بن الاشجع بن لیث لیثی۔

اسلام وغزوات : ابوواقدؓ ہجرت کے ابتدائی سنوں میں مشرف باسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد سب سے اول بدر عظمیٰ میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی، ان کا بیان ہے کہ میں نے بدر میں ایک مشرک کا تعاقب کیا مگر قبل اس کے کہ میں وار کروں ایک دوسرے مسلمان نے اس کا کام تمام کر دیا[4]۔ بعض ارباب سیر ان کی بدر کی شرکت کی روایت مشتبہ شمار کرتے ہیں بدر کے بعد صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور حنین وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔

ساری عمر مدینہ میں قیام رہا وفات سے کچھ دنوں پیشتر مکہ چلے گئے تھے۔

جنگِ یرموک : شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اسی سلسلہ کی مشہور جنگِ یرموک میں موجود تھے[5]۔

وفات : مکہ کی خاکِ پاک مقدر میں تھی اس لئے آخر عمر میں مکہ چلے گئے اور یہاں آنے کے ایک سال بعد ۶۸ھ میں اسی ارضِ پاک میں پیوندِ خاک ہو گئے۔ وفات کے وقت باختلافِ روایت ۷۵ یا ۸۵ سال کی عمر تھی[6]۔

۱۔ اصابہ تذکرۂ ابومحذورہ ۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۵۹ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۲۳
۴۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۱ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۹ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۸

اولاد : وفات کے بعد دو لڑکے واقد اور عبدالملک یادگار چھوڑے۔

فضل وکمال : فضل وکمال میں کوئی امتیازی پایہ نہ تھا تاہم اعمال واقوالِ نبوی ﷺ سے باخبر تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اعمال کے بارے میں کبھی کبھی حضرت عمرؓ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ آنحضرت ﷺ عید کی نماز میں کون کون سے سورتیں تلاوت فرماتے تھے تو آپ نے اس بارے میں ابو واقد کی طرف رجوع کیا انہوں نے بتایا کہ اقتربت الساعة اور ق والقرآن المجید تلاوت فرماتے تھے[1]۔ ان کی مرفوع روایات کی تعداد چوبیس ہے[2]۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے واقد اور عبدالملک اور عام رواۃ میں عبیداللہ، ابن عبداللہ، ابومرہ عطاء بن یسار، سنان بن ابی سنان اور عروہ بن زبیر لائق ذکر ہیں[3]۔

---

۱ مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین باب ملمقرء فی الصلوٰۃ العیدین ۲ تہذیب الکمال۔ ص ۴۶۲
۳ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۷۰

اسلامی تاریخ کا مستند اور بنیادی ماخذ

طبقات ابنِ سعد

۸ جلد میں مکمل سیٹ

مصنف

علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری

ترجمہ

علامہ عبداللہ العمادی مرحوم

تسہیل، اضافہ عنوانات وحواشی

مولانا محمد اصغر مغل (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

عام فہم ترجمہ و اضافہ عنوانات ۔ مکمل سیرت النبیؐ سے لیکر خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ، مہاجرین اور انصار دورِ آخر کے صحابہ تابعینؒ، تبع تابعینؒ وفقہا اور صالحات وصحابیات کا تذکرہ عمدہ سفید کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ، اعلیٰ طباعت، حسین پائیدار جلدیں مناسب قیمت پر دستیاب ہے۔

دارالاشاعت
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768